حقوق العباد کی فکر کریں

تالیف

مولانا محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
خطیب جامع مسجد سرور کونین

دار الاشاعت کراچی

حقوق العباد
کی فکر کریں

حقوق العباد کی فکر کریں

تالیف
مولانا محمد ھارون معاویہ
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
واستاد مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میر پور خاص

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : مارچ ۲۰۰۸ء علمی گرافکس

ضخامت : 600 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

.... ملنے کے پتے ....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین

اجتماعی اعتبار سے مسلمانوں کے حقوق کی تفصیل

انفرادی اعتبار سے حقوق العباد کی تفصیل

عرضِ مؤلف

محترم قارئین! میری نئی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے جس کا نام ''حقوق العباد کی فکر کیجئے'' رکھا گیا ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں حقوق العباد پر بحث کی گئی ہے، اس میں کوئی شک نہیں حقوق العباد کا معاملہ بڑی نزاکت کا حامل ہے اور حقوق اللہ سے زیادہ حقوق العباد کا خطرہ ہے۔ اور جس قدر حقوق العباد کا معاملہ نازک ہے اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ اس میں سستی برتی جارہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں ہر فرد دوسرے سے شاکی نظر آتا ہے، جسے دیکھو اپنے حقوق پورے نہ ہونے کا احتجاج کررہا ہے، ہر شخص سینکڑوں شکایتوں کا دفتر لئے بیٹھا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو، کہ خود اس کے ذمہ بھی دوسروں کے کئی حقوق ہیں۔ جنہیں یہ پورا کرنے کی کوشش نہیں کررہا اور اپنے حقوق کا رونا رورہا ہے، چنانچہ معلوم ہوا کہ ہر فرد کے ذمہ ایک دوسرے کے حقوق عائد ہوتے ہیں اور اگر ہر فرد اپنے ذمہ آنے والے حقوق پورا کرتا رہے تو خود بخود سب کے حقوق پورے ہوجائیں اور سب کی شکایتوں کا ازالہ ہوجائے۔

لہٰذا اسی ضرورت اور فکر کو سامنے رکھتے ہوئے بندہ عاجز نے یہ کتاب ترتیب دی ہے جس میں اولاً تفصیل سے اجتماعی اعتبار سے ان تمام حقوق کو لکھا گیا کہ جو اسلام نے کسی اعتبار سے بھی حقوق کا تصور پیش کیا ہے، اور اس کے بعد انفرادی اعتبار سے فرداً فرداً ہر طبقہ کے حقوق کو واضح کیا ہے، امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ کتاب اس اہم موضوع کو سمجھانے میں مشعلِ راہ ثابت ہوگی، اللہ کرے یہ کتاب میری پچھلی کتابوں کی طرح

آپ کو پسند آجائے اور میری نجات کا ذریعہ بن جائے آمین۔

اور میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ قدسی میں یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کتاب کو میری پہلی کتابوں کی طرح مفید اور کارآمد بنا دے اور ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

آخر میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر کمپوزنگ تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خصوصا اس کتاب کے ناشر محترم خلیل اشرف عثمانی صاحب کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو اس کتاب کو بڑے اہتمام سے شائع کر رہے ہیں، میری دل سے ان حضرات کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دونوں جہانوں کی خوشیاں نصیب فرمائے، آمین۔

اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام اور معاونین کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، اور اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی خامی اور کمزوری نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں آپ کا بہت شکریہ ہوگا۔ آپ کے ہر مشورے کا دلی خیر مقدم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام آپ کا خیر اندیش

محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی

ساکن میرپور خاص سندھ

پہلا باب

حقوق العباد سے متعلق کچھ بنیادی تفصیل

اسلام میں حقوق العباد کا شعبہ انتہائی اہم ہے

آج کے دور میں تمدن کی ترقی کا غلغلہ ہے ہم اپنے آپ کو پہلی نسلوں سے اور آج چند اقوام اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ مہذب گردانتے ہیں۔ یہ نظریہ اتنی شد و مد سے دہرایا جا رہا ہے۔ کہ گوئبلر کے نظریہ جھوٹ کے مصداق سب سوچنے کی صلاحیت منجمد ہو کر رہ گئی ہے۔ کیا تہذیب وتمدن، چوری، ڈاکہ، قتل وغارت، لوٹ کھسوٹ، افراتفری، بے ایمانی، فحاشی، غنڈہ گردی، بدزبانی، بداخلاقی کا نام ہے؟ کیا ایسا معاشرہ جس میں اخلاقی گراوٹ ہو، ذہنی انتشار ہو، تہذیب یافتہ کہلانے کا سزاوار ہے؟ کیا مجموعی طور پر آج کا انسان ماضی کے انسان کی نسبت میں زیادہ خوش اور مطمئن ہے؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ تو پھر وہ تہذیب کدھر گئی۔ جس کا ہم زور وشور سے پرچار کر رہے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آج کے نظریہ تمدّن کا تمام زور اس بات پر صرف ہو رہا ہے کہ ہمارے پاس مادی وسائل زیادہ ہیں۔ یا ہم گذشتہ نسلوں کی نسبت مادی وسائل سے بہتر طور پر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یہ بات درست سہی۔ لیکن تہذیب صرف مادّی آسائشوں کا نام ہی تو نہیں ہے۔

کسی تہذیب کی نفاست کا انحصار اس کی مادّی ترقی پر ہوتا ہے لیکن اس کے معیار اور بقا کا انحصار اس کی روحانی ترقی پر ہوتا ہے۔ آج کے انسان نے مادّی آسائشوں کی دوڑ میں روحانی پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور اسی وجہ سے مادّی ترقی کے باوجود ذہنی سکون سے

عاری ہیں۔ آج انسان مادیّت کی دوڑ میں یہ پروانہیں کرتا۔ کہ مادّی مسائل کا حصول کن ذرائع سے کر رہا ہے۔ اپنے کتنے بھائیوں کی حق تلفی کر رہا ہے۔ اور اپنے کتنے بھائیوں کو موت کے گھاٹ اُتار رہا ہے۔

دوسرے الفاظ میں آج کا انسان اپنے ہم جنسوں کے حقوق کو پامال کرتے ہوئے مادیت کی اس دوڑ میں برتری حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ انہی انسانی حقوق کا نام دینی اصطلاح میں ''حقوقُ العباد'' ہے۔

معاشرے میں رہتے ہوئے فرد کے ہر عمل کا اثر دوسرے افراد پر ہوتا ہے۔ گھر میں رہتے ہوئے. بازار میں چلتے ہوئے. بازار میں خرید و فروخت کرتے ہوئے۔ تعلیمی اداروں میں پڑھتے یا پڑھاتے ہوئے انتظامیہ میں کام کرتے یا کراتے ہوئے. عدلیہ میں انصاف دیتے یا طلب کرتے ہوئے۔ تجارت میں لین دین کرتے ہوئے. کارخانے میں انتظام چلاتے یا کام کرتے ہوئے. سفر کرتے ہوئے. سڑک پر گاڑی چلاتے ہوئے. یا فٹ پاتھ پر پیدل چلتے ہوئے. دوستوں سے ملتے ہوئے مخالفوں سے بات کرتے یا مخالفت کرتے ہوئے حتیٰ کہ بہت سے نجی کام (مثلاً ریڈیو، ٹیپ وغیرہ سنتے یا دیکھتے ہوئے) کرتے ہوئے ہر فرد کا دوسرے افراد پر اثر ہوتا ہے۔ یہ اثر اچھا بھی ہوسکتا ہے۔ اور برا بھی اِس اثر کو اچھا بنانے کے لئے یا اِس کے مضرت رساں اثرات کو کم کرنے کے لئے ہر معاشرہ کچھ اصول وضع کرتا ہے۔ اسلام نے بھی کچھ اُصول وضع کئے ہیں۔ ان اصولوں کا نام حقوق العباد ہے۔

اسلام میں حقوق العباد کا شعبہ انتہائی اہم ہے۔ بعض علماء کے مطابق پوری شریعت چار احادیث میں مقیدّ ہے۔

(۱) ﴿اِنّما الاعمال با لنیات﴾ (بخاری ج۱)

بے شک اعمال کا دارومدار نیّتوں پر ہے۔

(۲) ﴿اِنّ الحلال بیّن والحرام بیّن﴾ (بخاری ج۱)

بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔

(۳) ﴿لا یؤمن احد کم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه﴾

(۳ بخاری ج۱)

''تم میں کوئی مؤمن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(۴) ﴿من حسن اسلام المرءِ ترکه مالا یعنیه۔﴾

(ترمذی ابواب الزہد ج۲)

آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی (بیکار) اُمور کو چھوڑ دے۔

پہلی حدیث عقائد و اعمال قلب کے متعلق ہے. دوسرے حدیث جملہ احکامِ فقہ کے متعلق ہے۔ تیسری حدیث حقوق العباد کے متعلق ہے۔ اور چوتھی حدیث تکمیل اخلاق منور ایمان ہے۔ تو گویا حقوق العباد دین کا اہم حصہ ہے۔

حقوق جمع ہے حق کی لغت میں حقوق کے متعدد معنی درج ہیں۔ مفردات امام راغب میں اس لفظ کی تحقیق کی گئی ہے۔ تحریر ہے کہ حق کے اصل معنٰی موافقت اور مطابقت کے ہیں اور استعمال میں اسکی درج ذیل تین صورتیں ہیں۔

(۱) کسی شی کو حکمت کے تقاضہ کے مطابق کرنے والے کو حق کہتے ہیں جیسے اللہ تعالٰی کو حق کہا جاتا ہے۔

﴿ثم ردوا الی الله مولٰهُم الحق﴾

''پھر وہ لوٹائے جائیں گے اللہ کی طرف جو ان کا حقیقی آقا ہے۔ (الانعام۔۶۲)

(۲) جو چیز تقاضائے حکمت کے مطابق پیدا کی جائے۔ اس شے کو حق کہتے ہیں۔

(۳) کبھی یہ لفظ واجب اور لازم معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔

﴿وکان حقاً علینا نصرُ المؤمنین﴾

''ہم پر مؤمنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔'' (سورۃ الروم۔۴۷)

(۴) جو چیز اخلاقی حیثیت سے واجب ہو، عدل کو اس اعتبار سے حق کہا گیا ہے۔

حقوق العباد کے ضمن میں معروف معنی یہی ہیں، کہ بحیثیت انسان کے ایک انسان پر دوسرے کے لئے کیا کیا واجبات ولوازم ایسے ہیں، جو اس کے پاس امانت ہیں، اور جن کو اس نے بطریق امانت دوسروں کے لئے ادا کرنا ہے۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد غور طلب ہے۔

﴿خلق لکم ما فی الارض جمیعا﴾

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔''

انسان کا ہر نفع بخش شئے سے استفادہ کرنا، اور ہر نقصان دہ شئے سے بچنا انسان کی ذمہ داری ہے، یعنی یہ ایک ایسا حق ہے، جس کی ادائیگی اس پر لازم ہے، قرآن حکیم میں ہے۔ ﴿وفی أموالھم حقٌّ للسائل والمحرُوم﴾

''اور ان کے مالوں میں سائل کا حق ہے، اور ان کا حق ہے، جن پر مالی افتاد پڑی ہو۔'' (سورۃ ذاریات، ۱۹)

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے۔

﴿واٰتُوا حقهٗ یومَ حصادہٖ ولا تُسرفوا﴾ (سورۃ الانعام، ۱۴۲)

''اور پیداوار کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کرو اور فضول خرچی نہ کرو۔

یعنی انسان زمین سے استفادہ کرے۔ تو اس میں اور لوگوں کو بھی شریک کرے۔ اور خود ہی ساری آمدنی نہ صرف کر دے۔

رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔ ﴿ان لزوجک علیک حقا﴾.

(بخاری باب الصوم)

''تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔''

حقوق العباد کی اہمیت وضرورت اور اسکے تقاضے

انسانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی خوش حالی اور ان کے امن وسکون کے لیے لازم اور ضروری ہے کہ وہ مل جل کر رہیں، آپس میں بھائی چارہ قائم کریں اور ایک دوسرے سے محبت کریں اور باہمی احترام کی فضا پیدا کریں، اشتراک وتعاون باہمی کی اس فطری ضرورت نے قوم وقبیلہ اور گروہوں کو جنم دیا ہے، یعنی معاشرہ وجود میں آیا اور اس کی تاسیس حقوق وفرائض کی ادائیگی کی بنیادوں پر ہوئی یہ بات خود بخود ناگزیر ہوگئی کہ عام انسانوں کے احساس وجذبات اور ان کی ضرورتوں یعنی ان کے حقوق کا دوسرے انسان پر ادا کرنا لازم ہے اس احساس ذمہ داری کے بغیر نہ کوئی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے نہ یہ ترقی کی منزلیں طے کرسکتا ہے۔

قرآن حکیم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ تعلیم دی ہے اور واضح کردیا ہے کہ یہ کائنات اور کائنات کی تمام چیزیں جو ارد گرد موجود ہیں وہ ان کی خدمت اور منفعت کے لیے ہی پیدا کی گئی ہیں اور ان کا خالق اللہ ہے۔

﴿هوَ الَّذِی خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الأَرضِ جَمِيعاً﴾ (سورۃ البقرہ)

قدرتی طور پر یہ زمین اور اس زمین میں جو کچھ موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کے استفادے کے لیے ہے۔ اس لیے تمام انسانوں پر کہ جو اس کرۂ ارض پر آباد ہیں یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسرے انسانوں کو بھی فائدہ پہنچائیں، دوسرے انسانوں کے مفاد کا، ان کے حصے کا اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا ہی حقوق العباد کی ادائیگی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے جب کسی انسان کو دولت عطا فرمائی تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ جن کو یہ چیز نہیں ملی ہے ان کو اس میں سے دیا جائے، اس لیے کہ یہ ان کا حق ہے اور اس کا شمار حقوق العباد میں ہوتا ہے۔

اسی طرح جب کسی کو اللہ تعالیٰ نے زمین کا کوئی حصہ عنایت کیا اور اس نے اس

میں کچھ بویا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے ہری بھری کھیتی تیار ہوئی تو اس کا فرض ہے کہ پوری پیداوار کو خود نہ رکھ لے بلکہ اس کا حق ادا کرے اور اس میں سے ان کو بھی کچھ دے جن کو یہ نعمت نہیں ملی ہے۔

اسلام نے حقوق کے بیان کو ایسی وسعت دی ہے کہ بندوں کے حقوق کے علاوہ بندوں پر دوسری مخلوقات کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کی بھی وضاحت کے ساتھ نشان دہی کی ہے، یعنی بندوں کا تو ایک دوسرے پر جو حق ہے وہ صاف ہے، لیکن ان کے علاوہ حیوانات نباتات اور جمادات کے حقوق بھی ان پر عائد ہوتے ہیں۔

ایک بار سرور کائنات فخر موجودات جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص صرف اس لیے بخشا گیا کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی تھی، اسی طرح آپ ﷺ نے ایک عورت کے بارے میں، جس نے بلی کو رکھا تھا اور اسے کھانے کو بھی نہ دیتی تھی فرمایا کہ اپنی بے رحمی کی وجہ سے اسے عذاب دیا جائے گا، مدعا یہ تھا کہ مسلمان یہ سمجھ لیں کہ انسانوں کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ تمام دوسری مخلوقات کے حقوق بھی ادا کرنے چاہئیں۔

حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں اسلام پہلا اور آخری دین ہے جس نے انسانوں کے مختلف رشتوں سے فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی اولیت متعین کر دی ہے، حقوق العباد کی ادائیگی کا یہ طریقہ کہ والدین اور اعزہ محروم رہیں لیکن دوسرے مستفید ہوں، اسلام کی نظر میں مستحسن نہیں ہے، اسلام اس قسم کے غیر انسانی اور غیر فطری سلوک کا قائل نہیں ہے، اسلام حقوق کی ادائیگی میں نسبی اور خاندانی قربت کو ترجیح دیتا ہے، تمام بندوں کے حقوق ادا کیے جائیں اور اس ترتیب اور درجہ بندی کے ساتھ جو اسلام نے مقرر کر دی ہیں، اگر کوئی شخص والدین کے حقوق ادا نہ کرے، قرابت داروں کے ساتھ احسان نہ کرے، یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کا خیال نہ کرے، مسافروں کی امداد نہ کرے، غلاموں کو آزادی دلانے اور مصیبت زدہ مسلمانوں کو ذلت و رسوائی

اور غلامانہ ماحول سے نکالنے کی کوشش نہ کرے تو وہ دوسروں پر احسان وکرم کی جتنی بھی بارش کرے ،حقوق العباد کے ،اسلامی شریعت کے مطابق ادا نہ کرنے کا مجرم ضرور قرار پائے گا اور اس کی مثال اس بارش کے پانی کی سی ہوگی جو پہاڑ اور بنجر زمین پر برسے اور پیداوار والی زمین قحط سالی کا شکار رہے۔

حقوق العباد کو اسلام میں جو اہمیت دی گئی ہے اس کا کوئی تصور اس سے قبل کسی شریعت یا معاشرے میں نہ تھا، اسلامی شریعت میں اس حکم کا خلاصہ یہ ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

اگر کوئی محتاج ہو تو اس کی احتیاج دور کرنا، اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا، بیواؤں کی سرپرستی ،یتیموں کی پرورش، مجبور ومعذور افراد کی دست گیری ،غیر پڑھے لکھے لوگوں کے لیے تعلیم کا انتظام ایسے معالات اسلامی شریعت میں بہترین عبادت کا درجہ رکھتے ہیں اسلامی شریعت میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ کوئی پڑوسی بھوکا نہ رہے اگر خود پیٹ بھر کر کھالیا اور پڑوسی بھوکا رہ گیا تو یہ کھانا ناجائز ہوگیا۔

انسانوں کے حقوق ادا کرنا اور ہر لحاظ سے انسانوں کا احترام کرنا اور ان کی عزت قائم کرنا اسلامی تعلیمات کے ذیل میں آتا ہے، جو انسان حقوق العباد کی ادائیگی کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں ان کا شمار ارباب سربلند میں ہوتا ہے، یہ وہ انسان ہوتے ہیں کہ جو اپنے آرام وآسائش کو چھوڑتے ہیں اور بہ کمال ایثار دوسروں کے کام آتے ہیں، ایسے ایثار پیشہ اور محبّ انسان وانسانیت لوگوں کو اسلام بلند مقام عطا کرتا ہے اور ان کی رفعت وعظمت کا ذمہ دار ہوتا ہے اگر ہم کو اپنے ماحول میں اور اپنے معاشرے میں غربت وجہالت ملتی ہے اور معاشرے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ضرورت مند اور یتیم محتاج موجود ہیں اگر ہماری نگاہیں بداخلاقیوں کو دیکھ رہی ہیں اور اگر ہمارا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ معاشرے میں فسق وفجور موجود ہے اور کوئی معذور بے تو جہی کا شکار ہے تو باور کرنا چاہیے کہ ہم نے اپنے معاشرے اور سوسائٹی کو قالب اسلام میں ڈھالنے میں

کوتاہی کی ہے اور ہمارا دین ایسے حالات میں ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہم تعلیمات اسلام سے روشنی حاصل کریں اور اپنے ماحول اور معاشرے کو تمام گندگیوں اور اخلاقی غلاظتوں سے پاک کرنے کا عزم کریں۔

قرآن حکیم میں رسول اکرم ﷺ سے یہ فرمایا گیا کہ لوگ دریافت کرتے ہیں کہ آمدنی کا کتنا حصہ دوسروں پر خرچ کریں، رسول مقبول فرمادیجیے کہ جو کچھ بچ رہے سب دوسروں کو دے دیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دولت لٹا کر خود بھی "سائل ومحروم" کے زمرے میں شامل ہو جاؤ، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنے کو احتیاج میں ڈالے بغیر اپنی آمدنی کا جتنا حصہ دوسروں پر صرف کر سکتے ہو کرو، لطف یہ کہ اسلام یہ نہیں کہتا تم احسان کر رہے ہو بلکہ وہ اصرار کرتا ہے کہ بندوں کا حق ادا کرنا بندوں پر فرض ہے، اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وپیروی کا عملی طریقہ ہے۔

معذوری کی متعدد اقسام ہیں: ذہنی معذوری، جسمانی معذوری، نابینائی، بے بضاعتی، یہ سب معذوریاں ہیں، ہمارے معاشرے میں ایسے افراد موجود ہیں کہ جو حوادث زمانہ کی وجہ سے معذوروں میں شمار ہو رہے ہیں تو ایسے تمام افراد معاشرے کے خوش حال، صنعت کار وتاجر وغیرہ کی توجہ چاہتے ہیں، تقاضائے حقوق العباد یہ ہے کہ تمام معذور افراد کا ہاتھ تھاما جائے اور ان کی باعزت زندگی کا سامان کیا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلوصِ نیت کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

حقوق العباد کی اہمیت اور نزاکت

اس دنیا میں ہم اس طرح سے رہنا سیکھیں کہ کسی انسان کی ہم سے کوئی حق تلفی نہ ہو، اس لئے کہ حقوق العباد میں جو کوتاہیاں ہیں وہی آخرت میں خطرناک ہیں۔

دنیا میں تو اس کی تلافی بہت آسان ہے کہ جس کا حق لیا ہے، یا تو اس کو ادا کر دیا

معافی مانگ لو، یہاں تو بہت ہی آسان ہے، یہاں کسی کے پاؤں میں اپنی پگڑی رکھ دینا کوئی مشکل کام نہیں، یہاں کسی آدمی سے عاجزی سے معافی مانگنا کوئی عیب کی بات نہیں، لیکن اگر خدانخواستہ کوئی انسان دنیا سے اس حالت میں چلا گیا کہ کسی کو گالی دے رکھی ہے، کسی کی عزت اتاری ہوئی ہے، کسی کی غیبتیں کی ہوئی ہیں، کسی کے پیسے کھائے ہوئے ہیں، کسی کو ستایا ہوا ہے، کسی کو مارا ہوا ہے اور کسی کو پریشان کیا ہوا ہے، تو یہ چیزیں انسان کے لئے بخشش میں رکاوٹ بن جائیں گی۔

کیونکہ نماز میں بھی پاس ہوگیا، روزہ میں بھی پاس ہوگیا، زکوۃ میں بھی پاس ہوگیا، حج میں بھی پاس ہوگیا، وضو اور غسل میں بھی پاس ہوگیا تو اب یہاں آکر پوچھا جائے گا کہ تم رہتے کس طرح تھے؟ یہاں آکر انسان رک جائے گا، تم مرد ہو تو بیوی پر ظلم تو نہیں کیا، بیوی ہو تو شوہر پر ظلم تو نہیں کیا، پڑوسی کے ساتھ زیادتی تو نہیں کی، اپنے خریداروں کے ساتھ زیادتی تو نہیں کی، تمہارے خریدنے والوں نے بیچنے والوں کے ساتھ ظلم تو نہیں کیا، یہ سارے معاملے ہیں بندوں کے ایک دوسرے کے ساتھ، یہ وہاں جاکر جانچے جائیں گے۔

اور ایک بہت بڑی خطرناک برائی جو ہمارے معاشرے کے اندر سب سے زیادہ پھیلی ہوئی ہے، وہ ہے بجلی کی چوری، گیس کی چوری، ٹیلی فون کی چوری، ریلوے کی چوری، پانی کی چوری، دفتروں میں اور آفسوں میں جو چیزیں دفتر کے کام کرنے کے لئے دی جاتی ہیں۔ مثلاً کاغذ ہے پینسل ہے، لفافے ہیں تو یہ اپنے استعمال میں لاتے ہیں، یہ سب کام چوری میں داخل ہیں۔

رشوت کتنی عام ہوگئی ہے، سب جانتے ہیں کہ رشوت حرام ہے لیکن کسی بھی دفتر میں انسان چلا جائے تو سارے قانونی تقاضے پورے کرنے کے باوجود بھی وہ کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا، عدالتوں کا جو حال ہے وہ ہمارے سامنے ہے، سود کا لین دین کتنا عام ہوگیا ہے، اتنا عام ہوگیا ہے کہ جس کو دیکھو بینک میں پیسے رکھ رہا ہے اور وہاں سے

سود لے رہا ہے، اب یہ سب حقوق العباد کی پامالیاں ہیں۔

ایک چوری ہوتی ہے کسی ایک انسان کی اور ایک چوری ہوتی ہے پوری قوم کی۔ بجلی کی چوری، ٹیلی فون کی چوری، پانی کی چوری، گیس کی چوری، ڈاک خانے کی چوری، ریلوے کی چوری یہ پوری قوم کی چوری ہے، اللہ کی پناہ! اگر کسی نے یہ چوری کررکھی ہے تو قیامت کے دن پوری قوم ایک طرف ہوگی اور یہ آدمی ایک طرف ہوگا، پوری قوم اللہ سے فریاد کرے گی، کہ یا اللہ! اس نے ہماری حق تلفی کی ہے، ہمارا مال چرایا ہے، ہمارے پیسے کھائے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس کی نیکیاں دلوائیں، یہ آدمی کیسے اکیلا سب کا حق ادا کرے گا؟ اس لئے قابل احترام قارئین! میرے بزرگو! ہمیں اس دنیا سے ضرور جانا ہے، جب جانا ہی ہے تو ان باتوں کو یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہم اس قسم کی کسی چوری میں مبتلا تو نہیں ہیں، کہیں ہم رشوت لینے کے بدترین گناہ میں تو مبتلا نہیں، اگر رشوت کے پیسے لئے ہیں تو واپس دینے پڑیں گے چاہے دس لاکھ لیے ہوں یا دس پیسے لیے ہوں۔

آج نہیں تو کل دینے پڑیں گے، چاہے وہ دینے والا خوشی سے دے رہا ہو، کیونکہ رشوت دینا تو خوشی سے بھی حلال نہیں، کچھ بھی اس کا نام رکھ لو، چاہے اس کا نام تحفہ رکھ لو، چاہے ہدیہ رکھ لو، مٹھائی کا ڈبہ اس کا نام رکھ لو، مگر وہ رشوت تو رشوت ہی ہے، وہ تو حلال نہیں ہوگی، جس سے لی ہے اس کو واپس دینی پڑے گی، یا تو دنیا میں واپس کردو ورنہ پھر آخرت میں دینی پڑے گی۔

جس جس سے سود کھایا ہے وہ تو دینا ہی پڑے گا، اس کا جو عذاب ہے (اللہ بچائے) بہت ہی ہولناک ہے اور بہت ہی خوفناک ہے، ان چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، جب چوری حرام ہے تو بس اب وہ حرام ہے، وہ حلال نہیں ہوسکتی، چاہے قوم کی چوری ہو، چاہے قوم کے ایک فرد کی چوری ہو، رشوت بھی حرام ہے، سود بھی حرام ہے اب یہ باہمی رضامندی سے سود حلال نہیں ہوسکتا، جیسے باہمی رضامندی سے بدکاری

حلال نہیں ہوسکتی، چوری بھی حلال نہیں ہوسکتی، شراب بھی حلال نہیں ہوسکتی، جوا بھی حلال نہیں ہوسکتا، اسی طرح انسانوں کی اور قوم کی چوری اور حق تلفی یہ حلال نہیں ہوسکتی، اور یہ معاملہ آخرت میں سب سے زیادہ سنگین ہوجائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تین رجسٹر ہیں:

(۱) ایک رجسٹر کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

(۲) دوسرے رجسٹر کے بارے میں فرمایا کہ جو کچھ اس کے اندر ہے، وہ ہرگز معاف نہیں ہوگا۔

(۳) اور تیسرے رجسٹر کے بارے میں فرمایا کہ اس کے اندر جو کچھ ہے، اس کے بارے میں ضرور حساب ہوگا۔

اس کی تشریح یوں فرمائی گئی ہے کہ: پہلا رجسٹر جس کے بارے میں حق تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، یہ رجسٹر ہے جس کے اندر انسان کی ان کوتاہیوں کا تذکرہ ہوگا جو اس نے اللہ کے حقوق میں کی ہوں گی، جیسے نماز میں کوتاہی کی، روزہ میں کوتاہی کی، صدقہ میں کوتاہی کی، یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کہلاتے ہیں، اس طرح کی یہ کوتاہیاں اس رجسٹر میں لکھی ہوئی ہوں گی، اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس طرح کی کوتاہیوں کو معاف فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے معاف فرمانے کے بہت سے وعدے کیے ہوئے ہیں، تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے، چاہوں تو حساب لوں گا، چاہوں تو معاف کردوں گا۔

دوسرا رجسٹر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو کچھ اس کے اندر ہے، وہ ہرگز معاف نہیں ہوگا، یہ وہ رجسٹر ہے جس میں کفر وشرک بندوں کا لکھا ہوا ہوگا۔ اس لیے اس کی ہرگز معافی نہ ہوگی، جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہوگا، اس رجسٹر میں ان کا کفر لکھا ہوگا، اس بارے میں ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں

ہوگی، ذرہ برابر بھی اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نرمی نہیں فرمائیں گے اوران کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ (اللہ بچائے آمین)

اور تیسرا رجسٹر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا ہوا ہے کہ جو کچھ اس کے اندر ہے، اس کے بارے میں ضرور حساب لوں گا، یہ وہ رجسٹر ہے جس کے اندر بندے کی حق تلفیاں لکھی ہوئی ہوں گی، ایک انسان نے دوسرے انسان کو جو ستایا ہوگا اور جو تکلیف دی ہوگی، وہ سب اس رجسٹر میں لکھا ہوا ہوگا، اسی طرح حقوق العباد کی جتنی کوتاہیاں ہوں گی، وہ سب اس کے اندر درج ہوں گی، اوراس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ ضرور بالضرور اس کا حساب کتاب لیں گے اورانصاف دیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ آخرت کے حساب سے پہلے ہمیں دنیا میں ہی اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ ﴿حاسبوا قبل ان تحاسبوا﴾ ''اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے اپنا محاسبہ کرلو'' امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے ایک دانق بھی ناحق لے لے گا قیامت کے دن (ایک دانق ایک درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے) اس ایک دانق کے بدلے میں اس کو سات سو مقبول نمازیں دینی پڑیں گی، وہاں کا معاملہ کتنا نازک ہے، اس لئے جس کے ساتھ کوتاہیاں ہوگئی ہوں، زیادتیاں ہوگئی ہوں، بس آج ہی اس بات کا اہتمام شروع کردیں کہ ایک دوسرے سے معافی تلافی کرلیں، ایک دوسرے کو معاف کردیں، پیسہ لیا دیا ہے تو پیسہ لے دے کر معاملہ صاف کرلیں اور جس نے رشوت یا سود لیا ہے تو وہ واپس کریں، جس نے حرام مال کھایا ہوا ہے، وہ اپنے مال میں سے اتنی مقدار نکالے، سمجھ میں نہ آئے تو یہاں آکر ترکیب پوچھیں، تدبیر پوچھیں، علماء کرام رہنمائی فرمائیں گے اوران سے پوچھ پوچھ کر ہم مرنے سے پہلے اپنا دامن دنیا میں اس طرح صاف کرلیں کہ کسی انسان کی حق تلفی ہمارے ذمہ نہ رہے، اس طرح ہم اپنا دامن صاف کرلیں گے تو یہ مشکل مرحلہ بھی آسان ہوجائے گا۔

(بحوالہ جستہ جستہ از اصلاحی بیانات جلد ۵)

حقوق کے معنی اور اس کی قسمیں

اسلام کی پہلی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان پر دوسرے انسانوں بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں تک کے کچھ فرائض عائد ہیں اور یہ اُن کے حقوق ہیں جنھیں ہر انسان کو اپنے امکان بھر ادا کرنا ضروری ہیں، یہ حقوق اور فرائض اسلامی اخلاق کی پہلی قسم ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: **خلق لکم ما فی الارض جمیعا**

(بقرہ:۲۸)

ترجمہ: خدا نے تمہارے (کام کے) لئے زمین کے ساری چیزیں پیدا کیں۔

اس لئے انسان کو دنیا کی ہر اُس چیز سے جس سے اس کے نفع کا تعلق ہے ایک گونہ لگاؤ ہے اس لگاؤ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ترقی وحفاظت میں کوشش کی جائے، اس شے سے وہ نفع اٹھایا جائے جس کے لئے اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے اور ان موقعوں پر اس کو صَرف کیا جائے جن میں اللہ نے اس کے صَرف کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس کو ہر اُس پہلو سے بچایا جائے جس سے اس کی نفع رسانی کو نقصان پہنچے، اسی ذمہ داری کا نام ''حق'' ہے جس کو از خود ادا کرنا ضروری ہے۔ ارشاد ہوا:

وفی اموالھم حق للسائل والمحرومؐ (ذاریات:۱۸)

ترجمہ: اور ان کے مالوں میں سائل کا اور اس کا حق ہے جس پر مالی افتاد پڑی ہو۔

والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم. (معارج:۲۴۱)

ترجمہ: اور ان کے مالوں میں سائل کا اور اس کا مقررہ حق ہے جس پر مالی افتاد پڑی ہو۔ **وآت ذاالقربیٰ حقه والمسکین وابن السبیل.** (بنی اسرائیل:۲۵)

ترجمہ: اور قرابت والے کو اس کا حق دے اور مسکین کو اور مسافر کو۔

فآت ذاالقربیٰ حقه والمسکین وابن السبیل . (روم:۳۷)

ترجمہ: تو قرابت والے کو اس کا حق دے اور مسکین کو اور مسافر کو۔

اللہ تعالیٰ نے جب کسی انسان کو دولت عطا فرمائی ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ جن کو یہ چیز نہیں ملی ہے ان کو اس میں سے تھوڑا تھوڑا دیا جائے، یہ اُن کا حق ہے اور اس میں سب سے مقدم رشتہ دار ہیں، پھر غریب، پھر مسافر ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت مال کی طرف کی ہے۔ **واٰتوا حقهٗ یومَ حصادهٖ ولا تسرفوا.** (انعام:۱۴)

ترجمہ: اور پیداوار کا حق اس کے کاٹنے کے دن ادا کرو، اور فضول خرچی نہ کرو۔

یعنی جب کسی کو اللہ تعالیٰ نے زمین کا کوئی حصہ عنایت کیا اور اس نے اس میں کچھ بویا اور اللہ نے اس میں برکت دی اور پھل پھول نکلے، اور ہری بھری کھیتی تیار ہوئی تو انسان کا فرض ہوا کہ اس کا حق ادا کرے اور اِس میں سے اُن کو بھی کچھ دے جن کو یہ نعمت نہیں ملی، اور اس نعمت کو بے موقع خرچ نہ کرے اور ضائع نہ کرے کہ یہ بھی اس کے حق کے منافی ہے اور اس کی نفع رسانی کے ضروری موقع ومحل کو نقصان پہنچانا ہے۔

حدیث میں آتا ہے: تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے ملاقاتی کا بھی تم پر حق ہے، تیری بیوی بچوں کا تجھ پر حق ہے۔ (بحوالہ بخاری شریف)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ اس کو کھانا کھلائے کپڑے پہنائے اور اس کے چہرہ پر تھپڑ نہ مارے۔ (بحوالہ ابوداؤد شریف)

ان احکام سے معلوم ہوا کہ ہر انسان پر دوسرے انسان کے کچھ حقوق ہیں بلکہ ہر انسان کا خود اپنے اوپر بھی حق ہے اس کے ایک ایک عضو کا اس کے اوپر حق ہے۔

آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا: بیشک تیری جان کا تجھ پر حق ہے، تیرے بدن کا بھی تجھ پر حق ہے، اور تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔ (بحوالہ بخاری شریف)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام میں حقوق کی وسعت اس سے بہت زیادہ ہے، جتنی عام طور سے سمجھی جاتی ہے۔

حقوق کی وسعت

جب انسان کا تعلق کائناتِ ارضی کی ایک ایک چیز سے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری بھی اس کی ہر چیز سے متعلق ہے، جمادات سے بھی کہ ان کو بے موقع نہ صَرف کیا جائے، نباتات سے بھی کہ ان کونشو ونما اور تربیت کا موقع دیا جائے، حیوانات سے بھی کہ ان کو بے سبب تکلیف نہ پہنچائی جائے اوران کے آرام وآسائش کا خیال کیا جائے اورانسانوں سے بھی کہ ان کی ہر ضرورت میں مدد کی جائے اوران کے فریضۂ محبت کوادا کیا جائے اور خود انسان کا اپنے اوپر بھی حق ہے کہ اس کا ہر عضو جس غرض کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس سے مناسب طور سے کام لے۔

غرض اسلام نے ان حقوق کوتمام کائنات میں اس طرح تقسیم کیا ہے کہ اس کا دائرہ محیطِ اعظم بن کر پھر آہستہ آہستہ سمٹتا ہوا بتدریج کم ہوتا ہوا مرکز پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔

انسانیت کے باہمی حقوق تو بہت کچھ ہیں لیکن انسان کے علاوہ اس کائناتِ ارضی کی دوسری بے جان اور جاندار چیزوں کے حقوق کی طرف تھوڑا سا مزید اشارہ توضیحِ مقصد کے لئے مفید ہے۔

انسان کے علاوہ دوسری جاندار اور بے جان چیزوں کے دوحق انسان پر ہیں ایک یہ کہ جس غرض اور منفعت کے لئے وہ پیدا کی گئی ہیں ان سے وہی کام لیا جائے دوسرا یہ کہ ان کے قدرتی نشو ونما، پرورش اور ترقی میں وہ رکاوٹ نہ پیدا کرے، بلکہ اس کے مناسب اسباب فراہم کرے اور اس کے مناسب غذا، سیرابی اور آرام کی فکر رکھے، یہ دونوں حقوق اصل میں قرآن پاک کی اسی حقیقت کے صریح نتیجے ہیں، خلق لکم مافی الارض جمیعا. (بقرہ:۲۸)

ترجمہ: زمین میں جو کچھ ہے وہ خدا نے تمہارے (یعنی انسانوں کے) لئے پیدا کیا ہے۔

جب انسان کے لئے یہ سب چیزیں پیدا ہوئیں تو انسان کا فرض ہے کہ ان سے وہی کام لے جس کے لئے وہ بنائی گئی اور اس لئے تا کہ وہ وقتِ مقررہ تک انسانوں کو اپنا نفع پہنچا سکیں ان کی پرورش و ترقی قدرتی اسباب کو مہیا کرنا ان پر ضروری قرار دیا گیا۔

آنحضرت محمد ﷺ نے صحابہؓ کے مجمع میں ایک تمثیلی حکایت میں اس نکتہ کو واضح کیا ہے، فرمایا کہ ایک دفعہ ایک آدمی بیل پر سوار جا رہا تھا کہ دفعتہً اس نے منہ پھیر کر سوار سے کہا کہ میں تو اس کے لئے پیدا نہیں کیا گیا میں تو کھیتی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ اور اسی لئے درخت لگانا ثواب کا کام کہا گیا اور فرمایا گیا کہ ''جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے تو جو پرندے یا جانور یا انسان اس کا پھل کھاتے ہیں اس کا ثواب درخت لگانے والے کو ملتا ہے'' اسی سبب سے پھل دار درخت کو بے سبب کاٹنا ناپسندیدہ ہے۔ ایک اور تمثیلی حکایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص صرف اس لئے بخشا گیا کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی تھی، اور ایک اور شخص پر صرف اس لئے عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلی کو باندھا اور اس کو کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں دیا یہاں تک کہ وہ اسی طرح سسک سسک کر مر گئی، ایک اور شخص نے چیونٹی کو جلا دیا تھا اس پر اس سے باز پرس ہوئی۔

یہ چند اشارات اس موقع پر اس لئے بھی کئے گئے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا دائرہ کتنا وسیع ہے وہ صرف انسانوں تک نہیں بلکہ تمام جاندار اور بے جان چیزوں تک پھیلا ہوا ہے جن کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

حقوق کی ترتیب

اگر ہم اسلام کے تمام اخلاقی فرائض اور تعلیمات کو صرف ایک لفظ سے ادا کرنا چاہیں تو تورات اور انجیل کی طرح مختصر یوں کہہ سکتے ہیں کہ دوسروں سے محبت کرنا لیکن صرف محبت کرنا۔ کہہ دینا کافی نہیں، بلکہ ان چیزوں کی تفصیل کرنی چاہیے جو اس محبت کا تقاضا ہے اور اس کے مظاہر ہیں، یہی تفصیل و تکمیل اسلام کی اخلاقی تعلیم کا کارنامہ ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ایمان کا کمال یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے لئے بھی وہی محبوب رکھو جو اپنے لئے رکھتے ہو" اس سے معلوم ہوا کہ جسم و جان اور مال و ملکیت کے وہ تمام معاملات جو انسان اپنے جسم و جان اور مال و ملکیت کے لئے چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لئے چاہنا اور پسند کرنا تورات وانجیل کی طرح اسلام کی اخلاقی تعلیم کا بھی سر عنوان ہے لیکن اسلام میں یہ سر عنوان تشریح کا محتاج ہے اور اس تشریح کے ضمن میں انسانی تعلقات کی تدریجی تربیت کی بحث آجاتی ہے، جن کو اسلام نے ہمیشہ پیشِ نظر رکھا ہے اور ان فرائض کو ہر انسان کے تعلقات کی کمی بیشی دوری ونزدیکی کی تدریج اور ترتیب کے ساتھ متعین اور ہر ایک کا درجہ اور مرتبہ الگ الگ مقرر کر دیا ہے مثلاً ایک حیوان کے مقابلہ میں ایک انسان کی مدد، ایک اجنبی شخص کے مقابلہ میں ایک دوست کی، غیروں اور بیگانوں کے مقابلہ میں ایک عزیز کی اور ان عزیزوں میں بھی قرابت کی دوری ونزدیکی کی ترتیب اسی طرح رکھی گئی ہے، مگر ترتیبی امداد حق کے ساتھ ہے اگر کوئی عزیز سے عزیز بھی باطل پر ہو تو اس کے مقابلہ میں اس غیر و بیگانہ کی امداد جو حق پر ہے فرض ہے، کہ جو مدد محض قرابت اور عزیز داری کی بنا پر باطل پر کی جاتی ہے اس کا نام اسلام کی اصطلاح میں عصبیت (تعصب) ہے جس سے بچنے کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی ہے۔

اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں انسانی حقوق کی درجہ وار کوئی تفصیل نہیں ہے، انسان اور حیوان کے درمیان بھی خط فاصل نہیں قائم کیا گیا ہے، مثلاً بودھ کی اخلاقی تعلیمات میں انسان اور حیوان کے، اور پھر انسانوں میں اہل ملک، قوم قبیلہ اور خاندان کی کوئی تمیز نہیں، بلکہ سرے سے رشتہ اور قرابت ہی کی اس میں کوئی دفعہ نظر نہیں آتی، اسی طرح ہندو قانون میں ایک جانور اور ایک انسان کا قتل برابر درجہ رکھتا ہے اور ایک جانور بھی اپنی کسی منفعت رسانی کے باعث انسان کی ماں کا درجہ پا سکتا ہے، یہودیت اور عیسائیت میں تمام قرابتداروں کو چھوڑ کر صرف ماں باپ کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے

برترانہ حق اطاعت کوتسلیم کیا گیا ہے، لیکن دوسرے قرابت مندوں اور رشتہ داروں کو ان میں کوئی مرتبہ نہیں دیا گیا ہے، لیکن اسلام نے اس مسئلہ میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے۔

اس ترتیب کا فلسفہ یہ ہے کہ ترتیب میں جس کا درجہ بڑھ کر ہے اس کے ساتھ تعلقات کی وابستگی دوہری تہری ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص جو ایک وقت میں ایک ہی کی مدد کرسکتا ہے، اس کی ایک غریب بیمار ماں ہے، ایک غریب اور بیمار باپ ہے، ایک غریب اور بیمار بھائی ہے اور ایک اسی طرح کا اس کا پڑوسی ہے، پھر اسی حالت میں اسی کا ایک ہم محلّہ بھی ہے اور اسی حالت میں اس کا کوئی ہم وطن بھی ہے، تو اس کو کس کی امداد کرنی چاہیے؟ یہی وہ موقع ہے جس میں تدریجی تعلقات کی ترتیب کا سوال پیش آتا ہے، ظاہر ہے کہ تعلقات کے دوہرے تہرے حقوق پہلے ماں کے ہیں، پھر باپ کے ہیں، پھر بھائی کے ہیں، پھر پڑوسی کے ہیں اور پھر ہم وطن کے ہیں اور اسی ترتیب سے اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، یہ نیکی نہ ہوگی کہ اپنی غریب اور بیمار ماں کو چھوڑ کر کوئی اپنے غریب اور بیمار پڑوسی کی خدمت کے لئے آمادہ ہو جائے یہ ایثار نہیں بلکہ ظلم ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے اوپر مزید مزاحمت گوارہ کر کے دونوں کے حقوق سے عہدہ برآ ہو، اگر ایسا وہ نہ کرسکے تو اخلاقاً اس کو معذور سمجھا جائے گا، شریعتِ محمدی نے اسی فطری ترتیب کو ان آیتوں میں پیش کیا ہے۔

وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتمٰی والمساکین والجارذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وماملکت ایمانکم. (سورۂ نساء: ۳۷)

ترجمہ: اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور رشتہ دار کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور رشتہ دار کے ساتھ اور بیگانہ پڑوسی کے ساتھ اور ساتھی کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور لونڈی غلام کے ساتھ۔

قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والأقربین والیتمٰی والمساکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم. (سورۂ بقرہ:۲۱۵)

ترجمہ: اے پیغمبران سے کہہ کہ تم جو خرچ کرو، وہ اپنے ماں باپ اور عزیزوں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافر کے لئے اور جو بھی نیکی کا کام تم کرو اللہ اس سے آگاہ ہے۔

وات ذالقربیٰ حقہ والمسکینَ وابنَ السبیل ولا تُبذِر تبذیرا.

ترجمہ: اور رشتہ دار کا حق ادا کر اور مسکین کا اور مسافر کا اور فضول خرچی نہ کر۔

عام طور سے اکثر مذہبوں نے سب سے زیادہ اہمیت ماں باپ کو دی ہے اور اسلام میں بھی یہ اہمیت یہی درجہ رکھتی ہے مگر اس کی تکمیلی شان اس باب میں بھی اسی طرح نمایاں ہے جس طرح تعلیمات کے دوسرے ابواب ہیں۔

لغوی واصلاحی معانی

حق دراصل صدق' سچائی' راست بازی اور سچ کا نام ہے۔ اور پھر جب حق ایک ذمہ داری اور فرض کے طور پر لازم وواجب ہو جائے تو اس کی نوعیت معاشرے میں ایک انسان کے حقوق' اختیار اور دعویٰ کو جنم دیتی ہے۔ حق' عدل اور انصاف کی اصطلاح میں ایک قانونی وجود ہے۔ جس کو کسی دوسرے فرد کے معاوضہ' صلہ اور بدلہ کے لیے رجوع کا حق دینا ہوتا ہے۔ حق ملکیت سے جنم لیتا ہے۔ جو کسی انعام اور بخشش سے بھی ہو سکتا ہے اور کسی منصب' عہدہ اور مقام پر کام کے نتیجہ میں بھی جنم لے سکتا ہے۔ حق' خدا' اللہ' ایشور' میشر اور پرماتما کی توصیف کا بیان بھی ہے۔ حق کے وجود سے ہی حق پرستی اور حق آشنائی کی داغ بیل پڑتی ہے۔ اور کسی کی حق تلفی اسے حق گوئی پر مجبور کر کے عدل کے ایوانوں میں لے جاتی ہے۔ حق ناشناس انسان دائرہ انسانیت سے نکل جاتا ہے۔ کیونکہ حق ناشناسی ناشکر گزاری' احسان فراموشی اور ظلم وتعدی کا دوسرا نام ہے۔ حق دار کو اپنے حق کے لیے آواز اُٹھانے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ اور یہ قول فیصل ہے کہ

جب بھی حق کا استحصال پروان چڑھے گا' معاشرہ اپنا وجود جلد ہی کھو بیٹھے گا۔ حق خدا کا نام ہے۔ اور اس کا احترام بنی نوع انسان کی عظمت اور ابدی عزت کا امین ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس لیے اسلام سب سے زیادہ حق کی پاسداری اور احترام کا دعویٰ کرتا ہے۔ انسانی معاشرے میں باہمی حقوق کے احترام' خوش' نیتی اور اچھائی کی اقدار اگر پروان چڑھیں تو انسانی معاشرے میں امن وسکون اور محبت و مودت کو فروغ ملتا ہے۔ لیکن اگر اس کے مقابلہ میں ایک انسان دوسرے کے حق پر ناجائز قابض ہو جائے اور اپنی آئینی ذمہ داریوں کو دوسرے کے حقوق کی بحالی کے لیے کام میں نہ لے آئے تو اس کے نتیجہ میں نفرت' انتشار اور جنگ کے رجحانات بڑھتے ہیں۔

اسلام نے انسانیت کے ہر دائرے میں ہر ایک کا حق اور فرض مقرر کر رکھا ہے اور کسی کو اس حق کے استحصال کی قانونی طور پر اجازت نہیں ہے۔ حق معاشرے کی جان ہے۔ حق کا ادا کرنا معاشرے کے ایک ایک عضو کو مضبوط اور مستحکم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اس فطری ضرورت کی اہمیت کو سب سے زیادہ محسوس کرتا ہے۔

حقوق انسانی کا تصور بعض مؤرخین کے نزدیک بابلونین بادشاہ (۲۱۳۰ سے ۲۰۸۸ قبل مسیح) حمورابی کے اصول وضوابط میں ملتا تھا لیکن اس کا کوئی قوی ثبوت نہیں ملتا۔

وسطی دور کے علمائے فلاسفہ کے نزدیک سیاسی اخلاقیات، میں حقوق کے بجائے کسی لارڈ' بادشاہ چرچ یا خدا کے حضور پیش کیے جانے والے فرائض تھے کیونکہ ان کے نزدیک عالمی نظام میں اس دور کے انسان کا یہی کردار تھا جبکہ جدید دور کے ماہرین نے اس کو مختلف اصطلاحی معانی دیئے ہیں حق انسان کا ایک فطری استحقاق ہے جس کی وجہ سے اس کو اپنی قانونی' سماجی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اسی طور پر سپائنوزا کے نزدیک حق اس قوت کا نام ہے جو کسی انسان کو معاشرے

میں ایک باوقار زندگی گزارنے کے لیے فطری طور پر حاصل ہوتی ہے۔ قانونی علماء مثلاً جیروم فرانک کے نزدیک انسان کے فطری حقوق قوت اس وقت بنتے ہیں جب عدالت یا معاشرہ اس کی منظوری دے دے۔ اس سے پہلے ان کی حیثیت توقعات یا امکانات سے زیادہ نہیں ہوتی۔ پال ونوگروڈف کے نزدیک حق سے مراد استحقاق دعویٰ ہے، جس کی بنیاد پر وہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوسکتا ہے، اور یہ معانی بایں طور کچھ حق بجانب بھی ہیں کہ آج انسان عدالتی منظوری سے ہی اپنے دعووں کی حیثیت میں حق کی صورت میں تبدیلی لایا ہے۔

روڈلف وان جیرنگ کے نزدیک حق بمعنی مفاد کے ہے، چاہے اس کی کوئی انسان خواہش کرتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ حقوق مفادات کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ لیکن مفادات حق کو کوئی تحفظ نہیں دیتے۔ بینتھم اور آسٹن کے نزدیک حق بمعنی ذمہ داری وفرض کے ہیں جو کسی فرد یا جماعت پر عائد ہوتے ہیں۔ لیکن اس ذمہ داری کا تعین صرف قانون کرتا ہے۔ جہاں اس کی عدم ادائیگی پر قانون سزا کا تعین کرتا ہے۔ اخلاقی حق یا فطری حق ایک رواجی اصطلاح ہے جو کہ بینتھم اور آسٹن کے نزدیک ذمہ داری کے معنوں میں آتی ہے، جس کی سزا کا تعین رائے عامہ یا قانون سے ہوتا ہے۔

ہارٹ میلڈن کا خیال ہے کہ اخلاقی وفطری حق کا وہ خصوصی امتیاز جو کہ فرد کو کسی دوسرے فرد کی مداخلت سے باز رکھنے میں سچ ثابت کرے، اصل حق ہے۔ ہارٹ کے نزدیک حقوق انسانی کی نوعیت اب کچھ اسی طور پر متعین ہو چکی ہے۔ جو عام لوگوں کی ضروریات زندگی مثلاً عزت نفس، آزادی تعلیم، طرز زندگی، صحت، روزگار مفادات اور تحریر وتقریر کی آزادی وغیرہ کے یکساں اور مساوی طور پر بنتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے چارٹر برائے حقوق انسانی ۱۹۴۸ء کے مطابق معاشرے کے ہر فرد کو سماجی تحفظ حاصل کرنے کا حق ہے۔ اور اسے اپنے صحت، تعلیم، طرز زندگی، طرز معاش اور خوراک وغیرہ کے حوالہ سے بہتر اور معیاری انتخاب کا حق حاصل ہے۔ حکومتیں اس بات کی پابند ہیں

کہ وہ ایسے اقدامات کریں جن سے عام فرد کو کسی بھی حوالہ سے کسی کمی، دل شکنی اور احساس کم مائیگی کا موقع نہ ملے۔ غربت، ناانصافی، ظلم اور جانبدارانہ رویوں پر احتجاج کرنے، انصاف طلب کرنے اور منظم جدوجہد کرنے کا مکمل حق ہوگا۔

انسانی معاشرہ ہزاروں سالوں سے وجود میں آیا ہوا ہے۔ اس میں کروڑوں انسانوں نے اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کی۔ اخلاقی معلمین، مصلحین، انبیائے کرام اور دانشوروں نے امن، انصاف اور خوشحال زندگی کی بقا کے لیے کام کیا۔ لیکن افسوس کہ ہر دور میں شاہی جبروت اور تسلط نے جھوٹی انا اور اپنے مکروہ مفادات کو پورا کرنے کے لیے انسانی عصمت و حرمت کا قتل کیا۔

انسان اللہ تعالیٰ کا تخلیقی شاہکار ہے اور دنیا اس کی فطری صلاحیتوں کی آزمائش کا میدان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کا سامان فطری طور پر دنیا میں ہر جگہ، ہر منظر، ہر حرکت اور تبدیلی میں تخلیق کر دیا ہے جو اسے اپنی اساس کی طرف سیدھا رہنے پر مائل کرتا رہتا ہے۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے فرمایا،

ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

قرآن مجید کی (سورۃ شمس آیت نمبر ۷ تا ۱۰) میں ہے۔

قسم ہے ہر نفس کی اور اس کو ٹھیک بنانے والے کی، پھر ہم نے اس کو الہام کر دیا اس کی نیکی اور بدی، کامیاب وہ ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک و صاف رکھا اور ناکام ہوا وہ جس نے اس کو مٹی میں ملا دیا۔"

خالق کائنات نے اس تخلیق کائنات کے ساتھ ہر ایک کے حقوق و فرائض کا تعین کر دیا اور اسی وضاحت پر اسے نیکی و بدی کا احساس دے کر اخروی کامیابی کی طرف متوجہ کیا۔

قرآن مجید کی (سورۃ الروم آیت نمبر ۳۹) میں فرمایا۔

''پس تم اپنے چہرے دین حنیف کی طرف پھیر لو جس کو اللہ تعالیٰ نے اس فطرت پر بنایا ہے جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق (کردہ راہ میں) میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ یہی دین فہیم ہے۔ لیکن انسانوں میں سے اکثر (اس کی ضرورت واہمیت کو) نہیں جانتے۔''

تمام انبیائے کرام نے اپنے اپنے دور میں حق کی تبلیغ کی اور ایک دوسرے کے حق کا لحاظ کرنے، حقوق کی ادائیگی اور اپنے حقوق کے لیے کوشش کرنے کی تعلیم دی۔ اس طرح ہر دور میں حق کے مندرجہ ذیل معانی مسلم رہے ہیں۔

۱......حق بمعنی صداقت

قد جاء رسول ربنا بالحق (بے شک میرے رب کے رسول صداقت کے ساتھ آئے) (سورۂ الاعراف:۴۱)

۲......حق بمعنی حصہ ملکیت

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (اور ان کے مالوں میں سائل کا اور محروم کا حق ہے) (سورۂ ذاریات:۱)

۳......حق بمعنی ذمہ داری

وآت ذاالقربی حقہ والمسکین وابن السبیل (اور قرابت والے کو مسکین کو اور مسافر کو اس کا مفاد دو۔

تہذیب اللغات میں حق کے معنی مندرجہ ذیل طور پر دیئے گئے ہیں۔

۱......حق بمعنی راستی، صدق، سچائی، قول فیصل

۲......حق بمعنی خدا تعالیٰ

۳......حق بمعنی درست، بجا ٹھیک

۴......حق بمعنی شان، نسبت، بابت، لیے، واسطے

۵......حق بمعنی ذمہ داری، فرض

۶......حق بمعنی استحقاق، دعوی

۷......حق بمعنی معاوضہ، بدلہ، صلہ

۸......حق بمعنی حصہ

۹......حق بمعنی اجرت، مزدوری مثلاً اپنا حق نہ چھوڑو۔

۱۰......حق بمعنی انعام نیک یعنی بہن کا حق جو شادی میں دیا جائے۔

۱۱......حق الناس یعنی بندوں کا حق اور اسے حق العباد بھی کہا جاتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ سیرۃ النبی جلد ششم کے ص ۱۸۶ پر حقوق کی وسعت کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

جب انسان کا تعلق کائنات ارضی کی ایک ایک چیز سے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری بھی اس کی ہر ہر چیز سے متعلق ہے، جمادات سے بھی کہ ان کو بے موقع صرف نہ کیا جائے، نباتات سے بھی کہ ان کو نشو نما اور تربیت کا موقع دیا جائے، حیوانات سے بھی کہ ان کو بے سبب تکلیف نہ دی جائے اور ان کے آرام و آسائش کا خیال کیا جائے اور انسانوں سے بھی کہ ان کی ہر ضرورت میں مدد کی جائے اور ان کے فریضہ محبت کو ادا کیا جائے۔ اور خود انسان کا اپنے اوپر بھی حق ہے کہ اس کا ہر عضو جس غرض کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس سے مناسب طور سے وہ کام لیا جائے۔

اسلام نے ان حقوق کو تمام کائنات میں اس طرح تقسیم کیا ہے کہ ان کا دائرہ محیط اعظم بن کر پھر آہستہ آہستہ سمٹتا ہوا بتدریج کم ہوتا ہوا مرکز پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ انسانیت کے باہمی حقوق تو بہت کچھ ظاہر ہیں لیکن انسان کے علاوہ اس کائنات ارضی کی دوسری بے جان اور جاندار چیزوں کے حقوق بھی اتنے ہی اہم ہوتے ہیں۔ اور یہ حق بایں طور کہ جس غرض کے لیے کوئی چیز پیدا کی گئی ہے، اس سے وہی کام لیا جائے اور اس کی قدرتی نشو نما، روش اور ترقی میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے بلکہ رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جائیں۔''

تورات وانجیل میں انسانی حقوق کو باہم محبت سے تعبیر کیا گیا ہے، اور انسان کو اس محبت کو ثابت کرنے کے لیے اپنے اصل حق سے بھی ہاتھ اٹھا لینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جس سے عزت نفس کی فطری طبائع تک مجروح ہوگئیں۔ جرمن فلاسفر نٹشے لکھتا ہے۔

''مسیحیت نے ہمیشہ کمزور' پست' اور بوسیدہ اشیاء کا ساتھ دیا ہے' مسیحیت نے طبائع انسانی کی تمام خوددارانہ قوتوں کا استحصال کر دینا اپنا مسلک قرار دیا۔ اور اس طرح زبردست دماغوں کا ستیاناس کر دیا۔''

بودھوں کی اخلاقی تعلیمات میں انسان اور حیوان پھر انسانوں میں اہل ملک قوم قبیلہ اور خاندان کی کوئی تمیز نہیں بلکہ سرے سے رشتہ اور قرابت ہی کی اس میں کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ ہندو قانون میں ایک جانور اور ایک انسان کا قاتل برابر درجہ رکھتا ہے اور ایک جانور بھی اپنی کسی منفعت رسانی کے باعث انسان کی ماں کا درجہ پا سکتا ہے۔ یہ سب تعلیمات غلو اور افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ اور معاشرے میں کبھی انصاف اور توازن کو رواج نہیں دے سکتیں۔ اسلام نے حقوق وفرائض کے تعین کے لیے جو میزان ترتیب دی اس میں کوئی افراط وتفریط نہیں ہے' بلکہ ہر چیز کو اس کا حق دیا گیا ہے اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا گیا۔ کیونکہ ظلم تو یہی ہوتا ہے کہ کسی کام کا اس کی اصل جگہ اور معیار سے ہٹ کر کرنا۔

انسان کو دنیا کی ہر چیز سے' جس سے اس کے نفع کا تعلق ہے' اس کی ترقی وحفاظت کا ذمہ دار ہے۔ وہ جہاں ان سے نفع اٹھانے کا حق رکھتا ہے' وہاں ان کی افزائش اور نشوونما کے حق کی ادائیگی کا پابند بنایا گیا ہے۔ اور اس اعتبار سے انسان اپنے اردگرد کے معاشرہ کے ہر عضو، ہر شے اور ہر ماحول کے تقاضوں سے حق کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کا ذمہ دار ہے اور جائز حد تک جائز انداز میں فائدہ اٹھانے کا حق دار ہے۔

قرآن مجید کا یہ ارشاد انہی حقوق وفرائض کی میزان کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کرنے اور رشتہ دار کو دینے کا حکم دیتا ہے

اور بے حیائی کی بات، ناپسندیدہ بات اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ تمہیں یہ نصیحت کی جاتی ہے تاکہ تم ہدایت پکڑ سکو۔ (سورۃ النحل ۹۰)

حقوق کا حدود اربعہ

یوں تو حقوق العباد کا مطلب ایک آدمی پر دوسرے آدمیوں کے حقوق کے ہیں لیکن وسیع معنوں میں ہر مسلمان پر انسانوں کے علاوہ جملہ مخلوق کے بھی حقوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اپنا نائب ہونے کی حیثیت سے زمین پر اور جو کچھ اس کے اوپر اور اس کے اندر ہے۔ ہر شئے پر تصرف کا اختیار دے دیا ہے۔ زمین و آسمان کے ہر شئے انسان ہی کی نفع رسانی کے لئے کام کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ یاددہانی کراتے ہیں۔

﴿هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا﴾ (سورۃ البقرہ، ۲۹)

"خدا وہ ذات کبریا ہے جس نے تمہارے لئے روئے زمین کی تمام اشیاء پیدا کیں۔"

انسان کو صرف انسان ہی سے تعلق رکھنا نہیں ہوتا صرف انسان ہی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ بلکہ جمادات، نباتات اور حیوانات بھی اپنے اپنے دائرہ کار میں اسکی خدمت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بحیثیت مختیار انسانی اختیارات استعمال کرنے کے کچھ قواعد مقرر کئے ہیں۔ جن کو ہم حقوق کہتے ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ وہ جمادات سے بھی مستفیض ہو اور انہیں ضائع نہ کرے، دنیا میں کوئی شئے بے فائدہ نہیں، چکنی مٹی، ریت، اور چونا، سیمنٹ کے عناصر ترکیبی ہے۔ ان اشیاء کا ہم پر حق ہے کہ ہم انہیں انسانیت کی فلاح میں استعمال کریں۔ نباتات سے ادویات بنتی ہیں، غذا ملتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کے ان سے فائدہ بھی اٹھائیں۔ اور اِن کی خاطر خواہ نشوونما بھی کرے، اس لئے حضور ﷺ نے درخت لگانا صدقہ قرار دیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ "جو کوئی درخت لگاتا ہے۔ تو پرندے یا جانور اس کے پھل کو کھاتے ہیں تو اس کا ثواب درخت لگانے والے کو ملتا ہے۔

(بحوالہ بخاری جلد اول باب الحرث والمزارعۃ)

حیوانات کے ساتھ بھی انسان کو حسن سلوک کرنا چاہئے۔اس سلسلے میں انسان کا پہلا فرض تو یہ ہے کہ وہ جمادات یا حیوانات سے وہی کام لے جس غرض سے وہ معرض وجود میں لائے گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اس نکتہ کی وضاحت صحابہ کرامؓ سے ایک حکایت کے ذریعے یوں فرمائی تھی۔

ایک دفعہ ایک آدمی بیل پر سوار ہو کر جا رہا تھا کہ بیل نے اچانک منہ پھیر کر سوار سے کہا کہ میں تو اس سواری کے لئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ میں تو کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ (بحوالہ بخاری جلد اول باب الحرث والمزارعة)

اس حدیث کے پیش نظر ہر انسان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ حیوانات سے بے جا کام نہ لے اور ان کی ضروریات سے غافل نہ ہو۔ابن عمرؓ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ،،ایک شخص محض اتنی سی بات پر عذاب میں گرفتار ہوا کہ اس نے بلی کو بغیر کھلائے پلائے باندھ رکھا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ (بحوالہ بخاری ومسلم۔مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ)

ایک اور حدیث قابل ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فاحشہ عورت کی اتنی سی بات پر مغفرت فرمادی کہ اس کا گذر ایک پیاسے کتے پر ہوا جو کنوئیں کی منڈیر پر پیاس کی شدت سے زبان نکالے پڑا تھا۔عورت سے نہ رہا گیا اور اس نے اپنے سر کی اوڑھنی اتاری اور پاؤں کا موزہ اسمیں باندھ کر کنوئیں سے پانی نکالا اور کتے کو پلادیا اس پر دریائے رحمت جوش میں آگیا اور عورت کی بخشش ہوگئی،اس پر صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا جانوروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا ثواب ملے گا۔

(بحوالہ بخاری ومسلم مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ)

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف انسانوں کے ہی نہیں بلکہ حیوانات کے بارے میں بھی ہم پر ذمہ داری عائد کرتے ہیں انسانوں کو حیوانوں کے حقوق و

معاملات میں انسانوں کے حقوق سے بھی زیادہ محتاط ہونا چاہے کیونکہ انسان سے تو ہم اپنی زیادتی کی معافی مانگ سکتے ہیں مگر بے زبان ہونے کی وجہ سے حیوان زیادتی کرنے والے کو معاف نہیں کرسکتا ۔اس لئے حیوانوں پر زیادتی کرنے والوں کا روز قیامت بچنا محال ہوگا۔الغرض حقوق اللہ کے علاوہ حقوق مخلوق کا دائرہ وسیع ہےاور ہر ذی روح سے شئے کے معاملات پر بھی محیط ہے۔

حقوق اللہ

خالق کائنات نے انسان کو زندگی عطا کی اور تمام کائنات کو اس کا مطیع بنایا، ساتھ ہی اس عطیہ کے لئے شکر گذاری کا طریقہ بھی بتلایا۔ یہ طریقہ چند فرائض کی بجا آوری ہے۔ ان کا تعلق براہ راست خدا اور بندے سے ہے اور اُن کا نام اللہ کے حقوق رکھا جو بندوں پر فرض ہیں، یہ توحید، نماز، روزے، حج، زکوٰۃ ہیں، یہ فرائض اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق متعین کرتے ہیں ۔یہ انسانی زندگی کا مقصد ہیں۔ یہ مقصد قرآن حکیم کی زبان میں یوں ہے:﴿وما خلقت الجن والانسَ الا لیعبُدون﴾

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے''۔

(سورۃ الذاریٰت،٥٦)

اِس سے معلوم ہوا کے وظیفہ عبودیت ادا کرنا حقوق اللہ کی بنیاد ہے۔ یہاں ایک ضمنی سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کو کیا ضرورت تھی کہ انسان اور ساری کائنات کو تخلیق کرتا اس کا جواب اس آیت کریم میں یوں ہے۔

﴿اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰتٍ ومنَ الأرض مثلھن ،یتنزل الامرُ بینھُن لتعلمُوا ان اللہ علٰی کل شیء قدیرٌ وأنَّ اللہ قد احاط بکل شئٍ علما﴾.

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان کے برابر زمین

بھی۔ان میں اللہ کا حکم نازل ہوتا رہتا ہے۔تا کہ تم جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اور، س کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔" (سورۃ الطلاق۔۱۲)

اس ارشاد الٰہی سے واضح ہوا کہ تخلیق کائنات اور اس میں انتظامی احکام جاری کرنے سے مقصود صفات باری کا اظہار اور اس کے کمالات کا تعارف کرانا ہے۔اس مقام پر صوفیاء کرام ایک حدیث قدسی بھی نقل کرتے ہیں:۔

﴿کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف﴾

"میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔"

گو محدثین کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں مگر اس کا مضمون شاید آیت مذکرہ سے ماخوذ ومستفاد ہے۔اور دوسری آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

جس طرح ایک تخلیق کار اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کے اظہار کیلئے کوئی تخلیق کرتا ہے اس طرح خدا نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہا تو کائنات کا سلسلہ بنا دیا۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ربط

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ایک دوسرے سے کٹے ہوئے اور علیٰحدہ نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور پیوست ہیں ایک کی ادائیگی سے دوسرے کی بھی ادائیگی ہو جاتی ہے۔حقوق العباد کی ادائیگی کا حکم چونکہ اللہ کی طرف سے ہے لہٰذا اس کی ادائیگی سے اللہ کے حکم کی ادائیگی ہوگی۔جب کہ اللہ کے حکم کی ادائیگی حقوق اللہ کے زمرے میں آتی ہے اور یہ عبادت شمار ہوتی ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا بھی نیکی ہے۔" (بحوالہ مسلم کتاب الایمان)

راستہ سے پتھر ہٹانا مخلوق خدا کو تکلیف سے بچانا ہے۔لہٰذا یہ نیکی قرار دی گئی ہے۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ کس طرح حقوق اللہ کی ادائیگی میں حقوق العباد کی ادائیگی

بھی شامل ہو جاتی ہے۔

حقوق اللہ میں سب سے پہلا حق خدا کی توحید پر ایمان ہے۔توحید کی غرض صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کائنات کا لاشریک خالق و مالک تسلیم کیا جائے بلکہ یہ بھی کہ انسان بحثیت نائب خدا (انی جاعلٌ فی الارض خلیفة) زمین کے معاملات صفات الٰہی کی روشنی میں طے کرے۔

انسان اللہ کی وحدانیت کا پیروکار اور مبلغ اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے کردار میں صفات الٰہی یعنی عدل رحمت' انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ کا مظاہرہ نہ کرے۔ دنیا میں انسان نے خدا کی بندگی کے علاوہ خدا کی نمائندگی بھی کرنی ہے۔اس لئے ذات انسانی میں صفات رحمانی کا ہونا ضروری ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿صبغة اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغة﴾

''اللہ کا رنگ اختیار کرو اس رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا'' (سورۃ البقرہ۔ ۱۳۸)

اور یہ رنگ کیسے چڑھتا ہے۔اس کا بیان اس معروف قول میں ہے۔

﴿تخلقوا باخلاق اللّٰہ﴾. (دین وشریعت صفحہ۱۷۹)

''اپنے اندر اللہ کی صفات پیدا کرو۔،،

یعنی انسان اپنی زندگی میں اللہ کی صفات کا اظہار کرے۔اللہ عادل ہے۔انسان بھی ہم جنسوں سے معاملات وتعلقات کی بنیاد عدل پر قائم کرے' اللہ رحیم وکریم ہے تو مؤمن بھی حلقہ یاراں میں بریشم نرم ہو۔اللہ قہار وجبار ہے تو مؤمن بھی رزم حق و باطل میں فولاد ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفات رحمت وربوبیت کی جنگ جس معاشرے میں ہوگی وہ معاشرہ احساس محرومی سے بے نیاز' پرسکون اور خوش رنگ زندگی سے ہم کنار ہوگا۔

توحید کے بعد حقوق اللہ کا اہم ترین جزو نماز ہے۔جو اللہ کی رضا اور قربت اور انوار سے مستفیض ہونے کا ذریعہ ہے یہ اعزاز حاصل کرنے سے پیشتر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو یہ جائزہ لینا ہوگا کہ وہ جس گھر میں نماز ادا کرتا ہے اس کی وہ عمارت ناجائز آمدنی سے تو نہیں

کھڑی کی گئی۔ جولباس زیب تن کئے ہوئے ہے۔ وہ حرام ذریعہ سے تو نہیں حاصل کیا اور جس جسمانی توانائی کی وجہ سے وہ اللہ کے سامنے حاضر ہوئے وہ رزق حرام نے تو مہیا نہیں کی۔ اس خود احتسابی کے بغیر نماز بے اثر ہوگی۔ اللہ باری تعالیٰ کا اس آیت میں یہی مقصد معلوم ہوتا ہے۔

﴿ان الصلوٰة تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر﴾

''بے شک نماز فحاشی اور برائی سے روکتی ہے۔'' (سورۂ عنکبوت،۴۵)

اور اگر یہ خود احتسابی ہوگی۔ تو مسلمان ان برائیوں سے بچے گا جو نماز کی قبولیت میں حائل ہوتے ہیں۔ جب ان برائیوں سے بچے گا تو حقوق العباد کا تحفظ خود بخود ہو جائے گا۔

نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا اہم حق زکوٰۃ کی ادائیگی ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں تین سے زائد مقامات پر ﴿اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ﴾ کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ اور ستر سے زائد مقامات پر انفاق فی سبیل اللہ کا حکم ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے اس حق کی ادائیگی کو چند لوگوں کے حقوق سے عہدہ برآ ہونے کیساتھ مشروط کیا ہے۔ زکوٰۃ صرف صاحب نصاب شخص پر فرض ہوتی ہے اور اس کا مصرف فقراء، مساکین، محرومین وغیرہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کمال شفقت ورحمت سے اپنے ضرورت مند بندوں کی فلاح و بہبود ہی کو اپنا حق قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ کا چوتھا حق روزہ ہے۔ روزے کے ذریعے مسلمان کو دوسرے کی بھوک و پیاس کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اپنے جذبات وحرکات کو بھی پابند کرتا ہے۔ جنہیں اگر وہ بے لگام کردے تو لوگوں کے حقوق میں خلل اندازی ہو۔ اس طرح روزہ ضبط نفس اور حصول تقویٰ کا سالانہ تجدیدی نصاب بھی ہے۔ اور یہ بھی حقوق العباد کی حسن ادائیگی کا دیباچہ ہے۔

اللہ باری تعالیٰ کا پانچواں حق حج ہے۔ جو اخوت ومساوات کا عملی اظہار ہے جس

سے پتہ چلتا ہے کہ کن جذبات پر انسانوں کے باہمی تعلقات ومعاملات کی بنیاد قائم ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی حق ہے کہ مسلمان عالم انسانیت کی مجموعی فلاح کے لئے جدوجہد کے ذریعہ نظام الٰہی قائم کرے۔اس کو اسلام میں جہاد کا نام دیا گیا ہے، ارشاد ہے۔

﴿الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰة واتو الزکوٰة وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر﴾

''وہ جن کو اگر ہم زمین پر طاقت بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے۔زکوٰۃ دیں گے۔نیکی کا حکم دینگے اور بدی سے روکیں گے۔'' (سورۃ الحج۔۴۱)

حقوق العباد کی حسن ادائیگی، برائی کے خاتمے اور نیکی کی اشاعت پر موقوف ہے اس لئے مسلمان پر زبان، قلم اور ہتھیار کے ذریعے جہاد فرض کیا گیا ہے۔جہاد سے مراد محض قتال (جنگ) نہیں بلکہ یہ لفظ جدوجہد اور کشمکش کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

مذاہب عالم اور حقوق انسانی

خالق کائنات نے تخلیق کائنات کے بعد جب خیر وشر کی قوتوں کو بنی آدم کے لئے وجہ آزمائش بنایا تو ساتھ ہی بنی آدم کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اپنے دین کے ساتھ انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا۔اس سلسلہ کے انبیائے کرام میں سے صرف چند کا تذکرہ قرآن میں ملتا ہے، حالانکہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے۔اسلام ان سب انبیاء کا دین تھا اور ان کی تعلیمات ہر علاقے کی وہاں کی ضروریات کے مطابق انہی کی زبانوں کے مطابق تھی۔صاحب شریعت نبی جن کا قرآن مجید میں ذکر ملتا ہے وہ صرف چند ہیں۔دنیائے عالم کے کئی دیگر علاقوں میں مبعوث ہونے والے انبیائے کرام اور ان کی شریعت کی تعلیمات صحیح حالت میں دستیاب نہیں ہیں اور لوگوں نے اپنی طرف سے انہیں مختلف نام دیئے ہیں۔اور اس

دوران کچھ دیگر علماء اور اللہ کے بندے ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے انسانیت کو اپنے اپنے الفاظ میں خیر کی تعلیم دی اور ان کے پیرو کاروں کی بڑی جماعتیں بن گئیں۔اس طرح آج یہ واضح کرنا مشکل ہوگیا ہے کہ عیسائیت، یہودیت اور اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کہاں تک الہامی مذہب ہیں۔جن میں زرتشت، ہندومت، جین مت سکھ مت اور بدھ مت وغیرہ بڑے وسیع علاقے میں ماننے اور جانے والے مذاہب ہیں۔طلوع اسلام کے وقت یہودی اور عیسائی مذہب کے لوگ عرب میں موجود تھے قرآن نے ان کی تصدیق کردی کہ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار جماعت ہیں۔لیکن انہوں نے اپنی اپنی جگہ پر اپنے انبیاء کرام کی کتب اور تعلیمات میں تاویلات وتبدیلیاں کر کے اس کی اصل کو مسخ کردیا ہے۔لیکن جو کچھ ان کا دعویٰ ہے اس کے مطابق ذیل کے صفات میں دیکھتے ہیں کہ وہ حرمت انسانی اور حق اور انسان کے حوالہ سے ان کی کیا کیا تعلیمات ہیں۔

یہودیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے جید پیغمبر تھے جو مصر کے فراعنہ کے ظلم و جور سے بنی اسرائیل کو بچانے کے لئے آئے اور انہیں بچانے میں کامیاب ہوگئے۔باوجود اس کے ان کی قوم انتہائی ہٹ دھرم اور لاڈلی تھی۔حالات واقعات کے تناظر میں یہ اس دور کے حقوق انسانی کے استحصال کے خلاف احتجاج کی بہت بڑی تحریک تھی اور آج ادبیات عالم میں فرعون کو ظلم و جور کا نشان اور بنی اسرائیل کو مظلوم مجبور اور جلاوطن قوم کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ظلم و جور کے خلاف آزادی انسانیت کی تحریک لے کر اٹھے خدا کی وحدانیت کا علم بلند کیا۔فرعون کی جھوٹی خدائی کو چیلنج کیا ایک خدا کی حقانیت کے بھولے سبق کو دوبارہ یاد دلایا۔آپ فرماتے تھے کہ میں بنی اسرائیل کی گمراہ بھیڑوں کو اپنی اپنی راہ پر لگانے آیا ہوں۔آپ کی تعلیمات کے

صحائف اصل حالت میں کسی سے نہیں ملتے۔آپ کی زندگی کے حالات وواقعات اور خطبات وغیرہ کو عہد نامہ قدیم میں پیش کیا گیا ہے۔آپ پر نازل کی جانے والی کتاب۔ توریت کی صداقت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے لیکن وہ اصل حالت میں نہیں ملتی۔بائبل عہدنامہ قدیم میں دی گئی توریت بہت مختلف ہے۔

قرآن مجید میں جو آیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے متعلق ہیں،ان سے آپ کی تعلیم اور جدوجہد کی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔

سورۂ طٰہ میں ارشاد ہے (اے حضرت موسی) اس لئے کہ ہم تمہیں بڑی نشانیاں دینے والے ہیں اب تو فرعون کے پاس جاوہ سرکش ہوگیا ہے۔ (آیت نمبر ۲۴ ۲۳)

۲......اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنے کام کا بنالیا ہے جا تو اور تیرا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ اور دیکھو تم میری یاد میں تقصیر نہ کرنا جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہوگیا ہے اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا،شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔ (آیت نمبر۴۴۴۳)

۳......فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لائے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا، معلوم ہوگیا کہ یہ تمہارا گروہ ہے،جس نے تمہیں جادوگری سکھائی تھی۔اچھا اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواتا ہوں اور کھجور کے تنوں پر تمہیں سولی دیتا ہوں پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔ (آیت نمبر ۷۱)

اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور طور کے دائیں جانب تمہاری حاضری کے لئے وقت مقرر کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا،کھاؤ ہمارا دیا ہوا پاک رزق،اسے کھا کر سرکشی نہ کرو ورنہ تم پر میرا غضب ٹوٹ پڑے گا۔اور جس پر میرا غضب ٹوٹا وہ پھر گر کر ہی رہا۔البتہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھا چلتا رہے اس کے لیے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں۔

اور بیشک ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرقان اور روشنی اور ذکر عطا کر چکے ہیں ان متقی لوگوں کے لیے جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈریں اور جن کو اس گھڑی کا کھٹکا لگا ہوا ہو۔ اور اب یہ بابرکت ''ذکر'' ہم نے تمہارے لیے نازل کیا ہے پھر کیا تم اس کو قبول کرنے سے انکاری ہو۔ (الانبیاء۔ آیت نمبر ۵۰۔۴۸)

یاد کرو اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا ماں باپ کے ساتھ رشتے داروں کے ساتھ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا لوگوں سے بھلی بات کہنا نماز قائم کرنا زکوٰۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اب تک پھرے ہوئے ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۸۴ ۸۳)

یاد کرو ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا تم نے اس کا اقرار کیا تھا تم خود اس پر گواہ ہو مگر آج تم وہی ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانماں کر دیتے ہو، ظلم وزیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جتھہ بندیاں کرتے ہو، اور جب وہ لڑائی میں پکڑتے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کی رہائی کے لیے فدیہ کا لین دین کرتے ہو حالانکہ انہیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔ اللہ ان کی حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت بیچ کر دنیا کی زندگی خرید لی ہے لہٰذا نہ ان کی سزا میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ (سورۃ البقرہ ۸۶۔۸۴)

اور تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام کیسی کیسی روشن نشانیاں لیکر آیا۔ پھر بھی تم ایسے ظالم تھے کہ اس کی پیٹھ موڑتے ہی بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے۔ پھر ذرا اس میثاق کو یاد کرو

جو طور کو تمہارے اوپر اٹھا کر ہم نے تم سے لیا تھا۔ ہم نے تاکید کی تھی کہ جو ہدایت ہم دے رہے ہیں ان کی سختی کے ساتھ پابندی کرو اور کان لگا کر سنو تمہارے اسلاف نے کہا کہ ہم نے سن لیا مگر مانیں گے نہیں اور ان کی باطل دوستی کا حال یہ تھا کہ دلوں میں ان کے بچھڑا ہی بسا ہوا تھا۔ کہو اگر تم مؤمن ہو تو یہ عجیب ایمان ہے جو ایسی بری حرکات کا تمہیں حکم دیتا ہے۔ (البقرہ ۹۳ ۔۹۲)

اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانون کو قتل کیا۔ اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا پورے انسانوں کو زندگی بخش دی۔ مگر ان کا حال یہ ہے کہ ہمارے رسول پے در پے ان کے پاس کھلی ہدایت لے کر آئے لیکن پھر بھی ان میں بکثرت لوگ زمینہ میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

(سورۃ المائدہ: ۳۲)

توریت میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا ہے کہ جان کے بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے بدلے ناک کان کے بدلے کان دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ، پھر کوئی قصاص کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

(سورۃ المائدہ ۴۵)

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی جو بھلائی کی روش اختیار کرنے والے انسانوں پر نعمت کی تکمیل اور ہر ضروری چیز کی تفصیل اور سراسر ہدایت و رحمت تھی شاید لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لے آئیں۔ (سورۃ الانعام:۱۵۴)

پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا مگر انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا پس دیکھو کہ ان فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ (سورۃ الاعراف:۱۰۳)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور آخری کامیابی انہی کے لیے ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔ اس کی قوم نے کہا تیرے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جاتے تھے اور اور اب تیرے آنے پر بھی ستائے جا رہے ہیں جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ قریب ہے وہ وقت کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور تم کو زمین پر خلیفہ بنائے پھر دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (سورۃ الاعراف:۱۲۹۔۱۲۸)

تب ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلا دیا تھا اور ان سے بے پرواہ ہو گئے تھے۔ اور ان کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے۔ اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کیا تھا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدہ خیر پورا ہوا۔ کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا۔ اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ برباد کر دیا جو وہ بناتے اور چڑھاتے تھے۔ (سورۃ الاعراف:۱۳۷)

قرآن مجید نے اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور اس وقت کے فرعون کے مظالم اور اس کا انجام کھول کھول کر بیان کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا مذہب انسان کی آزادی اور حرمت کی بحالی کا مذہب تھا۔ وہ سراسر بھلائی اور صلہ رحمی کی دعوت تھی۔ تکبر، ظلم، غرور اور فجور کے پیمانوں کے خلاف انہوں نے آواز اٹھائی۔ صبر و تحمل سے مقابلہ کیا اور آخر انجام کار فتح یاب ہوئے۔

عیسائیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ آپ کی بعثت سراسر معجزہ تھا۔ جو اس دور میں پھیلی ہوئی جہالت، گمراہی، ظلم اور فسق و فجور کے خلاف انسانیت کی ہدایت کے لئے مبعوث کئے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی

خداوند تعالیٰ نے انجیل کی صورت میں کتاب عطا کی آپ نے پیدا ہوتے ہی اعلان فرمایا۔
''بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ جب تک میں زندہ ہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا۔ اور مجھ کو جبر کرنے والا اور شقی دل نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں ۔ (سورۂ مریم:۳۳۔۳۰)

پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد ابن مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا توریت میں سے جو کچھ اس کے سامنے تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی توریت میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا اس کی تصدیق کرنے والی تھی اور خداترس لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں۔ جو اللہ نے ان میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

(سورۃ المائدہ:۴۷۔۴۶)

یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (سورۃ المائدہ:۷۲)

اور وہ (ابن مریم) دراصل قیامت کی نشانی ہے پس تم اس میں شک نہ کرو اور میری بات مان لو یہی سیدھا راستہ ہے ایسا نہ ہو شیطان تم کو اس سے روک دے وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور جب عیسیٰ ابن مریم نشانیاں لیے ہوئے آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ میں تم دونوں کے پاس حکمت لے کے آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض ان باتوں کی حقیقت کھول دوں جن میں تم اختلاف کررہے ہو۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، حقیقت یہ ہے کہ اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ اس کی تمام

عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ مگر اس صاف تعلیم کے باوجود گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا پس تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ظلم کیا۔ ایک دردناک دن کے عذاب سے۔ (سورۃ الزخرف :٦٥۔٦٣)

اس سے پہلے ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تھی۔ ان کو ہم نے عمدہ سامان زیست سے نوازا۔ دنیا بھر کے لوگوں پر انہیں فضیلت عطا کی اور دین کے معاملے میں انہیں واضح ہدایات دے دیں۔ پھر جو اختلاف ان کے درمیان رونما ہوا وہ علم آجانے کے بعد ہوا اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ اللہ قیامت کے روز ان معاملات کا فیصلہ فرما دے گا۔ (سورۃ الجاثیہ: ١٧۔١٦)

''میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے نشانی لیکر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے ایک پرندے کا مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں۔ وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھے کو اچھا کرتا ہوں۔ اور اس کے اذن سے مردے کو زندہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ اس میں تمہارے لیے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اور میں اس کی تعلیم و ہدایات کی تصدیق کرنے والا بن کے آیا ہوں کہ تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو حلال کردوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ دیکھو میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے نشانی لیکر آیا ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا رب بھی ہے۔ لہٰذا تم اس کی بندگی اختیار کرو یہی سیدھا راستہ ہے جب عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر و انکار پر امادہ ہیں تو انہوں نے کہا: کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے۔ حواریوں نے جواب دیا'' ہم اللہ کے مددگار ہیں۔'' ہم اللہ پر ایمان لائے آپ گواہ ہیں کہ ہم مسلم ہیں۔ مالک جو فرمان تو نے نازل کیا ہے ہم نے اسے مان لیا اور رسول کی پیروی قبول کی ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ۔ (سورۃ آل عمران:٥٣ ۔ ٤٩)

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے انہوں نے ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ برا طرز عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔ آج تم ان میں بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو کفار کی حمایت اور رفاقت رکھتے ہیں۔ یقیناً بہت برا انجام ہے جس کی تیاری ان کے نفسوں نے ان کے لئے کی ہے اللہ ان پر غضب ناک ہوگیا ہے اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ اگر فی الواقع یہ لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر اور اس چیز کے ماننے والے ہوتے جو پیغمبر پر نازل ہوئی تھی تو کبھی کافروں کو اپنا رفیق نہ بناتے۔ مگر ان میں سے تو بیشتر لوگ خدا کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔ (سورۃ المائدہ:۸۱۔۷۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجسم رحمت کا پیام بن کر آئے۔ آپ کی معصومانہ باتیں سچائی، راست بازی کی نصیحتیں اور لفظی صنائع و بدائع اور دلکش تمثیلوں سے بھری ہوئی تقریریں ایک عالم نے سنیں۔ ان کی تعلیم محبت بھائی چارے، صلہ رحمی اور حلم و کرم کی تھی۔ عفو و درگزر کمال حد تک تھا۔ آپ نے فرمایا:

تم نے یہ سنا ہوگا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ برائی کا برائی کے ساتھ مقابلہ نہ کرو بلکہ جو شخص تمہارے داہنے گال پر تماچہ مارے اس کے آگے دوسرا گال بھی حاضر کر دو۔ جو شخص لڑنے جھگڑنے میں تمہارے کپڑے پکڑے اس کو چادر بھی دے دو جو شخص تم کو ایک میل تک بیگاری پکڑ لے جائے اس کے ساتھ دو میل تک چلے جاؤ۔ جو تم سے مانگے اسے دو جو تم سے قرض لینا چاہے اس کو واپس نہ کرو۔ تم نے یہ کہتے ہوئے تو سنا ہوگا کہ اپنے عزیزوں سے محبت اور اپنے دشمنوں سے بغض رکھو لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمن سے محبت رکھو۔

(متی باب:۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے دنیا میں جو کہا یا سنا گیا تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ

السلام کا قانون تھا۔ جو بالکل عدل وانصاف پر مبنی تھا۔ لیکن اب جو کچھ دنیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے سن رہی تھی وہ سراسر اخلاق، رحمت اور احسان تھا۔ لیکن اس سرتاپا روحانی اخلاقیت پر مبنی تعلیمات کو کبھی بھی عیسائی عمل میں نہ لا سکے۔

انجیل نے اخلاقی تعلیمات کا نہ صرف یہ کہ احاطہ نہیں کیا بلکہ ان کی تفصیل بھی نہیں کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد درحقیقت بنی اسرائیل کی رسم پرستی اور شریعت کی ظاہری پابندی کے خلاف معنی اور روح کی طرف دعوت تھی۔ یہ حقیقت جس طرح احکام میں نظر آتی ہے، اخلاق میں بھی جھلکتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اخلاقی تجدد واصلاح یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت، حضرت داؤد کی زبور، حضرت سلیمان کے امثال اور دوسرے اسرائیلی صحیفوں میں جو خالص بلند اخلاقی تعلیمات منتشر تھیں اور جن کو بنی اسرائیل اپنے قانون احکام کے سامنے بھلا بیٹھے تھے سب کو یکجا کر کے اپنے مشہور وعظ میں ان کے سامنے پیش کیا۔ اس مشہور اخلاقی وعظ میں بہ ترتیب حسب ذیل باتیں بیان کی گئیں تھیں۔

”دل کی غریبی غمگینی، حلم وبردباری، راست بازی، رحمدلی، پاک دلی، صلح جوئی صبر ودرگزر، پاک دامنی قسم کھانے کی ممانعت، ظالم کا مقابلہ نہ کرنا، قرض معاف کرنا دشمنوں کو پیار کرنا، ریا کی،

مخالفت، توکل، عیب نہ لگانا، جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں ایسا تم بھی ان کے ساتھ کرو“

یہ اخلاقی تعلیمات بیشتر انہی لفظوں کے ساتھ ہیں جو انجیل میں ہے۔ بنی اسرائیل کے بیشتر مختلف صحائف میں مذکور ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاص طور سے ان اخلاقیات کو بنی اسرائیل کے سامنے پیش کرنے سے مقصود ان میں اخلاقی توازن قائم کرنا اور رسمی اخلاق اور لفظی شریعت کے اصل روح ومعانی کو جلوہ گر کہنا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ تعلیمات اعلیٰ انسانی رحمت کی معراج تھیں لیکن ان

میں عدل نہ تھا۔ بلکہ عفو کا پہلو زیادہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انسانی فطرت اس کو قائم نہ کر سکی۔ اور بنی اسرئیل نے کبھی اس کو نہ اپنایا۔ آج کی عیسائیت بھی ظاہری طور پر ان تعلیمات کا پرچار کرتی ہے لیکن باطنی طور پر ان کے جذبات حد درجہ منتقمانہ اور ظالمانہ ہوتے ہیں۔ جن کا ظہور سلطنت روما اور اس کے بعد صلیبی جنگوں کے دوران دیکھنے میں آیا۔

ہندومت

برصغیر پاک وہند میں سب سے پرانا ویدک مذہب ہندومت ہے، اس کی تعلیمات میں بھی انسانوں کی حرمت کا بڑا احساس پایا جاتا ہے، لیکن انسان کو اتنا گرادیا جاتا ہے کہ افضل مخلوقات کو ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کی پوجا پاٹ میں ڈال دیا جاتا ہے۔

ہندومت کی کچھ تعلیمات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں، جن سے ہندومت میں حقوق انسانی کی تعلیمات کو دیکھنے اور سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

۱۔ جن کا آتما پوتر ہے وہی سمادہی اوستھا میں اسے دیکھتے ہیں۔ (منڈوک:۳۔۱)

۲۔ ایک اور مضبوط جسم جو پانچ عناصر کے جسم سے ذروں سے بنتا ہے، اور دکھ سہتا ہے۔ بدکار آدمیوں کی (حالت میں) موت کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ (منو۱۲۔۱۶)

۳۔ ایک شخص اپنے برے یا بھلے مانس کرموں کا پھل اپنے من میں پاتا ہے اور واچک کرموں کا پھل بانی میں اور کا یک کرموں کا اپنے جنم میں پاتا ہے۔

اس دنیا میں کیا ہوا برا کرم بغیر سزا پائے نہیں رہتا۔ اور نہ ہی یہ فوراً پھل وصول کر لیتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جاہل لوگ پاپ سے ڈرتے نہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بدافعالی کی مشق آہستہ آہستہ کرتے ہوئے تمہاری خوشی کی جڑ کو کاٹ دیتی ہے۔

(منو:۴۔۹۲)

۴۔ ایک طالب علم کو شہوانی خواہشات کو اپنے دل میں جگہ دینے اور کام آتر سے عورت کی طرف دیکھنے کی ممانعت ہے۔ سوامی دیانند زنا کاری کی قسمیں بتلاتا ہے۔ جن

میں سے تین یہ ہیں۔

۱۔ شہوانی نظر سے عورت کی طرف دیکھنا۔

۲۔ شہوت انگیز باتیں کرنا یا کتب پڑھنا

۳۔ شہوانی خیالات دل میں پیدا کرنا ۔

۵۔ کسی عقلمند شخص کو معمولی باتوں پر قسمیں نہ کھانی چاہیے کیونکہ جو شخص قسمیں کھاتا ہے وہ دین و دنیا سے جاتا رہتا ہے۔ (منو:۸۔۱۱۲)

۶۔ بدلہ، بددعا نہ دو، نہ ہی ایک کمینہ چالبازی کمینہ دھوکہ دے طامعنہ لالچ اور ظالمانہ شہوت کا بدلہ اس طرح کے کام سے دو بلکہ ہمیشہ ضربوں اور بددعاؤں اور کمینہ شریرانہ برے افعال کے بدلے آشیرباد دو۔ (رگ وید۔۹۱۔۸)

۷۔ نیکی مختلف ہے اور بلاشبہ راحت بھی مختلف ہے۔ دونوں انسان کو ایک دوسرے سے مختلف مقاصد کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان میں سے جو شخص نیکی کو قبول کرتا ہے اسے آزادی حاصل ہوتی ہے لیکن جو راحت کو پسند کرتا ہے وہ منزل مقصود کھو بیٹھتا ہے۔ عقلمند آدمی راحت پر نیکی کو ترجیح دیتا ہے عام آدمی راحت بخش چیزوں کو اور ان کے حصوں کو اور ان کے قائم رکھنے کو پسند کرتا ہے۔ (کٹھ اپنشد)

۸۔ جاگو اٹھو اور میاں گورو کے پاس پہنچ کر پڑھو۔ رشی کہتے ہیں کہ راستہ بڑا مشکل ہے اور اس کو عبور کرنا ایسا مشکل ہے جیسا کہ تیز استرے کی دھار پر چلنا۔

(کٹھ اپنشد:۱۱۱۔۹)

۹......جو آتم گیان والے کو پوجا کرتا ہے وہ برہم کے اس اعلیٰ ترین دھام کو جانتا ہے جس میں وہ برہم رہتا ہے۔ جو تو میرے لئے کلیاں کاری سمجھتا ہے وہ کر۔ (یجر وید:۱۱۱۔ ۳)

مندرجہ بالا ویدک استعارے اخلاقی جالوں کا ایک گورکھ دھندا ہے اس مذہب میں انکساری بلا کی ہے۔ دھوکا چاپلوسی اور سازش ہندوؤں کے کردار کی نمایاں نشانیاں ہیں، جس سے انسانی سوسائٹی میں اعلیٰ اور سچے معاشرے کا ابھرنا محال ہے۔

حقوق انسانی دھوکا دہی اور چاپلوسی کی چالوں سے ہی تو قتل ہوتے ہیں جس طرح آج کل ہندو بنیا کشمیر کے مسلمانوں آسام کے مظلوموں اور ہندستان کے عیسائیوں کے ساتھ روا رکھے ہوئے ہیں۔ اقتدار ان غریب اقلیتوں کے ساتھ کیے گئے مظالم کا انکار کرتا ہے اور ادھر ہندو دہشت گرد تنظیموں کو ان کے مشن مکمل کرنے کی کھلی انتظامی سہولیات میسر ہوتی ہیں

بدھ مت اور حقوق انسانی

بدھ ازم کا اخلاقی پہلو سب سے زیادہ پر کشش ہے بدھ مت میں ایسی ہدایت ملتی ہیں جو زندگی کے ہر پہلو کے لئے کافی ہیں اور یہ ہدایات سب بنی نوع انسان کی خیر اندیشی نہیں بلکہ حیوانات تک کی بھلائی کے حکم دیتے نظر آتے ہیں دھم پارس جسے بشکل مجموعہ اشعار مقدس سمجھا جاتا ہے وہ درج ذیل اخلاقی نقطہ اور اساسی اصول بدھ مت ہے

"سب برے کاموں کا چھوڑنا حتی الوسع نیکی کرنا صفائی قلب کا حاصل کرنا یہی بدھ کا دھرم ہے"

ایسے لوگ جو ہشتگانہ مسلک پوری طرح نہیں اپنا سکتے ان کے لئے پانچ آگیاں ہیں۔

جو بطریق پرتکیا یا پرن کے ہیں ان کو احکام تو نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بدھا نے انہیں خدا کی طرف سے نہیں کہا:

۱۔ یہ اقرار کرنا کہ کسی ذی جان کو نہ ماروں گا۔
۲۔ یہ اقرار کرنا کہ کوئی ایسی شے نہ لونگا جو بہ خوشی نہ دی گئی ہو۔
۳۔ یہ اقرار کرنا کہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔
۴۔ یہ اقرار کرنا کہ منشیات یا مسکرات سے احتراز کروں گا۔
۵۔ یہ اقرار کرنا کہ ناجائز مباشرت نہ کروں گا۔

مندرجہ بالا پانچ قرار دراصل طمع نفرت حرمت جان اور بے قابو خواہشات کے ان بے لگام گھوڑوں کو لگام دیتے ہیں جن کی وجہ سے حقوق انسانی روندے جاتے ہیں اس کے علاوہ بھی جگہ بہ جگہ بدھا کی تعلیمات میں محبت انسانی حرمت، اور انصاف وتوازن کا درس ملتا ہے۔ مثلاً

۱۔ اصلی انند تب ملتا ہے جب دل میں نیک خیالات پیدا ہوں۔

۲۔ نفرت سے نفرت پر فتح نہیں ملتی بلکہ محبت سے نفرت پر فتح ملتی ہے۔

۳۔ ناراض کو محبت سے مغلوب کرو برے کو نیکی سے کمینہ کو فراخ دلی سے اور جھوٹے کو صداقت سے۔

۴۔ جو خوشی غیر انصافی سے ملی ہے وہ زہریلی غذا کی طرح ہے اس سے نفرت ہی دھرم ہے۔

۵۔ جو شخص اپنی ہی خوشی کا طالب ہے اور ابنائے جنس کو ایذا پہنچاتا ہے وہ کبھی امن نہیں پاتا۔

۶۔ ماتحتوں کے ساتھ التفات واجب التعظیم کا احترام انضباط نفس جس میں نیکی اور رحمدلی شامل ہو یا اسی قسم کے کام اور رواج ہیں جس کی پیروی کرنا چاہیے۔

۷۔ وہ دکھ سے آزاد ہوتا ہے جو من قسمت کے صدموں سے نہیں کانپتا۔

۸۔ جو غم وغصہ سے آزاد ہو وہ ہمیشہ امن میں دن گزارتا ہے۔

۹۔ ہر ذی جان کی طرف رحمدل اور دردمند ہو۔

۱۰۔ دوسروں کی عیب جوئی آسان ہے اپنے نقص ظاہر کرو اور ان سے بچو۔

۱۱۔ ترحم اور کفایت شعاری سے اصل خزانہ جمع ہوتا ہے جو لازوال ہے جسے نہ چور اور نہ کوئی اور طاقت چرا سکتی ہے۔

۱۲۔ جانو تم کہ جو اپنی نفس پر فتح پاتا ہے سب سے بڑا فاتح ہے نہ کہ وہ جو کئی لڑائیاں فتح کرتا ہے۔

۱۳۔ خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کی قدر و منزلت کرے عزت کا سلوک کرے اس سے الفت رکھے وفادار رہے اور ایسا سلوک کرے کہ اور لوگ بھی عزت کریں اپنی بیوی کی ضروریات مہیا کرے۔

۱۴۔ بیوی کو چاہیے کہ خاوند سے پریم رکھے گھر کو آراستہ رکھے مہمان نواز ہو باعصمت رہے وفادار رہے اور اپنے فرائض لیاقت اور شوق سے ادا کرے۔

۱۵۔ آقا کو چاہیے کہ وہ اپنے ملازموں کا خیر اندیش رہے کام کا بہت بوجھ ان پر نہ ڈالے مناسب حق الخدمت دے۔ جب بیمار ہو تو ان کی تیمارداری کرے اور ضرورت کے وقت ان کو رخصت دے۔

۱۶۔ ملازموں کو چاہیے کہ اپنے آقا کی قدر و منزلت کریں مناسب سے زیادہ حق الخدمت نہ مانگیں خوشی اور شوق سے کام کریں اور بلاوجہ اپنے آقا کی بدگوئی نہ کریں۔

گوتم بدھ نے اعلیٰ و ارفع ہشت پہلو راستہ کو دو انتہاؤں تن پروری اور تعذیب نفس کی درمیانی راہ قرار دیا ہے جن پر انسان ان کے بقول چل کر نور ازل تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ یہ درمیانی راستہ چار خاص اصولوں سے نکالا گیا ہے۔

(۱) تکلیف۔ (۲) اسباب تکلیف۔ (۳) انسداد تکلیف۔ (۴) طریقہ انسداد تکلیف۔

گوتم بدھ کی تعلیمات کا بنیادی مرکز نرواں کا حصول ہے۔ ان کے نزدیک برائی کی جڑ خواہش نفسانی ہے۔ جب انسان نفسانی خواہش کے سرکش اونٹ کو اطاعت خداوندی کی چھری سے ذبح کرتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کی صفات میں رنگ لیتا ہے اس وقت اس کی روح اللہ کی روح سے اتصال کرتی ہے۔ گوتم بدھ اس حالت کو نرواں کا نام دیتے ہیں۔

گوتم بدھ نے شاہی خاندان میں جنم لیا لیکن دنیاداری کو تج کر کے درویشی اختیار کر لی لوگوں کے دکھوں میں خود شریک ہوا ان کی ہمت بندھائی۔ جس وقت ہندوستانی

معاشرہ ذات پاک کی تقسیم میں بری طرح جھگڑا ہوا تھا۔ برہمن تمام تر بداعمالیوں کے باوجود ایک مقدس بت تھا اور شودر باوجود اپنی نیکی خدمت اور خدا ترسی کا دھتکارا ہوا تھا۔ عورت کی پیدائش بدشگونی کا باعث ہوتی تھی۔ گوتم بدھ نے ان کے خلاف جہاد کا بیڑا اٹھایا اور ایک ایسے مذہب کی بنیاد ڈالی جس میں ہر ذات، نسل اور جنس کے حقوق برابر ہیں اور بتایا کہ صرف اپنے اعمال سے ہی کوئی برہمن بن سکتا ہے کوئی پیدائشی برہمن نہیں ہوتا۔ گوتم بدھ نے ظاہری رسومات قبیحہ یعنی گنگا اشنان وغیرہ کا خاتمہ کیا اور اس مذہب کی کامیابی میں اس بات کا بہت بڑا کردار ہے کہ اس کو اس دور کے امراء اور راجوں نے صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کی تبلیغ واشاعت کے لئے اقدامات کئے۔

لیکن بایں ہمہ سچی اور کھری تعلیمات کے اس مذہب کے ماننے والے یا تو ترک دنیا پر مجبور ہو گئے اور یا ان کی زندگیاں دورخی کا شکار ہو گئیں۔ عملی زندگی میں ان تمام تر تعلیمات کا پورا کرنا ان کی دنیاداری کے لئے سدّ راہ بن جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ ظاہری طور پر بدھ مت کے ماننے والے ہوتے لیکن عملی زندگی میں پرلے درجے کے لوٹ مار کرنے والے اور قاتل و جنگجو تھے۔ ہندو راجوں نے اپنی سلطنتوں کو صرف اور صرف جنگی یورشوں سے ہی پھیلایا اور ان کی عملی زندگی میں ان اخلاقی تعلیمات کا بہت کم اصل رنگ نظر آتا ہے لیکن دنیاداری کے معاملات میں لوٹ مار، زناکاری، بددیانتی قتل اور خون اور جنگ وجدل کے لیے کسی پل بھی فارغ نہ بیٹھتے۔ نہ معلوم کتنی ہی معصوم جانوں کو قتل کیا، کتنی ہی نسلوں کو تہس نہس کیا۔ کتنی ہی آبادی کے مکینوں کو تہہ وتیغ اور گھروں کو جلا کر خاکستر کر دیا بلاشبہ بدھ مت کی تعلیمات میں کافی حد تک انسانی حرمت کے لیے بڑی بڑی ہدایات موجود ہیں لیکن ان کی حیثیت صرف اور صرف زبانی اور مذہبی لوگوں تک موجود ہے۔ عام انسان کی عملی زندگی میں ان تعلیمات کو دنیاداری کا نقیض سمجھا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بدھ مت میں دنیاداری اور دین داری کے دو گروہ تشکیل پا گئے ہیں۔ بدھ مت عیاش اور ہر لحظہ آرام وسکون کی زندگی گزارنے کے بعد اس زندگی

سے فرار حاصل کرنے والوں کے لیے ایک جنت تھی۔ یقیناً اگر وہ انسان معتدل ہوتے تو وہ کبھی اپنے محلات سے نکل کر جنگلات کی راہ نہ لیتے اور اس طرح بدھ مت ان تعیش پسند اور امراء زادوں کی پناہ گاہ بنا جن پر تعیش اور آرام اور آسائش کی راہ کھل گئی۔ بدھ مت کی تحریک کی قبولیت کی دوسری وجہ ان برہمنوں سے نفرت کا ردعمل تھا جنہوں نے مذہب کو محض قربانیوں کی شکل دے دی تھی۔ وہ خود بلا کے دنیا دار تھے اور ان کے پاس تعیش و آسائش کی ہر شے موجود تھی، لیکن لوگوں کو قربانیوں کی فضیلت کے درس دیتے تھے

گوتم بدھ کی تمام تعلیمات زبانی وعظوں پر مشتمل تھی لیکن بہت عرصہ بعد ان کے پیروکاروں نے انہیں مختلف مذاہب کا اعلیٰ اخلاقی اصولوں کا حامل بنادیا اور پھر راجوں مہاراجوں نے اپنے سیاسی مفادات کے خاطر اس مذہب کو اپنا کر پورے ہندوستان کا مذہب بنادیا۔ نامور چینی سیاہ فاہیان (۴۰۰ء) اور ترہواں تسانگ (۶۲۹ء) کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مت صرف انہی مقامات پر مقبولیت کی بلندیوں پر تھا جہاں کے راجہ اس کی حمایت کرتے تھے۔ اشوک اور کنشک کے دور میں بدھ راہب حکومت کے لیے جاسوسی کا کام کرتے تھے۔

بدھ اور جین روایات صرف مہاراج اشوک کی ذات اور صفات تک محدود ملتی ہیں اس سے آگے ان کے دامن میں کچھ نہیں ملتا۔ بہر حال یہ واضح ہے کہ راجہ اشوک جب تک بدھ نہیں بنا تھا ایک لاکھ انسان قتل کر چکا تھا اور اس سے کئی گنا زیادہ انسان جنگلوں کے بدھ اثرات کا شکار ہو کر تباہ ہو گئے مورخین کے مطابق اشوک نے اس قدر گناہوں کی زیادتی پر ندامت محسوس کرتے ہوئے بدھ مت قبول کیا اور گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ بڑا پرہیز گار اور مذہب کا مبلغ بن گیا۔ وہ چالیس سال تک برسر اقتدار رہا اور آخری دور میں حد درجہ عوام کی فلاح و بہبود کو فروغ دیا۔ قیدیوں کو رہائی بخشی، حتیٰ کہ موت کی سزا پانے والوں کو بھی روحانی تربیت سے گزار کر مذہب کا مبلغ بنادیا اور مکمل سزا سے خلاصی دے دی۔

کوٹمبی کی روایت کے مطابق جان پدقبائلی سردار کو معاشرے میں بڑا مقام حاصل تھا۔لوگ اپنی پیداوار کا چھٹا حصہ اسے بطور ٹیکس دیتے تھے۔جان پدشہری بالائی طبقہ کے لوگ تھے۔آزادشہروں میں رہتے اور اپنے معاملات میں خود مختار تھے جبکہ ان کے مقابلے میں آزادمحنت کش لوگ تھے۔جو زمین کاشت کرتے تھے۔انہیں زمینوں پر مالکانہ حقوق تک حاصل نہ تھے۔زمین کی ملکیت بادشاہ کی ہوتی تھی۔جان پد غیر آباد زمینیں انہی لوگوں سے آباد کرواتے تھے ان لوگوں کی خواتین نیچ خدمات پر مامور ہوتی تھیں جسم کی مشقت پر ان لوگوں کو جینا مرنا تھا۔

اشوک کے اقتدار کے ابتدائی سات سال جنگ وجدل میں گزرے۔اس کی سلطنت کی حدود میں بلوچستان کا جنوب مغربی علاقہ صوبہ سرحد میں شمالی علاقہ جات کے علاوہ سارا علاقہ اور مشرق میں گنگا اور جنوب میں صوبہ کرناٹک تک پھیلی تھیں۔ارض پاکستان کا سارا علاقہ ایک صوبہ کے طور پر تھا جس کو اترا پھر کا نام حاصل تھا۔اور ٹیکسلا یہاں کا دارالحکومت تھا۔چینی ترکستان کا علاقہ ختن بھی اشوک کی سلطنت میں شامل تھا بودہی داستانون میں لکھا ہے کہ اشوک نے ایک اذیت خانہ بنا رکھا تھا، جہاں وہ لوگوں کو اذیت دے کے خود تماشا دیکھا کرتا تھا اور مزے لیتا تھا ایک بد بھکشو کے وعظ سے بدھ مت کو قبول کر لیا اور اس طرح ظالم اشوک نیک اشوک بن گیا۔اشوک کی طرف سے بلائی گئی تیسری عالمی بودہی کانفرنس میں اشوک کے ایک فرمان سے بودھوں میں پھوٹ پڑگئی (یہ کانفرنس مہاتمہ بدھ کی وفات ۴۸۳ق م کے ۲۳۶ سال بعد ہوئی) یہ اشوک کے عہد تخت نشینی کا اٹھارواں سال تھا اوران اختلاف کے بناء پر کئی بغاوتیں ہوئیں جن کو طاقت کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔۳۷ سال حکومت کرنے کے بعد اشوک ۲۳۲ق م میں فوت ہو گیا۔

اموریہ سلطنت کے ناکامی کے اسباب میں اشوک کے عدم تشدد کے پرچار فوج میں کمی اور برہمنوں کی ناراضی کو بتایا جاتا ہے۔حالانکہ یہ کوئی بنیادی سبب نہ تھے بلکہ افسر

شاہی کی ظالمانہ سختیاں تھیں جن کی وجہ سے سلطنت کی مجموعی پیداوار کم ہوگئی۔ پیداشدہ دولت کا ساٹھ فیصد حصہ ریاستی مشینری پر خرچ ہوتا تھا۔ جبکہ عام افراد جن پر زمینوں کی آبادکاری کا بوجھ تھا وہ انتہائی درجہ کی بددلی کا شکار تھے جس کی وجہ سے ویرانی بڑھتی گئی اورفصلات کی کاشت اورزمینوں کی آبادکاری کم پڑگئی۔ پوری سلطنت میں مخبروں کا جال پھیلا تھا۔جن میں زیادہ تر مذہبی بودراہب ہوتے تھے جو عام لوگوں کے روپ میں ہر جگہ موجود رہتے تھے انہیں حکم تھا۔

''مخبر مجھے حالات کے بارے میں ہر قسم کی معلومات فوراً بھیجیں کسی بھی وقت کسی بھی جگہ چاہے حرم میں ہوں، اندرونی کمروں میں ہوں، ڈولی میں ہوں یاباغ میں مجھے ہر خبر فوراً پہنچنی چاہیے۔تاکہ میں بروقت اس پر مناسب حکم دے سکوں۔''

تمام زراعت وصنعت سرکاری کنٹرول میں تھی ۔ ہر طبقہ حاکمین جبر میں مبتلا تھا کاروباری لوگ عمل میں آزاد نہ تھے۔غیر آبادزمینوں کی آبادکاری پرشود معمور کیے گئے تھے۔جنہیں اس کے بدلے میں آزادی کا لالچ دیا گیا تھالیکن ان کی آزادی سے کاشتکاری کا آئندہ کا عمل ماند پڑ گیالوگ جب زمیں آباد کر لیتے تو باغی ہوجاتے کیونکہ حکومت ان سے زرعی پیداوار کے بیشتر حصے کا مطالبہ کرتی جس پر حکومت انتہائی سختی سے پیش آتی اورکسانوں کا قتل عام کردیتی۔

شراب نوشی عام تھی اورشراب کی جملہ فیکٹریاں بادشاہ کی ملکیت ہوتی۔نجی ملکیت میں کسی دوسرے کوشراب بنانے یابیچنے کی اجازت نہ تھی۔سرکاری ملکیت میں اعلیٰ قسم کے شراب خانے تھے،جن میں صرف امراء اوراعلیٰ قسم کے لوگوں کوداخلے کی اجازت ہوتی۔بادشاہ کواپنی جان جانے کا خطرہ ہروقت لگارہتا۔اس کی حفاظت پرخاصی عورتوں کوماموکیا جاتا جواپنے والدین سے خرید لی گئی ہوتیں۔بادشاہ خطرے کی وجہ سے دن کو بالکل سونہ سکتااوررات کے وقت بھی اپنی خواب گاہ ہروقت ادلتابدلتارہتا۔

جسم فروشی کی عام اجازت تھی اورطوائفوں کا سماج انتہائی بلند مرتبے کا حامل تھا

عصمت فروشی کے کاروبار کی دیکھ بھال کے لیے خاص قسم کی انتظامی مشینری مامور ہوتی۔

اموریہ سلطنت کے زوال کے بعد یونانیوں نے بھی بدھ مذہب کی سرپرستی کی نامور یونانی بادشاہ میاندر نے اپنے پانچ درباریوں سمیت ناگ سین کی زیارت کے موقع پر بدھ مت کو قبول کرلیا۔ سکالہ اس کا دارالحکومت تھا۔

بدھ راہب ان حکمرانوں کو مذہبی سرپرستی دیتے اور عوام الناس میں ان کی اطاعت وشکر گزاری کے ماحول کو پروان چڑھاتے کیونکہ بدھ کی تعلیمات میں دنیاداروں کا یہ فرض بتایا گیا۔

۱۔ وہ دین داروں کے ساتھ محبت کا سلوک کریں اور اس کے بدلے میں ان کی اطاعت وعزت کریں۔

۲۔ دنیاداروں کا فرض ہے کہ وہ دین داروں کی ضرورتوں کو پورا کریں جبکہ رتبہ داروں کا فرض ہے کہ۔

۳۔ لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت کریں۔

۴۔ لوگوں کو برے کاموں سے روکیں۔

۵۔ مذہب کی تعلیم دیں۔

۶۔ ان کے شکوک کو خواہشات نفسانی سے پاک کر کے رفع کریں۔

۷۔ اور آخرت کے لیے حقیقی نجات کا راستہ دکھائیں۔

۸۔ اور عام لوگوں پر پیار و محبت کی نظر رکھیں۔

گوتم بدھ نے ہر ملازم کو تلقین کی ہے کہ وہ اپنے آقا کی دل وجان سے تعظیم کرے جب آقا آئے تو ادباً کھڑے ہو جائیں اور جو کچھ اسے آقا دے دے اسی پر قناعت کرے اور خندہ پیشانی سے ٹھیک ٹھیک کام کرے اور اپنے آقا کو ہمیشہ اچھے کلمات سے یاد کرے۔

گوتم بدھ کی یہ تعلیمات حکومت کے مفاد میں تھیں، اسی لئے مہاراجوں نے اسے اپنایا۔ بھوک کے مارے ہوئے لوگ تنگ آ کر رہبانیت اختیار کر لیتے اور چل پھر کر اپنی ریاضت کے ذریعے اپنی خواہشات نفس کے تدراک کا سامان کرتے جبکہ حکمران غریب عوام کی محنت مشقت سے تیار کی گئی فصلات کی پیداوار کے بیشتر حصے کو بطور ٹیکس وصول کر لیتے اور خود عیش ونشاط کے ساتھ رہتے اور غریبوں کو صبر وشکر کی تلقین کر کے مذہب کی صحیح اطاعت کا حق ادا کرتے۔

گوتم بدھ کی تعلیمات میں دنیا سے بے زاری اور ترک لذات کے لیے رہبانیت اختیار کر لینے کی تعلیم ملتی ہے، جس کا ہمیشہ حکمرانوں کو فائدہ ملتا ہے۔ بدھ مت اخلاقی نصائح کا مذہب ہے۔ اس میں عام انسانی معاشرے کو اس کی ضروریات ومصالح کے حوالہ سے کسی متوازن قانون سے راستے پر نہیں ڈالا گیا۔ اخلاقی نصائح سے بادشاہ خوش ہوتے انعام واکرام دیتے لیکن ان کی اپنی زندگیاں عیش ونشاط میں ڈوبی رہتیں اور معاشرے کے مفلوک الحال عوام کو قسم کا کھیل قرار دے کر مذہبی افیون کی گولی سے خاموش کرنے کا کام لیتے۔

یہ عدم انصافی کسی الہٰی دین کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ بدھ مت دراصل بے زاری وسہل پسندی کا مشترک ملغوبہ ہے جو عرفان اور پروان کے سہانے خوابوں میں گم کر کے انسان کو اس کے معاشی ومعاشرتی مسائل سے بھاگ جانے کا موقع دیتا ہے۔

زرتشت اور حقوق انسانی

مافوق الفطرت موجودات اور قوتوں کی پرستش پر منحصر جن اعتقادات کو مذہب کے نام سے یاد کیا گیا، وہ زرتشت بھی انہی میں سے ایک ہے، تاریخ انسان کے قدیم دور میں زرتشت کو ایک بڑے خطہ فارس میں بنیادی بلکہ حکومتی مذہب کی حیثیت حاصل تھی۔

مؤرخین کے مطابق آرین پیغمبر زرتشت یا زوراشٹر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشیر

اور بعض کی رائے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انداز سے بھولے بھٹکے انسانی روحوں کو راہ دکھانے آیا تھا۔

فاضل میکس مولر نے بادشاہ داروس کتبات سے استفادہ کرتے ہوئے اندازہ لگایا کہ زرتشت قدیم دور کا ایک دانا بینا پیغمبر تھا یونانی فلسفے افلاطون اور ارسطو کو بھی زرتشت اور اس کے خداوند آھر مزد کا علم تھا۔ خصوصیت سے افلاطون تو اسے ''اورامزیز'' کا بیٹا بیان کرتا ہے۔ فاضل میکس مولر کے نزدیک ''اورامزیز'' سے ایرانیوں کا قدیم دیوتا آھر مزو مراد ہے جو داروس اور ایکسرکس کے کتبات میں اورامزدا کے طور پر تحریر ہے اور جو افلاطون کے اورامزیز کے قریب تر ہے۔

بادشاہ دا[illegible]ں نے اپنے ایک کتبے میں لکھا ہے۔

''اور[illegible]زدا کے فضل وکرم اور عنایت سے میں بادشاہ ہوں۔ اور امزدا نے مجھے بادشاہت عطا کی ہے۔''

فاضل میکس مولر کا کہنا ہے کہ زندہ آوستہ میں جگہ بہ جگہ آھر مزدا کو خالق کائنات اور مالک ارض وسما کہا گیا ہے، جو سچائی اور حق کو پسند کرتا اور جھوٹ و برائی کا مخالف ہے گو زند آوستہ میں برائی کا نام نہیں لیا گیا لیکن یہ اعلان ضرور موجود ہے زرتشت یا زد استر اس برائی کو مٹانے کے لئے آھر مزد کی طرف سے مبعوث ہوا تھا۔

عظیم محققین برنوف، بروک ھاوس، سیگل اور وسٹر گارڈ نے بھی اس کی شہادت دی ہے کہ زندہ آدستہ کی قدامت کے نشانات زرتشت کے دور سے ملتے ہیں جبکہ فاضل میکس مولر کے بقول گاتھاز کے سوا باقی زندہ آدستہ زرتشت کی زبان نہیں ہے۔ گاتھا لازماً زرتشت کا کلام ہے گو اس کی بحریں اور قوافی باہم مختلف ہیں۔

زرتشت کے عہد میں ہی انڈو آریں میں اختلاف وتضاد ابھرا اور اس کی خاطر لوگ ایک دوسرے سے کٹ جانے پر مجبور ہوئے تھے۔ میکس مولر کے نزدیک زرتشت دانا و بینا پیغمبر تھے جو کہ بہت قدیم دور میں ہو گزرے ہیں۔ مختلف مقامات سے ملنے والی

کتبات جن کا زمانہ سولہ سترہ سو سال قبل مسیح متعین کیا جاتا ہے وہ اس سے بھی پہلے کے پیغمبر ہیں۔ جنہوں نے ۲۲۳۴ قبل مسیح میں بیبلون کی لیڈن حکومت جو اٹھارہ سو سال قبل مسیح میں ہوئی، چھ سو سال پہلے پہلے پیدا ہوئے تھے اور اس طرح زرتشت چوبیس سو سال قبل مسیح کے ہیں۔

فاضل میکس مولر کے نزدیک زرتشت کے سب انڈو آرین یا انڈو یورپین میں جو اختلاف پیدا ہوا عظیم جرمن مستشرق روڈ اس کی تردید کرتا ہے اس کا کہنا ہے۔

"کہ پہلے گرم موسم میں جو تبدیلی اچانک رونما ہوئی اور درجہ حرارت میں یک بیک جو کمی پیدا ہوئی یہ اس امر کی محرک بنی تھی کہ آین اپنے قدیم وطن سے نکل کر صفدریہ تجتر یہ، پرشیا وغیرہ کے گرم علاقوں میں چلے جائیں۔"

کچھ اور مورخین کا خیال ہے کہ آرین آباد کار حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد یہاں پہنچے تھے۔

قدیم ایرانیوں کا مذہب ہندستان کے ویدک دہرم سے ملتا جلتا تھا۔ وہ متھرا کی پوجا کرتے تھے جو سورج دیوی کا نام تھا۔ ابتداء آفرینش کے حوالے سے اور عقائد کے حوالے سے عجیب کہانیاں مشہور ہیں۔ زرتشت نے پرانے آریائی مذہب کی اصلاح کی اس مذہب کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۶۶۰ سال قبل ظہور پذیر ہوا۔ باختر کے علاقے میں اسے فروغ ملا، جو افغانستان کے شمال میں کوہ ہندکش اور دریائے جیحوں کے درمیان واقع تھا۔ ایران کے بادشاہ گستاسپ نے سب سے پہلے یہ مذہب قبول کیا اور اس کے پرانے بھجن اوستا کی صورت میں مرتب کروائیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

☆ خدا ایک ہے۔

دنیا میں خیر وشر کی الگ الگ قوتیں موجود ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلے پر کھڑی ہیں جو شخص خیر کے دیوتا کے احکام مانے گا وہ نجات پائے گا۔

☆ خیر کے دیوتا کا نام اھورمزدہ یعنی خدائے عقل ہے۔

☆ باطل وشر کے دیوتا کا نام اہرمن یعنی شیطان ہے۔

☆ موت کے بعد انسان کو اپنے اعمال کا بدلہ لینے کے لیے ایک پل سے گزرنا ہوگا۔ نیک لوگ اس سے بخیر وخوبی گزر جائیں گے جبکہ بدکار لوگ گزرتے وقت نیچے گر جائیں گے۔

☆ زرتشت میں شنویت کے عقیدہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کے مطابق کائنات کے خالق دو ہیں ایک وہ جس نے دنیا کی تمام مفید اور کارآمد چیزیں پیدا کیں جسے وہ اہور اماژد کا نام دیتے ہیں۔ دوسرا خالق وہ ہے جس نے تمام مضر اور تکلیف دہ اشیاء بنائیں اس کا نام انگرومینو ہے۔

☆ اہور کی چھ صفات بہت اہمیت رکھتی ہیں:

(۱) وہ عقل کل ہے۔ (۲) غیر فانی ہے۔ (۳) صحت منداور قوی ہے۔ (۴) وہ حقیقت اعلیٰ ہے۔ (۵) دیندار اور متقی ہے۔ (۶) تمام ارضی نعمتوں کا مالک ہے۔

☆ اینگرومینو خدائے شر ہے جس کے عملے کی دو ہستیاں بہت نامور ہیں۔ ایک ایش یما جو غصہ کا دیو ہے اور بہت طاقتور ہے، دوسری پیریکا ہے، یہ وہ حسین جمیل عورتیں ہیں جو متقی اور راست باز لوگوں کو حسن سے لبھاتی ہیں اور گمراہ کرتی ہیں۔

☆ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان چاروں طرف سے گمراہ ہو رہا ہے اس سے محفوظ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ماژوا کی عبادت کرے اور اس کے لئے آگ کے سامنے مقدس منتر گائے جاتے ہیں۔ جس سے ارواح خبیثہ کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کے نزدیک آگ قوت یزدانی مظہر ہے۔

☆ ان کا عقیدہ ہے کہ آگ سے انسان اپنے انجام کا نظارہ کرسکتا ہے جس طرح آگ راکھ ہو جاتی ہے اسی طرح ایک نہ ایک دن انسان کو بھی مٹ جانا ہے جس طرح آگ خوشبو پھیلاتی ہے اسی طرح انسان کو نیکی پھیلانی چاہیے۔

☆ زرتشت کے نزدیک انسان مجبور نہیں بلکہ اسے اختیار حاصل ہے، چاہے نیکی کی

راہ پر گامزن ہو چاہے برائی کا ارتکاب کرے۔

☆ زرتشت دنیا سے بے زاری کی بات کرنے کے بجائے دنیا داری کو بہتر قرار دیتا ہے۔ پشٹ میں ہے۔

"اے اسپیما زرتشت وہ شخص جس کی بیوی ہو اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جس کی بیوی نہ ہو اور ایسا شخص جو خاندان رکھتا ہو، اس سے بہتر ہے جس کا کوئی اپنا خاندان نہ ہو ایسا شخص جو مالدار ہو مفلس اور قلاش سے بدرجہا افضل ہے۔

☆ زرتشت خود آخری عمر تک کھیتی باڑی کرتا رہا، اس لیے اس کے نزدیک زمین پر کاشت کرنے والا پیداوار بڑھانے، آبپاشی کرنے، دلدل کو خشک کرنے، جانوروں کی نسل کشی کرنے کو بڑی فضیلت ہے محنت اور جفاکشی کا اس مذہب کے فضائل اخلاق میں شمار ہوتا ہے۔

☆ زرتشت کے نزدیک صفائی اور پاکیزگی پر بڑا زور دیا گیا ہے، جس کے مطابق خیالات، لباس رہائش اور بود و باش وغیرہ میں صفائی کے علاوہ اعمال کی پاکیزگی بھی اس میں داخل ہے۔ جھوٹے بچوں کو بچپن سے سچ بولنے اور جھوٹ نہ بولنے کی تربیت دی گئی ہے۔ جھوٹ بولنا بدترین گناہ ہے جسے مقروض ہونے سے بھی زیادہ مذموم خیال کیا جاتا ہے۔

☆ پندرہ سال کی عمر کے جوانوں کو اپنے عقائد اور اعمال کے پاکیزہ کرنے کا پابند بنایا گیا ہے انہیں ایک منصف بادشاہ کی طرح عاقل ہونے، لین دین میں صداقت کرنے، برائی کو ختم کرنے، پالتو جانوروں کے آرام کا انتظام کرنے، کھیتوں کو بونے اور جوتنے میں سرگرمی دکھلانے کا حکم دیا گیا ہے۔

☆ انسانوں میں اخوت محبت اور اتحاد کو فروغ دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

☆ زرتشت نے مالی امداد دینے پر بڑا زور دیا ہے اور حکم دیا کہ جو مالدار ہو وہ اپنے فاضل مال سے دوسروں کی مدد کرے اور اعلیٰ تعلقات کے تمام عمدہ کام انجام دے۔

☆ زرتشت نے دس ہزار جانوروں کو مارنے کا حکم دیا ہے، جنہیں ان کے بقول اہرمن نے تخلیق کیا ہے ان میں سانپ چیونٹی مینڈک اور مکھی وغیرہ شامل ہیں۔

☆ رفاہ عامہ کے کام اس دنیا میں سزاؤں سے بچنے کے لئے ضروری ہیں اور ان ہی کے ذریعے اگلی دنیا کے عذاب سے چھٹکارہ مل سکتا ہے۔

☆ پارسیوں کے نزدیک مردے ناپاک ہوتے ہیں۔ اوستا میں بتلایا گیا ہے کہ نعشوں پر درخس لیکس کا قبضہ ہوتا ہے جو ایک قسم کی مہلک غلاظت کی مکھی ہے، جس سے بیماریاں پھیلنے اور زندوں کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہوتا ہے۔

☆ زرتشت کے نزدیک مردوں کو مٹی میں دفن کرنے سے مٹی نجس اور آگ میں جلانے سے آگ کی بے حرمتی ہوتی ہے، اس طرح پانی میں بہانے سے پانی کا تقدس جاتا رہتا ہے اسی لیے وہ اونچے میناروں یا مچانوں پر مردوں کو رکھتے تھے۔

☆ مجوسی اہرمزد سے بھی زیادہ ایک اور ہستی کو اہمیت دیتے ہیں، جسے مترا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک مترا اہرمن اور ریزدان کے درمیان واسطے کا کام دیتا ہے۔ ان کے نزدیک مترا دنیا میں ان کی ہدایت کے لیے آیا دنیا والوں نے اسے سخت اذیتیں دیں اور بالآخر اس نے اپنی جان دے کر گناہوں کو کافر قرار دے دیا۔

دیگر مذاہب کی طرح وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ماننے والوں نے بھی اس میں بہت ساری تبدیلیاں کر دیں۔ آہور کی چھ صفات کی تجسیم کی جانے لگی۔ عام عقائد سے بڑھ کر دیوتاؤں کو آگے راہ دی گئی۔ یہ پہلے پہل دیوتاؤں کے تصور سے بھی خالی تھا۔ لیکن بعد میں وقت کے ساتھ ساتھ کئی دیوتاؤں نے تبدیلیاں کیں جن کو یہاں پہلے موجود پارسیوں نے انہیں فوراً اپنا لیا۔

جب ایران کو مسلمانوں نے فتح کر لیا تو پارسی ترک وطن کر کے ہندستان چلے آئے۔ جس سے ہندوؤں کے عقائد اور رسوم سے متاثر ہوکر بہت حد تک بدل دیا گیا۔

اس مذہب کی تعلیم میں صداقت کے جو ہر پارے ہیں کہیں شامل ہیں لیکن اکثر

عقائد بے تکے خیالات وتوہمات سے بنا لیے گئے ہیں۔افکار کی پاکیزگی سچ صفائی اور مالی امداد پر بڑا زور ملتا ہے لیکن ان اعمال کے بڑے پیمانے پر تکمیل کا کوئی مظاہرہ ایران کے اندر نہیں کیا گیا۔ایرانی حکومت وسیادت بظاہر اس مذہب کو سرکاری مذہب کا درجہ دیتی تھی لیکن اس کی عوام پر ظلم، بے انصافی، استحصال غریب کشی اور تکذیب وتذہیب کے جو مظاہر تاریخ کا حصہ ہیں، وہ اس مذہب اور اس مذہب کے ماننے والوں کی دورخی اور منافقت کے آئینہ دار ہیں۔بدعملی کبھی بھی کسی مذہب میں مستحسن نہیں سمجھی گئی لیکن اگر حکومت نے اپنے آئین میں انصاف کے ترازو کے سائے میں رک کر سزا و جزا کے عمل میں سے آئینی طور پر گزارنے کا کوئی کام کیا ہوتا تو آج تاریخ اس پر فخر کرتی۔

جین مت اور حقوق انسانی

آریہ دھرم کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے مہانی نامی ایک کھشتری راجہ کے لڑکے وردھمان نے کام شروع کیا۔وہ ۵۹۹ ق م میں پیدا ہوا۔۳۰ سال کی عمر میں اس نے ترک دنیا کر کے سادھوؤں میں شمولیت اختیار کر لی۔لیکن دو سال بعد ہی ان کی رفاقت ترک کر کے بہار کے شمال وجنوبی حصوں میں نکل گیا۔وہ اپنے آپ کو نِرگرنتھ (جو کسی کا پابند نہ ہو) کہتا اور ننگے پاؤں پھرتا۔لوگ اسے جن (پاک آدمی) کہنے لگے اور اس طرح سے اس کے پیروکاروں کو جینی یا جین کہا جانے لگا۔۵۲۷ قبل مسیح میں ۷۲ سال کی عمر میں فوت ہوا۔

مہاتما مہابیر کی تعلیمات کا زور تین اصولوں پر تھا

(۱) ٹھیک ٹھیک دیکھنا۔

(۲) ٹھیک ٹھیک جاننا۔

(۳) ٹھیک ٹھیک کام کرنا۔

جبکہ اس کے علاوہ چند اور تعلیمات کا بھی پرچار کرتا جن کا زور انسانی معاشرے

میں امن وسکون اور پیار و محبت کے فروغ سے تھا۔

(۱) جان سے کسی کو نہ مارنا۔

(۲) جھوٹ نہ بولنا۔

(۳) چوری نہ کرنا۔

(۴) شراب نہ پینا۔

(۵) زبان واعمال وخیالات کو پاکیزہ رکھنا۔

سب سے زیادہ زور اس کا انحصار پر رہا، جس کی وجہ سے اس کے پیروکار زمین پر پاؤں رکھنے سے پہلے جھاڑو دے لیتے، منہ پر کپڑا باندھ کر چلتے تاکہ منہ کے ذریعے کوئی کیڑا جسم میں داخل نہ ہو جائے۔

۳۱۰ ق م میں مگدھ دیش میں، جو کہ جیت مت کا مرکز تھا، شدید قحط پڑا جس سے اکثر جینی دکن کو نقل مکانی کر گئے۔ ۱۰ سال بعد پٹنہ میں جینی سادھوؤں کی نسل کا اجلاس ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا۔

(۱) کہ آئندہ کوئی سادھو ننگا نہ پھرے۔

(۲) سفید کپڑے پہنے۔

(۳) عورتوں کو بھی پرچارک بنایا جائے۔

چنانچہ اس نئی صورت حال سے سادھوؤں میں اختلاف بڑھ گیا اور وہ دو فرقوں میں بٹ گئے۔ جین مت بدھ مت کی طرح اصلاحی واخلاقی تعلیمات کا مرکز تھا۔ دونوں ہی اعمال (کرم) تناسخ (آواگون) اور نروان (موکھش) پر اعتقاد رکھتے تھے۔ جینیوں کا یہ اعتقاد تھا کہ سارے جہان کی ایک ہی روح ہے یعنی زمین آگ اور ہوا میں ایک ہی روح کارفرما ہے جبکہ بودھوں کے خیال میں روح صرف جانوروں میں ہے۔ جینی برت رکھتے اور اپنے آپ کو دکھوں میں ڈالتے۔ جینوں کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ یہ دنیا تین زمانوں میں منقسم ہے اور ایک زمانے میں چوبیس جینی مہان ہستیوں کا ظہور ہوتا ہے۔ مہاتما

مہا نبیر چوبیسواں مہان ہستی تھا جس نے ان کا سدھار کیا۔

جین مت کے مطابق نجات کا راستہ صرف الوہی کفارے اور مکمل آہنسار (کسی جاندار کو کسی بھی قسم کی تکلیف نہ دینا) کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ جین مت کا ہر معتقد پانچ وعدے کرتا ہے۔

(۱) وہ کسی جاندار کو ہلاک نہیں کرے گا۔

(۲) وہ کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔

(۳) اپنی پاک دامنی کو برقرار رکھے گا۔

(۴) جو نہ ملی وہ طلب نہیں کرے گا۔

(۵) تمام خارجی عناصر کی تسکین کو ٹھکرا دے گا۔

ان کے مطابق حسیاتی تسکین ایک جرم ہے۔ مثالی فرد تو وہ ہے جو دکھ تکلیف، خوشی اور غم سے ماورا ہو۔ خارجی مفروضات پر انحصار نہ کرے۔ جین مت میں زراعت پر پابندی ہے۔ کیونکہ یہ دھرتی کا سینہ چیر کر حشرات الارض کو مار ڈالتی ہے۔ ایک پارسا اور متقی جینی شہد اس لیے نہیں کھاتا کیونکہ یہ شہد کی مکھیوں کی زندگی ہے۔ پانی اس لیے کم پیتا ہے کیونکہ بہت سے جانداروں کی زندگی کا انحصار اس پر ہے اپنے منہ پر خوف سے نقاب اس لیے چڑھائے رکھتا ہے کہ کہیں ہوا میں موجود جاندار جرثومہ اندر جا کر تلف نہ ہو جائے۔ اپنے چراغ کے گرد تہہ بندی اس لیے کرتا ہے کہ اس کی پر کشش وحرارت کی روشنی کے سراب میں کوئی کیڑا مکوڑا نہ جل جائے ہر قدم رکھنے سے پہلے زمیں کو اس لیے جھاڑتا ہے کہ کہیں کوئی جاندار اس کے پاؤں تلے آ کر ہلاک نہ ہو جائے۔ کسی جین کو کسی بھی حالت میں کسی جانور کو ذبح کرنے یا اس کی قربانی دینے کی قطعاً اجازت نہ تھی بلکہ وہ اس کے بجائے جانوروں کے لیے شفا خانے تیار کرتے لیکن اس کے برعکس تضاد یہ ہے کہ جین مت اپنے آپ کو ہلاک کرنے یا خودکشی کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ خصوصاً رفتہ رفتہ فاقہ کشی کے ذریعے مرنے کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ یہ زندہ رہنے

جنون کے مقابلے میں روح کی عظیم فتح ہے۔

جین مت اپنے اعتقادات میں شدت اور شدید ریاضت کی مانگ کی وجہ سے قبولیت حاصل نہ کرسکا۔ یوان چونگ کی کوششوں سے ساتویں صدی عیسوی میں اس کے پیروکاروں میں بڑا اضافہ ہوا لیکن آج بھی پورے ہندستان میں اس کے پیروکاروں کی تعداد تیرہ لاکھ سے بڑھ نہیں پائی ہے۔

یہ مذہب بھی زندگی سے فرار اور بیزاری کا مذہب ہے۔ ظاہری طور پر اس کی تعلیمات میں اہنسا جیسے عدم تشدد کے اصول کی موجودگی بڑی ہی انسان دوستی کی مظہر ہے لیکن یہ انتہائی غلو ہے۔ زندگی ہر دو عوامل ہے۔ پیار اور نفرت دونوں ہی انسانی جذبات کے رخ ہیں۔ پیار نیکی کے کاموں سے جہاں کیا جاسکتا ہے وہاں یہی جذبہ برائی کے کاموں سے بھی ہوسکتا ہے جہاں اسے مذموم کہا جائے گا اور اسی طرح دشمنی یا نفرت کا استعمال ہی اسے برا یا اچھا کہلاسکتا ہے، اگر دشمنی برے کام کرنے والوں سے کی جائے۔ تشدد برائی کے خاتمہ کے لیے کیا جائے تو اسے مذموم نہیں کہا جاسکتا جبکہ نیکی کے کام کرنے والوں سے نفرت یا دشمنی مذموم کہی جانے کے لائق ہے۔ افراط اور تفریط کے ان غلو پر مشتمل اعتقادات نے انسانیت کی کوئی خدمت نہیں کی۔ حقوق انسانی کے سلسلے میں اس مذہب کی تعلیمات کا کوئی تعمیری کردار نہیں رہا۔ یہ صرف اور صرف ناصحانہ اور برائی سے دامن بچا کر الگ کرلینے کا مذہب ہے۔ جبکہ حقوق انسانی کی بازیافت کے لیے انسان دشمن قوتوں سے نبرد آزمائی بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی یہ کہ کسی انسان کی جان نہ مارنے کی قسم کھالی جائے۔ لیکن کیا انسان پر ظلم کرنے والوں کا محاسبہ بغیر کسی آویزش کے ممکن ہے، قطعاً نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عملی دنیا میں اس مذہب کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں مل سکا۔

صرف کمزور اور اپنی جان کو دوسرے انسانوں سے الگ تھلگ کرکے رہبانیت کی راہ اپنا لینے والے لوگوں کا مذہب ہے۔

تاؤمت اور حقوق انسانی

چین کے تین بڑے مذاہب میں سے ایک مذہب تاؤمت ہے۔ ابتدائی ذریعہ معلومات تاؤتھی کن ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ اس مذہب کا بانی لاؤتے ۶۰۴ ق م میں پیدا ہوا۔ یہ کلیم کنفیوشس کا ہم عصر تھا اور چاؤ کے دربار میں عہدہ دار تھا۔ لاؤتے اپنی سرکاری ملکیت سے بیزار ہوکر مستعفی ہوگیا اور مغربی دروں کی طرف نکل گیا اور ایک لمبے عرصے تک غائب رہا۔ کتاب تاؤتھی کن اسی دور کی یادداشتوں پر مبنی کتاب ہے۔ لاؤتے کا نام ایک قدیم فلسفی کے طور پر بھی معروف ہے۔

تاؤ کے معنی ''طریقہ'' کے ہیں جس کی لوگ پیروی کریں۔ یا اس سے مراد وہ طرز عمل ہے جس پر قدرت عمل کرتی ہے۔ یا قدرت کا قانون ہے۔ جس پر دنیا جلتی ہے تاؤ نے خدا کے اور الوہیت کے حوالہ سے کسی خاص تصور کا اظہار نہیں کیا ہے۔ تاؤ کی تعلیمات کا اہم اصول خواہشات سے آزاد ہوکر قدرت کے اسرار و رموز کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ لاؤتے کی عملی تعلیم تھی سے ظاہر ہوتی ہے اس سے مراد کوشش، جدوجہد اور احساس خودی ہے۔ تاؤمذہب میں اس لفظ کو عام طور پر پراسرار، عظیم الشان اور لافانی القاب سے مزین کیا جاتا ہے۔

لاؤتے نے دعویٰ کیا ہے کہ تاؤمتی فانی نہیں ہے۔ اس میں سیاسیات اور اخلاقیات کے حوالے سے بڑے دلکش افکار و خیالات پائے جاتے ہیں۔

۱۔ شاہی محلات کے ناز و نعم کے ساتھ ساتھ عوام کی زبوں حالی، درماندگی اور جنگ وجدال سے نفرت تاؤمت کا امتیاز ہے۔

۲۔ تاؤمتی طرز حکومت عدم مداخلت پر مبنی ہے۔

۳۔ نیک بادشاہ خود کچھ نہیں کرتا لیکن ہر چیز ٹھیک ٹھاک ہوتی رہتی ہے۔

۴۔ جذبات پر فتح حاصل کرنا۔

۵۔ ابدیت اور بقا کی تلاش کے لیے کوشش کرنا۔

۶۔ روزے رکھنا اور قربانیاں دینا مذہبی اعمال ہیں۔

۷۔ ٹاؤمت اوہام کا مجموعہ ہے جس میں جادو اور ٹونوں کے ذریعے سے غیر مرئی روحوں اور قوتوں سے مدد لی جاتی ہے۔

۸۔ ٹاؤمت اپنی تعلیم اور برتاؤ میں مرنجان مرنج ہے۔

☆ ٹاؤ کے بارے میں عقیدہ تھا کہ وہ خدا سے پہلے موجود تھا۔ اس کا جوہر یکسر تاریکی میں ملفوف تھا، اس کی انتہائی بلندی خاموشی اور عظمت میں ہے وہاں نہ کچھ سننا ہے اور نہ دیکھنا۔ جب لوگوں کی آنکھیں کچھ نہ دیکھیں، کان کچھ نہ سنیں، دل کچھ نہ سمجھے تو ایسی حالت میں روح آدمی کے جسم کو سنبھال لے گی اور جسم بہت زیادہ عرصے تک زندہ رہے گا۔

☆ ٹاؤازم یوگ کے گیان ودھیان کی شکل کی ریاضوں کا نام ہے جس میں انسان خارجی دنیا سے قطع تعلق اختیار کر لیتا ہے۔

☆ ٹاؤازم میں حلول کا نظریہ کچھ اسی طرح داخل ہے کہ علم ودانش کا اس کے لیے کوئی درجہ نہیں۔

یکسر جہالت اور توہم پرستی حاوی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ٹاؤمت موروثی طور پر خاندانوں میں ملتی ہے۔ خاندان کے کسی بچہ میں ٹاؤ کی روح حلول کرتی ہے جس پر معجزانہ طور پر جانشینی کا علم ہو جاتا ہے۔

☆ ٹاؤمت میں بت پرستی بھی داخل ہے۔ تین مجسموں کی پوجا کی جاتی ہے جنہیں شنگٹی کیا جاتا ہے۔ پہلا مجسمہ تخریب کا دیوتا ہے دوسرا لاؤزے کا اور تیسرا طاؤ کا۔ اس کے علاوہ ستاروں اور جنات کی بھی پرستش کا رواج داخل ہے۔

ٹاؤمت میں ایک ضابطہ حیات یا دین بننے کی کسی طور پر کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔ علم سے نفرت، عقل دشمنی، دنیا کی تحقیر اور اسلاف پرستی اس کے ماننے والوں کا

خاصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس جس قوم میں اس قسم کے معتقدات پائے گئے وہاں زود یا بدیر دہریت یا اشراکیت کا زور پھیلنے لگتا ہے اور علم دشمن و عقل دشمن مذہب میں حقوق انسانی کے حوالے سے کسی آئین یا ضابطہ کے رواج پائے جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

قدیم چینی فکر پر کنفیوشس اور لاؤزے نے بہت گہرے اثرات ڈالے۔ دونوں کا نظریہء کائنات انسان اور فطرت کے باہمی تعلقات فطرت اور زندگی میں اخلاقی تعلقات پرانے چینی مذاہب کی صدائے بازگشت ہیں۔ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ انسان فطرتاً پاکباز ہوتا ہے، لیکن انسان کو اس پاکبازی پر کس طرح قائم رکھا جا سکتا ہے، اس میں دونوں متضاد ہیں۔ کنفیوشس کے مطابق نیک بنانے یا نیکی پر قائم رہنے کے لیے تعلیم مدد و معاون ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو لوگ ٹاؤ کو جانتے ہیں وہ عالم و فاضل نہیں ہوتے اور جو لوگ عالم یا فاضل ہوتے ہیں وہ ٹاؤ سے بالکل ناواقف ہیں۔ لاؤزے کے نزدیک خلوص اور طلب صادق کے فروغ سے نیک انسانی معاشرہ فروغ پا سکتا ہے۔

کنفیوشس ایک عملی انسان کی حیثیت سے اعمال واشتغال پر بہت زور دیتا ہے لیکن لاؤزے دنیا سے بے تعلق ہونے پر زور دیتا ہے۔ اس پر یاس اور قنوطیت کا غلبہ ہے۔ اسے سماج سے چنداں تعلق نہیں ہے۔ اس لیے وہ انسانوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں خاموش ہے۔ کنگ زے انسانوں کو معاشرے کے فرد کی حیثیت سے دیکھنے کا خواہاں نظر آتا ہے اس لیے وہ عملی اخلاقیات معاشرے میں زندگی بسر کرنے کے طور طریقے کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ جبکہ لاؤزے جا ترک دنیا کا دلدادہ ہے وہ اپنے پیروکاروں کو پہاڑوں کے غاروں میں بیٹھنے کا درس دیتا ہے۔ کنفیوشس ترک دنیا کو زندگی سے فرار قرار دیتا ہے اور اسے بزدلی کا نام دیتا ہے۔ لاؤزے انسان کو قانع صابر۔ بے دست و پا اور سعی و کوشش سے دور رکھنے کے درپے ہے جبکہ کنفیوشس کا زار حیات

میں سرگرم اور جدوجہد کرنے کا پرچار ہے۔

لاؤزے برائی کا بدلہ بھی نیکی سے دینے کا خواہاں ہے۔اس لیے وہ حکومت کو اس بات کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں کہ لوگوں کے حق مارنے والے پر کوئی سزا واجب قرار دی جائے۔جبکہ کنفیوشس برائی کرنے والوں اور حق مارنے والوں کو کڑی سزائیں دے کر انہیں برے کاموں کا مزہ چکھانے کا حامی ہے۔لاؤزے جیسے نظریات کاغذ پر تو بڑے خوشنما ہیں۔لیکن عملی زندگی میں ان کو معاشرتی زندگی کا سم قاتل دیکھا گیا ہے۔لاؤزے نے توہمات، جادوٹونے اور فسوں کاری کو بھی مذہب میں داخل کر دیا ہے چینی عوام زمانہ قدیم سے اس کے دلدادہ تھے جس کی وجہ سے لاؤزے کے نظریات کو عوامی ذوق کے قریب دیکھا گیا۔اس پر فطرت پرستی نے اسے اور مقبول بنا دیا۔شہنشاہ سین نے جب کنفیوشس کے پیروکاروں پر مظالم ڈھائے اور ان کی مذہبی کتابوں کو نذرِ آتش کر دیا جس کی وجہ سے لوگ ٹاؤمت میں بڑی دلچسپی لینے لگے۔بادشاہ چونکہ ٹاؤمت کا پیروکار تھا اور اسے اپنے اقتدار کی طوالت ایسے بے حس عقائد کی بنیاد پر بڑی آسانی سے مل سکتی تھی لیکن زندگی اور اقتدار تو بہرحال ایک بالاتر قوت کے ہاتھ میں ہے اس لیے اقتدار کو طوالت تو نہ مل سکی اس کے دور میں کنفیوشس مذہب کے پیروکاروں پر جو عذاب ڈھائے گئے اور ان ہی حقوق کی جس طرح کھلی پامالی کی گئی وہ چین کی تاریخ کے سیاہ دور کی یادگار ہیں۔

ٹاؤ کے فلسفیانہ عقائد سحر کاری کے ٹونوں، کیمیا سازی، آب حیات اور ضعیف الاعتقادی کے بوجھ تلے دب کر ختم ہو گئے حکمرانوں کو ان عقائد سے بڑی مدد ملی۔عوام ہر ظلم کو قسمت کا کھیل سمجھتے اور صبر و شکر سے رہبانیت میں پناہ لیتے۔شہنشاہ سین نے ٹاؤ کے نظریات سے اپنے آپ کو وابستہ کر کے عوام کو مطمئن کر لیا۔لیکن عملی طور پر حکومت کے مخالفین کو نرمی کے ذریعے رام کرنے کے بجائے ان کو اذیت ناک سزاؤں سے تباہ کر کے رکھ دیا۔اکثر لوگ ٹاؤ کی تعلیمات کے مطابق ترک دنیا کر کے جنگلوں کا رخ

اختیار کرتے گئے اور دوسری زندگی کے خوشگوار خوابوں کی امیدیں لیکر راہب بن گئے۔
شہنشاہ سین کو اس کے ظالمانہ اور بے رحمانہ اقتدار میں آزادی حاصل رہی۔عوام ٹاؤمت
قبول کر کے سحر کاری وفسوں کاری کے ٹونے ٹوٹکوں میں گم رہتے اس طرح چینی معاشرہ
حقوق انسانی کے استحصال کی ایک بدترین تصویر تھا۔ جہاں تعلیم کو نفرت سے دیکھا جاتا،
زندگی اور معاشرتی اخلاق سے گریز پائی اختیار کی جاتی۔ظلم کو آزادی حاصل تھی اور مظلوم
اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر چپ سادھ چکے تھے۔

کنفیوشزم

کنفیوشس ۵۱۱ق م میں موضع کوفو موجودہ صوبہ شہانگ میں پیدا ہوا جو اس
مذہب کا بانی بنا۔انیس سال کی عمر میں شادی ہوئی تو چار سال بعد ہی اپنی بیوی کو طلاق
دے دی اور پھر کوئی شادی نہ کی۔ستائیس سال کا تھا جب اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا
اور جب اس کی عمر تین سال تھی تب والد انتقال کر گیا تھا،حکومت کے مال خانے
میں ملازمت تھی،اس سے استعفٰی دے دیا اور تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گیا اس کی تعلیم
کا اتنا چرچا ہوا کہ صوبہ "لو" کے وزیر اعظم نے بستر مرگ پر اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ وہ
کنفیوشس سے تعلیم حاصل کرے۔

کنفیوش کی تعلیم کے اہم نقات درج ذیل تھے۔

ا۔ کنفیوش کی تعلیمات کو اس کے پوتے کہہ نے جمع کیا اور اس کتاب کا نام
"درمیانے راستے کے اصول" رکھا۔اس کے مطابق کنفیوش اعلیٰ ہستی کے تصور پر اعتقاد
رکھتا تھا اور اس کی اطاعت پر زور دیتا تھا۔کتاب کا آغاز ان الفاظ سے تھا۔

"آسمان کو عطیات ملے ہیں،وہ آسمان کی فطرت کہلاتے ہیں۔فطرت کے
مطابق عمل پیرا ہونے کا نام راستہ ہے۔اس راستے کے قوانین کو کنفیوشس اصول تعلیم کا
نام دیتا ہے۔ان قوانین کا ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت کے مطابق کام کرے

کیونکہ فطرت کے مطالبات خدائی احکام کے مترادف ہیں۔ خدا بحیثیت خالق اور فرمانروا کے اس تعلیمات کا اہم جز و ہے۔''

۲۔ کنفیوشس مردوں کی قوت کا معترف تھا اور کبھی روح کو غیر فانی نہیں کہا۔ ایک بار لوگوں نے سوال کیا کہ ہم جن مردوں کی عبادت کرتے ہیں کیا انہیں اس بات کا علم ہوتا ہے۔ تو کنفیوشس نے جواباً کہا اگر میں مثبت جواب دوں تو لوگ آباؤ اجداد کی آخری رسمیں ادا کرنے میں اپنے آپ کو تباہ کرلیں گے اور اگر منفی جواب دوں تو نالائق بیٹے اپنے باپ دادا کو بے گور و کفن چھوڑ دیں گے۔ اس لیے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کریں۔

☆ جزا اور سزا کے بارے میں کنفیوشس کا کہنا تھا کہ اچھے بادشاہ اور نیکو کار عہدیدار مرنے کے بعد خدا کی قربت میں ہونگے لیکن ظالم بادشاہ اور بدکار عمال کے بارے میں کنفیوشس کچھ نہیں کہتا۔

☆ کنفیوشس عمل کی تحصیل پر زور دیتا تھا۔ والدین کی اطاعت بادشاہوں کی وفاداری، انصاف اور عزیزوں رشتے داروں کی امداد کی تلقین کرتا تھا۔

☆ کنفیوشس کی تعلیم فطری اصولوں پر تھی، اس کا کہنا تھا کہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو جو تم دوسروں سے اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

☆ لوگوں سے ہم کلام ہوتے وقت اس نے خلوص سے کام لینے کی تلقین کی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر آپ انتہائی وحشیوں میں بھی پہنچ جائیں تو بھی اپنی خوبیوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

☆ کنفیوشس کے نزدیک حکمرانی کے پانچ اصول تھے:

(۱) لوگوں کی بھلائی کی خاطر کام کرنے کی خواہش۔

(۲) لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں جیسا آپ خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

(۳) رعایا کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئیں۔

(۴) علم و عقل کو اپنا مشیر و رہبر بنائیں۔

(۵) تمام امور کی انجام دہی میں خلوص سے کام لیں۔

☆ کنفیوشس کا تمام ذخیرہ معلومات اخذ کردہ تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں نے کبھی فوق البشر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ میں وہ نہیں ہوں جس کو پیدائشی طور پر علم عطا کیا گیا ہو۔ میں ماضی کے حالات پڑھنے کا شوقین ہوں اور علم کو ماضی میں تلاش کرتا ہوں۔

☆ یو چنگ نے کنفیوشس سے انسانیت کے بارے میں سوال کیا تو کنفیوشس نے جواباً کہا۔

(۱) خوش اخلاقی (۲) عالی حوصلگی (۳) بہتر عقیدہ (۴) سرگرم (۵) رحمدلی۔

اس کے کہنے کے مطابق خوش اخلاق کبھی عاجز نہیں ہوسکتا۔ اور جو عالی حوصلگی اور بلند ہمتی سے کام لیتا ہے، ایک دنیا کے دل جیت لیتا ہے اور جو کوئی اچھا عقیدہ رکھتا ہے لوگ اس پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں۔ رحمدلی سے کام لینے والا لوگوں سے اپنی خدمت کرواتا ہے۔

☆ کنفیوشس کہتا ہے کہ جو کوئی حکمران راست باز اور کھرا ہوتا ہے اُسے بغیر کسی حکم دینے کے معاملات درست حالت میں ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ خود ٹیڑھا ہے تو وہ حکم بھی دیتا ہے لیکن اس کی اطاعت نہیں ہوتی۔

لوگوں کی قیادت قواعد و ضوابط کے ساتھ کرو اور انہیں ان کا پابند بناؤ اور جو کوئی حکم عدولی کرے اسے سخت سزا کے ساتھ درست کردو۔ لوگ جیل سے باہر رہنا پسند کرتے ہیں، لیکن انہیں کبھی برائی کے ارتکاب پر شرمندگی نہیں ہوتی۔

☆ لوگوں کو نیکی کے ساتھ چلاؤ اور قانون کے ذریعے انہیں برائی سے دور رکھو۔ خوش دلی پیدا کرواتو لوگوں میں شرمندگی کا احساس فروغ پائے گا اور وہ بہتر طور پر رہنا شروع

کر دیں گے۔

☆ کنفیوشس سے حکومت کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ۔حکومت کے لوازمات میں کافی خوراک، کافی فوج اور لوگوں کا بھرپور اعتماد ہیں اور جب کبھی ان میں سے کسی ایک کو ترک کرنے پر اپنے آپ کو مجبور ہوا پارہے ہو تو پہلے فوج میں کمی کرو اور پھر اگر کمی کرنی پڑے تو خوراک میں کمی کرلیں۔ کیونکہ خوراک کے بغیر گزارہ کیا جاسکتا ہے لیکن بھرپور عقیدہ کے بغیر عوام گزربسر نہیں کرسکتی۔

☆ کنفیوشس سے پوچھا کہ لوگوں کی آبادی بڑھ جائے تو کیا کرنا چاہیے تو کنفیوشس نے کہا انہیں خوشحالی دو اور پھر ان کی تعلیم کا انتظام کرو۔

☆ کنفیوشس ایک اچھے معاشرے کی تشکیل کا خواہش مند تھا، اس کے نزدیک اچھے معاشرے کے لیے مندرجہ ذیل چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) امن۔ (۲) فرد عوام اور حکومت میں نظم وضبط ہو۔

(۳) ایک فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ۔

(۱) خوش اخلاق ہو۔

(۲) وفادار ہو۔

(۳) محنتی ہو۔

(۴) رحمدل ہو۔

جس کے نتیجے میں معاشرے میں ہم آہنگی کو فروغ حاصل ہوگا۔

کنفیوشس کے نزدیک پانچ بنیادی تعلقات خوش گوار ہونے چاہئیں۔

(۱) حکمران اور رعایا کے درمیان۔

(۲) والدین اور بچوں کے درمیان۔

(۳) خاوند اور بیوی کے درمیان۔

(۴) بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی کے درمیان۔

(۵) ایک دوست اور دوسرے دوست کے درمیان۔

ان تعلقات کی خوش گواری کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک اپنی ذمہ داری کو پوری ایمانداری کے ساتھ نبھائے۔ مثلاً حکومت اچھے حکمران دیں اور عوام ان کی وفادار رہیں اور حکمرانوں کا احترام کریں۔

☆ حکمران اچھے قانون بنانے کے بجائے اپنے اچھے رویوں سے لوگوں کو کنٹرول کریں۔

☆ کنفیوشس کی تعلیم روح کی دستگاری کے لیے نہیں بلکہ معاشرے میں نظم وضبط کی بحالی کے لیے تھی۔

☆ کنفیوشس کسی الگ مذہب کا بانی نہیں تھا بلکہ اس کی تعلیمات پرانے چینی مذاہب سے ماخوذ تھیں اور اس کا فکری نچوڑ تھیں۔

☆ کنفیوشس کو جب قاضی بنایا گیا تو اس نے شہر چنگ ٹو میں اپنی تعلیمات کو عملی شکل دی جس سے ایک مثالی انتظامیہ اور عدلیہ قائم ہوگئی اور مکمل امن وامان قائم ہوا ۔ حاسدوں نے بڑی چالاکی سے جب امیر سلطنت کو عیاشی و بے راہ روی میں ڈال دیا تو کنفیوشس اسے سمجھانے سے باز نہ رہ سکا، جس کے نتیجہ میں امر سلطنت نے اسے ملک بدر کردیا۔

☆ ۴۹۷ ق م میں اس نے شاگردوں کے ساتھ جلاوطنی کی زندگی شروع کی۔ ۴۸۳ ق م میں ڈیوک گائی نے واپس بلایا تو دوبارہ اصلاح وتعلیم کا کام کرنے لگ گیا۔ ۴۷۸ ق م میں کنفیوشس اپنی زندگی کی بازی ہار بیٹھا۔ کنفیوشس کی تعلیمات آج بھی اہل چین کے حکمرانوں کے لئے زاد راہ ہیں۔ وہ کسی مذہب کا نام نہیں بلکہ پرانی چینی فکر کا حاصل مطالعہ ہیں اور اس میں انسانی معاشرے کی بہتر تشکیل کے لیے عملی اقدامات کی تصویر کشی کی گئی ہے اور یہ اصول آج بھی قابل عمل اور بہتر نتائج کے حامل ہیں۔

سکھ مذہب

سکھ کی معنی پنجابی زبان میں مرید یا چیلے کے ہوتے ہیں۔ سکھ مت کے گورونانک نے اپنے مریدوں کو اس خطاب سے مخاطب کیا جس کی بنیاد پر وہ سکھ کہلائے۔ بابا گورونانک گاؤں قلونڈی میں ۱۴۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ ہر وقت سوچ بچار میں غرق رہتے۔ بیس سال کی عمر میں زیارات مقامات مقدسہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ صوفیائے اکرام اور سادھوؤں کی صحبت میں رہنا شروع کر دیا۔ مسلمان بزرگوں کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا۔ آپ کی تعلیمات میں توحید خالص تھی۔ اور رسالت کے اقرار کو لازمی قرار دیتے تھے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لیے منظور فرمایا۔ آپ نے دو دفع حج کیا۔ بابا فرید شکر گنج اور بھگت کبیر کے کلام کو جمع کر کے آپ نے یکجا کیا۔ آپ خود ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کے کلام گرنتھ صاحب سکھ مذہب کی مذہبی کتاب ہے آپ عوام اور حکمران طبقات کے مابین تضاد ختم کرنے یا کم کرنے کے متمنی تھے ایک وسیع سلطنت جو علاقائی تضاد سے پاک ہو، آپ کا خواب تھا سکھ مت دراصل ہندو مت اور اسلام کا میلاپ تھا۔ بابا گورونانک کی گرنتھ دراصل ان کی تعلیمات کا خزانہ ہے۔ آپ کے نزدیک ہندو مسلمان سب ایک تھے دسویں گورو گوبند سنگھ نے سکھوں کو منظم کیا اور پچھلے سب طریقے بدل دیئے اور حکم دیا کہ آئندہ کوئی سکھ بال نہ منڈوائے، بدن سے استرا نہ لگائے، ملاقات کے وقت رام رام کے بجائے آپس میں گوروواگورو جی کی فتح کہے زنانہ توڑ نہ پہنا کرے، برہما بشن شب دیوی کی پوجا نہ کرے۔ صرف گورو کو مانے اور اسی کو پرمیشر کا روپ جانے۔ بید پوران شاستر کا دل سے اعتقاد اٹھا دے۔ ان کے پاس تک نہ جائے اور صرف گرنتھ کو ہی سچی کتاب جانے۔ اس کا پڑھنا ثواب جانے۔ گرنتھ کے احکامات کی تعمیل کرے۔ کل سکھ آپس میں ایک ہیں۔ آئندہ کوئی برہمن کھتری یا شودر نہیں کہلائے گا۔ اشراف کی توقیر اور رذیل

کی ذلت نہیں رہی ۔سب قدر و توقیر میں برابر سکھ ہیں ۔کوئی گورو کا سکھ تمباکو نہ پیئے مسلمان کے ساتھ جہاں تک بن آئے دشمنی رکھے اس کے مال کو لوٹے جان کو مارے ان کا مال چوری کر کے کھا جانے کو حلال تصور کرے ۔جو کوئی سکھ ہو کر کسی مسلمان کو قتل کرے وہ مکت پاوے اور سیدھا سورگ کو جائے ۔اگر مسلمان کے ہاتھ سے مارا جائے تو بہشتی ہوا۔ مسلمان کا ذبح کیا ہوا حلال گوشت حرام جانے بکرے کا جھٹکا اپنے ہاتھ سے کرے اور گورو کا نام لیکر بکرے کی گردن پر تلوار مارے اس کا سر اور تارے تو وہ گوشت کھاوے ۔ہر ایک سکھ تلوار باندھے اور نیلے کپڑے پہنے لوہے کا چکر پگڑی کے اوپر دہرے بال یعنی کیس اوپر کی طرف لے جا کر سر کے اوپر باندھے ۔پگڑی سیدھی رکھے ۔ایسا پاجاما پہنے جس سے گھٹنا ننگا رہے ۔سور کا گوشت پوتر یعنی پاک سمجھے ،بلا شک کھاوے ملیچھ مسلمان کا دشمن بن جائے۔

یہ صورتحال اس وقت عقائد کی بنی جب سکھ مسلمانوں سے ان کے اقتدار کے دوران مزاحمتی تحریک میں تھے حالانکہ گرونانک کی یہ تعلیمات نہ تھی ۔سکھ مت اب مسلح جدوجہد کرنے والا فرقہ نظر آتا ہے، جہاں اس کی اپنی قومیت کے علاوہ کسی کو جینے تک کا حق نہیں ہے،اس طرح اس مذہب کی تعلیمات اب حقوق انسانی کے استحصال پر مبنی نظر آتی ہیں، یہ پیار و محبت کا مذہب تھا۔ ہندوستان میں ان پر کیے جانے والے مظالم نے ان کو جنگجو بنا دیا ہے۔ان کا تشدد اب ان کی مزاحمتی اور آزادی کی جدوجہد کی وجہ سے وہ معنی نہیں رکھتا جو ایک عام مذہب کی رو سے ہونا چاہیے۔

(بحوالہ چیدہ چیدہ از سیارہ ڈائجسٹ حقوق العباد نمبر)

حقوق العباد کی دعوت اور طلوع اسلام

جس طرح عناصر اربعہ کی عادلانہ آمیزش نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اسی طرح انسان کی انفرادی حیثیت کو باقی رکھنے اور اجتماعی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے

ایک ایسے مکمل نظام زندگی کی ضرورت ہے جو انسان کے مادی اور معنوی جملہ حقوق کا محافظ ہو اور ہر زمان ومکان میں اس کی جملہ ضروریات کی کفالت کرے، جس کی آزادیاں اخلاقی پابندیوں سے محفوظ ہوں اور جس کی پابندیوں میں انسان کی تمدنی استعداد کو پنپنے اور ابھرنے کی پوری آزادی ہو۔ جس کی تعلیم وتربیت ہر فرد کو اس قابل بنادے کہ وہ فطری تقاضے کے مطابق چند متعلقین پر مشتمل ایک چھوٹے جہاں میں حقوق وفرائض کے صالح نقشے پر اپنی عملی جدوجہد سے حسن کاری میں مصروف رہے۔ اور یہ چھوٹا سا تمدنی دائرہ اپنے یقین، اتحاد، اخلاق، برتاؤ، باہمی سلوک وہمدردی اور تنظیم کا نمونہ ہو۔ یعنی ایک صالح نظام زندگی کی تعریف یہ ہے کہ اس میں ہر فرد کو اس کی تمدنی صلاحیتوں اور فطری تقاضوں کو جائز طریقے پر بروئے کار لانے کی آزادی ہو۔

یاد رہے کہ انسان کی اہمیت صرف اس قدر نہیں ہے کہ وہ مدنی الطبع ہے یعنی تمدنی زندگی اس کی طبیعت کا تقاضہ ہے جسے کسی نہ کسی طرح پورا ہونا ہی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عناصر کی اس دنیا میں انسان مدنی الطبع ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی ایک دنیا ہے ایسی دنیا جسے مادی اعتبار سے ہوا، پانی، سبزہ، برودت، لوہا، چاندی اور سونا یہ سب کچھ چاہئے اور معنوی اعتبار سے اس یقین وارادہ، اعلیٰ صفات، اختیارات اوران پر تصرف کی مشروط آزادی یعنی اخلاق وقانون معاشرت بھی چاہئے۔ انسانی دنیا کے ان دونوں مطالبوں میں سے کسی ایک کو برتر یا کمتر نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا انسانی دنیا میں یہ بحث ہی قطعاً غیر آئینی ہے۔ بلاشبہ اسلام ہی ایک ایسا نظام زندگی ہے جو انسانی حقوق کے تمام تقاضے پورے کردیتا ہے۔ اور ہر فرد کی تمدنی صلاحیتوں کی صحیح قیادت کرتا ہے وہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے جس کے تمام افراد مادی اور معنوی اعتبار سے منظم ومتحد ہوں۔ اسلام انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے جو تدابیر کرتا ہے وہ تدبیر سب سے پہلے انسانی دنیا کا رخ کرتی ہے یعنی انسانی فطرت کو آواز دیتی ہے۔ اس طرح یقین کے سائے میں ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس کا ہر فرد دنیا بھر کے تمام انسانوں کے حقوق

کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

یہ بات تقریباً سب کو معلوم ہے کہ کوئی شخص جب تک ایمان نہ لائے وہ جنت کا حق دار نہیں بن سکتا۔ لیکن محمد ﷺ اس ایمان کی تفصیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ایمان اور حسد ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اور کوئی شخص جس کے دل میں ذرہ بھر بھی غرور ہو جنت میں نہیں جائے گا۔ جو شخص اپنے پڑوسی کو تنگ کرے گا، خود کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا سور ہے وہ مؤمن نہیں۔ کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنوں میں مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو خود اپنے لئے چاہتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حسد و غرور، خود غرضی، اور ایذا رسانی یہ وہ اخلاقی برائیاں ہیں جو انسانی حقوق کی حفاظت کے بڑے سے بڑے خارجی انتظام کو ناکام بنا دیتی ہیں۔

اسلام اس سلسلہ میں یقین و ایمان کی بنیاد پر انسانی حقوق کی حفاظت کے ایسے اقدامات کرتا ہے جن کو نظر انداز کرنا کسی ایمان و ایقان والے آدمی کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔

اسلام سب سے پہلے انسان کے دل میں یہ بات راسخ کر دیتا ہے کہ اس کائنات میں سے کوئی بھی وجود خالق و مالک و حاکم و رازق اور تمام قدرت والا غالب نہیں ہے مگر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو سب کی خالق، مالک، رازق اور قادر مطلق ہے، یقین کا یہ پہلو انسان کے جان مال، عزت و آبرو، اور مال و رزق پر سے تمام انسانی اختیارات کو یکسر ختم کر کے صرف اختیارات الٰہیہ کا اعلان کر دیتا ہے اور ہر فرد انسان کو الٰہی حکم و عدل کا تابعدار بنا کر اس کے لئے کائنات کے منافع بخش حصہ سے فائدہ اٹھانے کا حق ثابت کرتا ہے۔ جس طرح ایک فرد انسانی زندگی کے اس دنیا میں پھلنے پھولنے میں کوئی ایسی مداخلت نہیں کر سکتا جس سے کسی فرد کی جان و مال، عزت و آبرو اور ملکیت پر ناجائز دباؤ پڑ سکے اسی طرح کوئی انسانی گروہ بھی انسانوں یعنی اللہ کے بندوں کے لئے تنہا اپنی عقل و مرضی کے فیصلے سے کوئی ایسا دستور نہیں بنا سکتا جو حاکم و قادر

مطلق اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔ بلکہ ہر انسان خود اپنی جان اور دوسرے فرد کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہیں کرسکتا جو انسان کے مالک کے حکم کے خلاف ہو اور کوئی کسی جانور کی جان بھی نہیں لے سکتا جب تک قانون الٰہی اسے اس کی اجازت نہ دے۔

اسلام انسان کو یہ باور کراتا ہے یہ زندگی چند روزہ ہے۔ مرنے کے بعد ہر ایک کو زندہ ہونا ہے اور اپنے مالک و خالق کے روبرو پیش ہو کر دنیا میں اپنے کئے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے۔ اور یہ بھی باور کئے ہوتا ہے کہ اس دن سب سے زیادہ سختی انہی اعمال پر ہوگی جو انسانی حقوق کی ادائیگی یا عدم ادائیگی سے متعلق ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا حق تو معاف کردے لیکن انسانی حقوق کی معافی یا بدلہ اسی دنیا میں اگر نہیں دیا گیا تو آخرت میں انسانی حقوق غصب کرنے والوں کی نہ معافی ہوگی اور نہ ہی بدلہ قبول ہوگا۔ یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ اچھے عمل کا تعین کیسے ہوگا۔ اگر صحیح و غلط، نیک و بد کا تعین انسان نے ہی کرنا ہے تو پھر ہر انسان اس کی تعبیر خود اپنے مفاد کے حوالہ سے کرے گا۔ اور دنیا بھر میں اس طرح سینکڑوں تعبیریں بن جائیں گی۔ عقل محسوس کرتی ہے کہ ہر معاملے اور ہر مسئلے میں حق صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ اسلئے انسانی زندگی کو ہدایت الٰہی پہنچانے اور نمونہ زندگی سب کے سامنے رکھ دینے کا انتظام اللہ تعالیٰ کو ضرور کرنا تھا جو اس نے اپنے انبیاء کرام کو بھیج کر دیا ہے۔ اور اس طرح رسالت کے عمل کے بغیر انسان روز حساب کے لئے تیاری نہیں کرسکتا۔

انسان کے احتساب کے لئے ہر روز اور شب میں دو فرشتے اس کے اعمال کی لکھائی کیلئے مقرر ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن ہر شخص اپنا نامہ اعمال دیکھ کر کامیابی کا حساب لگا سکے گا اور یہ یقین راسخ کردیا جاتا ہے کہ خدا کی خدائی کے جان و مال کو نقصان پہنچانے والے اور اس کی عزت و آبرو لوٹنے والے کے لئے دردناک عذاب بالکل تیار ہے۔

اس یقین کامل کے بعد جو انسانی زندگی کیلئے ہر پہلو کو احاطہ میں لے لیتا ہے

اوراس کے اخلاق ومعاشرت کے معاملات کے تمام دائروں پر چھا جاتا ہے اسی یقین کی طاقت وبرکت سے انسان کی معنوی زندگی یعنی اس کی باطنی دنیا ہر مقام اور ہر زمانے میں سدھر سکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام انسانی حقوق کیلئے سب سے پہلے اس کے یقین کو صحیح راہ پر لگا دیتا ہے اور صحیح ایمان انسان کے اخلاق وایمان کی بجا قیادت کرتا ہے۔

حدیث پاک میں ثابت ہے کہ انسان کا ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے یعنی جس قدر ایمان کامل ہوگا، مستحکم اور راسخ ہوگا اسی قدر اس کے اخلاق واعمال درست اور راست سمت میں ہوں گے۔ یہی یقین پھر انسانی نسل کی حفاظت، مساوات، حصول منافع، قانون معاشرت کی پاسداری اور قانون پر اثر انداز ہوتا ہے۔ معاشرہ پھیل بھی جائے اس یقین کی کیفیت وکمیت کا ابھار ونکھار اس کی جانچ پڑتال کا میدان خاندانی نظام زندگی اسی طور متاثر ہوتا ہے۔ معاشرے کا ہر فرد صرف اسی وقت کامیاب کہلائے گا جب وہ اپنے یقین کو معاشرے میں عملی شکل دے کر اپنی روز مرہ زندگی کو صالحیت کا مظہر بنا دے۔

اسلام انسانی حقوق کی حفاظت کے انتظام کو سب سے پہلے اس کی معنوی دنیا میں قائم کرتا ہے اس لئے اس نظام کی مضبوطی اور استحکام میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انسان کی معنوی زندگی اسی کی مادی طاقت کے سبب ہی زیادہ بڑھی ہوئی اور مؤثر ہوتی ہے۔ کوئی نظام ناکام تبھی ہوتا ہے جب اس کو محض خارجی نظام یا بیرونی طاقت سے مضبوط یا مستحکم کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ اور فرد کو اپنی تمدنی صلاحیتوں کے نمایاں کرنے کے لئے کوئی میدان نہ دیا گیا ہو۔ ان حالات میں خارجی نظام چاہے ظاہری قوت وشوکت کے اعتبار سے کیسا ہی مرغوب کیوں نہ ہو وہ فیل ہو جاتا ہے اور زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ چند انسانوں کے تصورات وہ کتنے ہی بلند ہوں عملی شکل اختیار کرنے اور ایک زمانہ گزرنے کے بعد افراد کی معنوی پستی وبلندی کا اثر قبول کر کے

انقلاب کی زد میں آجاتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت میں عرصہ دراز تک قائم رہ سکیں۔ اس لحاظ سے اندیشے قوت پکڑتے ہیں کہ انسانی حقوق کی خارجی نظام کے تحت جب اٹھان نہیں کی جائے گی تو وہ زیادہ دیر تک حقوق وفرائض اور اخلاقی قانون کے پابند زندگی گزارنے کا عادی نہیں رہے گا۔ مادی منافع کے استحصال سے معاشرہ کی معنوی صلاحیتیں جلد معطل ہو جائیں گی۔ اس طرح یقینی امر ہے کہ افراد کی معنوی صلاحیتوں کا نقصان ہی انسانی حقوق کا نقصان ہے۔ اور یاد رہے کہ انسانی دنیا میں افراد کے معنوی تعطل کا تاوان مادی منافع سے ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔ جب کہ انسانی حقوق کی حفاظت کا اسلامی نظام اگر اپنے خارجی پہلو سے کتنا ہی کمزور ہو جائے تب بھی اس کے تربیت یافتہ افراد صنف اور قوت کے تمام انقلابی احوال کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد رہیں گے۔ کیونکہ اسلامی نظام افراد کے روزمرہ کے باہمی اخلاق وسلوک سے اور قانون معاشرت وقانون انصاف کی طاقت سے حقوق انسانی کے تقاضے منوا تا رہتا ہے۔ مرنے کے بعد ہمیشہ کی زندگی کی راحت یا عذاب اسے مزید منحصر کر دیتا ہے کہ ایک انسان نے دنیا کی زندگی میں اپنے عزیزوں اور اپنے پڑوسیوں کے جان و مال پر ناجائز قبضہ نہیں کیا اور ایک انسان نے اپنی بلی کو باندھ کر عذاب تو نہیں دیا۔ اس تعلیم وتربیت کا نتیجہ یہ ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی امت اسلامیہ کے سامنے وہ چارٹر آج تک روشن وجاہ پیا ہے جس کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا تھا۔

جمعۃ المبارک کا دن تھا 9 ذوالحجہ ۱۰ھ کو جبل رحمت پر سے میدان عرفات کے تقریباً ڈیڑھ لاکھ حاضر حجاج کرام کو خطبہ حجۃ الوادع فرماتے ہوئے محسن انسانیت جناب حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

''سب تعریف اللہ کے لئے ہے ہم اسی کی حمد وثنا کرتے ہیں اسی سے مدد مانگتے ہیں اسی سے معافی چاہتے ہیں۔ اس کے پاس توبہ کرتے ہیں۔ اور بے شک ہم اللہ ہی کے ہاں اپنے نفسوں کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ جسے

اللہ تعالیٰ ہدایت دے تو پھر اسے کوئی نہیں بھٹکا سکتا اور جسے اللہ تعالیٰ ضلالت وگمراہی عطا کردے تو پھر اسے کوئی ہدایت پر نہیں لگا سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ذات یکتا ہے اس کا کوئی شریک وہمسر نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ (محمد ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اس کی اطاعت پر پرزور طور پر آمادہ کرتا ہوں۔ اور میں اسی سے ابتدا کرنا چاہتا ہوں جو بھلائی ہے۔ اما بعد! لوگو! مجھ سے سنو میں تمہیں بتاتا ہوں کیوں کہ میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد اس جگہ تم سے پھر نہ مل سکوں۔ لوگو! تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تمہارے لئے (ایک دوسرے پر) اپنے رب سے ملنے تک (قیامت تک) حرام ہیں۔

(اور یہ ایسے ہی) حرام ومحترم ہیں جیسے تمہارے لئے آج کا دن، آج کا مہینہ اور اس شہر کی حرمت ہے۔ ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

(لوگو!) جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اس کو ادا کردے جس نے وہ اس کے پاس امانت رکھائی۔

خبردار! جاہلیت کا سود گرادیا جاتا ہے البتہ تمہارے لئے اس اعمال پر حق نہ ہوگا تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ کردیا ہے کہ کوئی سود نہ رہنے پائے اور پہلا سود جس سے میں (اس کی) ابتدا کرتا ہوں وہ میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا ہے۔

خبردار! جاہلیت کے خون گرادیئے جاتے ہیں اور پہلا خون جس سے میں (اس کی) ابتدا کرتا ہوں وہ (میرے چچازاد بھائی) کے بیٹے عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا ہے۔

خبردار! جاہلیت کے آثار وعہدے گرادیئے جاتے ہیں بجز خانہ کعبہ کی رکھوالی اور حجاج کو پانی پلانے کے۔

قتل عمد پر قصاص ہے مشابہ عمد وہ جس میں لٹھ اور پتھر سے موت واقع ہوئی ہو۔ اس میں سو اونٹ (خون بہا) جو اس میں زیادتی (کا مطالبہ) کرے تو وہ جاہلیت والا ہے۔ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

اما بعد لوگو! شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا ہو لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے سوا دیگر ایسی باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم اپنے اعمال میں حقیر سمجھتے ہو اس لئے اپنے دین کے متعلق اس (شیطان) سے محتاط رہو۔

لوگو! سال کی کبیہ گری کفر میں ایک زیادتی ہے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اس کے باعث بہکائے جا رہے ہیں وہ اسے ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور اسے ایک سال حرام کر لیتے ہیں تا کہ اس کی تعداد کا تکملہ کر لیں جو خدا نے حرام کر رکھی ہے۔اس طرح وہ خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیتے ہیں اور خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حرام۔حقیقت میں اب زمانہ چکر لگا کر پھر اسی شکل پر آ گیا ہے۔جیسا کہ خدا کے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کے دن تھا۔بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے پاس اللہ کی کتاب میں اس کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے دن ہی سے بارہ مہینے لکھی ہے۔ان میں سے چار حرام ہیں۔تین پے درپے اور ایک تنہا ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور صفر، رجب جو کہ جمادی الآخر اور شعبان کے بیچ میں ہے کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

اما بعد لوگو! تمہاری عورتوں کیلئے تمہارے اوپر ایک حق ہے اور تمہارے لئے ان کے اوپر یہ ہے کہ تمہارے بستر کو تمہارے سوا کسی اور سے نہ روندوائیں اور تمہارے گھروں میں تمہاری اجازت کے بغیر کسی ایسے کو داخل نہ ہونے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور کوئی برے فحش کام کا ارتکاب نہ کریں اگر وہ ایسا کریں تو اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے تم ان پر سختی کرو، ان کے ساتھ سونا بند کر دو یا ان کو غیر شدید ضرب پہنچاؤ اگر وہ باز آ جائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم کو ان کا اچھے دستور سے کھلانا اور

پہنانا لازم ہے۔ عورتوں کے متعلق بھلائی کی تمہیں تاکید ہے کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدی کی سی ہوتی ہیں اور اپنے لئے کسی چیز کی مالک نہیں ہوتیں اور تم انہیں اللہ کی امانت کے طور پر لیتے اور اللہ کے کلمہ پر ان سے تمتع اپنے لئے حلال کرتے ہو اسی لئے عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو ان سے بھلائی کی تمہیں تاکید ہے۔ ہاں کیا میں نے پہنچادیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

لوگو! تمام مؤمن بھائی بھائی ہیں کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں بجز اس کے کہ وہ اس کی طبعی خوشی سے ہو۔ لہٰذا میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم اسے تھامے رہو گے میرے بعد تم گمراہ نہ ہوگے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ۔ ہاں کیا میں نے پہنچادیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے۔ تم سے اللہ کے نزدیک سب سے مکرم وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقوٰی کے۔ ہاں کیا میں نے پہنچادیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

لوگوں (حاضرین) نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر حاضر کو چاہئے کہ غائب تک پہنچادے۔

لوگو! اللہ نے ہر وارث کیلئے ورثے میں اس کا حصہ مقرر کردیا ہے۔ اب وراثت کیلئے کسی مزید وصیت کی اجازت نہیں اور (کسی اور کے حق میں بھی) ایک تہائی (مال) سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔ بچہ بستر (کے مالک) کا ہوگا۔ اور زانی کو پتھر ملیں گے۔ جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے یا اپنے مولا (معاہداتی بھائی) کے سوا کسی اور کو مولیٰ بنائے تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت ہے۔ اس سے (تلافی کے لئے) کوئی خرچ اور کوئی بدلہ قبول نہیں ہوگا۔

اس دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کیلئے مساوات، بھائی چارے، انصاف، باہمی حقوق وفرائض اور ملکیت و معاشرت کے حوالے سے یہ ایک کھلا اور واضح پہلا اعلان تھا جس نے بنی نوع انسان کے محروم ومظلوم غلاموں کو حیات نو کا پیغام دیا۔ اور آج بھی یہی صحیفہ زریں حیات نو کا واحد حیلہ ہے۔ جو دنیا میں رہنے والے انسانوں کے حقوق کی حفاظت کا راز اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ اس پیغام کا حاصل یہ ہے کہ:

☆ کسی ظالم کو موت نجات نہیں دے سکتی خواہ زندگی میں دنیاوی عدالتیں اسے بری کر دیں۔

☆ عمل کی ہر بدعنوانی لکھی جارہی ہے اس پر اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے اور وہی اس کا حساب چکوانے کی ضمانت دیتا ہے۔

☆ مرنے کے بعد ہی جزا اور سزا کے حالات طاری ہو جاتے ہیں (قیامت) انصاف کے ذرہ بھر کی نیکی کی جزا ضرور پوری اور زیادہ سے زیادہ ملے گی اور ہر بدی کی اتنی ہی سزا مقرر ہے جتنی بدی کی گئی ہے۔ زیادتی سزا نہ ہوگی۔

☆ کسی کا گناہ دوسرے کسی کے سر نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی اپنے سر لے گا۔ ہر گناہ گار اپنے گناہ پر مورد الزام ٹھہرے گا۔

☆ قیامت کے دن خود اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے لاتعداد گناہ گاروں کو جہنم سے نکالیں گے۔

☆ محمد ﷺ کبائر گناہ کرنے والوں کی بھی حفاظت کریں گے۔ اور اس شفاعت کی اور دوسری شفاعتوں کی امید سب کو رکھنی چاہئے مگر یقین کوئی نہیں کر سکتا کہ ضرور اس کی شفاعت ہوگی نہ اس خیال میں کوئی جان ہے کہ کوئی کسی کا پلہ پکڑ کر جنت میں پہنچ جائے گا۔ اللہ کی رحمت کسی کی بخشش کے لئے کوئی بھی سبب پیدا کر سکتی ہے اور کسی وقت اپنی رحمت خاص سے اپنے بندہ کو معاف کر سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا سب سے بڑا محسن ہے وہ فرماتا ہے کہ بے شک میری رحمت

سب چیزوں پر وسعت اختیار کر گئی ہے اور حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ سب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صحیح عقیدے اور صالح عمل جو قرآن اور سنت کی رو سے وہ نجات کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ ان کو زندگی کے تمام کاموں میں عدل اور اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ خالق فطرت کی اس تدبیر سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں ہے انسان کے صحیح عقائد کی طاقت میں ہی انسان کی صحیح فلاح اور بھلائی ہے۔ عقیدہ عمل پر نگرانی کرتا ہے۔ بشرطیکہ مضبوط ہو اور عمل عقیدے کی کیفیت اور کمیت پر گواہ ہوتا ہے۔

دنیا میں اقامتِ عدل وحفاظتِ حقوق کے لئے طاقت کا استعمال حکومت وقت کے ذمہ ہے۔ اسلامی حکومت ان امور کی انجام دہی یعنی **امر بالمعروف ونہی عن المنکر** کے نظام کے قیام کی امین ہے۔ بعثت انبیائے کرام کا سب سے بڑا مقصد قیام انصاف برائے حفاظت حقوق انسانی رہا اور اس کے لئے ہر دور میں ہر حیثیت کے مناصب کے فرائض کا ظہور ہوا۔ انبیاء کرامؑ بشیر ونذیر تھے۔ جو کہ خدا کی مخلوق کو اپنے اصل خالق واحد کی عبادت کی طرف دعوت دیتے اور آپس میں باہمی اخوت وبھائی چارے کے ساتھ دنیا کی زندگی کو کامیاب بنانے کی تلقین کرتے گئے۔

یہی تعلیم اور یہی پیغام تمام مذاہب کی تعلیم کا محور رہا۔ اسلام کا بھی یہی پیغام تھا اور جو نبی کریم ﷺ نے بنی نوع انسان کو قیامت تک کیلئے ہدایت کے طور پر بخشا ہے۔

اسلام کے عائلی نظام کی وضاحت

اسلام دین فطرت ہے اور اس نے بنی نوع انسان کو ایک ایسا ضابطۂ حیات دیا ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو کا نہایت متوازن انداز میں احاطہ کرتا ہے اور ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو باہمی اصلاح، الفت ویگانگت، مساوات، عدل وانصاف اور امن وسکون کا گہوارہ ہو۔ اسلام کو ماننے والے

ہر فرد کا اس بات پر کامل ایمان ہے کہ قرآن حکیم میں اسلامی ضابطۂ حیات کے خدوخال اور بنیادی اصول واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ نے ان پر عمل کر کے اپنے اسوۂ حسنہ کا جو نمونہ اہل ایمان کے سامنے پیش کیا، دنیا اور آخرت میں کامیابی کا انحصار اسی پر عمل کرنے میں ہے۔

رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت، پیغام یا تعلیم لے کر مبعوث ہوئے اس کے بنیادی طور پر دو حصے ہیں، ایک کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ ان حقوق میں ایمان، توحید خالص، ذکر و شکر اور ہر قسم کی عبادات شامل ہیں۔ دوسرے کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ ان حقوق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا تعلق معاشرتی احکام و آداب سے ہے مثلاً شوہر کا بیوی سے، بیوی کا شوہر سے، والدین کا اولاد سے، اولاد کا والدین سے، قریبی اور دور کے رشتہ داروں کے ساتھ، ہمسائیوں کے ساتھ، زیر دستوں کے ساتھ اور عام مخلوق کے ساتھ کیسا برتاؤ اور رویہ ہونا چاہیئے اور ان کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں۔

دوسری قسم کے حقوق العباد کا تعلق معاملات سے ہے، یعنی تجارت، زراعت، قرض و امانت، خرید و فروخت، ہبہ، وصیت، مالی لین دین، وغیرہ۔ اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع حقوق العباد کی پہلی قسم سے ہے اس کا جامع عنوان ''معاشرت'' ہے۔ جس کا ایک نہایت اہم پہلو اسلام کا عائلی نظام ہے۔ عام طور پر عائلی سے مراد شادی بیاہ نکاح طلاق وغیرہ جیسے امور لئے جاتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس نظام میں میاں بیوی کے باہمی تعلق کے علاوہ خاندان کے نزدیک اور دور کے دوسرے رشتہ داروں کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس میں خاوند یا بیوی کے رشتے داروں کی قطعاً کوئی تخصیص نہیں۔ میاں بیوی دونوں کے لئے لازم ہے کہ ایک دوسرے کے رشتہ داروں کے ساتھ ان کا معاملہ حسن سلوک کا ہو۔ گویا اسلام کے عائلی نظام کا اطلاق صرف دو افراد کی ازدواجی زندگی ہی پر نہیں بلکہ پورے خاندان پر ہوتا ہے۔ یہ

الگ بات ہے کہ اس نظام میں میاں بیوی کے درمیان باہمی اعتماد اور خوشگوار تعلقات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں عورتوں کو شوہروں کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے وہاں مردوں کو بھی خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔ **وعاشروهن بالمعروف** یعنی عورتوں کے ساتھ حسن سلوک یا بھلے طریقے کی زندگی بسر کرو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ایمان والا شوہر اپنی مؤمنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا، اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ اسی طرح جامع ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں وہ شخص کامل الایمان ہے جس کا اخلاقی برتاؤ سب کے ساتھ بہت اچھا ہو اور بالخصوص جس کا سلوک بیوی کے ساتھ لطف و محبت کا ہو۔

اب رہے میاں بیوی کے دوسرے رشتے دار تو ان میں دونوں کے والدین، اولاد، بہن بھائی اور دیگر تمام اہل قرابت شامل ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک اور ان کے حقوق قرابت ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے کہ۔ **واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً وبالوالدين احساناً وبذى القربى** (سورۃ النساء۔۳۶) یعنی اللہ کی عبادت کرو اور کسی شے کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ اور قرابت داروں سے نیکی کرتے رہو۔

اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کا نام صلہ رحمی ہے جو اسلامی تعلیمات کا خاص عنوان ہے اور جس پر بہت زور دیا گیا ہے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اللہ ہوں میں الرحمٰن ہوں، میں نے رشتۂ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو رحم کا نام دیا ہے۔ پس جو اسے جوڑے گا میں اُس کو جوڑوں گا اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔

شارحین حدیث نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی

حکمت اور مشیت سے انسان کی پیدائش کا ایسا نظام بنایا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا انسان رشتوں کے بندھنوں میں بندھا ہوتا ہے۔ ان رشتوں کے کچھ فطری تقاضے اور حقوق ہیں۔ جو بندہ ان حقوق کو پورا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنا بنالے گا اور اس پر اپنی برکتیں اور رحمتیں نازل کریگا۔ اس کے برعکس جو ان حقوق کو پامال کرے گا یعنی قطع رحمی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت اور فضل سے محروم کر دے گا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی روزی میں فراخی اور کشادگی ہو اور اس کی عمر میں زیادتی ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کرے گویا اسلام کے عائلی نظام میں رشتے داروں کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ ان سے حسن سلوک کو رزق اور عمر میں برکت کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ اس حسن سلوک کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً ان میں سے غریب اور حاجت مند ہوں، ان کی مالی مدد کرنا۔ اپنے وقت اور زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگانا، جو بوڑھے، کمزور یا معذور ہوں، ان کی خدمت کرنا وغیرہ۔

اسبابی نقطۂ نگاہ سے یہ عام مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور تنازعے بالعموم حقوق قرابت کا پاس نہ رکھنے کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ آدمی کے لئے ذہنی پریشانی، اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے تفکرات لامحالہ صحت اور روز مرہ کے معمولات کو متاثر کرتے ہیں لیکن جو لوگ رشتے داروں کو مناسب اہمیت دیتے ہیں اور ان سے نیکی اور صلۂ رحمی کا برتاؤ کرتے ہیں، ان کی زندگی روحانی آسودگی، طمانیت اور خوش دلی کے ساتھ گزرتی ہے اور ہر لحاظ سے اُن کے حالات بہتر رہتے ہیں۔ پھر اہل قرابت کی مدد کرنے میں دوہرا ثواب ہے جیسا کہ جامع ترمذی کی ایک حدیث مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ مساکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے اور اہل قرابت کو دینے میں دوہرا ثواب ہے ایک صدقہ کا دوسرا صلۂ رحمی کا۔

احادیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر رشتے دار بدسلوکی اور حسد بھی کرتے ہوں تو بھی ان سے بردباری، درگزر اور حسن سلوک ہی کا معاملہ کرنا چاہیئے یہ طرز عمل نہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہوگا بلکہ نیکی کرنے والوں کو بدسلوکی اور حسد کرنے والوں پر غالب رکھے گا۔اس کے برعکس رشتے داروں سے بے اعتنائی برتنا اور اپنے مفادات کا اسیر رہنا اسلام کے عائلی نظام کی روح سے روگردانی کے مترادف ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے قرابت داروں سے حسن سلوک کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین یارب العالمین۔

حقوق العباد سے انحراف کے نتائج

حضرت آدم اور حوا کو جب زمین پر اُتارا گیا تھا ان کا طریق زندگی خدا کی اطاعت یعنی اِسلام تھا لیکن بعد میں انسان متعین راستے سے بھٹکتے رہے اس لئے کرۂ ارض کے ہر خطہ اور ہر دور میں انبیاء کرامؑ انسانوں کی رہبری کے لئے آتے رہے اور ان خوانین الٰہی سے جن کا اتباع خود انسان کے مفاد میں تھا انسانوں کو روشناس کراتے رہے اسی طرح ہر پیغمبر انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور پھر انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض کی کسی نہ کسی طرح نشاندہی کرتا رہا۔جن افراد و اقوام نے ان قوانین الٰہی کی پیروی کی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی جن اقوام نے ان قوانین کی اجتماعی خلاف ورزی کی ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔قران حکیم میں جن اقوام پر عذاب الٰہی نازل ہونے کا ذکر ہے وہ یہ تھیں:

(۱) قوم نوح (۲) قوم عاد (۳) قوم ثمود (۴) قوم لوط (۵) قوم شعیب۔

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس کی طویل ترین تبلیغ کے بعد صرف اتنے آدمی اللہ کے راستے پر متعین کر سکے جو ایک کشتی میں سما گئے اور باقی قوم غرق آب ہوگئی کیونکہ وہ قوم نافرمان ہو کر حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے جواب میں کہتی تھی:

﴿قالوا أنؤمن لک واتبعک الأرذلون﴾

"کیا ہم تجھے مان لیں حالانکہ تیری پیروی ذلیل ترین لوگوں نے اختیار کی ہے۔"

(سورۃ الشعراء۔۱۱۱)

اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قوم نوح قانون الٰہی کی بجائے اپنے سرداروں اور شیوخ کے اشاروں پر ناچتی تھی جو سماجی عدم مساوات اور معاشی و معاشرتی افراط وتفریط پر یقین رکھتے تھے یہ خصوصیتیں چونکہ حقوق العباد کے اتلاف کی بنیاد فراہم کرتی تھیں اس لئے بھی قوم نوح ایسے عذاب میں مبتلا ہوئی کہ اس کا صفحہ ہستی سے نام ونشان تک مٹ گیا۔

قوم عاد پر آندھی کے طوفان کا عذاب مسلط ہوا اس کی وجہ ان آیات قرآنی میں تلاش کی جاسکتی ہے۔

﴿اتبنون بکل ریعٍ ایةً تعبثون. وتتّخذونَ مصانعَ لعلّکم تَخلُدون. واذا بطَشتُم بطشتُم جبّارِین﴾

یہ تمہارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بناڈالتے ہو اور بڑے محل تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو ظالم اور جابر کی طرح۔

قوم عاد اس کمزور بنیاد پر فخر ونخوت کا اظہار کرتے ہوئے کہتی تھی۔

﴿من اشد منا قوة﴾

"اور کوئی ہے ہم سے زیادہ طاقت ور۔"

ظاہر ہوا کہ قوم عاد مادی ترقی کی نمائش کے لئے بلامقصد کاموں میں بے دریغ دولت خرچ کرتی تھی اس کے نزدیک معیار آدمیت اتنا پست تھا کہ کمزوروں پر ظلم کرتی تھی اور اپنی طاقت پر مغرور تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی قوم کو مٹا دینا ہی مناسب سمجھا جو اپنے کمزور ساتھیوں پر ظلم کرے اور ان کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کے بجائے بے مقصد عظیم الشان عمارات تعمیر کرے۔

قوم عاد کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا وہ قوم ثمود تھی وہ اس قدر ماہر فن

تھی کہ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر عمارتیں بناتی تھی مگر انہوں نے ساری توانائی معیار زندگی بلند کرنے تک محدود رکھی اور معیار انسانیت پست کردیا وہ ان امراء کی اطاعت کرتی رہی جن کی اطاعت سے حضرت صالح علیہ السلام نے ان الفاظ میں روکا تھا۔

﴿ولا تطیعوا امر المسرفین. الذین یفسدون فی الأرض ولا یُصلِحون﴾

''ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو، جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔'' (سورۃ الشعراء۔۱۵۲)

اس قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کے پیش کردہ نظام الٰہی کی بجائے ان اُمراء اور رؤساء کے احکام کا اتباع کیا جو فاسد نظام زندگی چلا رہے تھے دولت غلط جگہ خرچ کرتے تھے اور معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرتے تھے ایسی قوم کا وجود چونکہ ننگ انسانیت تھا۔ اس لئے اللہ باری تعالٰے نے اسے دھماکہ اور زلزلہ سے ختم کردیا۔

قوم لوط کو پتھروں کی بارش سے اس لئے تہس نہس کردیا کے وہ لواطت ڈاکہ زنی اور اعلانیہ برائیوں کی مرتکب ہورہی تھی۔ ارشاد الٰہی ہے۔

﴿ائنکم لتأتون الرِّجال وتقطعُونَ السبیلَ وتأتون فی نادیکُمُ المُنکر﴾

''تم ایسے بگڑ گئے ہو کہ مردوں سے مباشرت کرتے ہو، راستوں پر ڈاکہ ڈالتے ہو اور اپنی مجلس میں برے کام کرتے ہو۔'' (سورۃ العنکبوت۔۲۹)

اصحاب مدین اور اصحاب الایکۃ کی اصلاح کے لئے حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن ان پر عذاب آگیا۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں اسطرح ہے۔

﴿فاخذھم عذاب یوم الظلۃ انہ کان عذاب یومٍ عظیم﴾

''آخر کار چھتری والے دن کا عذاب ان پر آگیا بے شک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔'' (سورۃ الشعراء۱۸۹)

اس عذاب عظیم کا ایک سبب حقوق العباد کی نفی تھی وہ اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

﴿واوفوا الکیل ولا تکونوا من المُخسرین ،وزنوا بالقسطاسِ المستقیم .ولا تبخسوا الناسَ أشیاءَ ھم ولاتعثَوا فی الأرض مُفسدِین﴾

''پورا ناپ تول کرو، کسی کو کم نہ دو، صحیح ترازو سے تولو۔اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔'' (سورۃ الشعرآ ۱۸۳)

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر صرف اس وجہ سے عذاب مسلط نہیں کیا کہ وہ اسکی عبادت سے روگردانی کرتی تھی اس کا حکم نہیں مانتی تھی بلکہ اس پر اس وجہ سے عذاب نازل ہوا کہ وہ اجتماعی طور پر اللہ کے بندوں کے معاشی معاشرتی و بنیادی حقوق تلف کرتی تھی۔

قرآن مجید اور تعلیمات حقوق انسانی

قرآن مجید اسلام کی بنیادی اور کلیدی کتاب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی۔ یہ کتاب اللہ کے بنیادی احکامات کی حامل ہے۔حقوق انسانی کی حرمت اور غایت اس کتاب کی بنیادی تعلیمات کا ایک اہم موضوع ہے۔جس کے لئے ذیل میں ان تعلیمات کے اہم اصولوں اور پہلوؤں کا بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے۔ملاحظہ فرمایئے۔

توحید ذات الٰہی

قرآن مجید کی یہ بنیادی تعلیم ہے کہ اس کائنات کا مالک وخالق ایک ہی ذات خداوند ہے جس کا ذاتی نام ''اللہ'' ہے۔اور وہی ذات عبادت وریاضت کی اصل حق دار ہے۔تمام حاجتوں، دکھوں اور ضرورتوں کا مداوا اسی کے رحم وکرم سے ممکن ہے۔قرآن مجید کے درج ذیل فرمان اسی بنیادی عقیدے کی توضیح کرتے ہیں۔

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔ بہت مہربان نہایت رحم والا ہے اور انصاف (قیامت) کے دن کا مالک ہے۔

(سورۃ فاتحہ)

وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ وہ بادشاہ ہے۔ پاک ذات ہے، سلامتی اور امان دینے والا ہے غالب اور صاحب عظمت ہے پاک ہے اللہ اس سے جو اس کا شریک بناتے ہیں۔ وہ اللہ ہی خالق ہے، نکال کھڑا کرنے والا، صورت کھینچنے والا ہے۔ اس کے ہیں سب نام کے خاصے (اچھے سے اچھے اعلیٰ درجہ کی خوبیوں والے) جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اس کی پاکی بول رہا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ (سورۃ حشر ۲۴۔۲۲)

بے شک حکم تو بس اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم سوائے اس کے کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے۔

اور کہہ دے کہ ساری تعریف اللہ ہی کے لئے جو نہ تو اولاد رکھتا ہے، اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ کمزور ہے کوئی اس کا مددگار ہے۔

کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں یہ اس لئے کہ اللہ ہی کا حق ہے اور اللہ کے سوا جس کو وہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔

کہہ دو اللہ ایک ہے، وہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ ہی اسکو کسی نے جنا اور نہ ہی کوئی اس کی برابری کرنے والا ہے (سورۃ اخلاص ۱۔۵)

اور تمہارا معبود تو اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ رحم کرنے والا مہربان ہے۔

وحدت دین اسلام

☆ بے شک اصل دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ (القرآن)

☆ اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس کا دین قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارے میں رہے گا۔ (القرآن)

☆ اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ ٹھہرایا ہے جس کی وصیت (حضرت نوحؑ کو کی تھی اور جس کو ہم نے تجھ پر وحی کیا اور جس کی وصیت حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو کی تھی کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ (القرآن)

☆ اور تم سب کی امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں اور مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ (القرآن)

☆ اللہ نے ہی تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس (قرآن) میں بھی ہے۔

☆ اس سے بہتر کس کی بات ہوگی جو (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور عمل صالح کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ (القرآن)

وحدت امت

اے رسولو پاک روزی کھاؤ اور اچھے کام کرو تم جو کچھ کرتے ہو میں اسے جانتا ہوں یہ تمہاری امت کی ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں سو میری بندگی کرو۔ (القرآن)

وحدت سلسلہ رسالت

☆ اور ہم نے جو رسول بھیجا وہ اسی قوم کی زبان میں تھا۔ (القرآن)

☆ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف سے چن لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کو ہدایت دیتا ہے۔ (القرآن)

☆ اور کوئی قوم نہیں جس میں آگاہ کرنے والا نہ گزرا ہو اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے۔ (القرآن)

☆ کیا تمہارے پاس رسول ﷺ تم میں سے نہیں آئے جو تم کو تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سناتے تھے اور اس دن کے حاضر ہونے سے ڈراتے تھے۔ کیا ہم نے تم کو اس قدر عمر نہیں دی جس میں نصیحت لینے والا نصیحت لے سکے اور تمہارے پاس رسول بھی آئے۔ (القرآن)

☆ اور پہلے لوگوں میں ہم نے بہت سے رسول بھیجے۔ (القرآن)

☆ پھر ہم نے لگاتار رسول بھیجے۔ (القرآن)

☆ تجھ سے پہلے بھی ہم نے رسول بھیجے وہ بھی کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ (القرآن)

وحدت معاشرت انسانی

☆ اور اللہ نے انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔ (القرآن)

☆ پھر اس نسل جو ہر یعنی حقیر پانی سے بنائی۔ (القرآن)

☆ اور ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر اس کو ایک محفوظ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا اور نطفہ کو ہم نے لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا اور پھر بوٹی کو ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت مڑھا پھر ہم نے اس کو ایک نئی مخلوق بنایا۔ اللہ برکت والا ہے سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

☆ وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین باریکیوں میں ایک خلقت سے دوسری خلقت میں پیدا کرتا جاتا ہے۔

☆ وہ ہی ہے جس نے تم کو نفس واحد سے پیدا کیا اور اسی نے اس کا جوڑا پیدا کیا تاکہ اس کے پاس آرام لے۔

☆ لوگو ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری برادریاں اور کنبے بنا دیئے کہ آپس میں شناخت رکھو تم میں سب سے زیادہ بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

☆ جب صور پھونکا جائے گا تو انکے درمیان کوئی رشتہ نہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے سے بات پوچھیں گے جن کی نیکی کا پلہ بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوں گے جن کی (نیکیاں) ہلکی ہوں گی وہ وہی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو برباد کیا اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

☆ انسان بڑا تھڑدلا ہے جب اسکو نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب فائدہ پہنچتا ہے تو بخیلی کرنے لگتا ہے۔

☆ اور انسان سب چیزوں سے زیادہ جھگڑنے والا ہے۔

☆ میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ میری بندگی کریں۔

☆ اور بے شک ہم نے آدم کی اولاد کو برتری دی اور خشکی اور تری میں ان کو سواری بخشی اور پاک چیزوں میں سے ان کو روزی دی اور انہیں بہت سی مخلوقات پر ہم نے فضلیت بخشی۔

☆ لوگو اپنے رب کا ڈر رکھو جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اسکی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے۔

☆ اور ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت میں پیدا کیا پھر ہم نے اسے کمتر درجہ دیا بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کئے ان کے لئے بے انتہا اجر وثواب ہے۔ (القرآن)

مساوات نسل انسانی

☆ اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری

شاخیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ بہت زیادہ جاننے والا اور خبردار ہے۔ (سورۃ الحجرات ۴۹، ۱۳)

اخوت نسل انسانی

☆ بے شک تمام مؤمن بھائی بھائی ہیں۔ (سورۃ الحجرات ۱۰)

☆ اور بے شک یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے۔ (سورۃ المؤمنون:۵۲)

☆ اور تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں کبھی تفرقہ نہ کرو۔ (سورۃ آل عمران:۱۰۳)

☆ اور کبھی ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد جبکہ ان کے پاس کھلی دلیلیں آ چکی ہیں۔ (سورۃ آل عمران۔۱۰۴)

متوازن نظام اور حکم انصاف

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو بے شک یہی تقوٰی کے قریب تر ہے۔ اللہ کا تقوٰی کرو اور اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔ (سورۃ المائدہ۔۸)

☆ اللہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر شے کا خبر گیر ہے۔

☆ جس نے پیدا کیا اور درست کیا اور اسی نے اندازہ مقرر کیا اور اس کی ہدایت کی۔ (القرآن)

☆ ہم نے دنیاوی زندگی میں ان کی روزی باہم تقسیم کر دی ہے اور ہم نے درجوں کے اعتبار سے ان میں سے ایک کو دوسرے پر بڑھا دیا ہے تا کہ ایک دوسرے کو

کام میں لگا سکے۔

☆ بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر بیٹھے اس کے انتظام کی تدبیر کرتا ہے۔

☆ اس کا امر تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

☆ بے شک اس نے آسمان اور زمین کو تدبیر سے پیدا کیا اور تمہاری صورت بنائی اور تمہاری اچھی صورت بنائی اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(سورۃ تغابن ۳)

☆ اور نفس کو ٹھیک بنایا پھر اس کو برے کاموں اور پرہیزگاری کی سمجھ داری دی تحقیق جس نے اس کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اس کو خاک میں ملا دیا وہ نامراد ہوا۔ (سورۃ الشمس، ۷، ۱۰)

حریت جان مال و آبروئے انسانی

☆ اور کبھی اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے اس کے کہ انصاف چاہو۔ (سورۃ بنی اسرائیل ۳۳)

☆ زکوٰۃ تو بس فقیروں کا حق ہے اور مسکینوں کا ہے اُن لوگوں کا جو زکوٰۃ کا کام کرتے ہیں اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا مائل کرنا ضرورت ہو گردنوں کے آزاد کرانے اور قرضوں اور فی سبیل اللہ مسافروں کے لئے

☆ اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو اور تم (اس کا انجام) جانتے ہو۔

(سورۃ انفال۔ ۲۷)

☆ بے شک خیانت کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ انفال۔ ۵۸)

☆ اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضا

مندی سے تجارت ہو اور آپس میں خون نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔ جو ظلم وزیادتی سے ایسا کرے تو ہم اس کو عنقریب [illegible] کی آگ میں ڈالیں گے۔ اور یہ اللہ کو آسان ہے۔ (سورۃ النساء ۲۹۔۳۰)

☆ اور مار نہ ڈالو اس جان کو (خواہ اپنی ہو) جس کو اللہ نے محترم کیا ہے مگر جائز طور پر تم کو یہ حکم دیتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (سورۃ الانعام ۔۱۵۱)

☆ اور ہم نے لکھ دیا ہے اس کتاب میں کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے۔ لیکن جس نے معاف کیا تو وہ گناہ سے پاک ہو اور جو اللہ کے نازل کئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

(سورۃ المائدہ ۴۵)

☆ اے ایمان والو تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اور قاتل کو اس کے بھائی سے کچھ معاف کر دیا جائے تو پیروی کرنی چاہئے۔ یہ رب کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور مہربانی ہے۔ پھر جو اس فیصلہ کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے اور عقلمندو تمہارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے تاکہ تم بچتے رہو۔ (سورۃ البقرہ ۔۱۷۸۔۱۷۹)

☆ اور مسلمان کا کام نہیں کہ مسلمان کو مار ڈالے مگر یہ غلطی سے اور جو کسی مسلمان کا غلطی سے خون کر دے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا پہنچائے مگر یہ کہ وہ معاف کریں۔ اگر مقتول تمہارے دشمنوں کی جماعت میں سے ہو اور وہ خود مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں ہے کہ تم میں اور ان میں صلح کا عہد ہے تو مقتول کے وارثوں کو خون بہا پہنچائے اور ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ متواتر دو مہینے کے

روزے رکھے۔ یہ اللہ کے ہاں توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو کوئی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اسکی سزا دوزخ ہے جسمیں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تکریم انسانیت

☆ اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل۔۷۰)

☆ اور لوگوں سے بے رخی نہ کرو اور زمین میں اترا کر نہ چل بے شک اللہ اس کو پیار نہیں کرتا جس کو گھمنڈ ہو اور فخر کرنے والا ہو۔ (سورۃ لقمان۔۲)

☆ اور خدائے رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے باتیں کرنے لگیں تو اس کو سلام کریں۔ (سورۃ الفرقان۔۶)

☆ لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت سے اپنے رب کے راستہ کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے بحث کرو۔ (سورۃ النحل ۔۱۲۵)

☆ قسم ہے زمانے کی کہ انسان خسارے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور آپس میں سچے دین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔

(سورۃ العصر۔۱۔۳)

☆ اور تم دیکھو گے کہ ان میں سے اکثر گناہ اور زیادتی اور حرام کھانے پر دوڑتے ہیں جو کچھ کر رہے ہیں بہت برے کام ہیں بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے بلاشبہ وہ بھی برا کرتے ہیں۔

(سورۃ المائدہ ۶۲۔۶۳)

☆ سو انسان وہ ہے جب اس کا رب اس کی آزمائش کرے کہ اس کو عزت دے اسکو نعمت دے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی اور جب اس کو آزمائے

رزق تنگ کر کے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کیا۔ یوں نہیں تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی آپس میں تاکید کرتے اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے اور مال سے بہت ہی پیار رکھتے ہو۔ کوئی نہیں، جب زمین کوٹ کوٹ کر پست کردی جائے گی اور تمہارا پروردگار جلوہ افروز ہوگا۔ اور فرشتے قطار باندھ باندھ کر آموجود ہوں گے اور دوزخ اس دن حاضر کی جائے گی تو انسان اس دن سوچے گا (کہ میں کیوں غفلت میں رہا) اور کہاں ملے اس کو سوچنا کہے گا کاش میں نے اپنی زندگی میں کچھ آگے بھیجا ہوتا۔ (سورۃ الفجر ۱۵۔۲۷)

☆ اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو مگر کسی پر زیادتی نہ کرو بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ البقرہ ۱۹۰)

☆ جو آسودگی اور تنگی میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کئے جاتے ہیں اور غصہ کو دبا لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

(سورۃ آل عمران ۱۳۴)

☆ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ سب مخلوق سے بہتر ہیں ان کا صلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ یہ اس کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ (سورۃ البینہ ۷۔۸)

☆ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیں تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور (جب) ان پر مصیبت پڑتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور نماز کے قائم رکھنے والے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔ (سورۃ الحج ۳۴۔۳۵)

☆ گردن کا چھڑانا (غلام آزاد کرنا یا کروانا یا قرض دار کی گردن قرض سے چھڑوانا) یا بھوک کے دن کھلانا یتیم رشتہ داروں کو یا محتاج کو خاک میں رل رہا ہے پھر یہ

کہ ایمان والوں میں بھی جو آپس میں صبر کی تاکید کرتے ہیں، ایسے لوگ بڑے نصیب والے ہیں۔ (سورۃ البلد ۱۳۔۱۸)

☆ہماری آیات پر تو وہی ایمان لاتے ہیں جب کہ ان کو ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور پاک ذات کو اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ ان کے پہلو ان کے سونے کی جگہ سے الگ رہتے ہیں۔ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہم نے جو ان کو دیا ہے اس میں سے (نیک کاموں) میں خرچ کرتے ہیں۔ (سورۃ السجدہ۔۱۵۔۱۶)

☆تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اللہ کی کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں۔ اللہ نے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب رکھا ہے اور کسی ایماندار مرد اور ایماندار عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی حکم دے دیں تو وہ اس معاملہ میں اپنا بھی کچھ اختیار رکھیں اور جو اللہ اور اسکے رسول کا حکم نہ مانے وہ صریح بہکا ہوا گمراہ ہے۔ (سورۃ الاحزاب۔۳۵۔۳۶)

☆جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا صابئین جو خدا اور روز قیامت پر ایمان لائے اور نیک کام کیئے تو ان کے ان (کاموں) کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور (قیامت کے دن) نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (سورۃ البقرہ ۱۷)

☆اور جو اللہ نے رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق ان کو جو ان کی ملکیت میں ہیں، نہیں پہنچاتے کہ سب کے برابر ہیں کیا اللہ کے فضل کے منکر ہیں۔ (سورۃ النور ۲۲۔)

☆اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ برائی کے جواب میں بھلائی کر کے اس کو ٹالو۔ پھر تم دیکھو گے کہ تم میں اور جس میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا قریبی دوست ہے اور یہ بات ان کو ملتی ہے۔ جو صبر کرنے والے ہیں اور یہ بات ان کو ملتی ہے جو نصیب والے ہیں۔ (سورۃ حم السجدہ ۳۴۔۳۵)

مساوات حقوق مرد و زن

☆اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے کہ دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے اور مردوں کو عورتوں پر درجہ ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

(سورۃ البقرہ ۲۲۸)

☆اور جس چیز میں اللہ نے ایک کو ایک پر بڑائی دی اس کی ہوس مت کرو مردوں کے لئے ان کاموں کا صلہ ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کے لئے ان کاموں کا صلہ ہے جو انہوں نے کئے اور اللہ سے اس کا فضل مانگو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

(سورۃ النساء ۳۲)

☆جو کوئی نیک عمل کرے گا، مرد ہو یا عورت اور ایمان رکھتا ہو، سو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا تل بھر حق نہیں رہے گا۔ (سورۃ النساء ۱۲۴)

☆جس نے نیک کام کیا، مرد ہو یا عورت، اور وہ ایمان پر ہے تو اس کو ہم ایک اچھی اور پاکیزہ زندگی سے نواز دیں گے اور (آخرت میں) ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔ (سورۃ النحل ۹۷)

حقوق ملکیت انسانی

☆اپنے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کی روزی چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ (القرآن)

☆اور اگر اللہ اپنے بندوں کی روزی وسیع کر دیتا تو وہ زمین میں بغاوت کر دیتے

لیکن وہ اسی قدر اتارتا ہے جس قدر چاہتا ہے۔

☆ جتنی بھی چیزیں ہیں ان کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ایک معین انداز کے مطابق اسے اتارتے ہیں۔

☆ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے اس پر پہاڑ جما دیئے اور ہر مناسب چیز اس میں اگائی اور ہم نے اس میں تمہارے لئے معاش کی چیزیں رکھ دیں اور ان کے لئے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے۔

☆ اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو برتری دی اور خشک وتر میں ان کو سوار کر دیا اور پاک چیزوں کی روزی ان کو دی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ہم نے ان کو فضیلت بخشی۔

☆ اور وہی ذات ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا ہے کہ اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور زیور نکالو جس کو تم پہنتے ہو تم اس میں کشتیوں کو دیکھو گے کہ پانی چیرتی ہوئی جاری ہیں اور اسلئے کہ تم اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور شکر کرو۔

☆ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اللہ نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔

☆ اور اس نے چوپائے تمہارے لئے پیدا کئے جس میں تمہاری جڑاول ہے اور فائدے ہیں اور ان کو تم کھاتے ہو اور اس میں تمہارے لئے زینت ہے جب شام کو ان کو لاتے ہو۔ اور جب صبح ان کو چرائی پر لے جاتے ہو وہ تمہارے بوجھ اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بلا جان کاہی کے پہنچ نہیں سکتے تھے اور بے شک تمہارا رب شفقت کرنے والا مہربان ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری اور آرائش کیلئے ہیں اور وہ چیزیں پیدا کرے گا جن کو تم نہیں جانتے۔

☆ تمہارے پاس جو کچھ نعمتیں ہیں سو اللہ کی طرف سے ہیں۔

☆ اور ہم نے تم کو زمین میں آباد کیا اور اس میں تمہارے لئے معاش کے سامان

رکھ دیئے۔

☆ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے چوپائے بنائے اور انہیں (انسانوں) کی ملکیت میں دے دیا۔

☆ مردوں نے جو کچھ کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے جو کچھ کمایا اس میں ان کا حصہ ہے۔

☆ اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور تم میں سے ایک کو دوسرے پر اللہ نے جو فضیلت دی ہے اس کی تمنا مت کرو۔

☆ ہم نے دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے درجوں کے اعتبار سے ان میں سے ایک کو دوسرے پر بڑھا وادیا ہے تا کہ ایک دوسرے کو کام میں لگائے۔

☆ والدین اور اقرباء کے ترکے میں سے مردوں کا حصہ ہے اور والدین اور اقرباء کے ترکہ میں سے عورتوں کا حصہ ہے خواہ کم ہو یا زیادہ فرض کیا ہوا حصہ۔

☆ اور عورتوں کا مردوں پر ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کا عورتوں پر دستور کے مطابق اور بے شک مردوں کو عورتوں پر فوقیت دی ہے۔

☆ مرد عورتوں کے سربراہ ہیں اس سبب سے اللہ نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے بھی کہ مردوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے۔

☆ اللہ نے تجارت حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔

☆ اور جو رقم سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتی ہے۔

☆ اے مؤمنو سود نہ کھاؤ گنا چوگنا بڑھتا ہوا۔

☆ اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس نے اپنی کمائی ضرور دکھلائی ہے پھر اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ (سورۃ النجم ۳۹، ۴۱)

☆اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنی طرف تمہارے (انسان) کام میں لگادیا ہے جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔ (سورۃ جاثیہ ۱۳)

☆کیا یہ لوگ تمہارے رب کی رحمت کو بانٹتے ہیں ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کی روزی ان میں بانٹ دی ہے اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمہارے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔ (سورۃ زخرف ۲۳)

☆تمہارا مال اور تمہاری اولاد تو فتنہ (آزمائش) ہیں۔ اور جو اللہ ہے اسکے پاس بڑا ثواب ہے۔ (سورۃ تغابن ۱۵)

☆اور تم کو جو کوئی چیز ملی ہے سو دنیا کی زندگی میں فائدہ اٹھالینا ہے اور یہاں کی زینت ہے، اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے کیا تم کو سمجھ نہیں آتی۔

(سورۃ القصص ۶۰)

☆مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی رونق ہیں اور جو نیکیاں باقی رہنے والی ہیں ان کا بدلہ تیرے رب کے ہاں بہتر اور بہتر توقع ہے۔ (سورۃ کہف، ۴۶)

☆اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں کہ تمہیں ہمارا مقرب بنادیں ہاں جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا سو انکے اعمال کا دگنا بدلہ ہے۔ اور وہ جنت میں امن کے ساتھ بالاخانوں میں بیٹھے ہوں گے۔ (سورۃ السبأ ۳۷)

غلامی کی ممانعت

☆کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں، زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور بھلائی و برائی کے راستے اس کو نہیں بتادیئے۔ پھر بھی وہ انکے شکریہ کی گھاٹی میں ہو کر نہ نکلا۔ اور تمہیں معلوم ہے وہ گھاٹی کیا ہے؟ گردن کی غلامی سے آزاد کرنا۔ (القرآن)

☆ اور جو کوئی غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دے تو ایک مؤمن جان کو آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو اگر انہوں نے معاف نہ کیا تو خون بہا ادا کرے۔

☆ اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری گرفت نہیں کرتا۔ لیکن جس سے تم عہد کو پکارتے ہو اس پر گرفت کرے گا۔ اور اس کا کفارہ دس مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے متوسط درجہ کا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کے کپڑے یا ایک غلام کا آزاد کرنا۔

☆ اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں تو ان سے ضرور مکاتبت کروا گر تم کو ان میں بھلائی نظر آتی ہے اور جو مال اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے ان کو بھی دو۔

☆ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں اور پھر اس کی طرف لوٹنا چاہیں جو انہوں نے کہا ہے تو ان کو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا چاہئے۔

☆ نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ جو کوئی اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اسکی محبت میں اپنا عزیز مال رشتہ داروں، یتیموں محتاجوں، مسافروں، مانگنے والوں اور گردنیں چھڑانے میں (یعنی غلاموں اور دشمن کی قید سے چھڑانے میں) دے اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دیا کرے اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ سچے اور پرہیزگار ہیں۔

(سورۃ البقرہ ۱۷۷)

☆ اور جو (غلام یا لونڈی) تمہاری ملکیت میں ہیں ان میں سے جو لوگ (کمائی کرنے کے بعد) مال دے کر آزادی کے لئے تحریر لکھوانا چاہیں تو لکھ کر دے دو اور ان کو اللہ کے مال میں سے بھی دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔ اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں تو دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ

کرواور جوکوئی ان پر زبردستی کرے گا توان کی بے بسی کے بعد اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(سورۃ النور ۳۳)

☆ اور جو مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں تو وہ مسلمان لونڈیوں میں سے ہی جو تمہارے قبضے میں آگئی ہوں (نکاح کرلیں) اور اللہ تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے۔تم آپس میں ایک ہو۔سوان لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں سے اجازت لے کر نکاح کرلواور دستور کے مطابق انکا حق مہر دو بشرطیکہ پاکباز ہوں۔نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ چھپ کر یاری کرنے والی ہوں پھر اگر نکاح میں آکر بدکاری کریں توان پر آدھی سزا ہے جوآزاد عورتوں کی سزا ہے۔یہ اجازت اسلئے ہے جسے (کنوارہ رہ کر) گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہواگر صبر کروتو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ النساء ۲۵)

وحدت مرکز فکرودانش

☆اور ہم نے تیری طرف قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ لوگوں کے لئے اتارا گیا ہےاس کوان کے سامنے بیان کردےاورتاکہ وہ غور کریں۔ (القرآن)

☆اور مجھ پر یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ تم کواس کے ذریعہ سے آگاہ کروں اور ان کو بھی جن کو نہ پہنچے۔

☆ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ اللہ جو کچھ تجھے سمجھائے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

☆اور ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ہر شے کی تشریح ہےاور مسلمانوں کے لئے ہدایت،رحمت اور بشارت ہے۔

☆اور جن لوگوں کو علم دیا گیا وہ دیکھ رہے ہیں کہ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے اترا وہی حق ہے۔

☆ لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آ گئی اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین اتار دیا۔

☆ بے شک یہ قرآن وہی راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔

☆ اور ہم نے قرآن کو نصیحت لینے کے لئے آسان کر دیا ہے کوئی ہے جو نصیحت لے۔

☆ لوگو! تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی اور دلوں کی بیماری کی شفا اور مؤمنوں کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔

☆ یہ جملہ انسانوں کے لئے ہدایت اور حق وباطل میں فرق کرنے کی دلیل ہے۔

☆ ہم نے تیرے اوپر انسانوں کے لئے حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔

☆ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں عربی قرآن ان لوگوں کے لئے ہے جو علم رکھتے ہیں۔

☆ وہی ہے جس نے تیرے اوپر کتاب اتاری جس میں پختہ آیات ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں۔ اور دوسری متشابہ آیات ہیں سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں کہ فتنہ پیدا کریں اور ان کی تاویلیں نکالیں حالانکہ ان کی تاویل سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں پکے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں سب کی سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔

☆ یہ کتاب ہے جس کی آیاتیں پختہ بنائی گئی ہیں پھر حکمت اور خبر رکھنے والوں کے یہاں سے ان کی تفصیل کی گئی ہے۔

☆ اور ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جن کی تفصیل ہم نے علم کے ساتھ کی ہے۔ (القرآن)

☆ مؤمنوں پر اللہ نے احسان کیا کہ انہی میں سے ان میں ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو اللہ کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم

دیتا ہے۔ (القرآن)

آزادی فکر انسانی

☆ارض وسماء کی تخلیق اور اختلاف لیل ونہار میں عقل مندوں کے لئے آیات موجود ہیں ۔ارض وسماء کی تخلیق ،اختلاف لیل ونہار، سمندروں میں تیرنے والی مفید کشتیاں اور اس گھٹا میں جو زمین وآسمان کے درمیان خیمہ آرا ہے،ارباب عقل کے لئے آیات موجود ہیں۔ (سورۃ البقرہ۔۱۶۴)

☆ کیا یہ لوگ آسمان وزمین وغیرہ کی تخلیق پر غور نہیں کرتے ؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آ گئی ہے۔ (سورۃ الاعراف۔۱۸۵)

☆غور کرو کہ پہاڑوں میں سفید، سرخ اور سیاہ رنگ کے پتھروں کی تہیں موجود ہیں نیز انسانوں، چوپاؤں اور مویشیوں کے مختلف رنگوں کا مطالعہ کرو اور یاد رکھو اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔ (سورۃ فاطر۔۲۷،۲۸)

☆زمین وآسمان میں اہل ایمان کیلئے حقائق وبصائر موجود ہیں۔(سورۃ جاثیہ ۳)

☆تمہاری تخلیق اور پھیلے ہوئے جانوروں میں اہل یقین کے لئے بہت ساری نشانیاں موجود ہیں۔ (سورۃ جاثیہ ۴)

☆ یہ لوگ مناظر ارضی کی کیوں سیر نہیں کرتے تاکہ ان کے دل سمجھنے لگ جائیں اور کان سننے کی نعمت سے بہرور ہو جائیں۔ (سورۃ الحج ۴۶)

☆ دراصل آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ ایک مردہ قوم کے دل بے حس ہو جاتے ہیں۔ (سورۃ الحج ۴۶)

☆ مبارک ہیں وہ لوگ جو کسی بات کو سن کر احسن اور قوی چیز کو اختیار کرتے ہیں۔

(سورۃ زمر۔۱۷۔۱۸)

☆بار بار دیکھو، کیا تمہیں اس سلسلہ خلق لامتناہی میں کوئی بدنظمی نظر آتی ہے۔

(سورۃ ملک ۳)

☆ ہم نے آسمانوں کو حسین ستاروں سے سجا رکھا ہے اور ہم نے آسمانوں کو کئی حصوں میں بانٹ کر اسے اہل نظر کیلئے سجا رکھا ہے۔ (سورۃ حجر ۱۶)

☆ اللہ سے صرف علمائے فطرت ہی ڈرتے ہیں۔ (سورۃ الفاطر ۔ ۲۸)

☆ ہم یہ مثال لوگوں کی خاطر بیان کر رہے ہیں اور انہیں صرف ارباب علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

☆ اے رسول اہل ایمان کو زمین و آسمان کے معجزات پر غور کرنے کا حکم ۔ ایک بے ایمان (کائنات پر غور نہ کرنے والی) قوم کو کوئی ہدایت اور کوئی تنبیہ فائدہ نہیں پہنچاتی۔ (سورۃ یونس ۔ ۱۰۱)

☆ تیرے رب نے شہد کی مکھی کو پیغام بھیجا کہ پہاڑوں، درختوں، اور بیلوں میں اپنا گھر بنا۔ تمام پھلوں سے شہد حاصل کر اور اپنے رب کے دیئے ہوئے دستور کو باقاعدگی سے نباہ ۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ اس مکھی کے پیٹ سے ایک شربت نکلتا ہے جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں اور جس میں امراض کی شفا بھی ہے۔ مکھی کے ان اعمال میں ان لوگوں کے لئے کئی اسباق موجود ہیں جو صحیفہ فطرت میں غور سے کام لیتے ہیں۔

(سورۃ النحل ۶۸ ۔ ۶۹)

☆ صحیفہ فطرت کی یہ ہدایتیں اور تنبیہیں اس قوم کے لئے مفید نہیں جس کا سینہ نور ایمان سے خالی ہو۔ (سورۃ یونس ۱۰۱)

☆ کہو کہ زمین میں چل کر دیکھو کہ اللہ نے کیسے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔

(سورۃ العنکبوت ۲۰)

☆ بے شک زمین و آسمان میں اہل ایمان کیلئے بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔ تمہاری تخلیق، اور جو چلتے پھرتے حیوانات ہیں اہل یقین کیلئے نشانی ہیں۔ لیل ونہار کا اختلاف، زمین کو زندہ کرنے والے قطرات باراں اور ہواؤں کے رخ بدل کر چلنے میں

اہل عقل کے لئے آیات موجود ہیں۔ یہ اللہ کی وہ آیات ہیں جو ہم تمہیں صحیح صحیح سنا رہے ہیں اگر یہ لوگ ان آیات کی پروانہیں کرتے تو پھر اور کون سے دلائل ہیں جن کی بناء پر وہ اللہ پر ایمان لائیں گے۔ اس بدکار کذاب پر لعنت جو ہماری ان آیات کو سننے کے بعد جہالتوں پر یوں جما رہتا ہے کہ کچھ سنا ہی نہیں۔ ایسے کذاب کو خوفناک عذاب کی بشارت دے دیں۔ (سورۃ الجاثیہ ۳۔۸)

☆ کیا تم نہیں دیکھتے اونٹ کی طرف کہ اسے کیسے پیدا کیا گیا؟ اور آسمان کو کیسے بلند کیا گیا؟ اور پہاڑ کی طرف کہ اسے کیسے جمایا گیا؟ اور زمین کی طرف اسے کیسے بچھایا گیا؟ پس تو غور کر کے انہیں یاد دلا بے شک تو بہترین ہی سوچنے اور یاد دلانے والا ہیں۔ (سورۃ الجاثیہ۔۲۱)

☆ اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے ہی نفس سے تمہارے لئے بیویاں پیدا کیں تا کہ تمہیں سکون حاصل ہو۔ اور پھر تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا فرمائی۔ بے شک ان میں سوچنے والوں کے لئے بہت سے اسباق موجود ہیں۔ (سورۃ الروم ۲۱۔)

☆ اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو۔ ان میں شیطان جھڑپ کرواتا بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل ۵۳)

☆ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور اس کو ڈر اور توقع سے پکارو بے شک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں سے قریب ہے۔ (سورۃ اعراف ۵۶)

☆ اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچ کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔ (سورۃ البقرہ ۴۲)

☆ اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لئے سچی گواہی دو اگر چہ تمہارا تمہارے ماں باپ کا یا قریبی عزیزوں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے۔ سو تم دل کی خواہش کے پیچھے چل کر عدل نہ چھوڑ دو اور اگر تم نے ہیر پھیر کی یا منہ پھیرا تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ (سورۃ النساء ۱۳۵)

☆اے ایمان والو! اللہ کے لئے حق وانصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو عدل کرو یہی بات تقوای سے زیادہ نزدیک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارے سب اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ (سورۃ المائدہ ۸)

کفالت ضروریات انسانی

☆لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پرواہ خوبیوں والا ہے۔ (سورۃ فاطر ۲)

☆ بھلا کون بے کس کی پکار کو پہنچتا ہے جب کوئی اس کو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے سختی۔ زمین پر نائب (خلیفہ) بنایا۔ کیا اللہ کے ساتھ پھر بھی کوئی اور حاکم ہے۔ تم اس کا کم ہی خیال کرتے ہو۔ (سورۃ النمل ۶۲)

☆اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کو دور کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں اور اگر تم پر کوئی بھلائی چاہے تو اسکے فضل کو روکنے والا کوئی نہیں اور بخشنے والا مہربان ہے۔

☆ جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور رونق زینت ہے اور بڑائی پیدا کرنے والی ہے اور مال واولاد کی زیادتی کی مثال اس بارش کی سی ہے جو کھاد کو کھیتی بھلی لگتی ہے پھر اور زور پر آتی ہے پھر وہ اسے زرد ہوتا دیکھتے ہیں اور پھر وہ روندے گھاس کی مانند ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں (ان منکرین کے لئے) دردناک عذاب ہے۔ اور (مؤمنوں کے لئے) اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے۔ اور دنیا کی زندگی متاع صرف فریب ہے۔ (سورۃ حدید۔ ۲۰)

☆جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی میں زیادتی کر دیتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اسے وہ دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کو کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (سورۃ شوریٰ ۲۰)

☆اللہ جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے اور دنیا کی زندگی پر خوش ہو رہے ہو اور آخرت کے آگے دنیا کی زندگی کچھ نہیں مگر تھوڑا فائدہ ہے۔

(سورۃ رعد۔۲۶)

☆اور زمین کے جتنے جاندار ہیں سب کی روزی اللہ کے ذمہ ہے۔

☆اور کتنے ہی جاندار ہیں کہ وہ اپنا کھانا لادے نہیں پھرتے۔ اللہ انکو بھی روزی دیتا ہے اور تم کو بھی۔ (القرآن)

☆اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو روزی دی پھر موت دے گا اور پھر تم کو زندہ کرے گا۔

☆اور جو کوئی کوشش کرے گا وہ اپنی ذات کے لئے کوشش کرے گا۔ اللہ تو دنیا جہاں سے بے نیاز ہے۔

☆وہی ہے جس نے سورج کو تمہارے لئے روشنی بنایا۔ چاند کو نور اور اس کی منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔

☆وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے کہ تم خشکی اور تری کی تاریکیوں میں ان سے رستہ پا سکو۔

☆اور ہم نے باردار کرنے والی ہوائیں بھیجیں اور بادلوں سے پانی برسایا اس سے تم کو سیراب کیا۔ کیا تم نے اس کو جمع نہیں کر رکھا تھا۔

☆وہی ہے جس نے تمہارے لئے بادل سے پانی برسایا جس کو تم پیتے ہو اور جس سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں (مویشی) چراتے ہو۔ اس سے تمہارے لئے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل لگاتا ہے اس میں سوچنے والوں کے لئے بے شک بڑی نشانی ہے۔

☆اور اللہ روزی دیتا ہے جہاں سے کوئی گمان بھی نہیں کرتا اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ رکھے تو وہ اسی کے لئے کافی ہے۔ (سورۃ طلاق۔۳)

☆اور ہم کسی پر اس کی گنجائش سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور ہمارے پاس سب کچھ لکھا ہوا ہے جو سچ بولتا ہے اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ (سورۃ مومنون ۶۲)

☆زکوٰۃ تو حق ہے مفلسوں کا محتاجوں کا زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا، جن کا دل رچانا مقصود ہو۔ گردنوں کے چھڑانے اور (اسیروں کی رہائی کے لئے) تاوان بھرنے کا اور اللہ کے راستے میں اور ان مسافروں کا جو حالت سفر میں ہیں۔ یہ حقوق اللہ کی طرف سے مقرر کردیئے ہیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (سورۃ توبہ ۶۰)

☆اور تم کو جو مال اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت طلب کرو اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھولو۔ اور بھلائی کرو جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی اور ملک میں فساد نہ چاہو۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ القصص ۷۷)

☆سو اللہ کی دی ہوئی حلال اور پاک روزی کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ (سورۃ النحل ۱۱۴)

☆اور جب تمہارے رب نے سنا دیا کہ اگر شکر کرو گے تو تم کو اور زیادہ دوں گا۔ اگر ناشکری کرو گے تو عذاب بھی سخت ہے۔ (سورۃ ابراھیم ۳۴)

☆اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے بنائے ان میں سے کسی پر تم سوار ہوتے ہو اور کسی کا گوشت کھاتے ہو اور تمہارے واسطے ان میں بہت فائدے ہیں۔ اور یہ بھی کہ تمہارا ان پر دل چاہتا ہو تو جا پہنچو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تم لدے پھرتے ہو اور تمہارے لئے چوپایوں میں بڑی عبرت ہے کہ ان کے پیٹ میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ تم کو پلاتے ہیں۔ جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔

☆اور وہی ہے جس نے تمہارے کان، آنکھیں، اور دل پیدا کئے (لیکن تم کم شکر کرتے ہو۔

☆اس نے تم ہی میں تمہارے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان کے پاس آرام وسکون لے سکو اور تمہارے درمیان الفت ومہربانی رکھ دی اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں

جو سوچتے ہیں۔

☆ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ جما دیئے اور ہر مناسب چیز اس میں اگائی اور ہم نے اس میں تمہارے لئے معاش کی چیزیں رکھ دیں اور ان کے لئے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے۔

☆ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ہموار کر دیا ہے۔ اس کے اطراف میں گھومو اور اس کی روزی کھاؤ۔

☆ اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا ہے۔ کہ تم اس کے کھلے کھلے رستوں پر چلو۔

☆ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے سمندر مسخر کر دیا ہے کہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تم روزی تلاش کر و اور تم شکر گزاری کر سکو۔

☆ اور ہم نے لوہا اتارا اس میں بڑا رعب اور لوگوں کے لئے فائدہ ہے اور اس لئے کہ اللہ جان لے بلا اس کے دیکھے کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔

☆ اور ہم نے اس لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔

☆ اور سونے چاندی کے ڈھیروں کے ڈھیر لگے ہیں۔

☆ اور ان (دھاتوں) میں بھی جن کو زیور یا دوسرے سامانوں کے لئے آگ میں تپاتے ہیں ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔

☆ اور وہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا تا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور زیور نکالو جس کو تم پہنتے ہو۔

☆ اور جتنے جاندار زمین پر چلتے ہیں اور جتنے پرندے اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں وہ سب کے سب تمہاری طرح قومیں ہیں۔

☆ اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا جو تمہارے پردہ کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور زینت ہے اور تقویٰ کا لباس تو سب سے بہتر ہے۔

☆اور اس نے تمہارے لئے کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ اور زرہیں کہ تم کو لڑائی میں زد سے محفوظ رکھتی ہیں۔

☆اللہ نے تمہارے لئے گھروں کو ٹھکانا بنایا اور چار پایوں کی کھال سے خیمے جن کو تم اپنے سفر اور اقامت کے دن ہلکا پاتے ہو اور ان کے اون کی روؤں سے بالوں سے بہت سلے سامان اور کار آمد چیزیں جو ایک وقت تک فائدہ دیتی ہیں۔ اور اللہ نے تمہارے لئے اپنی بنائی ہوئی چیزوں میں سے سائے بنائے اور پہاڑوں سے چھپ بیٹھنے کی جگہیں۔

☆والدین اور اقرباء کے ترکے میں مردوں کا حصہ ہے اور والدین اور اقرباء کے ترکے میں عورتوں کا حصہ ہے خواہ کم ہو یا زیادہ فرض کیا ہوا حصہ ہے۔

☆مؤمنوں کی مدد کرنا ہمارے اوپر لازم ہے اور نہ ہمت ہارو اور نہ غمگین ہو اگر تم مؤمن ہو تو تمہیں سر بلند ہو گے۔

☆کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اتارا ہے کہ لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف نکال لائے۔

☆اور ہم نے تیری حرف قرآن نازل کیا تا کہ جو کچھ لوگوں کے لئے اتارا گیا ہے اس کو ان کے سامنے بیان کر دے تا کہ وہ غور کریں۔

☆ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری جو ہر شے کی تشریح ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

☆لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آگئی اور ہم نے جگمگاتے نور کو تمہارے اوپر اتار دیا۔

☆اور یہ کتاب جس کو ہم نے اتارا ہے مبارک ہے اس کی پیروی کرو۔

☆اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے اور اس کے سوا دوسرے اولیاء کی پیروی نہ کرو۔

آداب سیاست وحکومت

☆ اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ (یوسف ۴۰)

☆ پس حکم اللہ کا ہی ہے سب سے بلند ہے اور سب سے بڑا ہے۔ (سورۃ مومن ۱۲)

☆ بے شک تم میں سب سے زیادہ محترم ومکرم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ (سورۃ الحجرات ۱۳)

☆ یقیناً اللہ نے اسے تمہارے مقابلہ میں اس کو منتخب کرلیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی عطا کردی۔ (سورۃ بقرہ ۲۴۷)

☆ اور ہم نے اسے حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت بخشی (ص۔۲۰)

☆ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے حاکم کی اور اگر کسی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق کرو۔ (سورۃ النساء ۵۴)

☆ کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے حق کے بغیر قتل نہ کرو۔

(سورۃ بنی اسرائیل ۳۳)

☆ اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ۔ (سورۃ البقرہ ۱۸۸)

☆ کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے۔ (سورۃ الحجرات ۱۱)

☆ دین میں کوئی جبر نہیں۔ (سورۃ البقرہ ۲۵۶)

☆ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔ (سورۃ ۱۰۹۔۶)

☆ پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرو اور اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آجائے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

(سورۃ المائدہ ۴۸)

☆ اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے پس وہ لوگ

کافر ہیں۔ (سورۃ المائدہ ۴۴)

☆ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک وہی عزت والا ہے جو زیادہ متقی ہے۔ (سورۃ الحجرات ۱۳)

☆ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ (سورۃ النحل ۹۰)

☆ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کیساتھ کرو۔

(سورۃ النساء ۵۸)

☆ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے، انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔ (سورۃ المائدہ ۸)

☆ کہہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں (سورۃ زمر ۹)

☆ اور چاہئے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

(سورۃ آل عمران ۱۰۴)

☆ اور بری بات کے مشہور کرنے کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ (سورۃ النساء ۱۴۸)

☆ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو۔ (سورۃ نور ۲۷)

☆ زمیں میں چلو پھرو اور دیکھو کس طرح کائنات کو تخلیق کیا گیا (سورۃ العنکبوت ۲۰)

☆ زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (سورۃ الجمعہ ۱۰)

☆ کسی انسان کیلئے کچھ نہیں مگر وہی کچھ ہے جو اس کمایا (سورۃ النجم ۳۹)

☆ ہر آدمی اپنے کیئے کا پھل پانے کا حق دار ہے۔ (سورۃ الطور ۲۱)

☆ اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور مقابلہ میں بڑھ کر صبر کرو اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو۔ (سورۃ آل عمران ۲۰۰)

☆ اور تم انکے لئے تیار کرو جو کچھ کر سکتے ہو قوت اور سرحدوں پر گھوڑے باندھنے سے تم اس کے ذریعہ اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراؤ گے اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے۔ (سورۃ الانفال، ۶۰)

☆ نیکی اور تقوای میں تعاون کرو۔ (سورۃ المائدہ ۲۰۵)

☆ وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ کہیں کہ جو ان کی ضرورت سے بچ جائے وہ سب خرچ کرو۔ (سورۃ البقرہ ۲۱۹)

☆ اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ہمدرد اور دوست نہ بناؤ (سورۃ آل عمران ۱۲۸)

☆ اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کیلئے ہو پھر اگر وہ رک جائیں تو سزا ظالموں کے سوا اور کسی کے لئے نہیں۔ (سورۃ بقرہ ۱۹۳)

☆ اور تم دیکھو گے کہ لوگوں میں سے اکثر گناہ اور زیادتی اور حرام کرنے پر دوڑتے ہیں۔ یہ جو کچھ کر رہے ہوتے ہیں نہایت برے کام ہوتے ہیں بھلا ان کے علماء اور قائدین انہیں گناہ کی بات کرنے اور حرام کے کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے بلاشبہ وہ بھی اتنا ہی برا کرتے ہیں۔ (سورۃ المائدہ ۶۲، ۶۳)

☆ اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ بے شک خوب سنتا اور جانتا ہے۔ کون شخص ہے جو کہ اللہ کو قرض دے، ایسا قرض کہ اللہ اس کو دوگنا بلکہ کئی گنا کر دے اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور وہی کشائش کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

(سورۃ البقرہ ۲۴۴، ۲۴۵)

☆ اللہ کو تم انصاف کرنے اور بھلائی کرنے کا اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی اور نا معقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ تمہیں سمجھاتا ہے

تا کہ تم یاد رکھو اور اللہ کا عہد پورا کرو جب کبھی آپس میں عہد کرو اور جب کبھی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو اس لئے کہ تم اللہ کو ضامن بنا چکے ہو اور جو کچھ تم کرتے اللہ اس کو جانتا ہے۔ (سورۃ النحل ۹۱،۹۰)

☆ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اگر مسلمان ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ (سورۃ بقرہ ۲۷۸)

☆ ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو حاکموں تک پہنچاؤ تا کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور کھا جاؤ اور تم جانتے بھی ہو۔ (سورۃ بقرہ ۱۸۸)

☆ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلے کرو۔ (سورۃ النساء ۵۸)

☆ اور جب ان کے پاس کوئی امن کی یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اس کو رسول اور اپنے حاکموں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔ (سورۃ النساء ۸۳)

☆ اے ایمان والو! اگر کوئی بد کردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو کہیں نادانی سے کسی قوم کو نقصان دو اور پھر کل کو اپنے کیئے پر پچھتانے لگو۔

(الحجرات ۶)

☆ اے ایمان والو! جب تم کان میں بات کرو تو گناہ اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی بات مت کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کی بات کرو اور ڈرتے رہو، اللہ سے جس کے پاس تم جمع کیئے جاؤ گے۔ (مجادلہ ۹)

☆ اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر اس طرح سے (بات کرو) جو بہتر ہو۔ سوائے ان کے جو ان میں سے بے انصاف ہوں اور یوں کہو کہ جو ہم پر اترا ہے ہم سب پر یقین رکھتے ہیں اور ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے حکم پر چلتے ہیں۔

(العنکبوت ۴۶)

☆ مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو

کوئی ایسا کرے گا تو اس کو اللہ سے کوئی تعلق نہیں مگر اس حالت میں کہ تم ان سے (ان کے شر سے) بچاؤ کی صورت پیدا کرو اور اللہ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (آل عمران ۲۸)

☆ منافقوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے درد ناک عذاب ہے۔ وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں سو عزت تو ساری اللہ ہی کے واسطے ہے۔ (النساء ۱۳۹، ۱۳۸)

☆ اور وہی ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے (یاد رکھو) تمہارا رب جلد عذاب کرنے والا ہے۔ اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ (الانعام۔۱۶۰)

☆ وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو وہ نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کا حکم دیتے ہیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ (الحج۔۴۱)

☆ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے اللہ نے ایک کو ایک پر بڑائی دی ہے اور اس لئے کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر جو نیک عورتیں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور اللہ کی حفاظت میں پیٹھ پیچھے نگہبانی کرتے ہیں اور جن عورتوں کی سرکشی کا اندیشہ ہو تو ان کو سمجھاؤ (اور اگر وہ نہ مانیں تو) ان کو سونے سے الگ کر دو۔ (پھر بھی نہ مانیں) تو ان پر سختی کرو (لیکن ضرب ایسی نہ ہو جس کا نشان رہے) اور اگر فرماں بردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت تلاش کرو۔ بے شک اللہ سب سے بلند و برتر ہے۔ (النساء ۳۴)

☆ اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں چاہیں گے تو صلح کرا دیں تو اللہ ان میں موافقت پیدا کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا

خبردار ہے۔ (النساء ۳۵)

☆ اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ایسا ہی ہے کہ جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔ اور مردوں کو عورتوں پر بلندی ہے اور اللہ غالب حکمت والے ہے۔ (البقرہ ۲۲۸)

☆ اور جس چیز میں اللہ نے ایک کو ایک پر بڑائی دی ہے اس کی ہوس مت کرو مردوں کے لئے ان کاموں کا صلہ ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کے لئے ان کاموں کا صلہ ہے جو انہوں نے کئے اور اللہ سے اس کا فضل مانگو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے (النساء ۳۲)

☆ جس نے نیک کام کیا مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان پر ہے تو اس کو ہم ایک اچھی پاکیزہ زندگی سے نوازیں گے اور (آخرت میں) ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔ (نحل ۹۷)

☆ اور جو کوئی نیک عمل کرے گا مرد یا عورت اور ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں اور ان کا تل بھر حق نہیں رہے گا۔ (النساء ۱۲۴)

☆ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو۔ (بقرہ ۲۰۸)

☆ بے شک اللہ سے اس کے بندے ہی جو سمجھ و ادراک رکھتے ہیں، ڈرتے ہیں۔ (فاطر ۲۸)

☆ اے ایمان والو! پاکیزہ مال تم کھاتے ہو اور جو چیزیں ہم نے تمہارے واسطے زمین میں پیدا کی ہیں ان میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور اس میں سے گندی چیز دینے کا ارادہ نہ کرو کہ تم کبھی اس کو نہ دو مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ۔ (بقرہ ۲۶۷)

☆ کہہ دو کہ تم آؤ میں سنا دوں جو کہ تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کیساتھ نیکی کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی (کے اندیشے)

سے مار نہ ڈالو کیونکہ تم کو ان کو ہم رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کام جو ظاہر ہوں یا پوشیدہ (یعنی بری نظر یا نیت) ان کے پاس بھی نہ جانا اور اس جان کو جس کو (مارنا) اللہ نے حرام کیا ہے نہ مار ڈالو مگر حق پر (جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم کو عقل آئے اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس طرح سے جو بہت اچھا ہو (یعنی جس سے اس کا فائدہ ہو) یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور ناپ تول انصاف سے پورا کرو۔ ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم کرتے ہیں جس کی اس کو طاقت ہو اور جب بات کہو تو حق کہو اگر چہ وہ تمہارا رشتہ دار ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو (یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کا عہد بحثیت مسلمان پورا کرو) ان باتوں کا تمہیں حکم دیا ہے تا کہ نصیحت پکڑو اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے سو اس پر چلو اور مت چلو اور راستوں پر کہ تم کو اللہ کے راستے سے جدا کر دیں۔ یہ تم کو حکم دیا ہے کہ تم پرہیز گار بنو۔

(الانعام ۱۵۱۔۱۵۳)

حقوق العباد کی اہمیت اللہ کی نظر میں

اللہ تعالیٰ نے اپنی ترتیب میں حقوق العباد کو اپنے حقوق کی نسبت زیادہ اہمیت دی ہے۔ عام لوگوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ حقوق اللہ کو حقوق العباد پر برتری حاصل ہے اس لئے وہ نماز۔ روزہ کا کچھ اہتمام کرتے ہیں مگر حقوق العباد کی نگہداشت نہیں کرتے جس کے نتیجے میں عدل واحسان کا فقدان ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح ان کا معاشرہ نفاق انتشار اور عدم اطمینان کا شکار ہو جاتا ہے۔

حقوق اللہ میں کوتاہی کے گناہ تو شاید اللہ تعالیٰ جو رحیم وکریم ہیں از خود یا ہماری توبۃ النصوح پر معاف فرما دیں مگر حقوق العباد کے سلسلے کے گناہوں میں اللہ تعالیٰ سے معافی کی کوئی امید نہیں۔ کیونکہ بندے کا گناہ تو بندہ ہی بخش سکتا ہے۔

دفتر (کھاتے) تین قسم کے ہیں ایک تو وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کسی چیز کو نہیں

بخشے گا۔دوسرا وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں سے کسی چیز کی پرواہ نہیں کریگا۔اور تیسرا وہ ہے کہ جس میں سے کسی ایک چیز کو بھی بدلہ لیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔بہر حال وہ دفتر جسکو کبھی نہیں بخشے گا وہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرانا ہے۔اور جس کی کچھ پرواہ نہیں کرے گا،وہ بندے کا اپنے اپنے نفس پر حقوق اللہ تعالیٰ میں کوتاہی کرنا ہے،مثلاً کسی دن کا روزہ یا نماز ترک کردی اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی تو اس کو معاف کردے گا اور تجاوز فرمائے گا بہر حال وہ دفتر کہ اس میں سے کسی چیز کو ترک نہیں کرے گا تو وہ لوگوں کے حقوق ہیں ان کا لامحالہ بدلہ لیا جائیگا۔ (عن عائشہؓ فی الجامع الصغیر جلد۲،السراج المنیر جلد۲)

حدیث مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،،جانتے ہو مفلس کون ہے۔صحابہؓ نے عرض کیا جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں،حضور ﷺ نے فرمایا !نہیں،بلکہ مفلس وہ ہے جو آخرت میں اس حالت میں جائیگا کہ اس کے پاس نماز بھی ہے،روزہ بھی ہے،زکوٰۃ بھی ہے،حج بھی ہے مگر ساتھ ہی اس نے دنیا میں کسی کو مارا بھی تھا،کسی کو گالیاں دیں تھیں، کسی کی غیبت کی تھی،ان میں ایک آیا نماز لے گیا،دوسرا زکوٰۃ لے گیا پھر بھی بعض حقوق والے بچ گئے تو اس پر ان کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے۔اسی طرح وہ شخص محروم ہوکر دوسروں کے گناہ لے کر جہنم میں بھیج دیا جائیگا۔ (بحوالہ مسلم باب تحریم الظلم،ترمذی،مسندِ احمد)

یہی وجہ ہے کہ محسن انسانیت ﷺ صحابۂ اکرامؓ کو ﴿فاستبقوا الخیرات﴾

(سورۂ بقرہ،۱۴۸)

(بڑھ چڑھ کر نیکیاں کرو) کی مہمیز لگاتے رہے۔اپنے حقوق کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے حقوق العباد کی ادائیگی پر زور مصلحت کے تحت دیا ہے،وہ ہے انسان کی فلاح۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھنا آسان ہوگا۔

فرض کیجئے ایک شخص کا جھگڑالو بیٹا ہے،وہ اکثر کسی سے لڑ جھگڑ کر آتا رہتا ہے۔باپ کو اس کے متعلق شکایات ملتی رہتی ہیں۔باپ تنگ آکر بیٹے کو یوں سمجھاتا ہے کہ بیٹا تم گھر میں والدین،بہن،بھائیوں سے بدتمیزی کر لیتے ہو اور ہم برداشت بھی کر لیتے ہیں لیکن

خبردار گھر سے باہر کسی کو تنگ کرنا نا قابل برداشت ہے اس تنبیہ سے یہ مراد نہیں لی جاسکتی کہ بیٹے کو اپنے والد کی طرف سے گھر والوں کو تنگ کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ بعینہ یہی بات حقوق اللہ اور حقوق العباد پر صادق آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے پناہ شفیق ورحیم ہونے کی وجہ سے انہیں اپنے حقوق کے مقابلہ میں دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی نہ صرف تاکید فرماتے ہیں بلکہ ان کے حقوق کے قیام اور نفاذ کا ایک مکمل نظام قائم فرمادیتے ہیں۔ جو قرآن اور احادیث کے صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اور جسے ہم نے مجتمع کر کے اس کتاب کے جابجا اوراق میں پیش کر دیا ہے۔

حقوق العباد پر اللہ تعالیٰ کے زور دینے کی وجہ ظاہر ہے کہ کرۂ ارض کے رہنے والے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ بھی کریں تو اللہ سبحانہ کی شان کبریائی میں فرق نہیں پڑتا۔ زمین، کائنات میں دیگر سیارگان کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی شی ہے۔ اس پر رہنے والے جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم نہ کریں تو اسکی ذات بے مثال کے عظیم الشان نظام کائنات میں کوئی فرق یا خلل پڑتا ہے، نہ اللہ تعالیٰ کے مقتدر اعلیٰ ہونے پر حرف آتا ہے ہاں! البتہ زمین کے لوگ حقوق العباد سے روگردانی کریں تو اس سے خود انسانوں کو نقصان ہوگا ان میں عدل وتوازن نہ ہوگا، ظلم ہوگا احسان اور دادرسی نہ ہوگی، چھینا جھپٹی ہوگی، اخوت ومساوات نہ ہوگی، ناہمواریاں ہونگی ظاہر ہے کہ ایسی دنیا جہنم سے بدتر جگہ ہوگی اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی جبلت میں اپنی صفات ودیعت کردیں تاکہ وہ اپنے ہم جنسوں پر ان کا اظہار کرے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی انسان کی فلاح ہی میں مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو انسان کی جان مال اور آبرو وغیرہ اس قدر عزیز ہیں کہ ان کے محافظین کے لئے آخرت کے درجات کی بشارت دی گئی ہے اور حملہ آوروں کے لئے دنیا میں حدود وتعزیرات قائم کرنے کے ساتھ ساتھ آخرت کے عذاب کا ڈر دیا ہے۔ اس کے لئے انبیاء کرام کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا اور ان سے اس انسانی معاشرہ کے قیام کا کام لیا جو مقصود فطرت ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے۔

﴿لقد أرسلنا رسلنا بالبينٰت وأنزلنا معهم الكتٰبَ والميزان ليقومَ الناسُ بالقسطِ، وأنزلنا الحديدَ فِيهِ بأسٌ شديدٌ ومنافعُ للناسِ﴾

''ہم نے اپنے رسول کو صاف صاف نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور لوہا اتارا اس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کیلئے منافع ہیں۔'' (سورۃ الحدید)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بعثت انبیاءؑ کا ایک بڑا مقصد قیام انصاف برائے حفاظت حقوق انسانی ہے خواہ اس کا نفاذ اطاعت کے ذریعہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

جب ایک شخص دوسرے شخص کے حقوق پر دست درازی کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ کی طرف سے دی گئی حفاظت کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اگر وہ کسی کی جان لیتا ہے تو اس کی بھی جان لے لی جاتی ہے اگر وہ کسی پر تہمت لگا کر اس کی بے عزتی کرتا ہے تو وہ کوڑوں کی سزا کا مستحق قرار پاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے حکومت اسلامی کی نگاہ میں غیر معتبر گواہ بن جاتا ہے اسی طرح اگر کسی محفوظ مال کو چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے یہ سزائیں منجانب اللہ تجویز کردہ ہیں اور جرم ثابت ہونے پر انہیں کوئی معاف نہیں کرسکتا ان حقوق کی جو سزائیں اللہ کی جانب سے مقرر ہیں ان کو،حدود، کہا جاتا ہے یہ سرکاری جرائم کی سزاؤں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ کیونکہ یہ ایسی سزائیں ہیں جن کو منسوخ کرنے کا حق حکومت کو بھی نہیں جن حقوق کے پامال کرنے کی سزا کی مقدار شریعت میں مقرر نہ ہو اسے تعزیر کہا جاتا ہے۔ ایسے جرائم میں یہ منصف کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ مجرم کو کیا سزا دیتا ہے۔ بعض فقہاء نے ایسے جرائم کی زیادہ سے زیادہ سزا چالیس کوڑے مقرر کی ہے۔ اس سے زیادہ سزا دینی مقصود ہو تو جلاوطنی یا قید یا قتل وغیرہ کی صورت میں ہوگی اور اجتہاد کے تابع ہوگی۔

حقوق اور فرائض میں فرق...... حقوق کے ساتھ عام طور پر فرائض کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے جو حقوق میں نے کسی کے ادا کرنے ہیں تو وہ میرے

فرائض ہیں اور جو فرائض کسی کے ذمے میرے واسطے ہیں وہ میرے حقوق ہیں۔ با لفاظ دیگر جو واجب الادا ہیں وہ فرائض ہیں اور جو کچھ واجب الوصول ہیں وہ حقوق ہیں۔

احادیث نبویہ ﷺ اور حقوق العباد

محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ نے جس طرح اپنی ذات اور اپنے خالق حقیقی کی مشیت سے دنیائے انسانیت کو محبت واخوت، امن وسلامتی، احسان وغفران اور دیگر آداب زندگانی سے روشناس کیا یہ اسی کا صدقہ ہے کہ آج عالم انسانیت کے اہل فکر وہنر کو شرف آدمیت کے حوالہ سے اپنے حق کے لئے جادہ پیما ہونے کا صلہ ملا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی پر محیط اقوال ومعارف کو احادیث کی صورت میں جمع کیا گیا ہے تعلیم نبوی کا سب سے بڑا موضوع شرف انسانیت تھا اور اس حوالہ سے کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا۔ صلہ رحمی، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک، بچوں سے محبت، چھوٹوں کی محبت، بڑوں کی عزت، اپنے بھائی کو اپنے ہی مانند سمجھنا، ہمسایوں کیساتھ سلوک، غلاموں کے ساتھ سلوک، غلاموں کا قصور معاف کرنا، اہل وعیال کی پرورش، یتیموں کی پرورش، بیوہ کی خبر گیری، حاجت مندوں کی امداد، اندھوں کی دست گیری، عام انسانوں کے ساتھ ہمدردی، قرض داروں پر احسان، فریادیوں کی فریاد رسی، خلق کو نفع رسانی، مسلمانوں کی خیر خواہی، جانوروں پر شفقت اور رحم، محسنوں کی شکر گزاری، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق، بیماروں کی خدمت و بہادری، لڑائی کے میدان سے بھاگنے کی برائی، امیر وامام کی اطاعت، مداومت عملی، اپنے ہاتھ سے کام کرنے لینا، شیریں کلامی، خوش خلقی، فیاضی، بدزبانی سے اجتناب، مہمان نوازی، شرم وحیا، حلم ووقار، غصہ کو ضبط کرنا، عفو ودرگزر، صبر وتحمل، حسب ونسب پر فخر یا اترانے کی مذمت، بدگمانی کی برائی، کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہونے اور کسی کے گھر میں ادھر ادھر تانک جھانک نہ کرنے کے احکامات، دوسرے بھائی کے پیٹھ پیچھے دعا کرنے کی برکات، رفق ونرمی، قناعت واستغنا

گداگری کی ممانعت، اپنے گناہوں کی پردہ پوشی، اپنے بھائیوں کے عیوب پر پردہ ڈالنا، چغل خوری کی ممانعت، تہمت لگانے کی برائی، غیبت کی ممانعت، بغض وکینہ کی ممانعت، دوسرے کی ٹوہ لگانے کی ممانعت، رازداری، تواضع، انکساری، امانت داری، گالی گلوچ کی ممانعت، منہ پر مدح وستائش کی ممانعت، لعنت کرنے کی ممانعت، بخل کی ممانعت، فضول گوئی کی ممانعت، فضول خرچی کی ممانعت، کبروغرور کی مذمت، ہنسی مذاق کی برائی، نفس انسانی کی حرمت، ظلم کی مذمت، عدل وانصاف، تعصب کی مذمت، سخت گیری کی ممانعت، غم خواری وغم گساری، توکل، لالچ کی برائی، رضا بالقضاء، ماتم کی ممانعت، قمار بازی کی ممانعت، سچائی کی ہدایت، جھوٹ کی ممانعت، جھوٹی گواہی کی ممانعت، جھگڑا فساد کرنے کی ممانعت، باہم مصالحت کی برکات، مسافقت کی مذمت، وعدہ خلافی کی ممانعت، خیانت اور فریب کی ممانعت، شراب خوری، زنا کاری اور چوری کی ممانعت طہارت وصفائی، دوست واحباب کی ملاقات کے آداب، سلام وتحیت، مصافحہ ومعانقہ اور دیگر آداب مجلس، آداب طعام، آداب لباس، آداب، نشست وبرخاست، آداب خانہ داری، سونے جاگنے کے آداب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ انسان بڑا حیلہ طلب اور بہانہ جو فطرت کا حامل ہے۔ وہ لفظوں کے ہیر پھیر میں پناہ لے کر یا چند رسمی آداب پر قناعت کر کے مطلب حاصل کرنے کا فطری حیلہ جو ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے انسان کی فطری کمزوریوں کا گہرائی میں جا کر ان کا دیرپا حل پیش کیا ہے۔ ذیل میں آنحضرت ﷺ کی جامع تعلیمات کے ہی حوالے سے آپ کے چند جامع فرمودات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ سیرت النبی ﷺ کی ضیاء پوشی سے منور ہونے والی گلشن انسانیت کی روشن کرنوں کا نور دیکھا جاسکے۔

دائرہ حقوق اللہ اور حقوق العباد

حقوق اللہ اور حقوق العباد کوئی ایک دوسرے سے کٹے ہوئے یا علیحدہ نہیں ہیں

بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور پیوست ہیں۔ایک کی ادائیگی سے دوسرے کی بھی ادائیگی ہوجاتی ہے۔حقوق العباد کی ادائیگی کا عمل چونکہ اللہ کی طرف سے ہے لہٰذا اس کی ادائیگی سے اللہ کے حکم کی ادائیگی ہوگی اور اس طرح حقوق اللہ کے زمرے میں آئے گی اور یہ عبادت شمار ہوتی ہے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

''راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا بھی نیکی ہے۔''

راستہ میں پڑا ہوا پتھر چونکہ مخلوق خدا کو تکلیف دیتا ہے اس لئے اس کے ہٹانے کو بھی حقوق اللہ کی ادائیگی میں مقصود کر کے نیکی مانا جائے گا۔

حقوق اللہ میں مندرجہ ذیل اہم پہلوؤں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۱۔ توحید باری تعالیٰ ۲۔ قیام صلوٰۃ یا عبادت

۳۔ ادائیگی زکوٰۃ ۴۔ اہتمام صیام

۵۔ ادائیگی مناسک حج ۶ امر بالمعروف ونہی عن المنکر یا جہاد۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ترتیب میں حقوق العباد کو اپنے حقوق کی نسبت زیادہ اہمیت دی ہے۔عام لوگوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ حقوق اللہ کو حقوق العباد پر برتری حاصل ہے اس لئے وہ نماز، روزہ کا کچھ اہتمام کر لیتے ہیں، لیکن حقوق العباد کی نگہداشت نہیں کرتے جس کے نتیجہ میں عدل واحسان کا فقدان ہوجاتا ہے اور معاشرہ نفاق، انتشار عدم اطمینان اور تذبذب کا شکار ہوجاتا ہے۔حقوق اللہ میں کوتاہی تو شاید اللہ تعالیٰ کی رحیمی وکریمی کے طفیل عفوودرگزر کی وجہ سے معاف ہوجائے لیکن حقوق العباد یعنی حقوق انسانی کے سلسلے میں کئے جانے والے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی کی کوئی امید نہیں ہے کیونکہ بندے کا گناہ تو بندہ ہی معاف کرسکتا ہے۔آنحضرت ﷺ نے اسی حوالے سے فرمایا کہ کیا جانتے ہو مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا جس کے پاس درہم، دینار نہ ہو۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں، مفلس وہ ہے جو آخرت میں اس حال میں جائے گا کہ اس کے پاس نماز بھی ہوگی، روزہ بھی ہوگا، زکوٰۃ بھی ہوگی اور حج

بھی کر لیا ہو گا مگر وہ گناہ جو لوگوں کو گالیاں دے کر، غیبت کر کے یا کسی فرد کا حق مار کر مفاد اٹھایا ہو گا وہ اسے کیسے جنت میں جانے دے گا۔ جن کا حق مارا ہو گا وہ اس کی نیکیاں لیکر جائیں گے اور اگر نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس پر لوگوں کے گناہ ڈال دیئے جائے گے اور وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اسی وجہ سے محسن انسانیت خیر الانام حضرت محمد ﷺ فرماتے تھے کہ بڑھ چڑھ کر نیکیاں کیا کرو اور کبھی بھی نیکی کو حقیر نہ سمجھو چاہے ایک کھجور کا صدقہ ہی کیوں نہ ہو۔

حقوق العباد پر اللہ تعالیٰ کا زور اس لئے بھی ہو گا کہ حقوق العباد کی روگردانی سے خود بنی نوع انسان کو نقصان ہوتا ہے۔ عدل وتوازن برقرار نہیں رہتا۔ ظلم پھیلتا ہے اور عفو واحسان سکڑتا ہے۔ اخوت ومساوات ختم ہوتی ہے اور ظاہر ہے ایسا ماحول جہنم سے کم نہیں ہے اس لئے انسان کی جبلت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام مبعوث فرمائے جن کا کام تزکیہ نفس اور حکمت کی تعلیم تھا تا کہ خلافت ارضی پر مامور حضرت انسان کو فرائض خلافت کی ذمہ داریوں کے حوالہ سے تیار کر سکیں۔ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان حقوق اللہ اور حقوق العباد کے باہمی تعلق اور نجات اخروی میں ان کی اہمیت کو بخوبی واضح کر دیتا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جنت میں لے جانے والے اعمال یہ ہیں۔

کہ اللہ کی عبادت ایسے خلوص سے کرو کہ اللہ کے سوا نہ صرف یہ کہ کسی غیر کی عبادت کرو بلکہ اللہ کی جو عبادت کرو، اس میں شرکت غیر کا شائبہ تک نہ ہو۔ خالصتاً اللہ کی عبادت اور اللہ کی خوشنودی کیلئے ہو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رشتہ داروں سے میل جول میں حسن سلوک کرو۔

ایک اور ارشاد میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص لمبا سفر کر کے غبار میں اٹا ہوا آتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر ربی ربی کہتا ہے دعا کرتا ہے مگر اسکا کھانا پینا،

لباس اور نشو ونما حرام کی کمائی سے ہے تو اس کی دعا کہاں قبول ہوگی۔ حضرت وابصہ ابن معبدؓ فرماتے ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم پوچھنے آئے ہو کہ نیکی کیا ہے؟ اور گناہ کیا؟ میں نے عرض کیا، ہاں! حضور ﷺ نے انگلیوں کو اٹھا کر اور میرے سینے پر مار کر فرمایا۔

''اپنے آپ سے دریافت کر، اپنے دل سے دریافت کر۔''

پھر فرمایا: ''نیکی وہ ہے جس سے انسان خود مطمئن ہو جائے اور اس کے دل میں اطمینان ہو جائے۔ اور گناہ وہ ہے جس سے انسان کا ضمیر خلش محسوس کرے اور جس سے اس کے سینہ میں شک پیدا ہو جائے۔

جب ایک شخص کسی دوسرے شخص کے حقوق پر دست درازی کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی حفاظت کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اگر وہ کسی کی جان لیتا ہے تو اس کی جان لے لی جاتی ہے۔ اگر وہ کسی کی تہمت لگا کر بے عزتی کرتا ہے تو وہ ہمیشہ کیلئے غیر معتبر ٹھہر جاتا ہے اسی طرح کوئی محفوظ مال چراتا ہے تو گویا وہ اپنے بھائی کا حق مار کر جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے غرض یہ ہے کہ یہ سارے جرائم ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے خلاف ہوتے ہیں تو اس سے بندوں کا خالق متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس نے معاشرے میں ایسے لوگوں کی سرکوبی کے لئے حدود کا تعین کر دیا ہے جو کہ قرآن وحدیث میں بیان کر دی گئی ہیں۔

حق ملکیت وجائیداد

انسانی معاشرہ میں اسلام کو یہ انفرادیت اس طور پر بھی حاصل ہے کہ اس میں انسان کے لیے مکمل طور پر ملکیت کا حق دیا گیا ہے اور کسی چھوٹے یا بڑے کو کسی عورت یا مرد کو، آقا یا غلام کو، صحت مند یا معذور کو، اس حق سے محروم نہیں کیا گیا بلکہ مساوی طور پر ہر ایک کو حق بخشا گیا ہے کہ وہ جس قدر جب چاہے اپنی استطاعت اور محنت سے اپنی جائیداد بنا سکتا ہے

قرآن مجید میں اس حق کو ان الفاظ میں تسلیم کیا گیا ہے۔

''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔'' (سورۃ الجاثیۃ:۱۳)

''اور ہم نے بنی آدمؑ کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی۔'' (سورۃ بنی اسرائیل:۷۰)

''کیا یہ لوگ تمہارے رب کی رحمت کو بانٹتے ہیں ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کی روزی بانٹ دی اور ایک کو دوسرے پر درجے بلند کر دیئے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکو اور جو کچھ جمع کرتے ہیں تمہارے رب کی رحمت اس سے بھی کہیں بہتر ہے۔''

(سورۃ زخرف:۳۲)

''جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کے لیے رزق بنا دیا ہے تاکہ لوگوں کی آزمائش کریں۔'' (سورۃ کہف:۷)

''اور نیند کو تمہاری تکان کے رفع کرنے کے لیے بنایا، رات کو اوڑھنا بنایا اور دن کو کمائی کرنے کے لیے بنایا۔'' (سورۃ النباء:۱۱:۹)

''تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں'' (سورۃ التغابن:۱۵)

''جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت کی زندگی ہے آپس میں بڑائی ظاہر کرنا اور مال و اولاد کی زیادہ طلب کرنا ہے'' (سورۃ الحدید:۲۰)

''جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس روئے زمین کا سب مال و متاع ہو اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی تاکہ قیامت کے روز عذاب کے بدلہ میں دیں تو ان سے قبول نہ ہوگا''

(سورۃ المائدہ:۳۶)

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے یہ دنیا کی زندگی مسخر کر دی ہے، کائنات ارضی کی نعمتیں انسان پر نچھاور کر دی ہیں لیکن یہ بتایا کہ دنیا داری کی یہ ساری رنگینیاں انسان کے لیے آزمائش کا سبب ہیں اور اصل زندگی

آخرت کی ہے جو کہ انسان کے دنیا کے اندر کیئے جانے والے اعمال کی اچھائی یا بُرائی پر مرتب ہوگی۔

دنیا میں حلال کھانے کی ترغیب دی گئی ہے اور حرام کمائی سے منع کیا گیا ہے سورۃ مائدہ میں ارشاد ربانی ہے! ''اور تم دیکھو گے کہ ان میں سے اکثر گناہ اور زیادتی اور حرام کھانے پر دوڑتے ہیں یہ جو کچھ کر رہے ہیں بہت بُرے کام ہیں ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے بلاشبہ وہ بُرا کرتے ہیں۔

(سورۃ المائدہ: ۶۲، ۶۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کو بتایا ہے کہ دنیا کا مال ومتاع میری امانت ہے اسے میری مخلوق کی آسائش اور آرام کے لیے خرچ کرو اور غصہ کو ترک کرو اور معافی ودرگزر کو اپناؤ، یہ نیکی کے کام اللہ کو محبوب ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے!

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ مال تم کھاتے ہو اور جو چیزیں ہم نے تمہارے واسطے زمین سے پیدا کی ہیں ان میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اس میں سے گندی چیز دینے کا قصد نہ کرو کہ تم کبھی اس کو نہ لو مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ۔ (یعنی دوسرے کے لیے بھی وہی چیز پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔) (سورۃ البقرہ: ۲۶۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے!

''جو آسودگی اور تنگی میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو دبا لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

سورۂ لقمان میں ارشاد ربانی ہے!

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے کام میں لگا دیا ہے (یعنی تم اس سے فائدہ اٹھاتے ہو) اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں ظاہر اور چھپی ہوئی۔ (یعنی جو عقل اور غور وفکر سے دریافت کی جائیں)

اس آیت قرآنی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان کے اندر انسان کے لیے آسائشات کے جو خزانے انسان کی سعی سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ سب اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے رکھے ہیں۔

ایک دوسرے کی ملکیت میں ہونے والے مال کو نقصان پہنچانا، ناحق کھانا یا ناجائز ذرائع سے ہضم کرنے کی ممانعت کی گئی ہے ارشاد خداوندی ہے!

''اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضا مندی سے تجارت کرو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل کرو) اور آپس میں خون نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے اور جو ظلم وزیادتی سے ایسا کرے (ناحق مال کھائے اور خون کرے) تو ہم اس کو عنقریب جہنم کی آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔'' (سورۃ النساء: ۲۹، ۳۰)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے!

''اور جو چوری کرے مرد یا عورت تو ان کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کے اعمال کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے اللہ غالب اور حکمت والا ہے پھر جو کوئی ظلم کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے تو اللہ اس کو (آخرت کے عذاب سے) معاف کر دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (سورۃ المائدہ: ۳۸، ۳۹)

''ناحق سود کے ذریعے سے ضرورت مندوں کے مال کو کھانے سے بھی منع کر دیا ارشاد خداوندی ہے!'' اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر مسلمان ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔'' (سورۃ البقرۃ: ۲۷۸)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے

''اور جو تم سود پر کچھ دیتے ہو کہ تم لوگوں کا مال بڑھتا رہے وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اللہ کی رضا چاہتے ہو سو یہ وہی ہے جن کے دونے ہیں (یعنی بہت زیادہ اجر و ثواب ہے) (سورۃ الروم: ۳۹)

سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کو اس طرح اٹھیں گے

جیسے آسیب نے لپیٹ کر ان کے حواس کھو دیئے ہیں تجارت حلال ہے اور سود حرام ہے، اور پھر اللہ کی نصیحت کے بعد جو سود لینے سے باز آ گیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو باز نہ آیا اس کے لیے دوزخ کا دردناک عذاب ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

رشوت کے ذریعے سے ملکیت بڑھانے کو حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس طرح انسان ناجائز دباؤ یا لالچ میں آ کر دوسرے انسان کی آمدنی پر ناجائز قبضہ کرنے کی سعی کرتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

''اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوت کے طور پر) حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور تم جانتے بھی ہو (کہ یہ گناہ ہے)۔'' (سورۃ البقرہ:۱۸۸)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے ہوئے مال کو نیک کاموں میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ اس مال کو نیکی کے کاموں میں جی بھر کر لگاؤ تاکہ انسانی معاشرہ کو اس سے فائدہ ملے۔ ارشاد خداوندی ہے! ''اور تم کو جو مال اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت طلب کرو اور دنیا میں ''نیک کاموں میں'' اپنا حصہ نہ بھولو اور بھلائی کرو جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی اور ملک میں فساد نہ چاہو بے شک اللہ فساد ڈالنے کو پسند نہیں کرتا۔'' (سورۃ القصص:۷۷)

حلال اور پاک روزی کی ملکیت انسان کا حق ہے جبکہ ناجائز ذرائع سے روپیہ پیسہ کمانا دوزخ کی آگ کمانے کے مترادف ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس حوالہ سے متنبہ کیا ہے سورۃ نحل میں ارشاد خداوندی ہے۔

''سو اللہ کی دی ہوئی حلال اور پاک روزی کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔''

سورۃ الھمزہ میں ارشاد خداوندی ہے۔

''جو مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس

کے ساتھ رہے گا۔نہیں وہ اس روندنے والی میں پھینکا جائے گا اور تم کیا جانو وہ روندنے والی کیا ہے وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ (آیت نمبر۲:۶)

حلال مال کمانے کی اجازت ہے لیکن مال کو روک رکھنے اور اچھے بھاؤ کے انتظار میں اسباب رزق جمع رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے اور احتکار زر کے ذریعے سے کمائی گئی روزی (ملکیت) حرام شمار ہوگی۔سورۃ المائدہ میں ارشاد خداوندی ہے کہ پاک اور ناپاک دولت برابر نہیں ہوسکتی اگر چہ ناپاک دولت کی کثرت جس قدر بھی ہو۔اہل عقل وہ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں تاکہ ان کی نجات ہوجائے سورۃ توبہ میں ارشاد خداوندی ہے!

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو جس دن اسے جہنم کی آگ میں دہکایا جائے گا پھر اس سے ان کے ماتھے اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گئیں (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا اب اسے جمع کرنے کا مزہ چکھو'' (آیت نمبر۳۴:۳۵)

خواہش نفس کے تحت مال جمع کرنا،ملکیت پر پھولے نہ سمانا،زکوٰۃ نہ نکالنا،اسباب رزق جمع کر کے ضرورت مندوں کو مہنگے داموں خریدنے پر مجبور کرنا سب اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے جس میں وہ اور ان کا کمایا ہوا مال پھینکے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے مال پر حسد کرنے کو منع کیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

''اور جس چیز میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی ہوس (حسد) مت کرو مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی میں اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی میں اور اللہ سے اس کا فضل مانگو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (سورۃ النساء:۳۲)

جھوٹی قسمیں کھا کر ناجائز کمائی کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور ایسی تجارت کو حرام قرار دیا ہے جس میں لوگ اپنی اشیاء کو جھوٹی قسمیں کھا کھا کر کثیر تعداد میں بیچ کر زیادہ دولت کمانے کی حرص کرتے ہیں۔یہ کمائی حرام کی ہے اور ایسی ملکیت انسان کی

آخرت کے لیے فائدہ مند نہیں بلکہ اسے دوزخ میں لے جانے کا موجب بنتی ہے قرآن مجید میں اس حوالہ سے ارشاد خداوندی ہے۔ ''جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں (کو توڑ کر ان) کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں یا جھوٹی قسم کھا کر (کچھ فائدہ حاصل کرتے ہیں) ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اُن سے اللہ نہ تو کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

(سورۃ آل عمران:۷۷)

عورت اور مرد کو اپنی اپنی کمائی لینے کا پورا پورا حق ہے جبکہ بیوی اپنے خاوند کی جائیداد سے اولاد کی ضروریات کے لیے خرچ کرنے کی مجاز ہے جبکہ خاوند عورت کی اجازت کے بغیر اس کی کمائی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اگر کسی وجہ سے عورت کو طلاق ہو جائے تو عورت کو دیئے گئے سامان کو واپس لینے کی اجازت نہیں ہے وہ اسی کا مال شمار ہو گا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

''اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہو اور پہلی عورت کو بہت مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی مت لو، کیا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے؟ اور تم دیا ہوا مال کیسے واپس لے سکتے ہو جب کہ تم (نکاح کے بعد) ایک دوسرے تک پہنچ چکے ہو اور وہ تم سے (نکاح کر کے) پکا عہد لے چکی ہے۔''

(سورۃ النساء:۲۰،۲۱)

وراثت کے مال میں مردوں کا بھی وہی حصہ ہے جو ان کے والدین نے چھوڑا اور عورتوں کا وہی حصہ ہے جو ان کے والدین یا اہل قرابت نے چھوڑا، وراثت میں سے ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا اور مرد اپنی بیوی کے لیے وصیت کرنے کا مجاز ہے۔

میت کے اگر وارث نہ ہوں تو اس کی ماں کا تہائی حصہ ہو گا میت کے اگر بھائی بہن ہوں تو پھر ماں کا چھٹا حصہ ملے گا اگر مرحوم کی ایک لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا اور باقی حصہ میں ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اولاد کے ہوتے ہوئے والدین بھی ہوں تو پھر

والدین کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ ورثہ کی تقسیم کے وقت اگر محتاج اور یتیم رشتہ دار بھی ہوں تو انہیں بھی حصہ دینا احسن بات ہے ورنہ معقول طریقے سے انہیں ٹال دیں۔ایک انسان کے مال پر مندرجہ ذیل لوگوں کا پورا پورا حق ہے اگر کوئی اپنے مال سے ان لوگوں پر خرچ نہیں کرتا اور پوری استطاعت ہونے کے باوجود ان کی ضرورت کے وقت ان کی مدد نہیں کرتا تو وہ گویا ان کی حق تلفی کرتا ہے۔

(۱) اولاد کا حق

(۲) والدین کا حق

(۳) اعزا و اقرباء کا حق

(۴) ہمسائے کا حق

(۵) ضرورت مند محتاج کا حق

(۶) بیمار معذور کا حق

(۷) یتیم و مسکین کا حق

(۸) سائل کا حق جس وقت وہ سوال کرے

(۹) خدا کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا

(۱۰) اسلام کی بھلائی کے لیے خرچ کرنا

(۱۱) انسانیت کی بھلائی کے لیے خرچ کرنا

(۱۲) مخلوق خدا کی نفع رسانی کے لیے

(۱۳) غلاموں کی آزادی کے لیے

(۱۴) قرض دار کے قرض کی ادائیگی کے لیے

(۱۵) مہمان کی ضیافت کے لیے

(۱۶) نومسلموں کی تالیف قلب کے لیے۔

حقوق العباد کے مراتب

فقہاء کی اصطلاح میں قابل الادا حقوق کے مراتب ہیں جیسا کے اوامر ونواہی کے مراتب ہیں۔فرائض ۔واجبات۔سنن۔مستحبات اور مباحات۔مثلاً قرض کی ادائیگی فرض ہے۔سلام کا جواب دینا واجب ہے۔سلام کرنا سنت ہے۔السلام علیکم کے ساتھ،،ورحمتہ اللہ،،کا ملانا مستحب ہے،والدین،بھائی وغیرہ کے گھر سے کھالینا مباح ہے۔

اِسی طرح نواہی کے بھی مراتب ہیں۔کسی کو تکلیف دینا حرام ہے۔غریب پڑوسی ہو تو اس کے جوار میں خوشبودار چیز پکانا مکروہ ہے۔حقوق کی ترتیب تعلقات کی فطری وابستگی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔سب سے اول حق والدین کا ہوتا ہے۔پھر اقرباء کا۔پھر پڑوسیوں کا علیٰ ہذا القیاس۔اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء(آیت ۳۶) میں اس فطری ترتیب کو یوں روشناس کرایا ہے:

﴿وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین والجار ذی القربٰی والجار الجنُبِ والصَّاحب بالجنبِ وابنِ السبیل وما ملکت أیمانُکم﴾

’’اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور رشتہ دار،پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور ہم مجلس کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور مملوک کے ساتھ۔‘‘

اس کتاب میں حقوق پر بحث اسی ترتیب سے کی گئی ہے۔حقوق کے نظام کی ترتیب دیکھ کر قرآن کریم کے اس دعوے کو تسلیم کیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

﴿الیوم أکملتُ لکم دینکم وأتممتُ علیکم نعمتِی ورضیتُ لکم الاسلامَ دینا﴾

’’آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے۔لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت

پوری کردی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔" (سورۃ المائدہ۔۳۷)

دین حقوق کی ادائیگی کا نام ہے: دین تو مکمل ہو چکا ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ دین آخر ہے کیا؟ اس سوال کا جواب لسانِ نبوت سے سنئے۔ حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،، الدِّین النصیحۃ ،، دین نصیحت کا نام ہے،، ہم نے عرض کیا کہ کس کے ساتھ نصیحت۔ ارشاد فرمایا،، اللہ کے ساتھ۔ اللہ کی کتاب کے ساتھ۔ اللہ کے رسول کے ساتھ۔ مسلمانوں کے سرداروں اور ان کے عوام کے ساتھ۔

(بخاری کتاب الایمان۔ ومسلم۔ کتاب الایمان جلد اول صفحہ ۵۵)

اس حدیث میں دین اور نصیحت کو ایک ہی چیز کہا گیا ہے۔ جب نصیحت اتنی عظیم چیز ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ نصیحت کیا چیز ہے۔ اردو یا کسی بھی زبان میں کوئی لفظ ایسا نہیں ملتا جو،، نصیحۃ،، یا،، نصح ،، کا صحیح معنی ادا کرے۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے معارف الحدیث (جلد اول صفحہ ۱۶۶) میں اس کا ترجمہ خلوص اور خیر خواہی سے کیا ہے۔ نصیحت تب نصیحت بنتی ہے کہ کسی نیک کام میں ذاتی غرض بھی نہ ہو اور دوسرے کی خیر خواہی کا بھی خیال ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نصیحت میں صحابۂ کرامؓ کا رسول ﷺ کو احکام الٰہی کے قیام ونفاذ اور برائی کے خاتمہ میں مدد دینا بھی شامل ہے۔ آپ جو عدل کے قیام اور امانت حقوق کی حفاظت میں معاون و شریک ہو وہ اللہ کے لئے نصیحت کرتا ہے۔ جہاد اور شہادت کا مقام بھی اس ضمن میں آئیگا۔

رسول ﷺ کے لئے نصیحت کی مثال ہجرت کے ایام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ غار حرا اور حضرت علی کرام اللہ وجہہ کا، حضور ﷺ کی جگہ ان کی چار پائی پر محوخواب ہونا۔ مہاجرین وانصار کی پوری زندگیاں نصیحت الرسول ﷺ کی کھلی تفسیریں ہیں۔ مسلمانوں کے لئے نصیحت کی مثال حضرت جریرؓ کے واقعہ میں ہے کہ انہوں نے ایک گھوڑا خریدا گھر آ کر احباب سے قیمت لگوائی تو انہوں نے زیادہ بتائی۔ آپ گھوڑے کے مالک کے پاس گئے اور کہا کے بھائی تیرے گھوڑے کی قیمت زیادہ ہے۔ میں نے کم دی ہے۔ اسے اور رقم دی۔ پھر گھر آئے تو اور عزیزوں دوستوں کو قیمت بتائی تو انہوں نے کہا گھوڑا قیمتی ہے اور زیادہ

قیمت کا ہے چنانچہ آپ پھر گئے باصرار مالک کو اور رقم دے آئے۔احباب نے کہا کہ رضامندی سے سودا ہو جانے کے بعد آپ نے زیادہ رقم کیوں دی تو آپ کا جواب تھا۔

﴿بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الایمان والنصح لکل مسلم﴾ (بحوالہ مسلم جلد اول صفحہ ۵۵ کتاب الایمان)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ایمان اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی۔''

نصیحت دوسروں کے لئے بے غرض ہمدردی اور حقوق کی ادائیگی کا نام ہے اس لئے محدثین نے ''الدین النصیحۃ'' کی حدیث کو جامع الکلم میں شمار کیا ہے کہ پورا دین اس حدیث میں سما گیا ہے۔

حق مساوات

اسلام کے نظام اقدار میں ایک بنیادی عنصر مساوات کا اصول یا دوسرے الفاظ میں حق راستی اور انصاف کا حق ہے۔ مساوات کی اس قدر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کامل برابری ہو اور معیارات میں کوئی فرق نہ ہو۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ سارے انسان برابر ہیں مگر معیار کے لحاظ سے یکساں نہیں۔ قابلیت و ہنر مندی میں برابر نہیں، حوصلوں اور ارادوں میں برابر نہیں، لیکن اس فرق کے باوجود ایک دوسرے پر ذات کے حوالے سے، نسل کے حوالے سے، رنگ کے حوالہ سے، قوم یا خاندان کے حوالے سے کوئی برتری نہیں۔ تمام انسان معاشرے کے برابر معزز شہری ہیں اور انہیں معاشرے میں برابر جینے کا حق ہے۔ معاشرے کے وسائل سے یکساں فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ ہر منصب اور پیشے میں جانے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کا حق ہے۔ اسلام میں برتری وفضلیت صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ ہر وہ آدمی فضلیت کا اتنا ہی حامل وحقدار ہوگا جو تقوٰی میں جتنا زیادہ، قوی اور معتبر ہوگا۔ نیکی، بھلائی اور روحانی حسن وخوبی انسانی

برتری کے زیور اور کمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں مساوات انسانی کی توضیح ان الفاظ میں کردی ہے۔

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک عزت وبرتری والا صرف وہ ہے جو تمہارے میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔"

نسل، رنگ یا معاشرتی حیثیت محض اتفاق ہیں۔ انسان کی حیثیت اللہ کی نظر میں ان وجوہات سے متاثر نہیں ہوتی۔ آئین اور قانونی حقوق کے اعتبار سے ہر انسان کو مساوی اور یکساں حقوق حاصل ہیں اور اس کو اسلام میں بایں طور پر بنیادی وجوہات ہیں۔

۱۔ سارے انسانوں کو ایک ہی خدائے لم یزل نے پیدا کیا۔

۲۔ سارے انسان ایک ہی نسل انسانی سے ہیں جن کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سے شروع ہوا۔

۳۔ مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اسے کنبہ کا ہر فرد ایک جیسا محبوب اور پیارا ہے۔

۴۔ ہر انسان پیدا ہوتے وقت ایک جیسا پیدا ہوتا ہے اسلئے معاشرے میں بھی ایک جیسے یکساں اور مساوی حقوق ملیں گے۔

۵۔ ہر انسان مرتے وقت کچھ نہیں لے جاتا صرف اس کے اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ اس لئے انسان کیلئے زمین میں ایک خاص وقت تک ایک جیسے مواقع کا ملنا ایک فطری حق ہے۔

مندرجہ بالا فطری اقدار کے ساتھ چند اقداریں ایسی بھی ہیں جن کی اہمیت کا احساس کائنات کے فطری نظام کا تقاضہ ہے۔

کائنات سے تعصب اور ایذا رسانی کا خاتمہ تبھی ممکن ہے جب ہر انسان کو منصفانہ اور مساوی مواقع ملیں گے تو کسی کو دشمنی یا ایذا رسانی پر کوئی چیز اکسا نہیں سکے گی۔ ظلم اور زیادتی کا اس طرح خاتمہ ہوگا۔ ایک خاص طبقہ کو بڑھا دینا دوسرے طبقات میں دلی نفرت پیدا کرتا ہے اور پھر اسی کی بنیاد پر ان کے اندر دشمنی پیدا ہوتی ہے جس کا اثر جنگ وتباہی کے عناصر کی افزودگی کی صورت میں ہوتا ہے۔ انصاف اور مساوات ہر انسان کا ایک فطری حق ہے اور کائنات کی تنظیم کا ایک فطری تقاضہ بھی، جس سے نظام بشریت کو حیات ملتی ہے اور ہر انسان کو اپنی صلاحیتوں کے یکساں استعمال و آزمائش کا موقع ملتا ہے۔

حضرت عمرو بن زبیرؓ سے آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد مروی ہے جو انسانوں کے وسائل ورزق خداوندی سے یکساں استفادے کے حق کی توضیح کرتا ہے۔

"آنحضرت ﷺ نے فیصلہ فرمایا تھا کہ زمین خدا کی ہے اور بندے بھی خدا کے ہیں۔ جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے گا وہی اس زمین کا زیادہ حقدار ہے۔"

(ابوداؤد)

تو گویا ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی محنت سے گھر بنائے۔ پہلے آباد کاری کر کے مردہ زمین کو کاشت کر کے اس کا مالک بن سکتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ زمین پہلے کسی کی ملکیت نہ ہو۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ سے ایک فرمان نبوی ﷺ مروی ہے۔

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی ایک زمین کو آباد کیا جو کسی دوسرے کی مالک نہ ہو تو وہ اسی کا زیادہ حقدار ہے۔" (بحوالہ بخاری شریف)

اسلام اخوت انسانی کا درس دیتا ہے جو معاشرہ کی صحت وسلامتی کا مظہر ہے اور یہی اخوت انسانی مساوات انسانی کا دوسرا نام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"خبردار کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں تم سب آدم کی اولاد ہو۔ تم میں سے برتر وہ ہے جسے پرہیز گاری

میں فضلیت حاصل ہے۔"

اس لئے اسلام ایک شخص کو مساوات انسانی کی بنیاد پر مندرجہ ذیل معاملات میں یکساں بنیادوں پر حق دیتا ہے۔

۱......معاشرے کا ایک شہری ہے اسے دوسرے شہریوں کے برابر اتنے ہی حقوق حاصل ہیں جتنے کسی دوسرے کو۔

۲......حق روزگار کا برابر سب کو حق حاصل ہے اسی کو کسی پیشہ کے اختیار کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ البتہ کوئی ایسا پیشہ اختیار کرنے سے اسے حق نہ ہوگا جو معاشرہ کے مفادات کے منافی ہو۔ کیونکہ اجتماعی مفاد بہر حال معاشرہ کے فرد کی حیثیت سے ایک عام انسان کا اتنا ہی مطلوب و مقصود ہے جتنا دوسرے معاشرے کا۔

۳......حاکم وقت یا حکمرانوں یا کسی بھی طبقے سے پہنچنے والی تکلیف پر دادرسی کا طالب ہوسکتا ہے۔

۴......وسائل رزق سے اپنا حصہ محنت سے حاصل کرسکتا ہے۔ کوئی اس کی آمدنی پر رکاوٹ یا پابندی نہیں لگا سکتا۔

۵......معاشرہ کے اندر اور باہر ہونے والے واقعات اور اس کی کارگزاری پر تبصرہ کرنے کا اتنا ہی مجاز ہے جتنا کوئی دوسرا شہری ہوسکتا ہے۔

۶......محنت یا اجرت کو اپنی محنت کے بدلہ میں لینے کا حق رکھتا ہے۔ کوئی اس کی محنت کو کسی نامنصفانہ بنیاد پر کم کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

۷......حق ملکیت کا دارومدار ہے۔

۸......حق آزادی کو استعمال کر کے معاشرہ میں جہاں چاہے چلے پھرے اور جہاں چاہے بودوباش اختیار کرے مگر یہ اس کے اپنے وسائل اور اپنی معاشرتی ذمہ داریوں کے حوالہ سے ہی ممکن ہے۔

۹......ہر پیشہ زندگی اختیار کرسکتا ہے جس کا معاشرہ میں کوئی قابل قدر مقام

ومرتبہ ہے۔

۱۰......اپنے خاندان اوراولاد کی پرورش ،تعلیم اوران کی رہائش کیلئے اپنی خواہشات اورسہولیات کے مطابق جس درجہ میں رکھنا چاہے اسے رکھنے کا حق ہے۔

۱۱......قانون کی رو سے سب شہریوں کے برابر مساوی درجہ اورحق رکھتا ہے اوراسی کی بنیاد پراپنا حق مانگ سکتا ہے۔

۱۲......رنگ،نسل،خاندان،زرومال،جسمانی خدوخال،مذہب،پیشہ ومرتبہ اور علاقے کے حوالے سے کسی امتیاز یا تفریق کا روادار نہیں ہے۔

۱۳......آسائشات زندگی کو اختیار کرنے کا مساوی حق رکھتا ہے۔

۱۴......روٹی،کپڑا اور مکان کسی فرد کا بنیادی حق ہے اور سلطنت اس کی کفیل ہے اگر کوئی شہری اپنی کسی معذوری یا مجبوری کی وجہ سے ان حقوق کے حاصل کرنے سے معذور ہے تو اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں سے ان حقوق کی کفالت کا دعویٰ کرے۔

۱۵......صحت،تعلیم،تفریح اور ترقی کے لئے اپنے ارادوں کی تکمیل کیلئے کسی امتیاز کی بنیاد پر اسے روکا نہیں جاسکتا۔

۱۶......بنیادی ضروریات زندگی سے تعلق رکھنے والی اشیاء سے تمام مسلمانوں کی طرح ہر فرد برابر مستفید ہوسکتا ہے۔آگ،نباتات،درخت،سبزہ،پانی اورہوا زمین تمام بنی نوع انسان کا مشترکہ سرمایہ ہے اور برابر کے مالک ہیں لیکن جس قدر کوئی فرد اپنی محنت سے اپنی ملکیت لے چکا ہوتا ہے اس پر کوئی دوسرا فرد قبضہ نہیں کرسکتا۔

۱۷......کسی فرد کو جب کوئی عہد کرلے تو اسے توڑنے کا حق نہیں۔اس لئے اس کو توڑنے پر دوسرے کا احتساب کرنے کا حق حاصل ہے۔

۱۸......جان،مال،اولاد اورآسائشات کسی انسان کی بنیادی ملکیت ہیں اور سب انسانوں کو یہ حق رکھنے میں برابری حاصل ہے لیکن کسی شہری کو دوسرے کی جان،مال،

اولاد اور آسائشات کو ترویج کرنے، ختم کرنے یا ممکن بنانے کا حق نہیں۔ معاشرہ ہر فرد کے جان، مال، اولاد اور اس کی بنیادی آسائشات کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور ہر شخص کو اس حفاظت کے لئے کسی خاص امتیاز کا روا نہیں رکھا جاسکتا۔

۱۹......تحریر، تقریر، تنقید اور توضیح ہر فرد کے بنیادی حق ہیں۔ ہر فرد کو معاشرے میں ان حقوق کے اظہار کا حق حاصل ہے اور سب فرد اس میں برابر ہیں۔ کسی کو ان حقوق کے استعمال پر کسی بنیاد پر ترجیح یا تفوق نہیں دیا جاسکتا۔

۲۰......مرتبہ، منصب اور مقام میں شہری اور افراد برابری رکھتے ہیں۔ ذمہ داری کی بنیاد پر امتیاز تو ہوسکتا ہے لیکن ذات کے حوالے سے کسی فرد کو ان بنیادوں کی وجہ سے دوسرے فرد کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے، ناروا امتیاز برتنے اور کوئی ترجیحی مفاد حاصل کرنے کا حق نہیں ملتا۔

۲۱......عزت نفس، خودداری اور ذاتی حیثیت میں تمام افراد برابر ہیں۔ کسی کو اپنے بلند منصب، زر و مال، میں تفوق یا خاندانی نسب وشرف کی بنیاد پر دوسرے فرد کی عزت نفس، خودداری یا ذاتی حیثیت پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور اگر کوئی کسی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس معاملہ میں ایک جیسی سزا کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

۲۲......قانون کی نگاہ میں امیر وغریب، حاکم ومحکوم، جاہل وعالم اور چھوٹے یا بڑے کو برابری کا درجہ حاصل ہے۔ کسی کو انعام میں یا عقوبت میں امتیازی سلوک کا روادار قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۲۳......جنسی تفریق کی وجہ سے کسی عورت کو مرد سے اور مرد کو اس عورت سے اس کے بنیادی حقوق میں امتیاز برتا نہیں جاسکتا اور ہر ایک کو ایک جیسی آسائشات وتفریحات کا حق حاصل ہے۔

۲۴......ذمہ داری کے تعین میں دائرہ کار زندگی مختلف ہونے کی وجہ سے معاملات مختلف النوع ہوسکتے ہیں۔ لیکن بنیادی ضرریات زندگی میں سب کا حق ایک جیسا،

سب کی ذمہ داری پر گرفت ومحاسبہ ایک جیسا اور انصاف تک رسائی ایک جیسی حاصل ہے۔ کسی انسان کو دوسرے انسان سے ترجیحی مقام نہیں دیا جاسکتا۔

۲۵...... تمام لوگوں کو تمام ممالک میں تمام بنیادی حقوق حاصل کرنے کا برابر حق ہے۔ کسی فرد کو شہری یا غیر شہری ہونے کی وجہ سے کسی بنیادی حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

۲۶...... انسانی بنیادوں پر ہر فرد کا حق برابر ہے کہ کسی کو کسی بھی جگہ، کسی بھی وقت، کسی بھی حالت میں کسی دوسرے انسان کے ساتھ ناانصافی یا ناروا سلوک کرنے کا حق نہیں ہے۔ ہر ایک کی جان، مال اور عزت نفس کا احترام سب پر یکساں فرض ہے۔

۲۷...... نمائش، اظہار ابلاغ یا تحریر وتقریر سے کسی انسان کو دوسرے انسان کا تمسخر اڑانے یا ہتک کا نشانہ بنانے کا حق حاصل نہیں ہے۔

۲۸...... کسی فرد کو کسی الزام میں اپنی صفائی دینے کا برابر حق حاصل ہے اور کوئی اسے اس بنیادی حق سے محروم نہیں کرسکتا اور اسے اپنی صفائی میں اپنی شہادات جمع کرنے اور نظائر سے استفادہ کرنے کا بنیادی حق ہے۔

۲۹...... کسی فرد کو صرف الزام کی بنیاد پر ناروا تشدد اور خوف وتحریص کے ہتھکنڈوں سے کوئی بات جبری طور پر ماننے یا اگلنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

۳۰...... ہر شہری کو اپنی بود و باش، رہن سہن اور نجی زندگی میں اپنی پسند اور ضروریات کے مطابق اپنے وسائل خرچ کرنے اور درجہ ومعیار اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ کسی امتیاز قانونی جبر کے تحت اسے اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ بشرطیکہ اس کے اس حق سے کسی دوسرے شہری کی دل آزاری یا آزادی پر کوئی قدغن نہ پڑتی ہو۔

۳۱...... ہر فرد یا انسان کو اپنی آمدنی کو اپنی پسند اور خواہش کے مطابق خرچ کرنے کا حق حاصل ہے اور وہ اپنے مال کو جس جگہ پر جس طریقے سے کسب معاش یا کفالت عامہ کے لئے لگانا چاہے اسے پوری آزادی حاصل ہے۔

ادائیگی حقوق کے مدارج

حقوق کی ادائیگی میں ادنیٰ مقام یہ ہے کہ آدمی کسی کو فائدہ نہ پہنچا سکے تو کم سے کم اس کا نقصان بھی نہ کرے۔اس اصول کی نشاندہی اس حدیث سے ہوتی ہے۔

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده﴾

(بخاری کتاب الایمان ج او مسلم کتاب الایمان ج ا)

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

اس سے بلند مقام آدمیت مؤمن ہے اور وہ یہ کہ آدمی دوسرے سے اتنی محبت رکھے جتنی اپنی ذات سے رکھتا ہے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

﴿ لا يؤمن احدكم حتى يحب لاخيه ما يحب لنفسه ﴾ (بخاری و مسلم)

''تم میں اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کے وہ دوسرے مسلمان کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

مقام نصیحت اس سے بھی اعلیٰ ہے اور وہ یہ ہے کے وہ اپنے پر دوسروں کو ترجیح دے جیسا کے اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کی تعریف میں فرمایا

﴿ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة﴾

''وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود محتاج ہوں۔''

اور یہی وہ مقام نصیحت ہے جن کو سرور دو عالم ﷺ نے دین سے تعبیر کیا ہے۔

حقوق اللہ کی امانت ہے

قرآن حکیم میں یہ آیت دعوت فکر دیتی ہے۔

﴿انا عرضنا الامانة على السمٰوات والارض والجبال فأبينَ أن يحملنها وأشفقن منها وحمَلهَا الانسان ،انهٗ كان ظلوماً جهولًا﴾

''ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے

اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اُسے اٹھالیا بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔''

یہاں لفظ امانت غور طلب ہے۔ تفسیر خازن نے امانت سے مراد حقوق لی ہے۔ تفسیر احکام القرآن میں امام ابوبکر نے امانت پر بحث کی ہے۔ جس کا حاصل یہ کے امانت دو قسم کی ہے۔ ایک اعتقادات میں یعنی انہیں درست رکھنا۔ اس امانت میں کوتاہی کرے گا تو جاہل ہوگا دوسری قسم امانت عمل میں ہے۔ اس میں حقوق العباد بھی آجاتے ہیں۔ ان میں کوتاہی برتے گا تو وہ ظالم ہوگا۔ امانت کی ان تفسیرات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ہر آدمی کو امانت یا حقوق ابتدائے آفرینش سے ودیعت کیے گئے ہیں۔ اور قیامت کے دن ہر شخص کا ان کے متعلق احتساب ہوگا۔

حضور ﷺ پیشگی آگاہ فرماتے ہیں ﴿الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته﴾ (بحوالہ بخاری کتاب الاحکام ج ۲)

''خبردار تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کے زیر اثر افراد کے متعلق پوچھا جائیگا۔''

یعنی ہر شخص خواہ وہ اپنے گھر کا سربراہ ہو یا ملک کا صدر کسی ادارہ کا منتظم ہو یا انجمن کا زعیم سب روز محشر پابند ہوں گے کہ وہ ماتحت رہنے والوں کے حقوق کی ادائیگی کا حساب دیں۔ ایک حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ امانت انسانی زندگی کی بقا کے لئے اس قدر اہم ہے کہ جب امانت ختم ہو جائے گی تو وجود دنیا کا مقصد ہی ختم ہو جائے گا۔ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کب آئیگی فرمایا:

''جب امانت کو ضائع کر دیا جائے گا۔''

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ امانت کے ضائع کر دینے کا کیا مطلب ہے فرمایا: ﴿واذا وسد الامر الیٰ غیر اھله فانتظر الساعة﴾ (بحوالہ بخاری ج ۱ صفحہ ۱۴ کتاب العلم)

''یعنی جب کام نااہل کے سپرد کیا جائے تو پھر قیامت کا انتظار کیجئے۔''

محکمہ قضا میں اگر معاملات کا تقصیہ عدل کی بجائے ظلم پر مبنی ہو۔نظام درس وتدریس میں علم کی روشنی پھیلانے کی بجائے دولت کے اندھیروں میں گم ہو جائے۔اہل حکومت انسان کی بنیادی حقوق کی حفاظت کے بجائے ان پر ڈاکہ ڈالنے لگیں تو ظاہر ہے، پھر دنیا ننگ وجود ہوگی۔

اہتمام حفاظت حقوق

جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں حقوق کی کیا اہمیت ہے تو اب آیئے اپنی عنان توجہ اس سوال کی طرف لوٹاتے ہیں کہ اس امانت کی حفاظت کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کیا اہتمام کیا گیا ہے۔

(!) اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کی فطرت میں کچھ اپنی صفات (رحمت، محبت، عدل وغیرہ ودیعت کردی ہیں جن کی روشنی میں اسے حقوق کی ادائیگی میں دقت پیش نہیں آتی۔رسول ﷺ نے فرمایا:

"ہر بچہ فطرت صحیح پر پیدا ہوتا ہے۔پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا چھوڑتے ہیں۔" (بحوالہ بخاری ج ۲ کتاب التفسیر، مسلم کتاب القدر)

(۲) فطرت صحیحہ کا عطیہ بخشنے کے بعد اللہ نے حقوق کی وضاحت وحفاظت کے لئے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ شروع فرمایا جو وقتاً فوقتاً انسانوں کو بھولا ہوا ازلی سبق یاد دلاتے رہے اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق احکامات کی تعلیم دیتے رہے حتی کہ خاتم النبیین ﷺ کو مکمل اور ابدی شریعت دیکر مبعوث فرمایا گیا۔اس لئے حقوق العباد کی بہترین ادائیگی کی مثال حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں نازل کی ہیں۔سورۂ الحدید میں ان کا ذکر آیا ہے۔اور وہ یہ ہیں۔

(۱) کتاب یعنی قرآن حکیم، حق کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے۔

(ج) لوہا یعنی اسلحہ۔حق کے نفاذ کے لئے۔

اس سلسلے میں حکومت کا قیام حقوق کو قائم دائم رہنے کے لئے ناگزیر سمجھا گیا ہے۔قرآن حکیم میں اہل حکومت کو ان کا فرض منصب یوں یاد دلایا گیا ہے۔

﴿ان اللّٰہ یأمرکم أن تؤدُّوا الامٰنٰت الیٰ أھلھا واذا حکمتُم بینَ الناس أن تحکمُوا بالعَدل﴾

''اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے اہل لوگوں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔'' (سورۃ النسا،۵۸)

(۴) دنیا میں اقامت عدل وحفاظت حقوق کے لئے حدید یعنی اسلحہ کا استعمال جو حکومت آخر میں بوجہ مجبوری کرے گی یہ شرعی اصطلاح جہاد کہلائے گا۔نیز اسلامی حکومت اور اس کے عوام ان امور کی انجام وہی قرآنی اصولوں ''امر بالمعروف'' (نیکی کی تبلیغ) اور ''نہی عن المنکر (بدی کی بندش) کے ذریعہ بھی کریں گے۔یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اسلام کا مقصد دونوں جہان کی بھلائی سے ہم کنار کرنا ہے۔ فی الدنیا حسنۃً وفی الاٰخرۃ حنسنۃ۔ (سورۃ بقرہ،۲۰۱)

''یعنی دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی۔''

احتساب حقوق

ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز تمام جانور، درندے اور پرندے بھی دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کا انصاف اس حد تک ہوگا کہ اگر کسی سینگ والے جانور نے بے سینگ کے جانور کو دنیا میں مارا تھا تو آج اس کا انتقام اس سے لیا جائے گا، جب جانوروں وغیرہ کے آپس کے حقوق ومظالم کے بدلے اتارے جاچکے ہوں گے تو ان کو حکم ہوگا کہ سب مٹی ہو جاؤ اور تمام جانور پھر مٹی کا ڈھیر ہو جائیں گے، اس وقت کافر کہے گا۔ یٰلیتنی کنت ترابا، یعنی کاش

مجھے بھی مٹی بنادیا جاتا اور عذاب جہنم سے بچ جاتا۔

حق تلفی کا ازالہ

حق تلفی کا ازالہ توبہ سے ہوتا ہے۔ تکمیل توبہ کے لئے ضروری ہے کہ گذشتہ گناہ پر ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے۔ آئندہ اپنے عمل درست رکھے اور اس گناہ کا اعادہ نہ کرے۔ اگر کسی کا حق تلف کیا ہو تو اس کا حق اس کو واپس لوٹائے اور اس سے معافی مانگے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو مثلاً وہ شخص فوت ہو چکا ہے یا تلاش ممکن نہ ہو تو تدبیر یہ کہ اس شخص کے لئے اللہ سے دعائے مغفرت مانگتا رہے۔ (معارف القرآن جلد۳ صفحہ ۳۴۰)

حق خاندان و معاشرت

انسانی معاشرت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے رشتہ ازدواج سے چلا اور پھیلتا ہوا وسیع کائنات ارضی میں کروڑوں خاندانوں پر محیط ہوگیا ہے۔ قرآن مجید میں انسانی معاشرت کی توضیح کچھ اسطرح کی گئی۔

اے انسانو! تم سب کو خدا نے ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو خاندان خاندان قبیلہ قبیلہ صرف اسلئے بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (سورۃ الحجرات ۱۳)

اور اس طرح پتہ چلا کہ عائلی زندگی انسانی معاشرت کا بنیادی ادارہ ہے اور میاں بیوی اس ادارہ کے بنیادی ستون ہیں اور میاں بیوی کا اختلاط اور اجتماع ہی خاندان کو جنم دیتا ہے جو اولاد کے وجود سے پھلتا پھولتا اور پھیلتا ہے۔

خاندان معاشرے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح قطرہ قطرہ مل کر بنتا ہے اسی طرح خاندان مل کر معاشرہ کا وجود تشکیل دیتے ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اسلام نے چار وجوہ کے باعث اولاد کا پرورش و پرداخت پر زور دیا ہے۔

۱...... اللہ کی مخلوق باقی رہے۔

۲...... رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ امت کی کثرت کے باعث فخر کروں گا۔

۳......اولاد صدقہ جاریہ ہے۔

۴......بچپن میں مرجائے تو والدین کی شفاعت کرے گی۔

نسل انسانی کی بقا کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاندان کی تشکیل مرد وزن میں نکاح کے ذریعے فرمائی۔ نکاح کی ضرورت کیوں ہوئی! نکاح کا مقصد صرف آئندہ نسلوں کو دنیا میں لے جانا ہی نہیں بلکہ ان کی حفاظت اور تعلیم وتربیت بھی ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ مرد وزن جنسی اختلاط کے شوق سے ہٹ کر اس کے ثمرات کو اپنے لئے عطیہ خداوندی سمجھیں اور پیدا ہونے والے اولاد کے مالک اور وارث بن کر ان کو محبت وپیار کے ساتھ ساتھ اچھا انسان بنانے کے لئے اچھی تعلیم وتربیت دیں۔ نکاح اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے دونوں میاں بیوی کو ذمہ دار بناتا ہے اور معاشرہ اسی نکاح کے وجود سے ان کے جنسی اختلاط کو قبول کر کے اس کے ثمرات کو اپنانے کا پابند بناتا ہے۔

خاندان کی حفاظت معاشرے کی حفاظت ہے اور خاندان کا خاتمہ پورے انسانی معاشرہ کے وجود کو ختم کر کے رکھ سکتا ہے۔ انسان ایک معاشرتی فطرت کی وجہ سے معاشرے کی بقاء کا ذمہ دار ہے اور ہر انسان کو معاشرے کا معزز شہری بننے کا فطری حق ہے۔

معاشرہ ہر انسان سے مندرجہ ذیل باتوں کا تقاضہ کرتا ہے۔

۱......ہر انسان معاشرہ کا فرد بنتے ہی اس کے امن بقائے باہمی احترام باہمی اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کا عملی طور پر پابند ہو۔

۲......ہر انسان معاشرتی اقدار کا پابند رہے۔

۳......ہر انسان دوسرے انسان کے حقوق کے پورے کرنے کے لئے اپنی ذمہ داری کو پوری دیانتداری اور دل جمعی کے ساتھ پورا کرے۔

۴......ہر انسان دوسرے انسان کی دل آزاری یا دل شکنی کے امور سے اجتناب

کرے۔

۵...... ہر انسان معاشرے کے کمزور محتاج، معذور اور دست نگر طبقات کو حقارت سے نہ دیکھے بلکہ انہیں اپنا بھائی تصور کرتے ہوئے انکی مدد کرے۔

۶...... ہر انسان معاشرے کے ماحول، اخلاق اور تہذیبی اقدار کی حفاظت کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے۔

۷...... انسان مدنی الطبع ہے اس لئے انسان دوسرے انسان کے قریب سے قریب رہ جانے کی خواہش کرتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اس کے تقاضوں کو پورا کرے اور دوسرے انسان بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۸...... معاشرتی ذمہ داریاں انسان پر ایک جیسی ہیں اس لئے ہر انسان اگر اپنی ذمہ داری دیانتداری سے پوری کرتا رہے تو ہر انسان کے حقوق خود بخود پورے ہو جاتے ہیں۔

حق تعلیم وروزگار

علم ہر دور میں تہذیب وتمدن کو نکھارتا اور نشو ونما دیتا آیا ہے۔ اس لئے زیور تعلیم سے آراستہ ہونا ہر دور میں انسان کا فطری حق رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اہل علم (علماء کرام) کو انبیاء کرام کا وارث قرار دیا ہے۔ انبیاء کرام کے علم کی بنیاد تو وحی الٰہی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل رشد وہدایت کو بنی نوع انسان تک پہنچاتے ہیں۔ ان کی تربیت اور تعلیم کا بھی ذمہ خداوند قدوس خود لیتا ہے۔ لیکن ایک عام انسان کی تعلیم کا ایک حصہ تو فطرت پورا کرتی ہے جب کہ دوسرا وہ انسان کے والدین، اعزہ واقرباء اور اڑوس پڑوس کے اندر بسنے والے انسان بھائی پورا کرتے ہیں۔ کائنات میں فطرت انسان کی کیسی تعلیم کرتی ہے اس کا ذکر کچھ اس طرح قرآن مجید میں مذکور ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

''زمین وآسمان میں کتنی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔'' (سورۃ یوسف ۱۰۵)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

''اور آسمان وزمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں۔'' (سورۃ آل عمران)

کائنات کی تخلیق، روز وشب کی گردش، چاند سورج کی نورانیت، زمین وآسمان کی وسعتیں اور ان میں پنہا خزانے، سردی گرمی، دریا پہاڑ، دھوپ چھاؤں اور بارش سب قدرت کی توانائیوں کے کرشمے ہیں جن پر انسان تدبر وتفکر کر کے خدا کی ذات کا وجدان حاصل کرتا ہے اور یہی علم حقیقی ہے جو خدا کی معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔ فطری علم پر دنیا کے اندر پروان چڑھنے والے علمی ماحول غالب آجاتا ہے جس کا آنحضرت ﷺ نے اظہار اپنے اس فرمان میں کیا ہے۔

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اسکے ماں باپ اور ماحول اسے یہودی ونصرانی وغیرہ بنا دیتے ہیں۔'' انسان کی پیدائش کے بعد اس کے والدین جس علم وہنر کی تعلیم دیتے ہیں وہ اس کی دنیوی زندگی کی ضرورتوں کی کفالت کا علم ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

''باپ کا کوئی عطیہ بیٹے کیلئے اس سے بڑھ کر نہیں کہ وہ اس کی تعلیم وتربیت اچھی طرح کرے۔'' (بحوالہ ترمذی)

حضرت معاذؓ سے ایک فرمان نبوی مروی ہے جس میں والدین کے ذمہ ان کے مولود کی تعلیم وتربیت کے اس حق کی رعایت سے گفتگو کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دس باتوں کی وصیت فرمائی۔ جن میں سے چار صرف والدین سے متعلق تھیں۔

۱۔ والدین کو ہرگز ایذا نہ دینا۔

۲۔ اپنے اہل وعیال پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا۔

۳۔ اور تعلیم وادب سکھانے کی وجہ سے اپنی لاٹھی ان کی جانب سے اٹھا کر مت رکھنا۔

۴۔ اولاد کو ان کے اللہ جل شانہ (کے احکام) کے بارے میں ڈراتے رہنا۔

انسان کی تعلیم کا یہ حق انسان اپنی عقل سلیم کیساتھ پورا کرتا ہے جو حصول علم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ انسان اپنی عقل سے خود بخود بہت سی چیزیں سیکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کے گردو پیش میں ایسے مناظر پیدا کر رکھے ہیں کہ جن کے مشاہدہ سے وہ اپنے خالق کو پہچان سکتا ہے۔ اس کے علاوہ انسان میں کسی تعلیم کے ذریعہ سے علم میں اضافہ کرنے کے مواقع معاشرے میں پورے کر دیتا ہے۔ علم کا حصول ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

''علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔'' ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ (بحوالہ بخاری کتاب العلم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''خود علم سیکھو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دو۔'' اس فرمان نبوی ﷺ سے ہر معاشرے کے فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جس حد تک ہو سکے پہلے خود تعلیم حاصل کرے اور پھر اپنے قریب اور آس پاس کے لوگوں کی تعلیم کیلئے کوشش کرے۔

والدہ کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے۔ انسانی سیرت اسی مدرسہ سے دراصل بنتی سنورتی ہے۔ بچہ ماں کے ماحول سے بہت جلد اثر لیتا ہے۔ ماہر نفسیات کا اتفاق ہے کہ بہترین نسلوں کو وجود میں لانے کے لئے بہترین مائیں تیار کرو۔ اس طرح یہ ضروری بنتا ہے کہ خواتین کی تعلیم وتربیت پر اور زیادہ زور دیا جائے اس لئے کل انہیں یہ مستقبل کی نسل انسانی کی ترویج وتربیت کا اہتمام کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن

انسان اور پتھر ہوں گے۔'' (سورۃ التحریم ۶)

معلم انسانیت آنحضرت ﷺ پر کتاب انسانیت کی جو پہلی وحی اتری وہ سراسر تعلیم وارشاد کی وحی تھی اس میں ارشاد خداوندی تھا۔

''پڑھ! اس رب کے نام سے جس نے تجھے وجود بخشا۔ انسان کو جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو! اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔'' والدین کے ذمہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم وادب سکھائیں تاکہ وہ ہنر مند ہو کر روزگار دنیا میں ایک کارآمد فائدہ مند انسان ہو کر زندگی گزار سکیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ باپ کا اپنے بچہ کو کوئی ادب سکھانا ایک صالح صدقہ سے بہتر ہے۔ (صحیح مسلم)

دوسری جگہ فرمایا: ''جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو والدین اسے نماز پڑھنے کا حکم دیں اور دس برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اسے مار کر نماز پڑھائیں اور اسے الگ سلایا کریں۔ (بحوالہ ابوداؤد)

سورۃ لقمان میں حضرت انسان کو کتاب انسانیت قرآن مجید کے علم سے فیض یاب ہو کر اپنا مستقبل نیک بنانے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

''ال م یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں۔ ہدایت اور رحمت نیکو کار لوگوں کے لئے، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، آخرت پر یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ اپنے رب سے راہ راست پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں اور انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اس راستے کی دعوت کو مذاق میں اڑا دے۔ ایسے لوگوں کے لئے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ (سورۃ لقمان ا۔۶)

اسلام جس تعلیم و روزگار کے آداب سکھاتا ہے وہ انسانیت کی فلاح کے آداب ہیں۔ وہاں انسان کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں کیا جاتا بلکہ اسے معاشرے کے ہر

قریبی مرد کی فلاح وترقی کی کفالت کا درس ملتا ہے۔ مؤمن کی شان ہی یہ بتاتی ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود ان کی حاجت ہوتی ہے۔ (حشر ۹) خود کھانے کی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلا دیتے ہیں۔ (سورۃ الدھر ۸)

اسلام کی تعلیم ہے کہ اے ایمان والو! جو تم کماتے ہو اس میں کئی اچھی چیزیں ہیں جو تمہارے لئے نکالتے ہیں اس میں کچھ خدائی راہ میں دو اور خراب چیزیں دینے کا صدقہ نہ کرو جو تمہیں دی جائیں تو نہ لو بلکہ چشم پوشی کرلو اور یقین کرلو کہ اللہ بے پروا اور خوبیوں والا ہے۔" (سورۃ بقرہ ۲۶۷)

قرآن مجید نے انسان کو معاشی جانور نہیں بنایا بلکہ اسے بھلائی وخیر خواہی کا نمائندہ بنایا ہے اور یہی انسانیت ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے کام آئے اور انہی لوگوں کی تعریف میں فرمان الٰہی ہے۔

"وہ لوگ صبر کے سبب اپنا حق دہرا پائیں گے اور وہ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں اور ہمارا دیا کچھ خیرات کرتے ہیں اور جب کوئی نکمی بات سنتے ہیں تو اس سے درگزر کرلیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے کام۔ تم سلامت رہو۔ ہم کو بے سمجھ و بے علم لوگوں سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ (سورۃ القصص ۴۵،۵۵)

نظام خلافت راشدہ اور حقوق العباد

عہد خلافت راشدہ، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے آئینہ میں نظم مملکت اسلامیہ کا امین ثابت ہوا اور اس دور میں سلطنت اسلامیہ پھیلی اور انسانی اقدار اور مسائل کے حوالہ سے بڑے کڑے امتحان میں ثابت قدمی اور استقلال کی راہ اپنائی گئی۔ ذیل میں خلفائے اربعہ میں یکے بعد دیگرے ان کے عہد میں حقوق انسانی کے حوالہ سے کی گئی امتیازی باتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

عہد صدیقیؓ

رحلت پیغمبر ﷺ کے بعد جب آپ کو خلافت کی ذمہ داری کے لئے منتخب کرلیا گیا تو آپ نے جو پہلا خطبہ دیا وہ آپ کے آئندہ کے نظام حکمرانی کی پیش لفظ تھا۔ آپ نے فرمایا:

اے لوگو! مجھے تم پر اختیار دیا گیا ہے، حالانکہ میں تم میں سے بہترین انسان نہیں ہوں اگر میں حق پر رہوں تو میری حمایت کرنا اور اگر میں غلطی پر ہوں، تو مجھے حق کی راہ پر لگانا۔ حق وفاداری ہے اور جھوٹ بغاوت اور غداری ہے۔ تم میں سے جو کمزور ہیں وہ میرے لئے طاقتور ہوں گے، جب تک کہ میں ان کا حق انہیں نہ دلا دوں اور میرے لئے طاقتور اس وقت تک کمزور ہیں، جب تک کہ میں ان سے کمزور کا حق چھین نہ لوں۔ اگر کوئی قوم راہ خدا میں جہاد چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ انہیں ذلت میں مبتلا کر دے گا۔ کسی قوم میں وسیع پیمانہ پر برائی پھیلنے سے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل فرما دیتا ہے۔ میری اطاعت کرو اس وقت تک جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں ان کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت واجب نہیں۔"

☆ زکوٰۃ کا نظام مملکت اسلامیہ کے مالیاتی نظام کا اہم حصہ ہے، جہاں سے غریبوں اور ضرورت مندوں کی کفالت کی جاتی ہے۔ جب لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے تو آپ نے ان کے خلاف جہاد کیا اور انہیں زکوٰۃ دینے پر مجبور کر دیا۔

☆ آپ نے حضرت اسامہ بن زید کی کمان میں فوجوں کی شام روانگی کے فیصلے پر ثابت قدمی سے عمل کیا اور ان لوگوں کے اعتراضات کو رد کیا جو حضرت اسامہ کی قیادت پر اس لئے معترض تھے کہ آج سلطنت اسلامیہ کو اندرونی خطرات کا سامنا ہے۔ (۲) اسامہ عمر کے چھوٹے اور ایک غلام کے بیٹے ہیں، (۳) فوج کی کمان کی سربراہی کسی بڑے خاندان کے فرد کو دی جانی چاہیئے۔

☆ ہر نسل، ہر علاقے اور ہر طبقہ کے فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حکومت کی کسی بھی درجہ کی ذمہ داری شخصیت کے خلاف شکایت کرے اور شکایت کے کرنے پر کوئی خوف نہ رہے، چنانچہ اسی حوالہ سے جب سپہ سالار فوج حضرت خالد بن ولیدؓ کے خلاف شکایت درج ہوئی تو آپ نے اسے باقاعدہ سنا اور حکم دیا کہ مقتول کا خون بہا ادا کیا جائے اور ادا کر دیا گیا۔

☆ پورے عہد صدیقی میں قانون کی حکمرانی کا اہتمام رہا جو کہ بالکل انصاف اور غیر جانبداری کے اصولوں پر قائم تھی۔ بلا لحاظ مرتبہ، دولت، رنگ، نسل یا سرکاری منصب ہر ایک پر مساوی طور پر قانون کا اطلاق ہوتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کیا گیا اور ہر صوبے میں قاضی مقرر کئے گئے جو کہ عوام کی عزت و آبرو، مال اور جان کی حفاظت اور حرمت کیلئے مددگار تھیں۔ ریاست کسی شہری کی آزادی، روزگار اور دیگر حقوق میں مداخلت کا ارتکاب نہیں کر سکتی تھی۔

☆ خود خلیفہ بھی عدالت کے سامنے جوابدہ تھا۔

☆ مہاجرین امیہ صنعا کے قاضی تھے، انہی کے سامنے دو گانے والی عورتیں لائی گئیں۔ جن کے خلاف شکایت تھی کہ وہ رسول اللہ کی شان میں گالی والے گانے گاتی ہیں۔ باقاعدہ سماعت کے بعد جرم ثابت ہو گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ انکے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں، اور ان کے سامنے کے دانت اکھاڑ دیئے جائیں، بعد میں جب اس فیصلہ کی خبر حضرت ابوبکر کو پہنچی تو آپ نے اس پر کڑا احتساب کرتے ہوئے لکھا:

"آپ نے عورتوں کے بارے میں جس فیصلے کا حکم دیا ہے، اگر وہ آپ نہ دے چکے ہوتے تو میں ان کے قتل کا حکم دیتا ہوں کیونکہ پیغمبروں کی شان میں گستاخی کرنے والے عام سزا کے مستحق نہیں۔ اگر عام مسلمان یہ کرے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اگر یہ امت کے کسی فرد سے ہو، جسے مسلمانوں کی پناہ حاصل ہوتی ہو وہ باغی اور غدار قرار پاتا ہے۔ اگر میں نے تمہیں پہلے اس معاملہ میں کچھ ہدایات بھیجی ہوتیں تو تمہیں میری طرف

سے کچھ ناخوشگوار بات پہنچتی ہوتی۔ مزاج ٹھنڈا رکھو اور لوگوں کو مسخ نہ کرو کیونکہ یہ یقیناً گناہ ہے اور ناپسندیدہ فعل ہے، سوائے قانون کے تحت کی گئی کاروائی کے۔"

(بحوالہ طبری ۳۔۲۷۷)

☆ اہل حیرہ کے عیسائیوں سے جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ذمی رعایا کے حقوق کی واضح رعایت کی گئی تھی، ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم کئے جائیں گے اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جسمیں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں۔ ناقوس کی ممانعت نہ ہوگی اور تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے روکے نہ جائیں گے۔"

یہ مسلمانوں کی غیر مسلموں سے رواداری کی اہم دلیل ہے جو عہد صدیقی میں برابر ملحوظ خاطر رکھی جاتی تھیں۔

☆ جزیہ اور ٹیکس کی شرح نہایت آسان تھی اور صرف ان لوگوں پر مقرر کرنے کا حکم تھا جو اسکی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس طرح حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی دس درہم سالانہ جزیہ مقرر تھا۔ معاہدے میں شرط یہ بھی تھی کہ بوڑھا، اپاج یا مفلس ہونے کی صورت میں جزیہ سے بری کر دیا جائے گا اور بیت المال سے ان کی کفالت کی جائے گی۔

☆ خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمت گزاری سے انہیں لطف حاصل ہوتا تھا۔ عہد خلافت میں بھی آپ کی پالیسی بایں طور پر غالب تھی۔ ضعیف، بیمار اور مفلس لوگوں کی دامے درمے سخنے ظاہر اور خفی دونوں صورتوں میں مدد کرتے تھے۔

عہد فاروقیؓ

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت کو اسلامی تاریخ کا سنہرا باب مانا جاتا ہے۔ آپ کے عہد میں انسانی حقوق کے باب میں اتنے روشن واقعات رقم کئے گئے کہ انہیں

اس مختصر مضمون میں سمونا مشکل ہے، تاہم اس سلسلے میں صرف اہم پہلوؤں کو بالاختصار ذیل میں دیا جاتا ہے۔

☆ آپ کے عہد میں بھی قرآن وسنت ہی نظام حکمرانی کے بنیادی مرکز ومنبع تھے۔ نئے اور الجھن والے مسائل میں مشاورت کی جاتی۔ اس سلسلہ میں عراق کی مفتوحہ زمینوں کے حوالے سے آپ نے جو کمیٹی تشکیل دی اور اس کے سامنے اپنی طرف سے جو بیان دیا وہ حقوق کے ضمن میں بڑا بنیادی نوعیت کا معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

''آپ نے دلائل سن لئے، شاید یہ سوچتے ہوں کہ میں انہیں ان کے حق سے محروم کرنا چاہتا ہوں، میں نے مفتوحہ مال غنیمت ان میں تقسیم کر دیا ہے، تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ زمین میں کاشت کار ایک مشترکہ وقف کے طور پر ریاست کے کنٹرول میں رہیں، کاشتکار زمین میں ایک مقررہ رقم کا خراج ادا کریں اور فی کس کے حساب سے جزیہ دیں۔ خراج اور جزیہ مسلمانوں کے لئے ایک مستقل ذریعہ آمدنی بن جائے۔ فوج، بچے اور آئندہ نسلیں اس مشترکہ وقف سے مستفید ہوں ہمیں اپنی سرحدوں کی نگرانی کے لئے ایک مستقل فوج رکھنے کی ضرورت ہے۔ مختلف مفتوحہ علاقوں میں چھاؤنیاں قائم کرنی ہیں، اگر زمین اور کاشت کاران لوگوں میں تقسیم کر دیئے گئے تو پھر ان منصوبوں پر خرچ کے لئے رقم کہاں سے آئے گی۔''

کمیٹی نے فریقین کے دلائل سن کر فیصلہ دیا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی رائے درست ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان بن حنیف اور حضرت حذیفہ بن الیمان کو زمین کی پیائش پر مقرر کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ خراج وجزیہ کا تعین کریں۔

☆ حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کو قانون شرعیہ سے آگاہی کے لئے ادارے قائم کئے اور مختلف صوبوں میں ماہرین قانون کا تقرر کیا جو لوگوں کو قانون اسلامی کی تعلیم دیں۔ یہی ماہرین قانون ہی ان علاقوں میں فتویٰ دینے کے مجاز تھے اور عوام الناس میں یہ اعلان کیا گیا کہ وہ قانونی امداد کے لئے ان کی راہنمائی سے فائدہ اٹھائیں۔

☆ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں دائرہ حکومت بہت پھیل گیا تھا اور مفتوحہ علاقوں میں رومیوں اور ایرانیوں کے قائم کئے گئے قوانین کا سامنا تھا اور مختلف النسل، علاقائی اور مذہبی گروہوں سے بھی سابقہ تھا۔ آپ نے عدالتی نظام کو وسعت دی اور اسے انتظامیہ سے حسب سابق علیحدہ طور پر منظّم رکھا اور اسطرح اس دور میں جو عدالتی اصول، طریق کار اور فیصلے مرتب ہوئے وہ آئندہ فقہاء کے لئے مطالعہ کا بہت بڑا موضوع بنے۔

☆ اس دور کے عدالتی نظام کی اہم خوبیاں درج ذیل تھیں، جو حقوق انسانی کے تقاضوں کا بہت بڑا چارٹر ہیں۔

۱......انصاف بلالحاظ مرتبہ، نسل، علاقہ، فریقین کو مہیا کیا جائے۔

۲......ایک عام آدمی بھی صوبہ کے گورنر کے خلاف استغاثہ دائر کرنے کا مجاز ہے۔ ۳......عدالت مدینہ کے دروازے خلافت کے تمام شہریوں کے لئے ہر وقت اور بلاخرچ کھلے رہتے۔

۴......شکایات موصول ہونے پر تفتیش ہوتی، بظاہر شہادت پر فرد جرم عائد ہوتی اور پھر ملزم کی جوابدہی کے بعد فیصلہ کیا جاتا۔

۵......دوران شکایت اگر ملزم کوئی اہم عہدہ پر ہوتا اور اس کا فیصلہ پر اثر انداز ہونے کا امکان ہوتا تو اسے معزول کر دیا جاتا۔

۶......ملزم کو اپنی صفائی کا پورا پورا موقع دیا جاتا۔ حالات و تنقیحات اٹھانے کا اسے پورا پورا حق تھا۔

۷......شکایت کندہ اصل حالات بیان کرنے اور مدد دینے کیلئے ہر خوف سے مبرا اور آزاد ہوتے۔

۸......دوران جرح ملزم جواب دینے کے لئے پابند ہوتے۔

۹......فیصلہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہوتا۔ دیگر مذاہب کے نجی معاملات میں

ان کی رو سے فیصلے کیے جاتے۔

☆ ماہرین قانون کو ملزم یا مدعی کی طرف سے عدالت کی مدد کے طور پر پیش ہونے کی اجازت تھی۔

☆ ہر سال حج کے موقع پر سالانہ عدالت عام لگتی، جس میں ہر صوبے کا گورنر پیش ہوتا اور اپنے بارے میں لگائے گئے الزامات کا جواب دیتا۔ ایک موقع پر آپ نے لوگوں کو فرمایا:

''اے لوگو! میں نے تم پر اپنے گورنر اس لئے مقرر نہیں کئے کہ وہ تمہارے طمانچے لگائیں، تمہاری عزت پر دھبے لگائیں اور تمہارے اموال خورد برد کریں۔ میں نے انہیں اس لئے مقرر کیا ہے کہ وہ تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور سنت رسول ﷺ کی تعلیم دیں۔ ان میں اگر کوئی اس سے تجاوز کرے تو مظلوم اس کی زیادتی کی شکایت کرے، میں اس کی دادرسی کروں گا۔

☆ خلافت نے لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق کی حفاظت کے لئے معاون اور سرپرست ادارے کے طور پر کام کیا جس سے بہت سے مظلوم طبقات دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

☆ یروشلم کے عیسائیوں سے جو آپ نے معاہدہ کیا وہ انسانی حقوق کی ضمانت کا بہت بڑا ثبوت تھا۔ اس میں یہ درج تھا:

''یہ ایک دستاویز امن ہے جو اللہ کے خادم عمر امیر المومنین نے ایلیا کے لوگوں کے لئے منظور کی۔ وہ انہیں جان، مال، گرجا، صلیب، بیمار و صحت مند اور ہر مذہبی فرقہ کو امان دیتے ہیں۔ انکے گرجے قبضہ میں نہ لئے جائیں گے اور نہ ہی انہیں منہدم کیا جائے گا۔ وہ کم نہیں کئے جائیں گے اور نہ اس کی وسعت کو کم کیا جائیگا۔ ان کی صلیبوں اور کوئی دوسری چیز ان کی جائیداد کم کی جائے گی۔ مذہب کے معاملہ میں ان پر کوئی زبردستی نہ ہوگی۔ ان میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ کوئی یہودی اہل ایلیا کے ساتھ نہیں رہے

گا۔ اہل ایلیا اسی طرح جزیہ ادا کریں گے جس طرح دوسرے شہروں کے لوگ کرتے ہیں۔ وہ ایلیا سے رومیوں اور بت پرستوں کو نکال دیں گے۔ ان میں سے جو چلے جائیں گے، ان کی جان و مال اس وقت تک محفوظ رہیں گے جب تک وہ اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچتے۔ اور ان میں جو ٹھہرے ہوں گے وہ امن میں ہوں گے۔ وہ اہل ایلیا کی طرح جزیہ دیں گے۔ اہل ایلیا میں سے جو لوگ اپنے جان و مال کے ساتھ رومیوں کے ساتھ جائیں گے اور اپنے گرجے اور صلیبیں خالی کر دیں گے، وہ اپنے جان و مال، گرجوں اور صلیبوں کے ساتھ اس وقت تک محفوظ رہیں گے، جب تک وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچیں۔ غیر ملکیوں میں سے جو ایلیا میں کوئی قتل کئے بغیر رہ رہے ہیں اگر رہنا چاہیں تو اہل ایلیا کی طرح جزیہ ادا کریں گے۔ جو ایسا کرنا چاہیں وہ رومیوں کیساتھ جا سکتے ہیں۔ جو اپنی قوم میں واپس جانا چاہے ان سے اس وقت تک کچھ نہیں لیا جائے گا جب تک ان کی فصلیں کاٹی جائیں۔ اس معاہدے کے مندرجات پر اللہ، اس کے رسول، ان کے جانشینوں اور تمام مؤمنین کی ضمانت ہے۔ جب تک وہ جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔"

☆ شہر بسوس کی عیسائی آبادی سرحد کی دوسری جانب اپنے ہم مذہبوں کیلئے مخبری میں ملوث پائی گئی۔ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی تھی۔ بے وفائی کی اطلاع مدینہ دی گئی۔ معاملہ سزائے موت کا مستوجب تھا لیکن حضرت عمر فاروق ؓ نے نرمی کا سلوک کرنے کا کہا اور یہ اس لئے کہ وہ محض ذمی تھے۔ آپ نے امیر کو حکم دیا کہ ان کی جائیداد اور املاک زمین، مویشی اور اموال کی ایک فہرست تیار کرو ہر چیز کی دگنی قیمت انہیں دے دو اور انہیں کسی دوسری جگہ ہجرت کرنے کا حکم دے دو۔ اگر وہ اس پر رضامند نہ ہوں تو انہیں سال کی مہلت دو اور پھر جلا وطن کر دو۔ انہوں نے تنبیہ پر عمل نہیں کیا۔ چنانچہ انہیں جلا وطن کر دیا گیا۔

☆ آپ نے حکم دیا کہ صدقات میں سے یہودی، عیسائی اور دوسرے مذاہب کے غریبوں کو وظیفہ دیا کرو۔

☆ آپ نے ایک عیسائی بھکاری کو جزیہ معاف کر دیا۔ جس نے بتایا کہ جزیہ ادا کر کے دیگر ضروریات زندگی کیلئے بڑھاپے کے باعث بھیک مانگنے پر مجبور ہوں، جس پر آپ نے فرمایا کہ اس آدمی کو دیکھو اور اس جیسے دوسرُں کو، بخدا ہم نے ان سے انصاف نہیں کیا، ہم نے اس کی جوانی کھالی، بڑھاپے میں اسے ذلیل کیا۔

☆ حضرت عمر فاروقؓ نے جب خلافت سنبھالی تو ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی رائے کے اعلانیہ اظہار کا پورا پورا موقع فراہم کیا۔ ہر شخص آزادی سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا۔ آپ اکثر فرماتے۔

"مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے، جس طرح یتیم کے مال میں اسکے مربی کا ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو اندازہ سے کھانے کے لئے لوں گا۔ لوگو! میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کو تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہئے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے۔ ایک یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔"

☆ حکام پر نکتہ چینی کی عام آزادی حاصل تھی۔ معمولی سے معمولی آدمی خود خلیفہ پر اعتراض کرنے سے نہ چوکتے۔ ایک شخص نے ایک موقع پر کئی بار کہا۔ اے عمر! خدا کا خوف کرو۔ اے عمر خدا کا خوف کرو۔ ایک شخص نے بڑھ کر اسے روکنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: نہیں کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ مانیں۔" یہ آزادی مردوں کو ہی نہیں بلکہ عورتوں کو بھی حاصل تھی۔

رفاہ عام کے لئے سڑکیں، پل، نہریں، مسجدیں، گرجے اور مہمان و مسافر خانے بنوائے۔ نئے شہر اور نئی آبادیاں تعمیر کروائیں۔

☆ مدینہ میں جب قحط پڑا تو اس مصیبت کو کم کرنے کیلئے بڑے سرگرم رہے۔ لوگوں کی بھوک اور افلاس پر بڑے رنجیدہ ہوتے۔ ہر مسلمان کیلئے فی ماہ دو مد گیہوں اور

دو قسط سر کہ مقرر کیا۔ باہر کے صوبوں سے غلہ منگوا کر تقسیم کیا۔ لاوارث بچوں کو دودھ پلانے اور پرورش و پرداخت کا انتظام کیا۔ غرباء و مساکین کے روزینے مقرر کر دیئے۔ اس کا جب آپ نے اعلان کیا تو ایک شخص نے پوچھا۔ کیا غلام کیلئے بھی ہے، تو آپ نے فرمایا، ہاں غلام کیلئے بھی، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ لوگوں میں اس سے مفت خوری نے جنم لیا ہوگا۔ درحقیقت یہ روزینے انہی لوگوں کیلئے تھے جو یا تو قومی خدمت کے لائق تھے یا ضعف کے باعث کسب معاش سے معذور تھے۔

☆ اپنے کنبے کیلئے بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے اور نہایت تکلیف و عسرت کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ آپ نے زہد، قناعت اور خودداری کی جو مثالیں چھوڑیں، دنیا کی تاریخ اس کا ثانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

☆ ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے ایک شخص نے کہا: امیر المؤمنین! یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا۔ آپ فوراً بولے، مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے جو شخص مسلمانوں کا والی ہے، وہ ان کا غلام بھی ہے۔"

☆ اپنی غیر معمولی مصروفیات کے باوجود بیکس، اپاہج، اور مجبور و معذور افراد کی خدمت کے لئے ضرور وقت نکالتے، مدینہ کے اکثر نابینا اشخاص اور ضعیف اشخاص آپ کی خدمت گزاری سے مستفید ہو رہے تھے اور اکثر کو یہ پتہ بھی نہ تھا کہ ان کی خدمت کرنے والا امیر المؤمنین عمر فاروق ہے۔"

☆ عہد فاروق میں شاہ و گدا، امیر و غریب، مفلس و مالدار سب کو ایک جیسے حقوق حاصل تھے، کسی کو کوئی ترجیح یا امتیاز حاصل نہ تھا۔

☆ حضرت ابوموسیٰ الاشعری بصرہ کے قاضی تھے تو انہیں ایک خط بھیجا، جس میں وہ ہدایات دیں جنہیں حقوق انسانی کے حوالے سے زریں ہدایت نامہ کہا جاسکتا ہے۔ آپ نے لکھا:

"قضا محکم فرض الٰہی اور قابل اتباع سنت رسول ﷺ ہے۔ اگر کوئی دعویٰ تمہارے

سامنے پیش ہو تو اس کا فیصلہ پورے غور و خوض کے بعد کرو اور اسے نافذ کرو کیونکہ صحیح فیصلہ کا اعلان بغیر اس کے نفاذ کے بے سود ہے۔ اپنی عدالت اور مجلس میں لوگوں سے یکساں برتاؤ کرو تا کہ اعلیٰ نسب والا کم سے ناانصافی کی توقع نہ کرے اور کمزور تمہارے ظلم سے خوف زدہ نہ ہو۔ بار ثبوت مدعی پر ہے اور منکر پر قسم ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے، بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہو جائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج پورے مقدمے پر غور کر لو، بدایداور رشد کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو کیونکہ انصاف ندیم ہے اور حق کی طرف مراجعت باطل پر اصرار سے بہتر ہے۔

جن معاملات میں شبہ ہو اور قرآن وسنت نبوی ﷺ میں حکم نہ پاؤ تو ان پر بار بار غور کرو۔ ان کی مثال اور اشباہ پہچانو اور قیاس سے کام لو، اس پر اعتماد کرو جو تمہاری نظر میں اللہ کو پسندیدہ اور حق کے مشابہ ہو۔ حق مدعی التوا میں رکھو یا مقررہ میعاد میں ثبوت طلب کرو، اگر وہ ثبوت پیش کرے تو اس کا حق دو، ورنہ اس کے خلاف فیصلہ دو کیونکہ شبہ دور کرنے کا یہ بہتر طریقہ ہے۔ اندھیروں کو چھانٹو اور عذر طلب کرو۔

تمام مسلمان باہم عدل میں سوائے مجلود فی الحد کے یا مجرب جھوٹے گواہ کے یا سرپرستی یا قرابت میں مشکوک کے اللہ کو تمہارے دلی بھیدوں سے تعلق ہے اور ثبوت اور قسم پر سزا موقوف رکھتا ہے۔ فریقین کی موجودگی میں عدالت میں بے چینی، برہمی، جھنجلاہٹ اور تکبر سے احتراز کرو۔ اس کا اجر اللہ پر واجب ہے۔ یہ بموجب اجر الٰہی اور انعام آخرت ہے۔

جو اپنے اور اللہ کے مابین معاملات میں مخلص ہو، خواہ وہ اس کے اپنے ہی خلاف ہو اللہ اسے ان معاملات میں کافی ہوگا۔ جو اسکے اور لوگوں کے مابین ہیں جو لوگوں سے بناوٹ کرے جبکہ اس کے مخالف اللہ اصلیت جانتا ہے تو وہ راز فاش اور فعل آشکار کر دے گا۔ تم اللہ کے ثواب کے متعلق کیا سوچتے ہو جو وہ یہاں رزق اور آخرت میں اپنی رحمت کے خزانے دیتا ہے۔" (بحوالہ کنز العمال جلد سوم)

عہد عثمانیؓ

حضرت عثمانؓ کی بارہ سالہ خلافت کا نصف اول نہایت پر سکون رہا۔ فتوحات کی کثرت کے سبب مال غنیمت اور محاصل میں بے شمار اضافہ ہوا۔ تجارت اور زراعت کو ترقی ملی، جسکے نتیجے میں معاشرہ خوشحال اور عیش و تنعم کا شکار ہو گیا۔ مفتوحہ اقوام کے افراد نے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے پرانی چشمک، عربی عجمی کشمکش اور یہودیوں اور مجوسیوں کی در پردہ وہ دشمنی بے بغاوتوں کے جراثیم پیدا کر دیئے۔ حضرت عثمانؓ کی فطری نرم دلی، بردباری اور تحمل نے سازشی عناصر اور آمادہ بر فساد لوگوں کو کھل کر کھیلنے کا موقع فراہم کر دیا۔ نفرت اور بغاوت کی اس آگ کے مرکز کوفہ، بصرہ اور مصر تھے۔ عمال کے خلاف افترا پردازی اور دروغ گوئی کو دور دراز کے علاقوں کے اندر وسیع سطح پر پھیلا دیا گیا، جس پر ایک فتنہ الکبریٰ کو ابھرنے کا موقع ملا۔ حالانکہ یہ سب کچھ چند مہمل اور جزوی اختلافات کے سوا کچھ نہ تھا۔ بایں ہمہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں عوام الناس کی خیر و خوبی، مسائل و مشکلات سے آگاہی اور مناسب ازالے کا مکمل اہتمام رکھا، جس کی وجہ سے چند شورش پسند عناصر کی مذموم کارروائیوں کی باوجود تمام سلطنت میں امن وامان اور انصاف کا دور دورہ تھا۔ ذیل میں آپ کی انسانی حرمت، حقوق انسانی کی اہمیت اور عوام الناس کے فوز فلاح کے حوالہ سے حکمت عملی کا نجومی اندازہ لگانے کے لئے چند اہم اقدام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ ابتدائی چھ سال میں آپ نے لوگوں پر انعام واکرام کی بارش کر دی اور لوگوں کو سزا دینے میں بھی جلدی سے کام نہ لیتے لیکن چھ سال کے بعد آپ نے چند قریبی رشتہ داروں کو گورنر بنایا تو آپ کے خلاف شورش پسند نے بغاوت و سرکشی کی صورت کھڑی کر دی لیکن آپ نے ان کے خلاف پھر بھی تحمل و بردباری سے کام لیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے شام واپس جاتے ہوئے جب آپ پر حملہ ہونے کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے

کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں تو آپ نے فرمایا:

''میں رسول اللہ ﷺ کا قرب اور ہمسائیگی کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر چہ اس میں میری گردن کاٹ دی جائے۔''

حضرت امیر معاویہ کہنے لگے: ''میں اہل شام کا ایک لشکر آپ کی حفاظت کے لئے بھیج دوں۔'' حضرت عثمانؓ نے فرمایا: میں مدینہ میں لشکر رکھ کر حضور ﷺ کے ہمسایوں یعنی اہل مدینہ کے رزق میں کمی کر دوں اور دار الہجرت والنصرت (مدینہ طیبہ) کے رہنے والوں کو تنگ کروں؟ (یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا)

حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا: امیر المؤمنین! پھر آپ کے ساتھ ضرور دھوکہ کیا جائے گا اور آپ سے ضرور لڑائی کی جائے گی۔''

حضرت عثمانؓ نے کہا: ''میرا اللہ ہی میرے لئے کافی ہے اور وہی سب سے بڑا کارساز ہے۔''

☆ ثمامہ بن حزن القشیری سے روایت ہے کہ محاصرہ کے روز میں گھر پر موجود تھا جب حضرت عثمانؓ چھت پر چڑھ کر لوگوں کے سامنے آئے اور فرمایا:

''میں تمہیں اللہ اور دین اسلام کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ میں چاہ رومہ کے سوا میٹھا پانی کہیں نہ تھا جس کو آنحضرت ﷺ کی تعلیم پر میں نے اہل مدینہ کیلئے خرید کر وقف کر دیا۔ اور آج تم مجھے اس کنوئیں کا پانی پینے سے منع کرتے ہو اور میں مجبوراً کھارا پانی پیتا ہوں۔ میں تمہیں اللہ اور دین اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ مسجد نبوی ﷺ نمازیوں کیلئے جب تنگ ہو گئی تھی تو رسول اللہ ﷺ کی تحریک پر میں نے لوگوں سے ان کے گھروں کی زمین بھاری داموں خرید کر اس میں توسیع کروادی تھی اور آج تم لوگ مجھے اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے منع کرتے ہو۔''

☆ حضرت حماد فرماتے ہیں کہ چالیس دن سے زائد حضرت عثمان کا محاصرہ

قائم رہا مگر اتنی طویل مدت میں کوئی لفظ آپ کی زبان سے ایسا نہ نکلا جس سے کوئی بے حوصلگی یا کم ہمتی کا شائبہ بھی ہوتا۔ محاصرے کی شدت کا یہ عالم تھا کہ کھانا ملتا تھا نہ پانی، مگر صبر وشکیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پایا۔ گھر میں سینکڑوں جانثار موجود تھے، جن میں اکثریت اکابر صحابہ مہاجرین وانصار کی تھی، مگر آپ نے امت میں افتراق و خونریزی کے خوف سے سب کو سختی کیساتھ غنڈوں کا مقابلہ کرنے سے روک دیا اور خود جام شہادت نوش کر گئے۔ اس صبر وشکیب، ضبط وتحمل اور مظلومیت کی مثال تاریخ انسانی میں کم ہی ملے گی۔

☆ جب خلافت کا منصب سنبھالا تو لوگوں سے فرمایا:

''میرے نازک کندھوں پر یہ بار گراں ڈال دیا گیا ہے اور میں نے قبول کرلیا ہے۔ سن لیں! میں کتاب وسنت کی اتباع کرنے والا آدمی ہوں۔ میں اپنی طرف سے بدعت وایجاد کرنے والا نہیں ہوں۔ سن لیں! کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے بعد تمہارے مجھ پر تین حق ہیں۔

(۱) حضرات شیخینؓ کی اتباع (۲) جن امور پر امت کا اجماع ہو جائے اور اہل خیر کی سنت پر عمل پیرا ہونا۔ (۳) اپنے آپ کو تم سے روکے رکھنا سوائے ان امور کو جن کو تم خود واجب کرلو۔''

سن لو! بلاشبہ دنیا ایک ''سبز باغ'' ہے۔ جو لوگوں کے دلوں کو لبھاتی ہے اور اس کی طرف سے بہت سے لوگ جھک جاتے ہیں۔ پس تم دنیا سے دل نہ لگاؤ اور نہ ہی اسے مضبوط پکڑو یہ مضبوط ومحکم نہیں ہے۔ جان لو کہ دنیا کسی کو نہیں چھوڑتی، سوائے اس کے جو اس کو چھوڑ دے۔''

☆ دولت وثروت اور مال جائیداد کے حوالے سے عرب میں آپ کے مقابلے میں کوئی شخص نہ تھا مگر جب خلافت کا بار گراں سر پر آیا تو آمدنی کے ذرائع مسدود ومحدود ہو گئے۔ جب کہ فیاضی وسخاوت اور صلہ رحمی کیلئے دریادلی سے خرچ کئی گنا زیادہ ہو گیا۔

چنانچہ آپ فرماتے تھے۔

جس وقت میں نے منصب خلافت سنبھالا تھا تو پورے عرب میں اونٹوں اور بکریوں کا سب سے زیادہ مالک تھا اور آج میرے پاس ایک بکری اور ایک اونٹ بھی نہیں، سوائے ان دو اونٹوں کے جو حج کیلئے ہیں۔

☆ حضرت عمرو بن العاص والی مصر نے اسکندریہ کی بغاوت کو فرو کرنے کے دوران جب ذمیوں کے ساتھ نا منصفانہ سلوک کیا تو آپ نے انہیں فوراً معزول کر دیا۔

☆ آپ نے جن نوعمر نوجوان کو گورنر لگایا ان کی فتوحات کی وسعت ان کی انتظامی اور سیاسی وفوجی تجربہ کاری کی غماز ہے۔ جن کی اجمالی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱...... ولید بن عقبہ حضرت عمرؓ کے دور میں جزیرہ کے گورنر رہ چکے تھے۔

۲...... سعید بن العاص نے طبرستان میں آرمینیہ فتح کیا۔

۳...... عبداللہ بن ابی السرح نے طرابلس اور قبرص کو زیر نگیں کیا۔

۴...... عبداللہ بن عامر نے کابل ہرات، بجستان اور نیشاپور کو زیر نگیں کیا۔

حضرت عثمانؓ نے ان جوانوں کو بلا صلاحیت دیکھتے ہوئے ذمہ داری پر لگایا لیکن آپ کی نرم دلی کی وجہ سے باغی گروہ نے اس کو فساد کا پیش خیمہ بنادیا۔ حضرت عثمانؓ نے اسی کے جواب میں فرمایا:

"لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ میں میں اپنے خاندان والوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف کبھی مائل نہیں کیا ہے، بلکہ میں صرف ان کی واجبی حقوق ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح میری ساری فیاضی میرے اپنے ہی مال تک محدود ہے۔ مسلمانوں کا مال نہ اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کیلئے۔ میں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق وعمرؓ کے عہد میں بھی اپنے مال سے گراں قدر عطئے دیا کرتا تھا حالانکہ میں اس زمانے میں بخیل وحریص تھا اور اب جب کہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں، زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا سارا سرمایہ اپنے اہل

وعیال کے سپرد کردیا ہے تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے کسی شہر پر کوئی خراج کا کوئی بار ایسا نہیں ڈالا ہے کہ اس قسم کا الزام دینا جائز ہو۔ اور جو کچھ وصول ہوا وہ انہی لوگوں کے رفاہ و بہبود پر صرف ہوا۔ میرے پاس صرف خمس آتا ہے اس میں سے بھی میرے لئے کچھ لینا جائز نہیں۔ مسلمانوں نے اس کو میرے مشورے کے بغیر مستحقین میں صرف کیا۔ خدا کے مال میں ایک پیسے کا بھی تصرف نہیں کیا جاتا۔ میں اس سے کچھ نہیں لیتا ہوں۔ یہاں تک کہ کھاتا بھی ہوں تو اپنے مال سے۔"

☆ حضرت عثمانؓ کی عمال کو جو ہدایات تھیں وہ سراسر حقوق انسانی اور رفاہ عامہ پر محیط تھیں۔ مثلاً ایک مکتوب میں لکھا:

"واضح ہو کہ خدا نے حکام اعلیٰ کو اس بات کی تاکید کی ہے کہ رعایا کی دیکھ بھال کریں اور اس بات کی تاکید نہیں کہ رعایا سے ٹیکس وصول کریں۔ مسلمانوں کے اولین حاکم رعایا کے خادم تھے۔ محصل ٹیکس نہ تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے حکام اعلیٰ خدمت رعایا کے اصل منصب سے ہٹ کر ٹیکس اور خراج وصول کرنے کی تگ و دو میں لگ گئے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو حیا، ایمانداری اور ایفائے عہد سب رخصت ہو جائیں گے۔ یاد رکھئے، سب سے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کے مفاد اور معاملات سے دلچسپی لیں۔ اسلام کے دیئے ہوئے حقوق سے رعایا کو بہرہ کریں اور اسلام کے جو حقوق ان پر ہیں وہ ان سے وصول کریں۔ مسلمانوں کے بعد ذمیوں کے معاملات ومفادات سے آپ کو گہری دلچسپی ہونی چاہئے۔ آپ کے ذمہ ان کے جو حقوق ہیں، وہ ان کو دیجئے اور ان کے ذمے آپ کے جو حقوق ہیں وہ ان سے لیجئے۔ ذمیوں کے بعد دشمنوں سے آپ کا طرز عمل درست ہونا چاہئے۔ ایمانداری اور وفائے عہد کے ذریعے ان پر فتح حاصل کیجئے۔

☆ خراج پر مامور افسران کو آپ کی ہدایت تھیں۔

"واضح ہو کہ خدا نے مخلوق کو حق وانصاف کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے وہ بس

حق وانصاف ہی قبول کرسکتا ہے۔لہٰذا جب آپ خراج وصول کریں تو حق وانصاف سے کام لیں اور جب دوسروں کے حقوق ادا کریں تو حق وانصاف سے ادا کریں۔میری طرف سے دیانتداری کی سخت تاکید کی جاتی ہے اور اسی پر ثابت قدمی سے رہیں۔ایسا نہ ہو کہ دیانت کا دامن سب سے پہلے آپ ہی کے ہاتھ سے چھوٹے اور اگلی نسل کے بددیانتوں میں آپ کو بھی شریک کیا جائے۔امانت ودیانت کے ساتھ ضروری ہے کہ آپ عہد وپیان پر بھی قائم رہیں۔کسی یتیم کا حق نہ ماریں اور نہ کسی معاہد کے ساتھ زیادتی کریں۔کیونکہ ان کے ساتھ زیادتی کرنے والے سے مواخذہ خود خدا کرے گا۔''

۲۷ھ میں جب نجرانیوں کا ایک وفد آپ کے پاس شکایت لے کر آیا تو آپ نے والی کوفہ کو خط لکھا اور سختی سے ان کے ساتھ بہتر معاملہ کرنے کا حکم دیا۔خط کی عبارت ملاحظہ ہو۔جو آپ کی ذمیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے بہتر سلوک کی غماز ہے۔ آپ نے لکھا۔

''میں اس معبود کا شکر گزار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،واضح ہو کہ اسقف عاقب اور نجرانیوں کے اکابرین، جو اس وقت عراق میں مقیم ہیں مجھ سے ملے ہیں۔اور انہوں نے اپنی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔اور مجھے حضرت عمرؓ کی وہ تحریر بھی دکھائی ہے جس میں انہوں نے یمن میں متروکہ اراضی کے عوض نجرانیوں کو عراق اور شام میں اراضی دینے کا حکم دیا تھا۔تم اس بدعنوانی سے بھی واقف ہو جو مسلمانوں کی طرف سے ان کے ساتھ ہوگئی۔ان سب باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے ان کے جزیے میں تیس حلے (چھ سو روپیہ سالانہ) کی تخفیف کردی ہے اور میں سفارش کرتا ہوں کہ ان کو وہ سب اراضی دے دی جائے جو حضرت عمرؓ نے ان کو عراق میں دلوائی تھی۔اس کے علاوہ لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دو کہ ان کیساتھ ہمدردی سے پیش آئیں کیونکہ یہ ذمی ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کا ہم نے ذمہ لیا ہے۔''

☆ایک خطبے میں فرمایا''لوگو! میں تمہاری شکایتیں دور کرتا رہا ہوں۔

میں تمہیں مطمئن اور خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق عمل کروں گا۔ میرا طرز عمل ستودہ اور سلوک اچھا ہوگا۔ جس گورنر کو تم ناپسند کرو گے اس کو معزول کردوں گا اور جس کو چاہو گے گورنر بنادوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آئندہ میری روش ویسی ہی ہوگی جیسی شیخین ؓ کی تھی اور میں مقدور بھران کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ یہ بات تم کو نہ بھولنا ہوگی کہ انسان غلطیاں کرتا ہے اور میرے گورنر بھی غلطیوں سے مبرا نہیں۔ اس تحریر کے ذریعے میں خدا اور سارے مسلمانوں سے معذرت کرتا ہوں کہ۔ تم کو جو باتیں ناپسند تھیں یا ہیں وہ بخدا میں چھوڑ دوں گا اور کوئی ایسی بات نہ کروں گا جو تم کو ناگوار ہوگی۔ خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میرے اور تمہارے قصور معاف کردیگا۔''

اس خطبہ اور تحریر سے عوام دوستی اور عوامی قیادت کا جذبہ ترحم پوری طرح جھلک رہا ہے جو آج تمہاری جمہوریت میں بمشکل نظر آئے گا۔

عہدی علوی ؓ

حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد ایک گروہ حضرت علی ؓ کے خدمت میں پیش ہوا اور ان سے درخواست کی، کہ وہ خلیفہ کے طور پر ان کی بیعت قبول کرلیں، مگر حضرت علی ؓ نہ مانے لیکن جب مہاجرین وانصار کے جید زعما نے مجبور کیا تو آپ نے خلیفہ بننا قبول کرلیا۔ آپ نے فوراً وہ عمال بدل دیئے جن کے بارے میں لوگوں میں اضطراب پایا جاتا تھا۔ آپ نے حالات کی اصلاح کیلئے لوگوں کو اعتماد میں لینے کے لئے وفود روانہ کیئے اور جہاں پر کسی شرانگیزی کا کوئی خطرہ تھا وہاں پر حسب ضرورت قوت کا مظاہرہ بھی کیا۔ لیکن شرپسندوں نے مسلمانوں میں جو اختلافات کی آگ بھڑکائی تھی وہ برابر بڑھتی گئی۔ جنگ جمل وصفین ہوئی اور فریقین کے بہت سے جوان اور سرکردہ لوگ شہید ہوئے۔ حضرت علی ؓ کو غلبہ تو حاصل ہوگیا مگر انتشار کی آگ کبھی نہ بجھ پائی۔

☆......حضرت امیر معاویہ ان دنوں شام کے گورنر تھے۔ وہ حضرت عثمانؓ کے قریبی عزیزوں میں سے تھے، انہوں نے قاتلین عثمان کی گرفتاری اور سزا میں تساہل کو مسئلہ بنا کر حضرت علیؓ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور اس اختلافات کی خلیج اور بڑھ گئی اور یہ سلسلہ اختلافات پورے عہد علوی پر محیط رہا۔ باہمی انتشار اور قتال نے عالم اسلام کے مفاد کو بڑا نقصان پہنچایا اور آج تک یہی اختلافات امت مسلمہ کو تقسیم کئے آ رہا ہے۔

☆حضرت علیؓ نے با ایں ہمہ صورتحال کے اپنے عہد خلافت میں جس نظام حکمرانی کو اختیار کیا اس میں انصاف، احترام اور عام آدمی کے ادنیٰ مفاد تک ملحوظ رکھا اور اس طرح حقوق انسانی یعنی رعایا کے مفاد کو کبھی مجروع نہ ہونے دیا۔ ذیل میں چند واقعات بطور یادداشت ذکر کئے جاتے ہیں۔

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ جب بازار سے گزرتے تھے تو بھولے بھٹکے کو راستہ بتاتے، بوجھ اٹھانے والوں کی مدد کرتے اور اگر کسی کی کوئی چیز گر جاتی تو اسے اٹھا کر دیتے خواہ وہ جوتی کا تسمہ ہی کیوں نہ ہو۔

☆ایک بار بازار سے کچھ کھجوریں خریدیں تو باندھ کر اپنے کندھے پر رکھ کر چل دیئے۔ راستے میں ایک شخص نے روکا اور عرض کیا امیر المؤمنین! یہ بوجھ میرے سر پر رکھ دیجئے۔ آپ نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ بوجھ بچوں کے باپ کو ہی اٹھانا پڑے گا۔

☆عہد علوی میں زکوٰۃ مسلمانوں کی ہر قسم کی جائیداد پر وصول کی جاتی تھی اور اس کو غرباء، مساکین، مسافروں اور مجاہدین کی کفالت پر صرف کیا جاتا تھا۔ ناداروں کے قرضے ادا کئے جاتے اور غلاموں کو بیت المال سے ادائیگی کر کے انہیں آزادی دلائی جاتی۔ تالیف قلب کے لئے بیت المال سے امداد کی جاتی۔ زکوٰۃ اور محاصل کے جمع کرنے پر مامور لوگوں کا کڑا احتساب کیا جاتا اور انہیں آپ نے جو ہدایت دی ہوئی تھیں وہ احترام انسانیت اور بددیانتی کے خاتمے کی بہت بڑی ضمانت دیتی تھی۔

''اللہ وحدہٗ لاشریک کے تقویٰ کے ساتھ اپنے کام پر روانہ ہونا۔ خبردار کسی مسلمان کو خوفزدہ نہ کرنا۔ خبردار! کسی مسلمان کی طرف سے اس حال میں نہ گزرنا کہ تمہیں وہ ناپسند کرنے لگے۔ خدا کے مقرر کئے ہوئے حق سے زیادہ کچھ نہ لینا۔ جب کسی علاقے میں پہنچو تو آبادی کے باہر کنوئیں پر اترنا کسی کے گھر میں نہ اترنا اور پھر سکون اور وقار کے ساتھ آبادی میں جانا۔ لوگوں کو سلام کرنا اور اگر وہ صاحب سلامت کریں تو پریشان نہ ہونا اور انہیں بتانا کہ آپ کو خلیفہ نے بھیجا ہے کہ تمہارے مال سے خدا کا حق وصول کریں۔ آپ بتائیں کہ کیا خدا کا کوئی حق تمہارے مال میں واجب الادا ہے۔ جسے خلیفہ کے سپرد کیا جائے۔ اگر وہ انکار کریں تو حجت نہ کریں اور اگر ہاں کہیں تو اس کے ساتھ جائیں۔ کسی کو ڈرانا یا دھمکانا نہیں بلکہ جو کچھ پیش کرے لے لینا۔''

☆ حضرت علیؓ جب خلیفہ بنے تو بیت المال میں زیادہ آمدنی نہ تھی۔ مصر اور شام جو زرخیز تھے اور کثیر آمدنی کا ذریعہ تھے اب وہ حضرت معاویہ کی عملداری میں تھے اور اس پر خانہ جنگیوں نے مالی حالات مزید خراب کر دیئے لیکن اس کے باوجود آپ نے مالی وصولیوں کے لئے جبر نہ کیا اور مستحقین کی ضروریات سے پہلو تہی نہ کی اور کبھی غیر مستحق کو ترجیح نہ دی۔ حضرت عقیلؓ آپ کے بھائی تھے ایک دفعہ انہوں نے بیت المال سے اپنی ضروریات کی کفالت کیلئے بھاری مالی امداد کا تقاضہ کیا جس پر آپ نے فرمایا آپ بازار جائیں اور دونوں کے قفل توڑ کر جو ملے لے لو۔ اس پر حضرت عقیلؓ فرمانے لگے آپ مجھ سے چوریاں کروانا چاہتے ہیں؟'' جواباً حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ مجھ سے مسلمانوں کے اجتماعی مال سے بھاری رقم بلا جواز چوری اور خیانت نہیں کروانا چاہتے چنانچہ وہ ناراض ہو کر چلے گئے لیکن آپ نے غلط کام نہیں کیا۔

☆ شیر خوار بچوں کے لئے آپ نے بیت المال سے تنخواہ مقرر کر دی تھی اور اس طرح کسی گھر میں نومولود کی پرورش و پرداخت کے حوالے سے کوئی بوجھ نہیں پڑتا تھا۔

☆ زیاد کے نام جو کہ مصر کے گورنر تھے آپ نے لکھا۔

''قسم کھاتا ہوں، سچی قسم کہ مسلمانوں کے معاملے میں تیری ذرا سی بھی خیانت سن لوں گا تو اسی شدت سے پیش آؤں گا کہ تو بے سروسامان ہوکر رہ جائے گا۔ تیری پیٹھ بوجھ ہو جائے گی اور کہیں کا بھی نہیں رہے گا۔''

آپ کا یہ فرمان عمال کے محاسبے اور آپ کی سخت انتظامی گرفت کا آئینہ دار ہے جو کہ صرف اور صرف رعایا کی فلاح اور بھلائی کے حوالے سے ہے۔

☆ مصر کے گورنر کے نام ایک خط میں رعایا کے حوالے سے لکھا:

''رعایا میں دو قسم کے آدمی ہوں گے تمہارے دینی بھائی یا مخلوق خدا ہونے کے لحاظ سے تمہارے جیسے آدمی۔ لوگوں سے غلطیاں تو ہوتی ہیں، جان بوجھ کر یا بھولے چوکے سے ٹھوکریں کھاتے ہی رہتے ہیں، تم اپنے عفو و درگزر کا دامن خطا کاروں کے لئے اس طرح پھیلا دینا جس طرح تمہاری آرزو ہے کہ خدا تمہاری خطاؤں کے لئے اپنا دامن عفو و کرم پھیلا دے۔

کبھی نہ بھولنا کہ تم رعایا کے افسر ہو خلیفہ تمہارا افسر ہے اور خلیفہ کے اوپر حاکم خداوند تعالیٰ کی ذات ہے۔ خلیفہ نے تمہیں گورنر بنایا اور مصر کی ترقی و صلاح کی ذمہ داری تمہیں سونپی ہے۔

خبردار رعایا سے کبھی نہ کہنا کہ میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا ہوں اور میں ہی سب کچھ ہوں، کبھی شیخی نہ بگھارنا اور یہ نہ سوچنا کہ اب سب عوام میری تابع ہوگئی ہے۔ اس ذہنیت سے دل میں فساد پیدا ہوتا ہے، دین میں کمزوری آتی ہے اور بربادی کے لئے بلاوہ آتا ہے۔''

آگے لکھا ''یاد رکھو جو کوئی خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو خدا خود اپنے مظلوم بندوں کی طرف سے ظالم کا حریف بن جاتا ہے اور معلوم ہے کہ خدا جس کا حریف بن جائے اس کی صحبت باطل ہو جاتی ہے۔ وہ خدا سے لڑائی کا مجرم ہوتا ہے یہاں تک کہ باز آجائے اور توبہ کرے خدا کی نعمت کو اس سے بڑھ کر بدلنے والی اور خدا کی عقوبت

کو اس سے زیادہ بلانے والی کوئی چیز نہیں کہ آدمی ظلم اختیار کرے۔ یاد رہے کہ خدا مظلوموں کی سنتا ہے اور ظالموں کی تاک میں ہے۔

تمہیں سب سے زیادہ پسند وہ راہ ہونی چاہئے جو حق کے لحاظ سے سب سے زیادہ درمیان، انصاف کی رو سے سب سے زیادہ عام اور رعایا کو سب سے زیادہ رضا مند کرنے والی ہو۔ عوام کی ناراضی خواص کو رضا مندی کو بہالے جاتی ہے اور خواص کی ناراضی عوام کی رضامندی کے ہوئے ہوئے گوارا کرلی جاتی ہے۔

☆ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں پر یکساں نظر رکھتے اور بیت المال سے دونوں کی برابر حسب ضرورت وحق امداد فرماتے۔ اور یہی حال پوری سلطنت میں تھا۔

☆ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"آگاہ ہو جاؤ۔ ظلم کی تین قسمیں ہیں۔

۱..... وہ ظلم جو بخشا نہ جائے گا۔ یہ ظلم شرک ہے۔

۲..... دوسرا وہ ظلم جو ترک نہیں کیا جائے گا۔ یہ وہ ظلم ہے جو بندے ایک دوسرے پر کرتے ہیں اس کا قصاص وتلافی آخرت میں بہت سخت ودشوار ہے۔ ۳۔ تیسرا وہ ظلم جسے بخش دیا جائے گا اور جس کا بدلہ نہ لیا جائے گا۔ یہ وہ ظلم ہے جو ارتکاب معصیت کے باعث انسان خود اپنے نفس پر کرتا ہے۔

ان تینوں کے کرنے سے اجتناب کرو۔

☆..... در خلافت پر کوئی صاحب مقرر نہ ہوتا تھا، نہ دربان، نہ امیر، نہ کروفر، شاہانہ، عین اس وقت جب قیصر وکسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لئے زر وجواہر اگل رہی تھی، اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کر رہا تھا۔ ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ، میری تلوار کا کون خریدار ہے، خدا کی قسم اگر میرے پاس ایک تہہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا۔"

☆..... بچوں کے حقوق کا احساس اس حکم سے بخوبی ہو گا کہ آپ نے زانیہ

عورت پر حد جاری کرنے کا حکم وضع حمل تک موخر کر دینے کا حکم دیا تا کہ اس بچہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے جس کو کوئی قصور نہیں۔ ایرانی شورشوں سے عورتوں اور بچوں کی سلامت کے لئے حفاظتی قافلے بیت المال سے تعمیر کروائے۔ گھوڑوں کی پرورش، معذور اور نادار افراد پر زکوٰۃ موقوف کر دی۔

☆......فارس اور کرمان کے عجموں نے جب بغاوت کی تو آپ نے زیاد بن ابیہ کو اس پر مامور کیا۔ اس نے بہت جلد امن وسکون پیدا کر دیا بغاوت کے ختم ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے لوگوں کے ساتھ اس قدر رحم دلانہ اور لطف ومدارت کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ اور لوگ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کے طریق جہانبانی نے نوشیروانی طرز حکومت کو بھی مات کر دیا۔ خلفائے راشدین کے منصفانہ سلوک، رواداری اور فیاضانہ مروت وکرم کے یہ چند ایک واقعات تھے جن سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں تمام انسانوں کے ساتھ بطور رعایا کسی حکمران کو کس طرح کا سلوک رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور خلفائے راشدین کے دور میں عملی طور پر اس کو کس طرح سچ کر دکھایا گیا۔

تدوین فقہ اسلامی اور حقوق انسانی کی رعایت

فقہ سے مراد لغوی طور پر کسی شے کا علم اور فہم ہے لیکن اصطلاحی طور پر مسائل واحکام شرع کے فہم واستنباط کا علم ہے یہ احکام دین اور دنیا اور ایک لحاظ سے علم دین کے اصول وفروع پر حاوی ہے۔ بالکل نئی انسانی مسائل کی صورتوں اور ضرورتوں کو قرآن وسنت کی اسلامی تعلیم کی روشنی میں ان کے مناسب احکام کے استنباط کا عمل اجتہاد کہلاتا ہے۔ فقہ اسلامی کے چار ماخذ ہیں۔

☆......قرآن مجید: شریعت کا اصل الاصول ہے۔ اس میں عقائد کا بیان مفصل ہے اور عبادات وحقوق کا بیان مجمل ہے۔

☆......حدیث وسنت رسول ﷺ آنحضرت ﷺ جو شارح قرآن اور قرآنی تعلیمات کا عملی نمونہ تھے۔اس لئے آپ کے قول وفعل پر مبنی یہ ذخیرہ دوسرا بڑا ماخذ ہے۔ اس میں عقائد کی اساسی تعلیم کے ساتھ حقوق ومعاملات کو تفصیلی وتشریحی ذکر ملتا ہے۔

☆اجماع: ایسی متفقہ آراء جن پر کسی وقت امت کے علماء وصلحاء نے کامل اتفاق کیا۔ یہ ماخذ بھی عوام الناس کو درپیش نئے مسائل ومشکلات کے حوالے سے اس دور کے علماء وصلحاء کا متفقہ فیصلہ آنے والے لوگوں کیلئے اصولی تعلیم کا باعث بنتا ہے۔یا ماخذ بھی حقوق الناس سے کامل بحث کرتا ہے۔

☆قیاس: قیاس سے مراد کسی شرعی حکم کو کسی مصلحت کی بناء پر کسی دوسرے امر کے شرعی حکم کے حصول کے لئے بنیاد بنانا ہے۔ یہ اجماع سے وسیع تر اور آسانی سے مکمل العمل حجت ہے۔اس کا حکم آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجتے وقت کیا تھا۔ یہ ماخذ بھی حقوق انسانی کے مناسب تحفظ اور مداوا کیلئے غور وفکر کی روشن راہیں کھولنے کا کام کرتا ہے۔

بعض اہل علم نے فقہ کے دس اصول قرار دیئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱......قرآن مجید ۲......سنت ۳......خلفائے راشدین کا تعامل ۴......اجماع ۵......قیاس ۶......قرآن وسنت کے عدم مخالف نظام جو مختلف ادوار میں حکمرانوں نے رواج دیئے۔ ۷...... ثالثوں کے فیصلے جو قرآن وسنت کے خلاف نہ ہوں۔ ۸...... ہدایات رسول کریم ﷺ وصحابہ کرام وتابعین عظام وغیرہ، یا فقہائے کرام کے مشورے سے اس دور کے حکمرانوں نے جاری کیں۔۹...... بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے قانون سازی (غیر ملکیوں سے سلوک) جو قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔۱۰......عرف یا عادت یا رواج وہ روایات جن سے قرآن وسنت کی نفی نہ ہو۔

فقہ اسلامی مندرجہ ذیل چھ ادوار میں منظم ومرتب ہوئی۔

۱......عہد نبوی ﷺ ۲......عہد کبار صحابہ کرامؓ یعنی خلفائے راشدین کا عہد۔
۳......عہد صغار صحابہ کرام وتابعین کرام۔۴......عہد جید فقہائے کرام یعنی تیسری صدی ہجری تک کا دور۔۵......آئمہ کے اجتہادات پر نقد کا دور۔۶......دور تقلید۔

ہر دور کی فقہ کا بنیادی اصول قرآن وسنت کی کامل پیروی کرتے ہوئے اس کی قریب روح تک پہنچ جانے کے لئے بدرجہ غایت کوشش کرنا تھا۔اس کے لئے وہ حد درجہ محنت اور قوت غور وفکر کو کام میں لاتے اور اس کیساتھ ساتھ ان کے پیش نظر یہ بھی رہتا کہ فرد واجتماع کے تعلق میں انسانی نفسیات اور عقل وتجربہ کا رخ کس طرف زیادہ ہے۔اس کے علاوہ قلت تکلیف انسانی طبائع کیلئے مالا یطاق یعنی دشواری سے بھی بچنے کی کوشش کرتے۔لاضرر ولاضرار اور تیسروا ولاتعسروا ہمیشہ پیش نظر رہتا۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں بڑا مشہور قول ہے کہ حضرت عمرؓ جب بھی کوئی راستہ اختیار کرتے،اسے ہم انتہائی آسان پاتے۔جب مسلمانوں نے ایران فتح کیا تو انہیں بہت سے نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ نئے ماحول اور تہذیب وتمدن سے سامنا ہوا تھا۔جہاں پر ان لوگوں کے مستحکم رواج موجود تھے۔ چنانچہ لازمی طور پر عرف یا عادات کے معاملے میں فیصلہ کن راستہ اختیار کیا گیا۔جو باتیں قرآن وسنت سے متصادم نہ تھیں،ان سے تعرض نہ کیا گیا اور جو قرآن وسنت کے خلاف تھیں،انہیں ترک کرنے کا حکم دیا گیا۔

احناف نے قیاس خفی کو استحسان کے نام کے ساتھ فقہ کا ایک اور ماخذ بنایا جسکا مطلب ہے کہ کسی مسئلے کو اسکے حکم کے باب میں اس کے نظائر سے کاٹ دینا یعنی ازروئے قیاس ظاہر ہو جو حکم ہونا چاہئے یا اس کے نظاہر سے جو قیاس ہوتا ہے اس سے ہٹ کر کوئی اور فیصلہ کرنا۔استحسان کی دو قسمیں ہیں۔(۱) استحسان ضرورت (۲) استحسان قیاسی۔احناف نے پہلے استحسان قیاسی ہی کو زیادہ اہمیت دی ہے کیونکہ اگر وہ قیاس سے انحراف بھی کرتے ہیں تو اس طرح اس کے مقابلے میں قوی تر قیاس سے

کام لیتے ہیں۔

استحسان سے مقصود دراصل یہ تھا کہ شریعت کی حدود میں رہ کر انسانوں کے مابین زیادہ سے زیادہ عدل وانصاف' زیادہ سے زیادہ دفع ضرر' زیادہ سے زیادہ آسانی اور زیادہ سے زیادہ اجتماعی وانفرادی خیر کی صورتیں میسر کرنا ہے۔ اگر قیاس ظاہر کی رو سے معاملات و روابط انسانی میں زیادہ مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہوتیں تو شریعت کا منشا (دین خیر خواہی کا نام ہے۔) پورا کرنا زیادہ راست قدم ہوگا اور اسطرح قیاس سے انحراف کرنے میں کوئی مضائقہ بھی نہ ہوگا۔ مالکیوں نے اس طریقے کو اور بھی وسعت دی۔

فقہ حنفی کے امتیازی خصائص میں یہ امر شامل ہے کہ احکام کا اسرار فطرت انسانی اور مصلحت عامہ پر مبنی ہونا محض اس لئے واجب الاتباع نہیں کہ اس میں انسانوں کی بھلائی ہے اور افعال اپنے نتائج واثرات کے لحاظ سے اچھے یا برے ہوتے ہیں۔ فقہ حنفی اصولی عقلی وتمدنی کا تطابق کرتی ہے۔ اس میں انسانی سطح پر (خدا کے احسان عام کے طور پر) غیر مسلموں سے فیاضی وکشادگی کا میلان پایا جاتا ہے۔

فقہ مالکی حضرت امام مالکؒ کا دبستان ہے۔ الموطا ان کا مجموعہ حدیث پہلا مجموعہ ہے جو فقہی مضامین کی ترتیب سے تیار کیا گیا۔ انہیں فقہ میں حجازی فقہ کا امام کہا جاتا ہے۔ امام مالکؒ کے طریق فقہ میں کتاب وسنت کے بعد قیاس بھی لائق اعتماد ہے۔ آپ اہل مدینہ کے تعامل اور اقوال صحابہ کرامؓ کو سند مانتے ہیں۔ جہاں یہ نہ ہوں وہاں وہ حدیث کے بعد دلیل خاص یا قیاس سے کام لیتے ہیں۔ دلیل سے مراد ان کی مصالح مرسلہ ہے۔ احناف میں جس طرح استحسان کو اہمیت دی گئی ہے فقہ مالکی میں استصلاح (مصالح مرسلہ) کو اہمیت حاصل ہے۔ مصالح مرسلہ کی غایت کسی مقصد شرعی کی حفاظت ہے لیکن اس مقصد کا شرعی ہونا لازمی ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہو۔ یا اس کے بطلان یا عدم صحت کی کسی نص معین سے تصریح اس کی نہ ہوتی ہو۔ مرسلہ سے مراد

معینہ ہے۔ یہ نئی دلیل یا مصلحت مرسلہ یا استصلاح (یعنی کسی حکم کو ایسے معنوں کے ساتھ منسلک کر دینا جو مصلحت عامہ اور منشائے شریعت کے موافق) چند شرائط کے ساتھ جائز ہے مثلاً مصلحت کا اصول تب صحیح ہوگا جب مسئلے کی روح شریعت کے مطابق ہو۔ صورت عبادات کی ہو یا معاملات کی، یا ضروریات زندگی کی ہو، حکم تعیشات سے متعلق نہ ہو ضرورت سے ہو یعنی ان چیزوں سے جن سے مذہب، جان، مال اور نسل وغیرہ کی حفاظت مقصود ہو۔

فقہ شافعیؒ حضرت عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس الشافعی کا دبستان فقہی ہے۔ آپ حدیث میں امام مالکؒ کے شاگرد تھے جب کہ فقہائے احناف میں امام محمد بن حسن الشیبانی سے ان کا گہرا تعلق رہا۔ اس کے علاوہ حسن بن زیادہ ٹولوی سے بھی ملاقات تھی، امام شافعیؒ کی کتاب ''الرسالۃ فی الاصول'' اور ''کتاب الام'' ان کی فقہ کا بہت بڑا سرچشمہ ہیں۔ شافعی مسلک بڑی حد تک فقہ حنفی اور فقہ مالکی کے درمیان مفاہمت کی سعی پر مبنی ہے۔ یہ اہل حدیث اور اہل الرائے کے درمیان بین بین رائے کا تطابق کرتا ہے لیکن جھکاؤ اہل الحدیث کی طرف زیادہ ہے۔

استنباط احکام میں قرآن مجید کے ظاہری معنوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث میں خبر واحد پر عمل کرتے ہیں اور تعامل صحابہ میں بھی جس کی تائید حدیث سے ہو جاتی ہے۔ اجماع کے بھی قائل ہیں لیکن اس شرط پر کہ النص کے خلاف کا عمل نہ اور ظاہر ہے کہ یہ شرط سخت مشکل ہے۔ احناف کے استحسان اور مالکیوں کے استصلاح دونوں کے مخالف ہیں لیکن استدلال کو جائز سمجھتے ہیں جو کہ قیاس کی ہی ایک شکل ہے۔

فقہ حنبلی امام احمد بن حنبلؒ کا دبستان فقہ ہے۔ آپ حضرت امام شافعیؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ کی تصنیف ''المسند'' ہے جو کہ چالیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ اصول میں ان کی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' اور ''کتاب العلل'' ہیں ان کے مسلک کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ آپ اجتہاد بالرائے کو بالکل نہیں مانتے اور فقط

قرآن وحدیث کو سند مانتے ہیں۔ ان کے مسلک کے پانچ اصول ہیں۔

۱......قرآن وحدیث

۲......صحابۂ کرام کے فیصلے

۳......صحابۂ کرام کے اقوال

۴......مرسل اور ضعیف احادیث اول الذکر کے بعد سند ہیں۔

۵......قیاس

یہ مسلک اپنی شدت اور مصلحت عامہ کا زیادہ لحاظ رکھنے والا ہے۔ جن کی وجہ سے اسے قبولیت عامہ کم حاصل ہوئی ہے۔

اہل سنت کے مندرجہ بالا مکاتب فکر اور اہل التشیع کے درمیان بنیادی مسئلہ امامت کا اختلاف تھا مگر مسئلہ اجتہاد دلائل شرعیہ، اصول وفروع اور عبادات ومعاملات کی بعض جزئیات میں بھی بنیادی اختلاف کی وجہ سے اختلاف پایا جاتا ہے۔

فقہ اسلامی ایک وسیع مشرب ہے جس کا قانون صرف ایک جزو کہا جاسکتا ہے۔ جس میں معاملات وعصوبات کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بڑا فرق اور بھی ہے کہ فقہ اسلامی اپنی ریاست کے اعتبار سے جہاں اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ہے وہاں مروجہ قانون (عرف عام میں) انسان کا اور سوسائٹی کا بنایا ہوا مجموعہ ضوابط کہلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا نے لفظ قانون کو فقہی اصطلاح کے طور پر شاذ ونادر ہی کہیں استعمال کیا ہے۔

فقہ وسیع تر اصطلاح ہے جس کا اطلاق دین (عقائد وعبادات) معاملات و عقوبات، احکام السلطانیہ، مخاصمات اور سیر پر ہوتا ہے۔ موجودہ دنیوی قانون کی غرض وغایت صرف عدل وانصاف کے تقاضوں کی تکمیل ہے جب کہ فقہ اسلامی میں یہ بھی ہے اور اس کیساتھ ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی منظم تدبیر بھی، جس کے ذریعے افراد کو داخلی طور پر بہتر اور صالح تر بنانا مطلوب ہے۔

شریعت اسلامی میں فرد اور معاشرہ دونوں کے جبلی تقاضوں کی رعایت کی گئی ہے۔شریعت چونکہ کسی ایک زمانے یا ملک سے خاص نہیں ہوتی اس لئے اس کے احکام آفاقی اورمبنی بر انصاف برائے جمیع نسل انسانی ہیں۔ مساوات ،حریت ، اخوت ، شورائیت اورتحدید اختیارات حاکم اس کی اہم اصولی نظیریں ہیں۔اس کے اجتہادات میں مردوزن کی نفسیات کی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔اسکے علاوہ عدل وانصاف کی بنیاد پران کے معاشی ، سماجی اور اخلاقی حقوق وفرائض کو پورے عقلی توازن کے ساتھ اٹھان دی گئی ہے۔ قیاس ،استحسان ، استصلاح ، استصواب اور اجتہاد عہد بہ عہد کے معاشرتی وتمدنی تغیرات سے تباہ کرنے کی ایک وقیع بنیاد ہے جواسے تا قیامت کسی جمود سے دوچار ہونے کے خطرات سے بچار کھنے کے لئے کافی ہے۔ یہ آفاقی اور بین الاقوامی روح سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

فقہ اسلامی کی تدوین قرآن مجید کے مطابق فطرت سے ہم آہنگ کرنے کا دعویٰ ہے جیسے ''نرمی کرو، سختی نہ کرو، خوشخبری سناؤ اور متنفر نہ کرو'' کے اصول پرڈھالا گیا ہے اوراللہ تعالیٰ کسی کواس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا کا قول اس فقہ کارکن اعظم ہے۔فقہ اسلامی طیب چیزوں سے فائدہ اٹھانے اورناپاک چیزوں سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتی ہے۔ یہ آزادی انسانی پرکوئی قدغن نہیں بلکہ فطرت انسانی کے عذرات پراثرانداز ہونے والے نقصان دہ عوامل سے اسے تحفظ دینا ہے۔شریعت مبدا کے لحاظ سے الوحی اورغایت کے لحاظ سے انسانی ہے۔اس کا مقصد نوع انسانی کافائدہ ہے۔یہ مکمل انسان (یعنی روح وجسم) کی رعایت کرتی ہے۔اس میں اس کی روح کی نشوونما کے لئے حقوق اللہ اورحقوق العباد کی توضیح ملتی ہے۔ یہ ایک معاشرتی حقیقت ہے جس کاایک رخ جماعت کی طرف اوردوسرا فرد کی طرف ہے۔

فقہ اسلامی آزادئ انسان کی علمبردار ہے اور اگراس کی آزادی میں کوئی بندش موجود ہے تو بلاوجہ نہیں ہے۔اس کاتعین مصالح عامہ اورمفاد انسانی کیلئے ہے۔آزادی

کے معنی اختیار تمیزی کی قوت ہے۔ آزادی کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں جو خالق کائنات ہے۔ اس لئے اصل طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور رسول اللہ ﷺ پیغمبر ہدایت ہیں جو بنی نوع انسان کو اس کی فطرت سے روشناس کرانے کے لئے مبعوث کئے گئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اور اس طرح اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔

دور جدید میں فقہ اسلامی کی افادیت واہمیت اسی طرح مسلم ہے جس طرح روز اول میں تھی اور جدید مسائل سے اسی طرح نباہ کرے گی جس طرح ماضی میں اس دنیا کے مسائل پر اپنا فیصلہ دیا ہے جس طرح ماضی میں اس کی افادیت مسلم رہی اور تاریخ انسانی کو اس نے متوازن ومنصفانہ معاشرتی ضوابط سے ہم آہنگ رکھا اس طرح اب کے بعد آنے والے مسائل انسانی کے بارے میں بھی یہ کسی جمود یا تنگ دامانی سے دوچار نہ ہوگی۔ اجتہاد کا دروازہ ہر دور میں اس کی افادیت کو حیات نو دیتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁

دوسرا باب

اجتماعی اعتبار سے مسلمانوں کے حقوق کی تفصیل

مسلمانوں کے نو بنیادی حقوق

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ پوچھا گیا وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو مسلمان بھائی سے ملے تو اس کو سلام کر، جب وہ تجھے دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کر اور جب وہ تجھ سے خیر خواہی چاہے تو تو اس سے خیر خواہی کر اور جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دے اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کر، اور جب وہ مرے تو تو اس کا جنازہ پڑھ۔

ایک حدیث میں ہے کہ بے شک رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ تو اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کریگا اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پریشانی کو دور کرے گا تو اللہ قیامت کے دن اس کی پریشانی دور فرمائے گا، اور جو مسلمان کسی کی پردہ پوشی کرتا ہے قیامت کے دن اس کی اللہ تعالیٰ پردہ پوشی کریگا۔

(بخاری شریف)

یاد رکھئے کہ اسلام میں حقوق کا دائرہ بہت وسیع ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوۃ۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں اس کے بعد والدین کے حقوق ہیں اولاد کے حقوق ہیں، قریبی رشتہ داروں کے حقوق ہیں، عام

مسلمانوں کے حقوق ہیں۔ ہر شخص کے اپنے بیوی، بچوں کے حقوق ہیں۔ حدیث میں ہے کہ: ''تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے''۔

دوسرے انسانوں کے علاوہ انسان کی اپنی جان کا اس کے ایک ایک عضو کا اس پر حق ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ۔ فان لنفسک علیک حقاً بے شک تیری جان کا تجھ پر حق ہے۔ فان لجسدک علیک حقًا ولعینک علیک حقًا تیرے بدن کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔

(بخاری شریف)

اسی لئے کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ خودکشی کرے یا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے یا اپنے آپ کو زخمی کرے۔

اور چونکہ اس ارضی کائنات کی ایک ایک چیز سے انسان کا تعلق ہے اس لئے حیوانوں کے بھی انسان پر حقوق ہیں جن کو ادا کرنے والا اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور جن کو ضائع کرنے والا اللہ کی نظر میں مغضوب ٹھہرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک تمثیلی حکایت میں فرمایا کہ ایک شخص صرف اس لئے بخشا گیا کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی تھی ایک دوسرے شخص پر صرف اس لئے عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلی کو باندھا اور اس کو کھانے پینے کو نہیں دیا یہاں تک وہ سسک سسک کر مر گئی۔ ایک اور شخص نے چیونٹی کو جلا دیا تھا اس پر اس سے باز پرس ہوئی۔

اندازہ کیجئے کہ جس مذہب نے کافروں، حیوانوں اور درختوں تک کے حقوق بیان کئے ہوں کیا اس مذہب نے کلمہ گو مسلمان کے کچھ بھی حقوق بیان نہیں کئے ہوں گے حالانکہ مسلمان تو دنیا میں توحید و رسالت کا گواہ ہے مسلمان تو قرآن وسنت کی امانت کا حامل ہے، مسلمان کا دل تو وہ مقدس ورق ہے جس پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے تو اگر گدھے گھوڑے اور کتے بلی کے حقوق ہیں تو کیا مسلمان کے حقوق نہیں ہوں گے؟ یقیناً مسلمان کے حقوق بھی ہیں اور ان کو ادا کرنے کی اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ کتاب وسنت

کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حقوق اللہ میں کوتاہی ہو جائے تو ممکن ہے کہ وہ غفور و رحیم آقا اپنی شان غفاری سے کام لیتے ہوئے بڑے بڑے مجرموں کو معاف کردے۔ لیکن اگر مسلمانوں اور بندوں کے حقوق غصب کیے تو تلافی اور معافی کے بغیر بخشش نہیں ہوگی، بڑے بڑے قائم اللیل اور صائم الدھر روز حشر صرف اس لئے مجرموں کے کٹہرے میں نظر آئیں گے کہ انہوں نے حقوق العباد میں ڈنڈی ماری ہوگی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

''کیا تم جانتے ہو دیوالیہ اور مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا ہم اس شخص کو مفلس کہتے ہیں جس کے پاس نہ تو درہم ہو اور نہ کوئی دوسرا سامان، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس اور دیوالیہ وہ ہے جو قیامت کے دن اپنی نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ اللہ کے پاس حاضر ہوگا اور اسی کے ساتھ ساتھ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال اڑایا ہوگا کسی کو قتل کیا ہوگا، کسی کو ناحق مارا ہوگا تو اس کی نیکیاں ان تمام مظلوموں میں تقسیم کردی جائیں گی پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور مظلوموں کے حقوق باقی رہے تو ان کی غلطیاں اس کے حساب میں ڈال دی جائیں گی اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ حقوق العباد کو ضائع کرنے کی صورت میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بھی اس کو جہنم سے نجات نہیں دلاسکیں گے لیکن اس کے باوجود آپ کو ایسے لوگ مل جائیں گے جن کی نظر میں تلاوت و عبادت اور ذکر و استغفار کی اہمیت ہے لیکن حقوق العباد کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں کہ جس طرح عبادات کی اہمیت ہے اسی طرح ہماری شریعت میں مسلمانوں کے حقوق کی بھی بڑی اہمیت ہے۔

مسلمان کا ایک حق کہ اس سے محبت کی جائے

اگر ہم ان تمام حقوق کو صرف ایک لفظ سے ادا کرنا چاہیں تو وہ لفظ محبت ہوگا یعنی ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے اور اس سے محبت کرے اللہ

تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔

رحماء بینھم وہ مسلمان آپس میں رحم وشفقت رکھتے ہیں۔

ہر وہ شخص جو کافر ومشرک تھا جب اس نے ایمان قبول کرلیا تو وہ ہمارا بھائی بن گیا خواہ اس کا حسب نسب، قوم قبیلہ، وطن زبان، رنگ اور رسم و رواج ہم سے مختلف ہی کیوں نہ ہو، رب کائنات کا فرمان ہے۔ **فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین**

پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے مذہبی بھائی ہیں غلام بھی اگر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجائے تو وہ اسلام کے رشتہ میں داخل ہوگیا۔ اگر اس کے باپ کا نام ونسب معلوم نہیں تو کوئی حرج نہیں وہ دین کے رشتہ سے ہر مسلمان کا بھائی ہے فرمایا۔ **فان لم تعلموا اباء ھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم**۔

تو اگر تم ان کے باپوں کے نام نہ جانو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والا وہ مقدس گروہ جسے ہم صحابہؓ کے نام سے یاد کرتے ہیں، ان میں سلمان فارسیؓ فارس کے تھے، بلالؓ حبشہ کے تھے، صہیبؓ روم کے تھے، ابوذرؓ کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا، طفیلؓ قبیلہ دوس سے تھے، ابوسفیانؓ بنوامیہ سے تھے۔ لیکن ایمان قبول کرنے کے بعد انہوں نے رنگ ونسل کے تمام امتیازات مٹا دیئے اور آپس میں ایسی محبت اور ایسا پیار کیا کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں باہمی جنگ وجدل اور خون خرابہ نہیں ہوتا، جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں ایک دوسرے کی عصمت اور آبرو کی حفاظت کی جاتی ہے، جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں نسلی اور لسانی تعصبات نہیں ہوتے جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں بغض و عناد اور حسد اور کینہ نہیں ہوتا، کہنے والے نے سچ کہا ہے۔

محبت کی تجلی سے کدورت دور ہوتی ہے
محبت وجہ تسکین دل رنجور ہوتی ہے

گلی بنتی ہے جنت کی جمال حور ہوتی ہے
یہی وہ آگ ہے جو مسکرا کر نور ہوتی ہے

مسلمان کا تو ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسرے مسلمانوں سے محبت نہ رکھے۔ وہ اگر دوسرے مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے تو ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے وہ اگر حسد کرتا ہے تو نیکیوں کا خرمن جل جاتا ہے وہ اگر کسی مسلمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے تو رب کے غضب کا مستحق بن جاتا ہے وہ اگر کسی مسلمان کے عیب کھولتا ہے تو مالک حقیقی کی جانب سے پردہ دری اور بے آبروئی کی وعید سنتا ہے وہ اگر اپنے مسلمان بھائی کا خون بہاتا ہے تو جہنم کے شعلے ہمیشہ کے لئے اس پر لازم ہو جاتے ہیں اسے دوسرے مسلمان سے نفرت اور حسد اور چھیڑ چھاڑ کرنے کی قطعاً اجازت نہیں بلکہ اسے تو دوسرے مسلمان سے صرف محبت کرنے کا حکم ہے خواہ وہ غریب اور فقیر ہو خواہ وہ رنگ کا کالا اور شکل کا بدصورت ہو خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، ایشیائی ہو یا افریقی، ہندی ہو یا چینی ...... یہاں تک کہ اگر مسلمان، شراب نوش، زنا کار اور فاسق و فاجر بھی ہو تو ہم اس کی شراب نوشی، زنا کاری اور فسق و فجور سے تو نفرت کر سکتے ہیں لیکن خود اس مسلمان سے اگر مسلمان ہونے کی حیثیت سے نفرت کی تو ہمارا اپنا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔

یاد رکھیئے کہ گنہگار مسلمان کی مثال قرآن کے اس مقدس ورق کی سی ہے جو ہماری غفلت کی وجہ سے گندگی میں گر گیا ہو، ظاہر ہے گندگی میں گر جانے کی وجہ سے ہم معاذ اللہ اس ورق سے نفرت نہیں کریں گے بلکہ اسے انتہائی محبت اور چاہت کے ساتھ وہاں سے اٹھا کر، دھو کر، خوشبو لگا کر، چوم کر کسی اونچی جگہ پر رکھیں گے جو اس کا اصل مقام ہے۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ آخر وہ کونسا انسان ہے جس سے کبھی گناہ نہیں ہوا، یہ الگ بات ہے کہ کسی کے گناہوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور

کسی کے گناہ دنیا والوں پر ظاہر ہو گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کے سامنے ایک شخص کو پیش کیا گیا جس پر اس کے کسی جرم کی وجہ سے حد واجب ہو گئی تھی لوگوں نے اس کے گرد ہجوم کر لیا آپ نے فرمایا ''میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ شخص جو اس جرم کا مرتکب ہو چکا ہے وہ یہاں سے چلا جائے'' تو وہ سارا ہجوم منتشر ہو گیا۔

تو مسلمان اگر گنہگار بھی ہو تو بھی اس سے نفرت جائز نہیں بلکہ ہر حال میں مسلمان سے محبت کرنی چاہیے اور محبت بھی اس انداز کی جس طرح کی محبت کا حکم محسن انسانیت ﷺ نے دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

''تم مسلمانوں کو آپس میں رحم کرنے، محبت کرنے اور ایک دوسرے کی طرف جھکنے میں ایسا دیکھو گے کہ جیسا کہ جسم کا حال ہوتا ہے کہ اگر ایک عضو کو کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے تو جسم کے بقیہ اعضاء بے خوابی اور بخار کے ساتھ اس کا ساتھ دیتے ہیں''۔

کبھی جائزہ تو لیجئے اگر آپ کو کبھی زندگی کی کشاکش سے فرصت ملے تو اس حدیث کی روشنی میں آپ اپنے رویئے کا اپنے اخلاق کا اور اپنے طرز زندگی کا جائزہ تو لیں کیا واقعی ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں؟ کیا واقعی دوسرے مسلمان کو دکھ درد میں دیکھ کر ہمارے سینے میں ٹیس اٹھتی ہے کیا واقعی کسی ستم رسیدہ کی مظلومیت پر کسی بیوہ کی آہوں پر کسی یتیم کے دکھوں پر کسی بیمار کی سسکیوں پر ہماری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں؟

بلکہ اس کے برعکس کہیں ایسے تو نہیں کہ کسی مجبور کی مجبوری کو دیکھ کر کسی معذور کی معذوری کو دیکھ کر آپ کے لبوں پر خندہ استہزا آجاتا ہو؟ تمہارے قہقہے فضا میں گونج اٹھتے ہوں۔ دوسروں کی تکلیف پر ہنسنے والو! کل کو تم پر بھی ہنسا جا سکتا ہے دوسروں کی غربت کا مذاق اڑانے والو! کل کو تمہارا مذاق بھی اڑایا جا سکتا ہے، اپنی صحت اور جوانی پر اپنی عزت و وجاہت پر اپنی دولت و ثروت پر ناز مت کرو یہ تو آنی جانی اور فانی چیزیں ہیں دنیا نے پہلے کس سے وفا کی ہے جو تم سے وفا کرے گی، کسی کے بقول دنیا تو ایک طور

ہے جو ہزاروں موسیٰ دیکھ چکا ہے یہ ایک دیر ہے جو ہزاروں عیسیٰ دیکھ چکا ہے یہ ایک قصر ہے جس میں ہزاروں قیصر رہ چکے ہیں یہ ایک طاق ہے جو ہزاروں کسریٰ دیکھ چکا ہے۔ یہ ایک پل ہے جس پر سے عقبیٰ کے مسافر مسلسل گزر رہے ہیں یہ ایک گلزار ہے جس کا ہر گل پرخار ہے مزید یہ کہ اس گل کو بھی نہ ثبات ہے نہ قرار ہے۔

اگر تم کسی پریشان حال کی مدد نہیں کر سکتے اس کیلئے ہمدردی کے دو بول نہیں بول سکتے تو کسی مسلمان کا مذاق تو مت اڑاؤ، اللہ کے رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ۔

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی شخص کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے''۔

ہم میں سے کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے گالی دی جائے یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا برسرعام مذاق اڑایا جائے، یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی عزت وناموس کو تاراج کیا جائے، یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا مالی نقصان کیا جائے...... جب وہ اپنے لئے ان چیزوں کو پسند نہیں کرتا تو دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتا ہے، کیا دوسروں کے جذبات و احساسات نہیں ہیں؟ کیا وہ انسان نہیں ہیں؟ کیا ان کے سینے میں دل نہیں ہے؟ اگر تمہارے غلط رویئے سے کسی کا دل ٹوٹ گیا تو تمہاری دنیا اور آخرت تباہ ہوسکتی ہے، کیونکہ ٹوٹے ہوئے دلوں کی فریاد اللہ تعالیٰ بہت جلد سنتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''مظلوم کی پکار سے بچو اس لئے (کہ جب وہ فریاد کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی صاحب حق کو اس کے حق سے محروم نہیں کرتا۔

اسلام نے مسلمانوں کے جذبات واحساسات کا خیال رکھنے کی اس قدر تلقین کی ہے کہ وہ دعا جو کسی بیمار یا پریشان کو دیکھ کر پڑھی جاتی ہے اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ آہستہ پڑھے تاکہ اس شخص کی دل شکنی نہ ہو جائے۔

حیرت کی بات ہے کہ بعض لوگ اپنا تو یہ استحقاق سمجھتے ہیں کہ ان سے محبت کی جائے، ان کی عزت کی جائے، ان کو اچھے نام سے پکارا جائے، ان کے احساسات کا

خیال رکھا جائے لیکن وہ دوسروں کو ان چیزوں کا مستحق نہیں سمجھتے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل میں تکبر ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو کوئی انوکھی مخلوق خیال کرتے ہیں اور غریبوں اور مزدوروں کو مجبوروں اور معذوروں کو کیڑے مکوڑے سمجھتے ہیں وہ دل میں ضرور سوچتے ہوں گے کہ اللہ نے انہیں کیوں پیدا کیا ہے ان کو پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی مگر اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور یہ بھی وہی جانتا ہے کہ کون بہتر ہے اور کون کمتر!

ایک حکایت ہے کہ ایک امیر آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر تھا اسی وقت ایک بے چارہ غریب وشکستہ حال بھی اس امیر کے برابر آبیٹھا، وہ امیر اپنے کپڑے سمیٹ کر علیحدہ ہو گیا، بزرگ نے یہ تماشا دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مکان میں بیٹھے تھے اوپر سے کچھ قطرے حضرت کے کپڑوں پر گرے دیکھا تو چھپکلی تھی، جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ خدایا اس کو کیوں پیدا کیا یہ کس مرض کی دوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! یہ چھپکلی بھی ہر روز یہ سوال کرتی ہے کہ خدایا! موسیٰ کو کیوں پیدا کیا ہے اس سے کیا فائدہ ہے؟

ہماری فارسی کی نصابی کتاب میں ہے کہ ایک غریب شخص اپنے امیر دوست کے پاس بے تکلفی سے قریب ہو کر بیٹھ گیا یہاں تک کہ دونوں میں صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ گیا مالدار نے بڑی حقارت سے کہا تجھ میں اور گدھے میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی دلیر آدمی تھا اسے اپنے مالدار دوست کی طوطا چشمی پر بڑا غصہ آیا، اس نے کہا ''صرف ایک بالشت کا فرق ہے''۔

قابل احترام قارئین! ہمیں تو ہر مسلمان کے بارے میں یہی سوچنا چاہیے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ ہم سے بہتر ہو کسی کو بھی حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''کسی انسان کے برا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے''۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ''ایک شخص نے کسی (گنہگار) کے بارے میں قسم اٹھا کر کہا اللہ فلاں کو نہیں بخشے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کون میرے بارے میں قسمیں اٹھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہیں بخشوں گا میں نے فلاں کو تو بخش دیا اور اے قسمیں اٹھانے والے میں نے تیرے اعمال (ایک مسلمان کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے) ضائع کر دیئے۔

بنی اسرائیل میں ایک شخص انتہائی نیک اور پارسا شخص تھا وہ جنگل میں ایک جگہ بیٹھا تھا اور اس پر بادل سایہ کئے ہوئے تھے وہاں سے ایک گنہگار انسان کا گزر ہوا اسے یہ منظر بڑا پیارا لگا اور دل میں ممکن ہے اس نیک انسان کی محبت آئی ہو اور سوچا کہ یہ اللہ کا نیک بندہ ہے اس کی صحبت میں بیٹھنے سے شاید مجھے بھی کچھ برکت حاصل ہو جائے وہ جب اس پارسا کے پاس بیٹھنے لگا تو اس نے بڑی حقارت سے اسے بھگا دیا وہ بادل جو اس نیک انسان پر سایہ کئے ہوئے تھا وہ اس سے ہٹ کر گنہگار پر سایہ فگن ہو گیا اور وقت کے پیغمبر پر وحی آئی کہ ان دونوں سے کہو کہ نئے سرے سے زندگی کا آغاز کریں اس فاسق و فاجر شخص کے گناہ اس کی تواضع کی وجہ سے میں نے معاف کر دیئے اور اس زاہد و عابد کی نیکیاں اس کے تکبر اور دوسروں کو نفرت سے دیکھنے کی وجہ سے ضائع کر دیں۔

ان روایات اور واقعات سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان کو حقارت اور نفرت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ ہر ایک کو اپنے سے بہتر اور نیک سمجھنا چاہیے اس سے محبت کرنی چاہیے، کسی بھی مسلمان کا پہلا حق جو دوسرے مسلمان پر ہوتا ہے وہ محبت ہے اور اس حق کو ادا کرنے کی وجہ سے دوسرے حقوق کو ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جب سچی محبت ہو گی تو نفرت و حقارت نہیں ہو گی بغض اور حسد نہیں ہو گا پردہ داری اور بے آبروئی نہیں ہو گی، لڑائی جھگڑا اور قتل و غارتگری نہیں ہو گی اور جو خوش قسمت انسان حقوق اللہ کے بعد مسلمانوں کے بھی سارے حقوق ادا کرے گا وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا وہ مقام ولایت پر فائز ہو گا وہ زمانے کی قیادت و سعادت کا مستحق ہو گا وہ آخرت میں مغفرت و بشارت کا حقدار ہو گا۔

مسلمان کا دوسرا حق کہ اس کی جان کو تحفظ دیا جائے

محبت کے بعد ہر مسلمان کا دوسرا حق یہ ہے کہ اس کی جان کا تحفظ کیا جائے اسلام ہر کلمہ گو مسلمان کے خون کو دوسرے مسلمان کے لئے حرام کر دیتا ہے وہ شخص جس کا خون چند لمحے بیشتر اس کے کفر وشرک کی وجہ سے حلال تھا اور آپ اس کے قتل کا پورا سامان کر چکے تھے جب اس نے ایمان قبول کر لیا تو اس کے خون کو وہ حرمت حاصل ہو جاتی ہے جو حرمت ذوالحجہ کے مہینے کو حاصل ہے جو حرمت عرفہ کے دن کو حاصل ہے جو حرمت مکۃ المکرّمہ کو حاصل ہے بلکہ وہ حرمت جو کعبہ مشرفہ کو حاصل ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا، ذوالحجہ کا مہینہ تھا، عرفہ کا دن تھا، عرفات کا میدان تھا، دین کی تکمیل کا اعلان ہو چکا تھا۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد کائنات کے مقدس ترین انسانوں کا جم غفیر اس تاریخی میدان میں چاروں طرف پھیلا ہوا گوش بر آواز تھا بیچ میں رحمت عالم ﷺ ناقہ پر سوار اس مجمع میں اپنی زندگی کا آخری خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اس سارے نورانی منظر کو اپنی تصوراتی آنکھوں کے سامنے لایئے اور ماضی کے حجابات کا پردہ اٹھاتے ہوئے اس خطیب اعظم کا ارشاد سنئے جس کی در افشانی پر فصاحت قربان ہوتی ہے جس کی خطابت پر ملائکہ وجد میں آجاتے تھے جس کی زبان سے سوائے حق اور سچ کے کچھ ادا نہیں ہوتا تھا جس کے لبوں سے موتیوں کی بارش ہوتی تھی آپ ﷺ نے پہلے ہی سے ہمہ تن گوش مجمع کو مزید متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

لوگو! یہ کونسا دن ہے کونسا شہر ہے کونسا مہینہ ہے؟ صحابہؓ نے خیال کیا کہ شاید آپ ﷺ ان کے نام بدلنا چاہتے ہیں ورنہ بدیہی چیز کے بارے میں سوال کرنے کا کیا مطلب؟ اس لئے صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے خود ہی فرمایا کیا آج یوم عرفہ نہیں کیا یہ مکۃ مکرمہ نہیں کیا یہ ماہ

ذوالحجہ نہیں؟ اس کے بعد جو اصل مقصود تھا وہ بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ۔

''سنو! اللہ نے تمہارا خون اور تمہارا مال محترم قرار دیا ہے جس طرح تمہارا یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر محترم ہیں''۔

اس کے بعد قدوسیوں کے مجمع سے سوال کیا '' کیا میں نے تم کو (اللہ کا دین) پہنچادیا'' اپنے وقت کے بزرگ ترین اور رشک ملائکہ انسانوں پر مشتمل ہزاروں انسانوں کا مجمع بیک زبان پکار اٹھا ''نعم ادیت و نصحت'' (ہاں آپ نے پہنچایا ہی نہیں پہنچانے کا حق ادا کر دیا) پھر آپ ﷺ کی انگشت مبارک آسمانوں کی جانب اٹھی۔ نظریں بلند ہوئیں اور آپ ﷺ نے اپنے رب کو پکار کر کہا جس نے آپ ﷺ کو منصب رسالت پر فائز کیا تھا اور جس نے آپ ﷺ کے سر پر ختم نبوت کا تاج رکھا تھا ''اللھم اشھد ثلا ثا'' (تین بار فرمایا اے اللہ! گواہ رہنا) سچے انسانوں کا یہ جم غفیر گواہی دے رہا ہے کہ میں نے تیرا پیغام ان تک پہنچادیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ دوبارہ مجمع کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ''دیکھو میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم مسلمان ہو کر آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو''۔

گویا آپ ﷺ کو اپنی زندگی کے آخری خطبہ میں بھی منجملہ دوسری باتوں کے خون مسلم کی حرمت کی فکر تھی۔

پھر اس منظر کو بھی نظروں کے سامنے لائیے جب آپ ﷺ کعبہ کے سامنے کھڑے تھے وہ کعبہ جو مرکز تجلیات ہے۔ وہ کعبہ ضبط انوار ہے۔ وہ کعبہ جو لاکھوں دلوں کا قرار ہے۔ وہ کعبہ جس کی بناء فرشتوں نے رکھی۔ وہ کعبہ جس کے معمار ہونے کا شرف حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ وہ کعبہ جس میں جنت کا ایک ٹکڑا حجر اسود نصب ہے۔ وہ کعبہ جس کا طواف زمین پر انسان اور آسمانوں پر فرشتے کرتے ہیں۔ وہ کعبہ جس کا انہدام بڑی ہستی کے اختتام کی علامت ہوگا۔

اس کعبہ کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا مجھے معلوم ہے کہ تو بڑی عظمت والا ہے لیکن مسلمان کے خون کی حرمت تیری عظمت وحرمت سے زیادہ ہے۔ اللہ اکبر آمنہ کے لعل! قربان جاؤں آپ ﷺ کے قدموں کی دھول پر، آپ ﷺ نے اس انسانی خون کو کتنی قدر و منزلت عطا کر دی جس کی کچھ بھی حیثیت نہیں تھی اور اسے کبھی تو جنگ و جدل میں بہایا جاتا تھا کبھی وہ انتقام کی خون آشامی کی نذر ہوتا تھا کبھی اسے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھایا جاتا تھا کبھی حیوانوں کی مانند اس کا شکار کھیلا جاتا تھا۔ یونان جیسی مہذب مملکت میں اعلیٰ نسب والی قوم کو ادنیٰ نسب والی قوم کے لوگوں کا شکار کھیلنے ان پر حملہ آور ہو کر قتل کرنے اور ان کے مرنے تڑپنے کا تماشہ دیکھنے کی اجازت تھی۔ لیکن اے انسانیت کے محسن ﷺ! آپ نے اس خون کی حرمت کو کعبہ سے بھی بڑھا دیا۔

آپ کے ذہن میں اگر یہ اشکال آئے کہ یہ تو مسلمان کے خون کی حرمت ہے۔ مطلقاً انسان کے خون کو خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، تحفظ کیسے ملے گا تو میں اس اشکال کے جواب میں ایک بات تو یہ عرض کروں گا کہ اصل انسان تو مسلمان ہی ہے جو اللہ کو ماننے والا ہے اور کافر جو اللہ کا باغی ہے وہ حقیقت میں حیوان بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے لیکن اس کے باوجود اسلامی ملک میں رہنے والے غیر مسلم ذمی کے خون کو بلکہ اس کے مال اور عزت و آبرو کو بھی شریعت نے تحفظ دیا ہے، رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے ''جو مسلمان کسی معاہد (غیر مسلم شہری) پر ظلم کرے گا یا اس کا حق مارے گا یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا یا اس کی کوئی چیز جبراً لے گا تو میں اللہ کی عدالت میں مسلمان کے خلاف دائر ہونے والے مقدمہ میں اس غیر مسلم شہری کا وکیل بن کر کھڑا ہوں گا''۔

اور خوب جان لو! کہ جس موکل اور مظلوم کے وکیل آپ ﷺ ہوں گے اسے استغاثہ کے مقدمہ میں کبھی شکست نہیں ہو سکتی۔

بات مسلمان کے خون کی ہو رہی تھی کہ آپ ﷺ نے کس قدر اس کی عظمت بیان

فرمائی ہے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ''مسلمان کو گالی دینا اللہ کی نافرمانی ہے اور اس سے قتال کرنا اللہ کا کفر ہے''۔ (بحوالہ صحیح بخاری)

یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں باہمی محبت والفت کا حکم دیا ہے اور جو اس کے برعکس کرتا ہے وہ اللہ کے حکم کو نہیں مانتا اور یہ ایک معنی میں اللہ کا انکار ہی ہے چنانچہ اسی لئے قرآن پاک میں مسلمان کو ناحق اور بلا ارادہ قتل کرنے کی سزا وہی رکھی ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے فرمایا ہے کہ۔

''اور جو کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا تو اس کا بدلہ دوزخ ہے وہ اس میں پڑا رہے گا اور اللہ اس پر ناراض ہوا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا''۔

کوئی حد ہے اللہ کی ناراضگی کی! مسلمان کے قاتل کے لئے کسی ایک وعید پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ چار وعیدیں اس کے لئے بیان فرمائیں، اس کے لئے جہنم کی سزا، اس پر اللہ کا غضب، اس پر اللہ کی لعنت اور اس کے لئے عذاب عظیم، اللہ بڑی رحمت والا ہے وہ غفور ہے وہ رحمٰن ہے وہ رحیم ہے وہ رؤف ہے وہ حلیم ہے وہ کریم ہے، وہ اپنی شان قہاری سے زیادہ شان رحیمی کو نمایاں کرتا ہے۔ اس نے بسم اللہ میں الجبار، القہار کی صفت کو نہیں الرحمٰن اور الرحیم کو ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے تم شرابی ہو یا زانی، ڈاکو ہو یا لٹیرے کسی حال میں بھی میری رحمت سے ناامید نہ ہو۔ جیو لیکن جہاں تک مسلمان کے قاتل کا تعلق ہے......نہیں...... بلکہ اس کے قتل میں ذرا سا تعاون کرنے والے کا تعلق ہے اسے کہہ دیا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔

سید الصادقین ﷺ نے فرمایا جس نے ایک کلمہ سے مسلمان کے قتل پر مدد کی وہ جب قیامت کے دن اٹھے گا تو اس کی پیشانی پر تحریر ہوگا ''ھذا ائس من رحمة اللہ'' (یہ وہ شخص ہے جو اللہ کی رحمت سے ناامید ہے)۔

خون کی حرمت کے سلسلہ میں قدیم اور جدید مسلمان میں کوئی فرق نہیں ایک شخص چند لمحے پہلے مسلمان ہوا ہو تو اس کے خون کا بھی ویسے ہی احترام ہوگا جیسے کسی ستر سالہ

مسلمان کے خون کا احترام ہے۔

''حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ ہم کو رسول اکرم ﷺ نے قبیلہ جہینہ کے کچھ لوگوں کی طرف بھیجا، ان کے ایک آدمی کے ساتھ سامنا ہوا میں اس پر نیزے کے ساتھ حملہ کرنے لگا تو اس نے ''لا الہ الا اللہ'' کہہ دیا میں نے اس کے باوجود اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ جب میں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اس کے بارے میں بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اسے ''لا الہ الا اللہ'' کہنے کے باوجود قتل کر دیا میں نے عرض کیا اس نے صرف قتل سے بچنے کے لئے ایسا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا''۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے آپ ﷺ کو بڑا پیار تھا وہ آپ کے متبنیٰ حضرت زیدؓ کے بیٹے تھے، حضرت حسینؓ کے ساتھ پرورش پانے والے تھے آپ ﷺ کی گود میں بیٹھنے والے تھے اور جس شخص کو انہوں نے قتل کیا بظاہر اس کا ایمان مشکوک تھا مگر آپ کا فرمانا یہ تھا کہ جب اس نے ''لا الہ الا اللہ'' کہہ دیا تھا تو پھر اسے قتل کرنے کا کیا جواز باقی رہ گیا تھا کیونکہ لا الہ الا اللہ کہنے والا اللہ کے نزدیک اس سارے مادی جہاں سے بہتر ہے یہ دنیا باقی ہی اس وقت تک ہے جب تک اس میں لا الہ الا اللہ کہا جاتا رہے گا اور جب اس پاکیزہ کلمہ کا کہنے والا ایک فرد بھی باقی نہیں رہے گا تو قیامت آجائے گی۔ اسی لئے تو اللہ کے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے قتل سے زیادہ آسان ہے''۔ (بحوالہ ابن ماجہ) یہ بزم ہستی تو سجائی ہی مسلمان کے لئے گئی ہے دنیا بارات ہے اور مسلمان اس کا دولہا ہے۔ جب دولہا ہی نہ رہے تو بارات کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اگر آسمان اور زمین والے کسی مؤمن کا خون بہانے میں شریک ہو جائیں تو اللہ ان سب کو دوزخ میں ڈال دے گا''۔

مسلمان کا تیسرا حق، کہ اس کے مال کی بھی حفاظت کی جائے

جان کے بعد مسلمان کا تیسرا حق یہ ہے کہ اس کے مال کی بھی حفاظت کی جائے۔ حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں آپ ﷺ نے جان کے ساتھ مسلمان کے مال کی حرمت کو بھی ذوالحجہ، یوم عرفہ اور شہر مکہ کی حرمت کے برابر ٹھہرایا تھا۔

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو کوئی قسم کھا کر مسلمان کا حق مارے گا اللہ اس کے لئے دوزخ واجب اور جنت حرام کر دے گا، ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر کوئی معمولی سی چیز ہو تب بھی؟ فرمایا درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو"۔

آپ ﷺ کا ذاتی عمل یہ تھا کہ تمام تر اختیارات کے باوجود آپ ﷺ کسی کے مال میں بلا استحقاق تصرف کرنا گوارا نہ فرماتے تھے، اگر کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو باقاعدہ معاوضہ دے کر حاصل فرماتے، مالک کہتا ہی رہ جاتا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ) ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ آپ ﷺ کا ہے یہ سب آپ ﷺ ہی کے صدقے ہمیں ملا ہے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں چھوڑ دیں مگر آپ ﷺ اصرار کر کے معاوضہ ادا فرماتے۔

ہجرت کے موقع پر سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دو اونٹنیاں پیش کیں اور عرض کیا کہ میں اسی وقت کے لئے ان کو پال رہا تھا آپ ﷺ ان میں سے جونسی چاہیں اپنے لئے پسند فرمالیں، حالانکہ حضرت ابو بکرؓ جانثار دوست تھے، مخلص صحابی تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے صاف فرما دیا کہ بلا معاوضہ تو میں نہیں لوں گا ہاں اگر معاوضہ لیتے ہو تو ایک میں لے لیتا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ کو مجبوراً معاوضہ قبول کرنا پڑا۔

اگر ہمارے دور کا کوئی قبر فروش پیر ہوتا تو ایک اونٹنی تو "تھینک یو" کہہ کر کے ہی لیتا دوسری پر بھی اپنی حریصانہ اور غاصبانہ نظریں گاڑ دیتا اور ہوسکتا ہے مسلہ بھی گھڑ لیتا کہ

پیر کی موجودگی میں مرشد کو سوار نہیں ہونا چاہیے لہٰذا دوسری بھی میرے حوالے کر کے تم پیدل ہی چلو۔ ہجرت کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مسجد نبوی کے لئے جو زمین منتخب کی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی انہوں نے اپنی افتادہ زمین بلا قیمت دینے کی پیشکش کی مگر آپ ﷺ نے اس کی قیمت کا اندازہ لگوا کر معاوضہ دے کر یہ زمین حاصل کی۔ (بحوالہ جستہ جستہ از محسن انسانیت)

ظاہر ہے کہ اگر آپ ﷺ زمین مفت لیتے تو آپ ﷺ کا عمل دوسروں کے لئے جواز کی دلیل بن جاتا اور ہمارے دور کے فنکار تو دوسروں کے پلاٹوں، مکانوں اور زرعی زمینوں پر قبضہ کر لینے کو بھی سنت رسول ﷺ ثابت کرنے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں کیونکہ رجسٹر شدہ عشاق رسول ان سنتوں سے تو بھاگتے ہیں۔ جن میں تکلیف اٹھانا پڑتی ہے جن میں جان کی بازی لگانی پڑتی ہے۔ جن میں کانٹوں پر چلنا پڑتا ہے جن میں طعنے سننے پڑتے ہیں جن میں عزت اور آبرو کو داؤ پر لگانا پڑتا ہے۔ لیکن جو میٹھی میٹھی سنتیں ہیں ان پر وہ بڑی خوشی سے عمل کرتے ہیں۔

ایک صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے جن میں حوالوں کے ساتھ اور سرخیاں لگا لگا کر یہ ثابت کیا کہ کھجوریں کھانا سنت ہے، دودھ پینا سنت، حلوہ کھانا سنت ہے، گوشت کھانا سنت ہے، میں نے کہا اے کاش! تم یہ بھی ثابت کرتے کہ حلال روزی کمانا سنت ہے، بھوکوں کو کھلانا سنت ہے، دین کے لئے جہاد کرنا اور سر دھڑ کی بازی لگانا سنت ہے، گالی گلوچ اور فتویٰ بازی سے بچنا سنت ہے بلکہ یہ تو اپنے اپنے مقام میں فرض بھی ہے۔

تو رسول اکرم ﷺ کو اگرچہ وہ دونوں بھائی راضی خوشی زمین دے دیتے لیکن حریصوں کو مال ہتھیانے کا راستہ مل جاتا، مگر آپ ﷺ نے یہ راستہ ہی بند فرما دیا اور عمل کے ساتھ اپنے قول سے بھی اس کی ممانعت فرما دی آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ۔

''جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین ظلماً (زبردستی) لے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالے گا''۔

وہ ضعیف انسان جو چند من وزن نہیں اٹھا سکتا وہ سات زمینوں کا طوق کیسے اٹھائے گا؟ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ وقت حکم بن عبدالرحمٰن ثالث کو اپنا محل بنوانا تھا اتفاق سے جو زمین پسند کی گئی اس میں غریب بیوہ کا جھونپڑا آتا تھا اس بیوہ کو کہا گیا کہ یہ زمین قیمتاً دے دے مگر اس نے انکار کیا خلیفہ نے زبردستی قبضہ کر کے اس زمین پر اپنا محل بنوالیا اس بیوہ نے قاضی کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی قاضی نے اسے تسلی دے کر کہا کہ اس وقت تم جاؤ میں کسی مناسب وقت میں تمہارا انصاف کرنے کی کوشش کروں گا خلیفہ حکم بن عبدالرحمٰن جب پہلے پہل محل اور باغ کو دیکھنے گیا تو اسی وقت قاضی بھی وہاں ایک گدھا اور خالی بوری لے کر آ گیا اور خلیفہ سے وہاں سے مٹی بھرنے کی اجازت چاہی۔ اجازت دے دی گئی قاضی نے اس بورے میں مٹی بھر کر عرض کی کہ مہربانی فرما کر اس بورے کے اٹھانے میں اس کی مدد کی جائے۔ خلیفہ نے اسے ایک مذاق سمجھا اور بورے کو ہاتھ لگا کر اٹھانے کی کوشش کی چونکہ وزن زیادہ تھا خلیفہ سے ذرا بھی نہ اٹھا، موقع مناسب تھا لوہا گرم تھا۔ قاضی نے فوراً چوٹ لگائی۔ اے خلیفہ! جب تو اتنا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں تو قیامت کے دن جب ہم سب کا مالک انصاف کرنے کے لئے عرش پر جلوہ افروز ہوگا اور جس وقت وہ بیوہ جس کی زمین تم نے زبردستی لے لی ہے اپنے پروردگار سے انصاف چاہے گی تو اتنی بھاری زمین کا بوجھ کس طرح اٹھا سکو گے۔ خلیفہ پر اس برمحل بات کا بڑا اثر ہوا اور اس نے فوراً یہ محل اس کے لوازمات سمیت اس بیوہ کے حوالے کر دیا۔

مزدوروں کے حقوق غصب کرنے والے، غریبوں کے خون پسینے کی کمائی ہڑپ کرنے والے، بیواؤں کی جائیدادوں پر قبضہ کرنے والے اور یتیموں کی بے بسی اور فقیروں کی بے کسی کا ناجائز فائدہ اٹھانے والے کاش! کبھی ایک لمحے کے لئے یہ سوچ لیں کہ ہمیں اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہے اور ایک دن حاکم اعلیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔

امیر المؤمنین مہدی نے ایک نیا محل تیار کروایا۔ خلیفہ نے ہر امیر اور غریب دوست اور دشمن کو محل کے نظارے کی اجازت دے دی اور یہ اعلان کر دیا کہ اگر اس محل میں کوئی عیب دکھائی دے تو اس کا بھی اظہار کر دیا جائے۔ ایک فقیر نے محل پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد کہا اس محل میں دو نقص ہیں ایک یہ کہ آپ اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے، دوسرا یہ محل ہمیشہ نہیں رہے گا، خلیفہ اس بات سے قدر متاثر ہوا کہ وہ محل غرباء اور فقراء کے لئے وقف کر دیا۔

تو قابل احترام قارئین! یہ دنیا دار البقاء نہیں بلکہ دار الفنا ہے۔ ایک روز اس عدالت میں پیش ہونا ہے جہاں انصاف ہوتا ہے جہاں رشوت اور سفارش اور سینہ زوری نہیں چلتی۔ جہاں ہمارے جرائم کے چشم دید گواہ (فرشتے) موجود ہیں۔ جہاں ہمارے اعضاء بھی ہمارے خلاف گواہی دیں گے جن ہاتھوں سے کسی مظلوم پر ظلم کیا ہو گا کسی غریب کا حق مارا ہو گا وہی ہاتھ چیخ چیخ کر کہیں گے اے اللہ! اس ظالم نے ظلم کے لئے ہم کو استعمال کیا تھا۔

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے! اگر کسی کا حق دبایا ہے تو ادا کر دیجئے، اگر دنیا میں کسی کا حق ادا نہ کیا تو آخرت میں بہر حال ادا کرنا پڑے گا اس لئے کہ رب کائنات اپنے حقوق تو ممکن ہے اپنی شان غفاری وستاری کو کام میں لا کر معاف کر دیں مگر حقوق العباد کو وہ معاف نہیں فرمائیں گے، تو جب آخرت میں بھی حقوق کی ادائیگی کے بغیر چارہ نہیں تو دنیا ہی میں کیوں نہیں ادا کر دیتے۔

سلطان ملک شاہ ایک مرتبہ اصفہان میں جنگل میں شکار کھیل رہا تھا کسی گاؤں میں قیام ہوا وہاں ایک غریب بیوہ کی گائے تھی جس کے دودھ سے تین بچوں کی پرورش ہوتی تھی، بادشاہی آدمیوں نے اسے ذبح کر کے خوب کباب بنائے، غریب بڑھیا کو خبر ہوئی وہ بدحواس ہو گئی ساری رات پریشانی میں کاٹی، صبح ہوئی کسی نے بتایا کہ بادشاہ فلاں راستے سے شکار کو نکلے گا چنانچہ اصفہان کی مشہور نہر ''زندہ رود'' کے پل پر جا کر کھڑی ہو

گئی جب سلطان پل پر آیا تو بڑھیا نے ہمت اور جرأت سے کام لے کر کہا: اے الپ ارسلان کے بیٹے میرا انصاف اس نہر کے پل پر کرے گا یا پل صراط پر! جو جگہ پسند ہو انتخاب کر لے، بادشاہ گھوڑے سے اتر پڑا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس عجیب وغریب اور حیرت انگیز سوال کا اس پر خاص اثر ہوا ہے۔ اس نے بڑھیا سے کہا پل صراط کی طاقت نہیں میں اسی جگہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہو کیا کہتی ہو بڑھیا نے اپنا سارا قصہ بیان کیا، بادشاہ نے لشکریوں کی اس نالائق حرکت پر افسوس کا اظہار کیا اور ایک گائے کے عوض اس کو ستر گائیں دلائیں اور مالا مال کر دیا اور جب اس بڑھیا نے کہا میں تمہارے عدل و انصاف سے خوش ہوں اور میرا اللہ اور رسول ﷺ خوش ہے تو گھوڑے پر سوار ہوا۔

خلاصہ یہ کہ کسی بھی مسلمان کی ملکیت میں اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر دخل اندازی جائز نہیں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ "خبردار! ظلم نہ کرو خبردار! کسی آدمی کا مال جائز نہیں مگر اس وقت جب کہ صاحب مال اپنی خوشی سے دے"۔

مسلمان کا چوتھا حق، کہ بیماری، تکلیف، بھوک اور پریشانی میں اس کی مدد کی جائے

مسلمان کا چوتھا حق یہ ہے کہ بیماری، تکلیف، بھوک اور پریشانی میں اس کی مدد کی جائے۔ کیونکہ یہ دنیا تو دار المحن ہے یہاں انسانوں پر امتحان اور آزمائشیں تو آتی ہی رہتی ہیں، دنیائے انسانیت کے آغاز ہی سے حضرت انسان زمینی اور آسمانی حوادث کا شکار رہا ہے اور آج بھی وہی صورت حال ہے۔

وہی الم وہی سوز جگر فغاں بھی وہی
وہی زمیں کا چلن، دور آسمان بھی وہی
بھرا ہوا ہے مضامین غم سے مکتب دہر
فلک کا کورس بھی وہی میرا امتحان بھی وہی

اس دنیائے رنگ و بو میں رہنے والا ہر انسان مصائب اور حوادث سے دوچار ہے وہ کبھی بیمار ہوتا ہے کبھی عزیزوں کی جدائی کا صدمہ اسے اٹھانا پڑتا ہے، کبھی فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کا دیو اپنے پنجے اس کے ناتواں جسم میں گاڑ دیتا ہے کبھی چلتا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا ہے کبھی کسی ایکسیڈنٹ میں اس کا بدن زخموں سے چور چور ہو جاتا ہے کبھی بڑھاپا اس کی جوانی کی رعنائیاں چھین لیتا ہے، کبھی غمگسار بیوی کی وفات اور پیارے معصوم بچوں کی ناگہانی موت اس پر غموں کا پہاڑ توڑ دیتی ہے...... یہ حالات ہر انسان کو پیش آتے ہیں بس وقت میں تقدیم وتاخیر ہو جاتی ہے کسی کی خوشیوں کے خرمن پر بجلی پہلے گرتی ہے اور کسی کے خرمن پر بعد میں! بارہا ہم نے ان گھروں سے نالہ وشیون کی صدائیں بلند ہوتی دیکھی ہیں۔ جہاں چند روز پہلے خوشی کی شہنائیاں بج رہی تھیں لیکن جب کسی کو یہ حالات پیش آئیں، جب کوئی مسلمان، حوادث کا شکار ہو تو اسلام دوسرے مسلمانوں کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ اسے یکہ وتنہا نہ چھوڑیں بلکہ اس کے دکھ وسکھ میں شریک ہوں پھر کبھی تو موقع ایسا ہوتا ہے کہ صرف زبانی کلامی ہمدردی سے کسی غمزدہ کے زخموں پر مرہم رکھی جاسکتی ہے اور کبھی عملی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔

تو قابل احترام مسلمان بھائیو! اس دکھی دنیا پر ایک نظر ڈالو آپ کو یہاں بے شمار لوگ ایسے ملیں گے جو محبت اور پیار کے ایک بول کیلئے ترس رہے ہیں وہ بے چارے احساس محرومی کا شکار ہیں، اگر ہماری زبان سے نکلے ہوئے ہمدردی کے دو بول ان کے زخمی دل کو سکون دے سکتے ہیں۔ ان کا احساس محرومی دور کر سکتے ہیں تو ہمارا کیا جاتا ہے کبھی کسی بیمار اور پریشان حال کے ساتھ ہمدردی کا اظہار تو کر کے دیکھیں۔ آپ کے اظہار ہمدردی سے اس کے چہرے پر جب مسرت آئے گی تو آپ کے اپنے دل کو وہ سکون حاصل ہوگا جو دولت کا انبار خرچ کر کے بھی حاصل نہیں ہو سکتا اور آخرت میں جو ثواب ملے گا وہ اس پر مستزاد۔

اتنا اجر وثواب حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر ایک

مسلمان دوسرے (بیمار) مسلمان کی صبح کے وقت عیادت کرے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور اگر وہ شام کو اس کی عیادت کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور جنت میں اس کے لئے باغیچہ ہوگا"۔

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو جب تک وہ لوٹ نہیں آتا وہ جنت کے باغیچہ میں ہوتا ہے"۔ کس قدر معمولی سا عمل ہے مگر اس پر اجر و ثواب کتنا ہے، مگر کتنے لوگ ہیں جو اس اجر کو حاصل کرنے کی فکر کرتے ہیں۔

ایک حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے بڑے عجیب انداز میں مسلمان کے حقوق کی اہمیت اور عظمت کو اجاگر کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم! میں بیمار ہوا مگر تو نے میری عیادت نہ کی! بندہ کہے گا اے اللہ میں تیر عیادت کیسے کرتا تو تو رب العلمین ہے؟ اللہ کہے گا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا لیکن تو نے اس کی عیادت نہ کی کیا تجھے خبر نہ تھی کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا؟

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا! انسان کہے گا اے میرے پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں تو تو رب العلمین ہے؟ اللہ فرمائے گا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے اسے کھانا نہ کھلایا؟ کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تم اسے کھانا کھلاتے تو اس (کا اجر) میرے پاس پاتے؟

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے پانی نہ پلایا! بندہ کہے گا اے رب میں تجھے کیسے پلاتا تو تو رب العلمین ہے؟ اللہ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے اسے پانی نہ پلایا؟ کیا تجھے خبر نہیں تھی کہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اس (کا ثواب) میرے پاس پاتا۔

اس حدیث مبارکہ کے مضمون پر بار بار غور فرمائیں اور بتائیں کہ ایک دوسرے

کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے کیا اس سے بہتر بھی کوئی پیرایہ بیان ہوسکتا ہے؟ بھوکے پیاسے مسلمان کو طعام ومشروب سے محروم رکھنے کو گویا ذات باری کو محروم رکھنا بتایا جا رہا ہے۔ بیمار مسلمان سے بے توجہی کو اللہ تعالیٰ سے بے توجہی کہا جا رہا ہے۔

سرور دو عالم ﷺ کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ مسلمان تو مسلمان، کسی غیر مسلم اور یہودی کی علالت کی اطلاع ملتی تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جاتے اور پھر آپ ﷺ کے اخلاق کا کرشمہ بعض اوقات ان کے ایمان کی صورت میں ظاہر ہوتا۔

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک یہودی غلام رسول اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا (اتفاق سے) وہ بیمار ہوگیا آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر آپ ﷺ نے (اپنی محبت بھری زبان مبارک سے) فرمایا "اسلام قبول کرلو" اس نے اپنے ابا کی طرف دیکھا جو کہ اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، ان نے (اجازت دیتے ہوئے) کہا کہ ابوالقاسم ﷺ کی بات مان لو، چنانچہ اس نے اسلام قبول کرلیا رسول اکرم ﷺ وہاں سے اس حال میں نکلے کہ آپ ﷺ فرمارہے تھے "تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اسے دوزخ سے بچالیا"۔

آپ ﷺ کے یہی وہ اعلیٰ اخلاق تھے جن کی بدولت زنگ آلود دل صیقل ہوگئے اور پتھر موم ہوگئے۔ صحابہؓ یہی اخلاق لے کر روم وایران گئے اور دلوں کو مسخر کرتے چلے گئے وہ زبان سے بھی دین کی دعوت دیتے تھے مگر زیادہ تر لوگ ان کے معاملات کی صفائی ان کے اخلاق کی بلندی، ان کے کردار کی عظمت ان کی زبان کی سچائی اور ان کے عہد وپیمان کی پختگی دیکھ کر ایمان قبول کرتے تھے، کیونکہ انسان خالی خولی باتوں سے اتنا متاثر نہیں ہوتا جتنا کسی کا عمل اور کیریکٹر دیکھ کر متاثر ہوتا ہے۔

آج ہمارے پاس اسی چیز کی کمی ہے خوبصورت باتیں، جوشیلی تقریریں ہیں،

لمبے چوڑے دعوے ہیں، پر در د وعظ ہیں لیکن معاملات میں صفائی نہیں، اخلاق میں کشش نہیں، مخلوق خدا پر شفقت نہیں انسانوں سے پیار نہیں، مسلمانوں کے لئے ایثار نہیں جبکہ رسول اکرم ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ میں پورے دین کا خلاصہ صرف دو باتوں میں بیان فرمایا ہے "التعظیم لا مر اللہ الشفقة علی خلق اللہ" (اللہ کے احکام کی تعظیم اور اللہ کی مخلوق پر شفقت)۔

قارئین گرامی! جو رحیم و کریم آقا ایک طوائف کو صرف اس لئے بخش دیتا ہے کہ اس نے ایک پیاسے کتے پر شفقت کرتے ہوئے پانی پلایا تھا کیا وہ ایک کلمہ گو مسلمان کے ساتھ شفقت و محبت کا سلوک کرنے پر اپنی رحمت اور مغفرت سے محروم رکھے گا؟ نہیں ہرگز نہیں ایسا نہیں ہوگا ایسا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ اپنے وعدے کے مطابق اپنی مخلوق پر شفقت کرنے والوں کو آخرت میں تو نوازے گا ہی، دنیا میں بھی محروم نہیں رکھتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ بیمار ہوگئیں اور انہوں نے انار کھانے کی خواہش کی، حضرت علیؓ بازار میں تشریف لے گئے، اور چونکہ جیب خالی تھی اس لئے ایک درہم کسی سے قرض لے کر انار خریدا، واپسی میں راستے میں ایک بیمار پڑا دیکھا اس سے پوچھا کوئی چیز کھانے کو تیرا دل چاہتا ہے اس نے کہا انار کھانے کو دل چاہتا ہے، آپؓ نے اسے انار دے دیا، آپؓ خالی ہاتھ گھر واپس آئے تو کچھ شرمندہ تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا آپ شرمندہ نہ ہوں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں، کہ آپ نے جس وقت اس بیمار کو انار کھلایا تقریباً اسی وقت مرا دل انار سے بھر گیا اور مجھے صحت بھی ہوگئی۔ آپؓ خوش ہوگئے، اتنے میں حضرت سلمان فارسیؓ ایک سینی لئے ہوئے حاضر ہوئے اور کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے آپؓ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے، حضرت علیؓ نے اس کو کھولا تو اس میں نو انار تھے دیکھ کر فرمایا اگر میرے لئے آتے تو اس میں دس انار ہوتے (کیونکہ اللہ کا ایک پر دس دینے کا وعدہ ہے) حضرت سلمانؓ مسکرائے اور ایک انار اپنی آستین سے نکال کر رکھ دیا اور کہا اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس میں دس انار تھے فقط آپؓ کو آزمانے کے لئے میں نے ایک

انار نکال لیا تھا۔

صرف حضرت علیؓ ہی مسلمانوں کے لئے ایثار نہیں کرتے تھے بلکہ سارے ہی صحابہ ؓ کا یہی حال تھا وہ تو خلافت میں ہوتے ہوئے بھی بیواؤں کا پانی بھرنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے چوبیس لاکھ مربع میل کی حکمرانی کے باوجود وہ بازار سے یتیموں کا سودا سلف خرید کر لاتے تھے اور قافلہ کشوں کے گھر میں اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوری لاد کر پہنچا دیتے تھے، خدمت خلق میں اس انہماک کی بڑی وجہ یہ تھی کہ سرکار دو جہاں ﷺ کے تربیت یافتہ غلام جانتے تھے کہ بھوکوں کا پیٹ بھرنے، بیماروں کی عیادت کرنے اور پریشان حال اور ضرورت مند انسانوں کی مدد کرنے سے ویسے ہی اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے جیسے ذکر و دعا، تلاوت و استغفار اور نماز، روزہ سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی ﷺ میں معتکف تھے آپؓ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کر کے (چپ چاپ) بیٹھ گیا، حضرت ابن عباسؓ نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے، اس نے کہا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے! میں بے شک پریشان ہوں کہ فلاں کا مجھ پر حق ہے (اور رسول اکرم ﷺ کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ) اس قبر والے کی عزت کی قسم میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اچھا کیا میں کسی سے تیرے سفارش کروں اس نے عرض کیا جیسے آپؓ مناسب سمجھیں، حضرت ابن عباسؓ یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے؟ فرمایا بھولا نہیں ہوں بلکہ میں نے اس قبر والے (ﷺ) سے سنا ہے اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ نہیں گزرا (یہ کہتے ہوئے) حضرت ابن عباسؓ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمارہے تھے کہ "جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے اور کوشش کرے اس کے لئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا

اعتکاف بھی اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ فرما دیتے ہیں جن کی مسافت آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے زیادہ چوڑی ہے اور جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے تو دس برس کے اعتکاف کی کیا کچھ مقدار ہوگی۔

اندازہ لگایئے! کہ ایک مسلمان کی حاجت برآری کے لئے حضرت ابن عباسؓ نے اپنے اعتکاف کی پرواہ نہیں فرمائی۔ کیونکہ اعتکاف کی قضا ہوسکتی تھی جبکہ اس مسلمان کا مسئلہ فوری توجہ کا طالب تھا دوسری بات یہ تھی کہ ان کے سامنے وہ عظیم فضیلت تھی جو اعتکاف کی فضیلت سے کہیں بڑھ کر تھی۔

میں انتہائی درد کے ساتھ کہتا ہوں کہ آج ہم دینداروں نے اکثر و بیشتر حقوق العباد اور خدمت خلق کے فضائل والی آیات و احادیث سے آنکھیں بند کر رکھیں ہیں اور اس باب سے ہماری چشم پوشی اور غفلت کی وجہ سے عیسائی مشنریوں، فری میسن تنظیموں اور بے دینوں نے اس میدان پر قبضہ جمالیا ہے، اور وہ خدمت اور اعانت کی بنیاد پر غریب اور نادار مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں اگر ہم اسلامی بنیادوں پر اس شعبے کو زندہ کر دیں اور خدمت و اعانت کو دین کی دعوت کا ذریعہ بنالیں تو نہ صرف یہ کہ ہم اپنے مفلس بھائیوں کو گمراہ ہونے سے بچالیں گے بلکہ ہم اپنی دنیا اور آخرت سنوار کر مالک حقیقی کو بھی راضی کر لیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص نے کسی مؤمن کی دنیوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور فرمائے گا اور جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی، حق تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا"۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں بے شک رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کر سکتا ہے اور نہ اسے (بے یار و مددگار) چھوڑ سکتا ہے،

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت (کے پورا کرنے میں) لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات کی تکمیل فرماتا رہتا ہے اور جو بندہ کسی مسلمان کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان (کے عیوب) پر (دنیا میں) پردہ ڈالا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس (کے عیوب) پر پردہ ڈالے گا۔

مسلمان کا پانچواں حق، کہ مسلمان سے اگر غلطی ہو جائے تو اس سے درگزر کیا جائے

مسلمانوں کا ایک اور حق یہ ہے کہ مسلمان سے اگر غلطی ہو جائے تو اس سے درگزر کیا جائے اگر آج ہم اس سے درگزر کریں گے تو کل قیامت کو اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے گا اگر آج ہم اس کو رسوائی سے بچائیں گے تو کل روزِ محشر کو اللہ تعالیٰ ہمیں رسوائی سے محفوظ رکھے گا بظاہر یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن اللہ کے نزدیک یہ بڑا وزن رکھتی ہیں۔

حضرت حذیفہؓ رسول اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک بندہ لایا جائے گا جسے اللہ نے دنیا میں مال دے رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا میں نے تجھے جو مال دیا تو نے اس میں کیا عمل کیا؟ اور اللہ سے تو کچھ چھپا ہی نہیں سکتے، بندہ کہے گا اے میرے رب تو نے اپنا مال مجھ کو دیا تھا میں لوگوں کو بیچتا تھا اور میری عادت درگزر کرنے اور معاف کرنے کی تھی تو میں مالدار پر آسانی کرتا تھا اور تنگدست کو مہلت دیتا تھا اللہ عزوجل فرمائے گا (اے میرے بندے) میں معاف کرنے کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں (اے ملائکہ) میرے بندے سے درگزر کرو۔

غور کیجئے! اس مالدار کا دامن نیکیوں سے خالی ہوگا حسنات سے عاری ہوگا نہ اس کے پاس راتوں کا قیام ہوگا نہ دنوں کا صیام، تم تو فوراً کہہ دو گے کہ ایسے شخص کا جنت میں

کیا کام؟ لیکن وہ اللہ کی مخلوق پر ترس کھاتا ہوگا اللہ اس پر ترس کھائے گا وہ مخلوق سے درگزر کرتا ہوگا، اللہ اس سے درگزر کریگا، وہ انسانوں کے کھوٹے پیسے قبول کر لیتا ہوگا، اللہ اس کے کھوٹے اعمال قبول کر لے گا، وہ جو کہا جاتا ہے کہ ''رحمت خدا بہانہ می جوید بہانمی جوید'' (اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے مال و دولت نہیں ڈھونڈتی) تو یہ بالکل صحیح کہا جاتا ہے بعض اوقات ایک معمولی سی نیکی اسے پسند آجاتی ہے اور وہ نیکی بندے کی فوز و فلاح کا سبب بن جاتی ہے اور بسا اوقات بڑے بڑے عابدوں، زاہدوں اور پارساؤں کی عبادتیں ان کے تکبر، غرور، انسانوں کو ستانے اور ان کے حقوق غصب کرنے کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ عبادت و سخاوت کرنے کے بعد بھی انسان کو ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کہیں میری غلطی کی وجہ سے یہ ساری محنت اور انفاق و ایثار ضائع نہ چلا جائے، اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بتایا ہے کہ انسانوں میں اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہوں گے'' جن کی کوشش (اعمال) دنیا کی زندگی میں ضائع ہو گئی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں''۔

تو بندوں سے درگزر کرنا اور ان سے چشم پوشی کرنا بظاہر معمولی سی نیکی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ بہت بڑا عمل ہے جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن اپنی خصوصی رحمت سے نوازے گا۔

حضرت ابوالیسر ؓ فرماتے ہیں کہ میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے اس دل نے یاد رکھا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی تنگدست (قرضدار) کو مہلت دی اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اسے اپنے سائے میں جگہ دے گا۔

تو بہر حال! اسلام چونکہ ہر معاملہ میں اعتدال کا راستہ اختیار کرتا ہے اس لئے اسلام نے صرف قرض خواہ کو یہ ترغیب نہیں دی کہ وہ درگزر کرے بلکہ اس کے ساتھ

مقروض کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ قرض ادا کرنے کی کوشش کرے اور اگر اس کو اس حالت میں موت آ گئی کہ اس کی گردن پر کسی کا قرض یا مالی حق تھا تو پھر بڑی سے بڑی نیکی بھی اس کو اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکے گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ "ایک دن رسول اکرم ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا افضل ترین اعمال ہیں اس پر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا یہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے جواب فرمایا کہ ہاں بشرطیکہ تم اس حالت میں اللہ کی راہ میں شہید ہو کہ تم صبر کرنے والے ہو نیک نیت ہو آگے بڑھنے والے ہو اور پیٹھ دکھانے والے نہ ہو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا (اچھا دوبارہ کہو) تم نے کیا کہا تھا اس شخص نے (دوبارہ) عرض کیا کہ آپ ﷺ کا کیا خیال ہے اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا یہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے (دوبارہ) فرمایا کہ ہاں بشرطیکہ تم صبر کرنے والے ہو، نیک نیت ہو آگے بڑھنے والے ہو، پشت دکھانے والے نہ ہو (اگر تم اس شان کے ساتھ شہید ہو جاؤ گے تو تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے) سوائے قرض کے (کہ وہ شہادت سے بھی معاف نہیں ہو سکتا) یہ بات (ابھی ابھی) مجھے جبرائیلؑ نے بتائی ہے۔

حالانکہ شہید تو وہ خوش بخت انسان ہے جس کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے قبل ہی قبول ہو جاتا ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اسے مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہے جس کا ذکر اللہ نے نبیوں اور صدیقوں کے بعد تیسرے نمبر پر کیا ہے، اور شہادت وہ مقام ہے جس کی آرزو اور دعا سید الانبیاء علیہ السلام بھی کرتے تھے اس کے باوجود فرمایا کہ اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے مگر حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔

(بحوالہ چیدہ چیدہ از ندائے منبر و محراب)

مسلمان کا چھٹا حق خدمت خلق

حقوق العباد کا مخلوق خدا ہے۔ ان حقوق کی ادائیگی ہی درحقیقت خدمت خلق ہے۔ عام معنوں میں خدمت خلق کا اطلاق ایسے کام پر ہوتا ہے جس سے ہر شخص کو یکساں فائدہ پہنچے، جس میں کوئی تخصیص اس نوع کی نہ ہو کہ کسی خاص گروہ یا مذہب یا قوم کو فائدہ پہنچانا مقصود ہو بلکہ اس کا دائرہ خدمت جانوروں تک بھی پھیلے۔ اس جذبہ کے ساتھ جو کام کیا جائے گا وہ خدمت خلق کی تعریف میں آئے گا۔

خدمت خلق کے لئے شرعی اصطلاحات "صدقہ" اور "انفاق فی سبیل اللہ" ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اماطة الاذی عن الطريق صدقة.

(بحوالہ بخاری کتاب المظالم، مسلم کتاب الایمان)

راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا بھی صدقہ ہے۔"

اس طرح صدقہ کی ابتداء معمولی کام سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ کو دست و پائیداری دی جائے تو یہ صدقہ جاریہ کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ اس طرح رفاہ عامہ خدمت خلق اور صدقہ جاریہ ہم معنی اصطلاحات ہیں۔

احکام کے سلسلہ میں اگر کسی بات کو موضوع فکر ٹھہرانا مقصود ہو تو اس بنیادی اصول کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ ہر چیز دو پہلوؤں کی حامل ہے۔ ایک اصل ہے۔ دوسری فرع۔ اسلام میں ہمیشہ اصل پر زور دیا جاتا ہے، نہ کہ فرع پر اس کی بنیادی وجہ یہ ہے، کہ اصل غیر مبدل ہوتی ہے جب کہ فرع میں حالات کے مطابق تغیر و تبدل کا امکان موجود ہے۔ اسلام چونکہ دائمی اور آفاقی مذہب اور دین حیات ہے اس لئے قدرتی طور پر یہ اصول سے بحث کرتا ہے

مثال کے طور پر خدمت خلق کو ہی لیجئے زمانہ نزول اسلام میں غلاموں کو بہت ہدف ستم ٹھہرایا جاتا تھا۔ اس وقت ایک اہم اور بڑی خدمت خلق یہی تھی کہ غلاموں کو آزاد کیا

جائے چنانچہ اس کا بے حد اجر وثواب بھی بیان کیا گیا ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا یہ محبوب ترین عمل تھا اور اسے عظیم عبادت کی حیثیت حاصل تھی ۔ موجودہ دور میں غلامی کا رواج ختم ہو چکا ہے اگر اسلام فقط ، فروعات کی تبیین و توضیح پر زور دیتا رہتا تو ظاہر ہے موجودہ دور میں اس کی چنداں ضرورت نہ تھی ۔ ''فک رقبہ'' پر قرآن و احادیث میں بڑا زور دیا گیا ہے۔ اور اس پر عمل کی دیواریں بھی استوار ہوئیں تو غلام کو آزاد کرنا ایک فرع ہے ۔ اس کی اصل واساس خدا کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے جس کو شرع میں ''انفاق فی سبیل اللہ'' کہا جاتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

خدمت خلق کے اصول میں سے ایک اصول ''انفاق فی سبیل اللہ'' ہے۔ دراصل یہ خدمت خلق کا جزو اعظم ہے سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات میں ہدایت یافتہ لوگوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

ھدی للمتقین الذین یؤ منون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم یُنفقون.

ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لئے جو غائب پر ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور قیام نماز کے بعد انسان کے جس عمل کو شائستۂ التفات ٹھہرایا گیا ہے وہ مالی قربانی دینا ہے سورۂ بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت فرمادی ہے کہ انسان کو کہاں کہاں مال خرچ کرنا چاہیے:

لیس البر ان تو لوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر مَن اٰمن با للّٰہ والیوم الاٰخر و الملٰئکۃ والکتٰب والنبیین واٰتی المال علی حبہٖ ذوی القربی والیتٰمٰی والمسکین وابن السبیل و السائلینَ و فی الرقاب

واقام الصلوۃ واتی الزکوٰۃ . (سورۃ البقرہ:۱۷۷)

''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور قیامت اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اپنا دل پسند مال رشتہ داروں اور یتیموں پر مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔

ان شادات الٰہی سے ظاہر ہے کہ مذہب رسوم کی ظاہری ادائیگی اللہ سجانہ' کو مرغوب نہیں ہے بلکہ خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائے۔ اس آیت میں ایک معنی خیز حکم یہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں دل پسند مال خرچ کرے یہ نہیں کہ حاجت مندوں کو بوسیدہ گھٹیا اشیاء دے۔

قرآن حکیم میں ایک اور نہایت پر حکمت آیت ہے۔

ویسئلونک ماذاینفقون قل العفو . (سورۃ البقرہ،۲۱۹)

وہ پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زائد ہو

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ضرورت سے زائد سے کیا مراد ہے۔ ضرورت کا مفہوم ہر زمانے اور ہر معاشرے میں بدلتا رہا ہے۔ پھر ضرورت معاشرے کے مختلف طبقوں میں مختلف معنی رکھتی ہے۔ معیار ضرورت جو خاتم النبیین ﷺ نے اپنے مال کے لئے قائم کیا ہے وہ یہ ہے:

جو شخص ہمارے عملہ میں ہو وہ شادی کر لے اور اس کے پاس کوئی خادم نہ ہو تو وہ خادم رکھ لے۔ اس کے پاس گھر نہ ہو تو گھر بنالے جو اس سے زیادہ کچھ بنائے فضول خرچ ہوگا یا چور۔'' (بحوالہ ابوداود باب ارزاق العمال ج ۲ صفحہ ۵۳ و مسند امام احمد)

حضور ﷺ کا ایک ارشاد ہے۔ ''جو شخص ضرورت سے زائد مکان بنائے گا قیامت کے روز مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی گردن پر اسے اٹھائے۔'' (بحوالہ تفسیر کبیر)

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''ایک بستر ہ مرد کے لئے اور دوسرا بستر ہ عورت کے لئے تیسرا بستر ہ مہمان کے لئے چوتھا شیطان کے لئے ہے''۔

(بحوالہ مسلم۔ مشکوۃ، کتاب اللباس)

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت سے زائد سامان اسراف کی حد میں داخل ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں فضول خرچ کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارشاد نبوی کی روشنی میں ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ انسان کفایت شعاری سے کام لیتے ہوئے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لباس اور طعام و قیام پر کم خرچ کرے اور باقی بعد ادائیگی زکوۃ فرائض جو بچے وہ تمام خدمت خلق میں دے دے۔

اسلامی معاشرہ میں ایثار کی مثالیں قرآن حکیم کے احکام اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد صحابۂ کرامؓ کے مزاج میں یوں رچ بس گئے کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ میں ہی مسرت اور تسکین محسوس کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا زہد و سادگی اور انفاق فی سبیل اللہ تو تاریخ کا حصہ ہے حضرت عثمانؓ جو صحابۂ کرامؓ میں سب سے زیادہ مال دار تھے کا جذبہ فیاضی لوگوں پر دولت لٹانے سے تسکین پاتا تھا۔ خود گھر میں روٹی اور تیل کھاتے مگر محتاجوں کو مالا مال کر دیتے تھے۔

اسوۂ رسول اللہ ﷺ کا عکس حضرت عائشہؓ پر بھی مرتب ہوا تھا۔ انہوں نے ایک مرتبہ ایک لاکھ درہم صدقہ کئے حالانکہ ان کے پاس پھٹی پرانی پوشاک تھی اور وہ روزہ سے تھیں۔ خادمہ نے عرض کیا کہ آپ افطار کے لئے کچھ بچالیتیں تو اچھا تھا جواب دیا اس وقت یاد دلاتی تو ایسا کرتی۔ گویا خود کو بھول گئیں اور دوسروں کو یاد رکھا۔ (بحوالہ المستدرک للحاکم)

بنی ہاشم اور اہل بیت تو جود و کرم اور ایثار کے میدان میں سب سے آگے تھے۔ بیشمار واقعات ہیں کس کس کا ذکر کیا جائے۔ مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جنہیں علم نہ تھا کہ ان کا رزق کہاں سے آتا ہے۔ علی بن حسینؓ (زین العابدین) کا وصال ہوا تو یہ سلسلہ

بند ہو گیا۔ اس وقت لوگوں کو علم ہوا کہ وہی تھے جو راتوں کو چھپ کر ان کے ہاں سامان پہنچاتے تھے۔ وفات کے بعد دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کی پیٹھ اور شانوں پر حاجت مندوں کے لئے وزن اٹھاتے اٹھاتے نشان پڑ گئے تھے۔ (بحوالہ ارکان اربعہ)

حضرت ابو طلحہؓ انصاری کی سخاوت و ایثار کا واقعہ تاریخ نے محفوظ کیا ہے۔ وہ دربار رسالت میں موجود تھے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ مجھے سخت بھوک اور فاقہ ہے۔ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی ہے جو اس شخص کی اس رات میزبانی کرے۔ یہ سن کر ابو طلحہؓ اٹھے اور اس شخص کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی کو کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں۔ گھر میں جو کچھ ہے پیش کر دیا جائے۔ جواب ملا کہ صرف بچوں کا کھانا ہے۔ ابو طلحہؓ نے کہا کہ بچوں کو کسی طرح بہلا کر سلا دو اور جب کھانا شروع ہو تو کسی بہانے چراغ بجھا دینا تا کہ مہمان سمجھے کہ ہم بھی شریک طعام ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کا خاندان بغیر کھائے سو رہا۔ رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو بہت خوش ہوئے۔

(بحوالہ حکایات صحابہ، ارکان اربعہ)

بعض محدثین کی رائے ہے کہ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة (سورۃ الحشر:۹)

''اور وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود بدحال ہی کیوں نہ ہوں۔''

حضرت عبد القادر جیلانیؒ کہا کرتے تھے ''میری ہتھیلی میں سوراخ ہے اس میں کوئی چیز ٹھہرتی ہی نہیں۔ اگر ایک ہزار دینار بھی میرے پاس آئیں تو رات ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں۔'' ایک مرتبہ اپنی خواہش یہ بتائی میری خواہش ہے کہ پوری دنیا میرے ہاتھ میں دے دی جائے اور میں بھوکوں کو کھلاتا رہوں۔'' (بحوالہ قلائد الجواہر)

کیا اور کن پر خرچ کیا جائے

اللہ تعالیٰ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ لوگ اپنی ملکیت کا بہترین حصہ راہ خدا

میں خرچ کریں۔ارشاد ہے:

یٰایھاالذین اٰمنو اأنفقوا من طیبتِ ما کسبتم ومماأخرجنا لکم من الارض .

(سورۃ البقرہ:۲۶۷)

''اے ایمان والو جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصہ راہ خدا میں خرچ کرو۔''

پھر سورۂ آل عمران (آیت ۹۲) میں مزید تاکید فرمائی **لن تنالوالبر حتی تنفقوا مما تحبون.** تم نیکی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔''

بہتر مال راہ خدا میں دینے میں حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کی مال وزر سے محبت کم ہو جاتی ہے۔جذبہ ایثار بڑھتا ہے اور اچھی چیز کارآمد ہونے کی وجہ سے زیادہ ضرورت مند لوگوں یا معاشرہ کے کام آتی ہے۔صحابۂ کرامؓ جو رمز شناس الٰہی تھے انفاق فی سبیل اللہ سے متعلق احکام الٰہی کی اس لگن سے بجا آوری کرتے تھے کہ ایک دوسرے سے مسابقت کرتے تھے اور اپنی خواہشات کو نظر انداز کر دیتے تھے۔غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تمام اثاثہ اور حضرت عمرؓ نے اپنے پاس جو کچھ تھا اس کا نصف اللہ کی راہ میں دے دیا تھا؛ قبل ازیں حضرت ابوطلحہؓ انصاری نے بہت بڑا باغ مسلمانوں کی ضروریات کے لیے وقف کر دیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے جامع اور مختصر ارشاد میں بتایا ہے کہ مال کن لوگوں پر خرچ کیا جائے۔

وفی أموالھم حق للسآئل و المحروم. (الذٰریٰت ۱۹)

''اور ان کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم کے لئے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے لفظ ''حق'' ارشاد فرمایا ہے جو اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے یعنی یہ کہ ہر صاحب استطاعت آدمی پر یہ فرض ہے کہ معاشرے کے محروم طبقے پر خرچ کرے۔حق ہمیشہ ودیعت ہوتا ہے۔قابل نفاذ ہوتا ہے۔اس سے یہ نکتہ برآمد ہوتا ہے اہل

ثروت حضرات محروم حاجت مند طبقہ پر از خود حکم ربانی کے مطابق خرچ نہیں کرتے تو حکومت انہیں مجبور کر سکتی ہے کہ وہ خرچ کریں اور اپنا حق ادا کریں جو اُن پر عائد ہوتا۔ اللہ پر قرض حسنہ: اللہ کی راہ میں خرچ کرنا قرض حسنہ کی تعریف میں آتا ہے۔

مَن ذَالَّذِی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضٰعفہ لہٗ اضعافا کثیرۃ .

''تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تا کہ اللہ اُسے کئی گنا بڑھا دے۔

(سورۃ البقرہ:۲۴۵)

قرض حسنہ سے مراد وہ قرض ہے جو خالص نیکی کیلئے اور بلا کسی غرض و مفاد کسی کو دیا جائے۔ اس طرح جو مال راہ خدا میں خرچ ہوتا ہے اللہ باری تعالی اسے اپنے ذمہ قرض قرار دیتے ہیں ظاہر ہے اللہ سبحانہ سے بہتر مقروض کون ہوسکتا ہے۔ وہ اصل کے علاوہ بیحد وحساب زائد دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں قرض کی لازمی یقین دہانی کراتے ہیں۔

وماتنفقوا من شیءٍ فی سبیل اللہ یوف الیکم (سورۃ الانفال:٦٠)

اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ پورا تمہیں ملے گا۔''

سورۃ الحدید میں صدقات کا ذکر ہے۔ صدقہ اللہ کے ذمہ قرض فرمایا گیا ہے قرض اس لئے کہ اس کا واپس کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اور اللہ نے واپسی کا پختہ وعدہ واجر عطا اور مغفرت وبخشش کے ذریعہ فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے یہ تحریص وترغیب بھی انسان کے اپنے اور اس کے ہم جنسوں کے مفاد میں دی ہے۔ حالانکہ اس سے اللہ باری تعالیٰ کی ذات اقدسؐ کو مفاد نہیں پہنچتا۔ اس طرح زکوٰۃ کا تاکیدی حکم بھی انسان ہی کی فلاح کے لئے صادر کیا گیا۔ شان ربوبیت ملاحظہ ہو کہ عبادت کا نصب العین ہی فلاح نیت ہے۔

انفاق ریا سے پاک ہو اللہ کے راستے میں جو بھی مخلوق پر خرچ ہوگا وہ انفاق فی سبیل اللہ یا خدمت خلق کی ذیل میں آئیگا' شرط یہ ہے کہ اسکی نیت اللہ کی خوشنودی ہو۔ اس وجہ سے نہ ہو کہ اس سے لوگوں میں شہرت وعزت حاصل ہوگی یا سیاسی مقاصد حل ہوں گے۔ بلا غرض خدمت خلق میں انسان کسی کے رو رعایت نہیں کرتا اور نہ کسی پر احسان جتلاتا ہے۔ اور

نہ یہ تحصیص ہی کرتا ہے کہ وہ اس سے واقف ہے یا ناواقف صرف خلوص نیت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انفاق کے ساتھ فی سبیل اللہ کا اضافہ کر کے خلوص ہی کا مطالبہ کیا ہے۔ خلوص بدرجہ اتم اس وقت ہوتا ہے جب انسان اجنبی حاجت مند یا معاشرے کے رفاہی کاموں میں خرچ کرے کیونکہ اس صورت میں معاوضے کی توقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰایھا الذین اٰمنو الاتبطلُوا صد قٰتکم بالمنِ و الاذی کالذی ینفق مالهٗ ریاءَ الناس. (سورۃ البقرہ ۲۶۵)

''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح برباد نہ کرو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے میں خرچ کرتا ہے۔

اللہ سے اجر کی توقع ہو تو لوگوں پر احسان جتلانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اللہ نے سورۂ بقرہ (آیت ۲۷۱) میں خفیہ طریقے سے خرچ کرنے کو زیادہ افضل قرار دیا ہے:

ان تبد وٗا الصد قات فنعماھی و ان تخفوھا وتؤتوھا الفقر آءَ فھو خیرٌ لکم . اپنے صدقات اعلانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن انہیں چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

یہاں یہ واضح کرنا مناسب ہوگا کہ فرائض کی ادائیگی تو برملا ہونی چاہیے مگر اس صورت میں بھی اللہ کی رضا پیش نظر ہو۔ البتہ نوافل صدقات کی ادائیگی خفیہ ہو تو بہتر ہے۔ چھپا کر چیز دینے میں ریا کا پہلو ازخود ختم ہو جاتا ہے اور حاجت مندوں کی عزت نفس بھی مجروح نہیں ہوتی۔

مسلمان کا ساتواں حق، صدقات وخیرات

قرآن حکیم کے علاوہ متعدد احادیث میں بھی صدقات وخیرات کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ (جو پہلے یہودی تھے اور ہجرت کے بعد حضور ﷺ کے ورود

مدینہ پر رخ مبارک دیکھ کر کہا تھا کہ یہ جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہوسکتا) بیان کرتے ہیں کہ پہلا ارشاد جوانہوں نے رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سنا وہ یہ تھا لوگو سلام کا آپس میں رواج ڈالو۔ کھانا کھلایا کرو صلہ رحمی کیا کرو۔ (بحوالہ مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ، ترمذی، ابن ماجہ)

کنز العمال میں ایک حدیث ہے کہ اللہ جل شانہ کو سب سے زیادہ عمل یہ پسند ہے۔ کہ کسی کو روٹی کھلائی جائے مسکین وہ ہوتا ہے جس کا معاشی سہارا نہ ہو۔ بیوہ عورت اور مسکین کی حاجت روائی کرنا ثواب عظیم ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

بیوہ عورت اور مسکین کی ضرورت میں کوشش کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (بحوالہ بخاری۔ کتاب الادب، مسند احمد)

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات جود وسخا سے تاریخ اٹی پڑی ہے۔ سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی سخاوت حدود سے نا آشنا تھی جو مال آتا تھا فوراً صدقات وخیرات کے ذریعہ تقسیم کر دیتے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جانب یہ کہلا بھیجا:

لاخیر فی الاسراف "خرچ کرنے میں اسراف سے کام لینا کوئی بھلائی نہیں۔"

امام موصوف رضی اللہ عنہ کا جواب آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا:

لااسراف فی الخیر. (بحوالہ جواہر الحکم حصہ دوم)

یہ بھی صدقہ ہے صرف امیر ہی خیرات وصدقات کے ثواب سے فیض یاب نہیں ہوتا بلکہ غریب بھی اسمیں حصہ لے سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

الکلمة الطیبة صدقه. "ایک میٹھا بول بھی صدقہ ہے۔"

(بحوالہ بخاری کتاب الادب ومسلم کتاب الزکوۃ)

ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ مسلمان بھائی کو دیکھ کر مسکرانا صدقہ ہے (بحوالہ ترمذی کتاب البر)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"خندہ روئی سے پیش آنا سب سے پہلی نیکی ہے۔"

درخت لگانا بھی کار خیر میں شامل ہے؛ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص درخت لگائے یا کھیت اگائے اور اسمیں سے کوئی پرندہ، چوپایہ یا انسان کھائے تو یہ بھی اس کے لئے صدقہ بن جاتا ہے۔

(بحوالہ بخاری باب الحرث والمزارعۃ جلد اول)

کسی مسلمان کو صحیح مشورہ دینا بھی صدقہ اور خیر خواہی ہے ابو یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یوں نصیحت فرمائی تھی۔ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ طلب کرے تو اسے لازم ہے کہ اس سے وہی بات کرے جو اس کی خیر خواہی کی ہو۔" (بحوالہ ابن ماجہ کتاب الادب)

خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مشورہ طلب کرے تو اسے صائب و صحیح مشورہ دیا جائے۔ اچھا مشورہ بعض اوقات بہت کار آمد ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تجارتی امور میں مشورہ لینے والا آپ کے مفید مشورہ سے اپنی بد حالی سے نجات حاصل کر لے یا کوئی شخص درست مشورہ کی وجہ سے کسی غلط کام کے ارتکاب سے رُک جائے۔ ایسے بے شمار معاملات ہیں جو بعض اوقات صحیح مشورہ سے ہی درست ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ نیکیاں ہیں جن پر کچھ خرچ نہیں آتا اور یہ صدقات اور خیرات ہی کی طرح حصول ثواب کا باعث بنتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اہمیت کے پیش نظر فرمایا: الدین النصیحة. خیر خواہی کرنا دین کا نچوڑ ہے۔ (بحوالہ بخاری کتاب الایمان، مسلم کتاب الایمان)

خدمت خلق کی ارفع قسم

خدمت خلق کی نہایت اعلیٰ، ارفع قسم ایثار ہے۔

ایثار کا مطلب اپنی ضرورت کے وقت دوسرے کو ترجیح دینا ہے۔

حضور ﷺ سراپا ایثار اور مرقع رحمت تھے۔ صحابۂ کرامؓ کے کردار و اعمال میں اس کا پورا پورا پرتو موجود تھا۔ مدینہ منورہ کے انصارؓ کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ ہجرت رسول اللہ ﷺ

کے بعد ان کی خدمت میں پیشکش کی کہ ہمارے باغات اور نخلستان حاضر ہیں اور حضور ﷺ انہیں ہمارے اور مہاجر بھائیوں کے درمیان بانٹ دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مہاجرین تو باغبانی و کاشتکاری نہیں جانتے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کو پیداوار میں حصہ دے دیا کرو۔ انصارؓ نے کہا **سمعنا واطعنا** مہاجرین بھی ایثار کے اس مظاہرہ پر پکار اٹھے ہم نے اس درجہ ایثار کرنے والے لوگ نہیں دیکھے کہ اپنی جائدادوں میں خود کام کریں اور ہمیں بیٹھے بٹھائے حصہ مل جائے وہ حکم الٰہی **تعاونوا علی البر والتقوٰی** (نیکی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔) کی تابندہ مثال تھے۔

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضور ﷺ کی مالی امداد کی اپیل پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اتنا کچھ دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا کچھ گھر کے لئے بھی چھوڑا ہے۔ ''اللہ اور اس کے رسول کا نام'' حضرت ابوبکرؓ کا جواب تھا۔ اس موقعہ پر حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے گھر کا نصف اثاثہ دیا تھا۔ (بحوالہ مشکوۃ باب المناقب، ترمذی۔ ابوداود)

حضرت عثمان غنیؓ نے تین صد اونٹ مع کجاوے چندے میں دے دیئے تھے۔ اس سے پیشتر ایک موقع پر حضرت ابوطلحہؓ انصاری نے ارشاد ربانی **لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون.** (سورۃ آل عمران ۹۲)

(تم نیکی کے کامل درجہ کو نہیں پہنچ سکتے جب تک تم اس چیز سے خرچ نہ کرو گے جو تم کو پسند ہے) سننے کے بعد اپنا محبوب باغ مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔

(بحوالہ بخاری، مسلم۔ مشکوٰۃ باب افضل الصدقۃ)

اسی طرح حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے مفاد کیلئے میٹھے پانی کا کنواں خرید کر وقف کر دیا تھا۔ (بحوالہ مشکوۃ باب المناقب وترمذی ونسائی ودارقطنی) اس پر حضور ﷺ نے انتہائی خوش ہو کر فرمایا تھا کہ عثمانؓ نے جنت خرید لی۔

موجودہ دور میں خدمت خلق کا جذبہ یورپی ممالک میں عام پایا جاتا ہے۔ لوگ تعلیمی اداروں اور ہسپتالوں کے لیے دل کھول کر چندہ دیتے ہیں۔ تقریباً ہر مُلک میں باقاعدہ

رفاہی ادارے موجود ہیں جو عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں میں کثیر رقم صرف کرتے ہیں۔ صرف امریکہ میں پانچ ہزار چار سو چون (ادارے) ہیں۔ جو رفاہی امور کیلئے وقف ہیں۔ (یہ تعداد ۱۹۷۰ء کی دہائی میں تھی۔)

ہمارے ملک میں ''اپنی مدد آپ'' یا رفاہی امور میں دلچسپی کا فقدان ہے لوگ ہر کام میں حکومت کی طرف دیکھتے ہیں۔

مسلمان کا آٹھواں حق، کہ مسلمان سے عیادت کی جائے

خدمت خلق کا تقاضا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیمار ہو تو اس کی عیادت کی جائے۔ فوت ہو جائے تو اس کی تعزیت کی جائے۔ اعزہ و اقارب کے معاملے میں تو یہ امور فرض کا درجہ رکھتے ہیں۔ عام مسلمانوں کی تعزیت کی عیادت یا تعزیت بھی باعث ثواب ہے۔ بلکہ بعض اوقات واجب ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ایک دوسرے مسلمان پر یہ حقوق ہیں۔ ''سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازہ کے ساتھ جانا اور دعوت قبول کرنا''۔ (بحوالہ بخاری کتاب الجنائز ج ا، مسلم ج ۲)

احادیث کی رو سے فضیلت: اس حدیث سے ظاہر ہوگا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مخلوق کی تکلیف کا احساس کرنا اور مریض کی عیادت کرنا کتنا مستحسن عمل ہے۔ ''سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا کہ اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ انسان جواب میں کہے گا اے پروردگار تیری بیمار پرسی کیسے کرتا؟ تو تو سب کا پروردگار ہے۔ اس پر اللہ تعالی فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ اگر تو اسکی بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ (مسلم کتاب البر ج ۲)

اس لئے جب کوئی عزیز، رشتہ دار، ہمسایہ، دوست، واقف وغیرہ بیمار پڑ جائے تو اتباع سنت میں اسکی مزاج پرسی کے لئے ضرور جانا چاہیے۔ اگر بیمار کے ساتھ اس کے

تعلقات اچھے نہ ہوں تو اس کو ایسے وقت ذہن میں نہ لانا چاہیے بلکہ جذبہ ہمدردی کا ثبوت دے۔ اگر یہ بالکل گوارا نہ ہو تو مریض کے رشتہ داروں کے پاس جا کر اس کی مزاج پرسی کرے اور انہیں تسلی دیتا رہے۔

حضور ﷺ کا طریقہ عیادت

حضور نبی اکرم ﷺ بیماروں کی عیادت بڑے اہتمام سے فرمایا کرتے۔ مریض کے پاس بیٹھ کر پوچھتے "کیف تجدک" (تمہاری طبیعت کیسی ہے) بیمار کی پریشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے اور تسلی دیتے اور فرماتے: لا باس طھور ان شا اللّٰہ "فکر کی کوئی بات نہیں اللہ نے چاہا تو پاک ہو جاؤ گے۔" (یعنی بیماری سے گناہ جھڑ جائیں گے)

اور شفا کے لئے دعا فرماتے۔ حضور ﷺ نے مشرک چچاؤں کی بیمار پرسی بھی کی۔ ایک یہودی بچے کی عیادت بھی فرمائی جس کا باپ حضور ﷺ کے حسن سلوک سے اس قدر متاثر ہوا کہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

چند اصول عیادت

حکماء اسلام نے رحمۃ للعالمین ﷺ کی احادیث کی روشنی میں اصول عیادت وضع کئے ہیں۔

۱۔ مریض کی عیادت کے لئے تین روز بعد جانا چاہیے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے۔ مریض ایک دو روز میں شفایاب ہو جائے۔ اگر مرض شدید ہو تو پہلے جانا بھی مناسب ہے۔

۲۔ مریض سے تھوڑی گفتگو کرے۔

۳ مریض کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھے۔ خصوصی تعلق دار اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

۴ مریض سے تسلی آمیز انداز میں بات کرے اگرچہ الفاظ حقیقت حال سے ہم آہنگ نہ ہوں۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ چار مواقع پر انسان بطور مصلحت خلاف

واقعہ بات بھی کہہ سکتا ہے۔

(ا) مریض کے پاس عیادت کے وقت۔

(ب) بیوی کی تالیف قلب کے لئے۔ مثلاً اسے خوبصورت کہنا یا اس کے کسی کام کی زیادہ تعریف کرنا۔

(ج) جرم اعانت کے خوف سے مثال کے طور پر کوئی مسلح آدمی ایک آدمی کے قتل کی نیت سے تعاقب میں ہے اور آپ کے علم میں ہے کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے تو تعاقب کرنے والے کے استفسار پر مناسب الفاظ میں لاعلمی ظاہر کرے۔

(د) دو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے۔

ترمذی کتاب البر' ابوداؤد کتاب الادب' احیاء العلوم باب بیان مارخص فیہ من الکذب ج ۳ میں تحریر ہے کہ تین صورتوں میں کذب کی اجازت ہے۔ کذب فی الاصلاح والحرب ۲ والمراۃ۔ باقی صورتیں ان پر قیاس کی گئی ہیں۔

مسلمان کا نواں حق، کہ مسلمان سے تعزیت کی جائے

زندگی اللہ کا عطیہ ہے۔ اور وہی اس کو ختم کرنے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔ تاہم انسان کا اس عطیے پر اظہار مسرت کرنا اور اس کے سلب ہونے پر حزن وملال میں مبتلا ہونا فطری امر ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس طرح ہم اپنے بندوں کی آزمائش کرتے ہیں۔

ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات و بشر الصابرین. (البقرۃ: ۱۵۵)

ہم ضرور تمہیں خوف وخطر' فاقہ کشی' جان و مال کے نقصانات اور پھلوں کے گھاٹے میں مبتلا کرکے تمہاری آزمائش کریں گے۔ اور خوشخبری دیجئے صبر کرنے والوں کو۔

پریشان کن حالات یعنی کسی انتہائی عزیز کی موت پر صبر کرنا اور اپنے مقصد حیات کو مسلسل جاری رکھنا بڑی عبادت ہے۔ جس کا صلہ صرف جنت ہے۔ یہ اس حدیث سے

ظاہر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں میرے بندۂ مؤمن کے لئے جبکہ دُنیا میں رہنے والوں میں سے اس کی کسی پیارے کی جان لے لوں۔ پھر وہ اس کو ثواب سمجھے (اور صبر کرے تو ایسے شخص کے لئے) میرے پاس جنت کے سواء کوئی صلہ نہیں ہے۔ (بخاری۔ کتاب الرقاق جلد۲)

اگر انسان کو اللہ تعالیٰ سے سچی لگن اور محبت ہوگی تو اسکی ہر ادا کا ردِعمل صبر یا شکر کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ یہاں میں ایاز (محمود غزنوی کے غلام اور جرنیل) کا واقعہ بیان کردوں۔ محمود غزنویؒ نے ایک مرتبہ دعوت کی جو میٹھا کھانا پیش کیا گیا سخت کڑوا تھا جو بھی پہلا لقمہ منہ میں ڈالتا اگل دیتا تاہم ایاز کھاتا رہا۔ مدعو سرداروں نے ایاز سے پوچھا کہ تم اتنا کڑوا کھانا کیسے کھا رہے ہو۔ ایاز نے جواب دیا کہ آج تک تو میں اپنے محبوب (محمود غزنوی) کے لذیذ کھانوں سے کام و دہن کی تواضع کرتا رہا ہوں اور آج ایک روز کڑوا کھانے کو ملا ہے تو اسے کیسے پھینک کر ناشکری کا اظہار کروں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان پر بے شمار احسانات کئے ہیں اور عطیات سے نوازا ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنی امانت کو جو پیاری ہونے کی وجہ سے انسان کو عزیز ہوتی ہے واپس لے لے تو اس کا ردِعمل ناشکری کی صورت میں نہیں ہونا چاہیے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی   حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اسی لئے حضور ﷺ نے موت پر نوحہ اور ماتم کو سخت ناپسند فرمایا۔ حضور ﷺ کے عزیز حضرت جعفر طیارؓ کی وفات پر آپ کو شدید صدمہ ہوا۔ عورتوں نے آہ و پکار اور رونا پیٹنا شروع کردیا آنحضرت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے اور باز نہ آنے پر فرمایا کہ ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔ (بخاری کتاب الجنائز ج۱)

میت کے لیے آنسو بہانا جائز ہے۔ وفورِ محبت اور فرطِ شفقت سے خود حضور ﷺ کی آنکھوں سے اپنے صاحبزادے ابراہیمؑ اور اپنے محبوب اعزا حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی

اللہ عنہا کی ابدی جدائی سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔

حضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی صحابیؓ وفات پا جاتا اس کا جنازہ خود پڑھاتے اور پسماندگان کے پاس جا کر تعزیت فرماتے اور دلاسا دیتے۔ ایک صحابی کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے حضور ﷺ کو تکلیف ہوگی خبر نہ کی اور انہیں دفن کر دیا۔ صبح کو معلوم ہوا تو رحمۃ للعالمین ﷺ نے عدم اطلاع کی شکایت کی اور قبر پر جا کر جنازہ پڑھا۔ (مسلم کتاب الجنائز ج ۱)

آداب جنازہ کے متعلق بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنازہ جاتا ہو تو اس کے ساتھ جاؤ۔ ورنہ کم از کم اس کے گزرنے تک کھڑے رہو۔

(بخاری کتاب الجنائز)

تین دن تک تعزیت کرنا درست ہے تعزیت کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل میت کے گھر بہت تھوڑا عرصہ قیام کریں۔ اظہار ہمدردی کے بعد چلے آنا مناسب ہے۔ نیز وہاں کچھ کھانے پینے سے بھی بچنا چاہیے۔

مذہب کا نچوڑ حقوق العباد ہے اور حقوق العباد میں خلق کو اہم ترین رکن کی حیثیت حاصل ہے۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از حقوق العباد)

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر یہ چند بڑے بڑے حقوق ہیں جو ہم نے آپ کے سامنے کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش کر دیئے ہیں لیکن یہ مت جانئے گا کہ مسلمان کے صرف یہی حقوق ہیں بلکہ مختلف حیثیتوں میں مسلمان کے مختلف حقوق ہیں۔

مسلمان کے مزید مختلف حقوق

مسلمان اگر والدین کی صورت میں ہو تو ان کا حق یہ ہے کہ ان کی خدمت کی جائے ان کو کسی بھی انداز میں کوئی تکلیف نہ دی جائے ان کے جذبات کا خیال رکھا جائے وہ اگر انتقال کر جائیں تو ان کے لئے دعا و استغفار کا اہتمام کیا جائے۔

مسلمان اگر بیوی کی صورت میں ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اس کی ضروریات زندگی پوری کی جائیں، بیویاں اگر دو ہوں تو ان کے درمیان عدل کیا جائے۔

مسلمان اگر شوہر ہو تو اس کا حق بیوی پر یہ ہے کہ وہ اس کی امانت میں خیانت نہ کرے، شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس کی بات مانے، اس کے گھر اور دولت کی حفاظت کرے۔

مسلمان اگر اولاد کی صورت میں ہو تو والدین پر ان کا حق یہ ہے کہ وہ ان کی صحیح تربیت کریں انہیں نماز کی عادت ڈالیں ان پر رزق حلال خرچ کریں، اولاد میں انصاف کریں۔

مسلمان اگر یتیم ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اسے پیار دیا جائے تا کہ وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہو، اس کے مال میں خیانت نہ کی جائے اس کی صحیح نہج پر تربیت اور پرورش کی جائے۔

مسلمان اگر پڑوسی ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی خبر گیری کی جائے اس کے ساتھ احسان کیا جائے ایک دفعہ سرکار دو عالم ﷺ نے تین بار قسم اٹھائی، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں ہوسکتا۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے محفوظ نہ رہے۔

مسلمان اگر آپ کا خادم اور نوکر ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اسے اچھا طعام ولباس دیا جائے، اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے اس کی پٹائی نہ لگائی جائے، ممکن ہو تو اسے کھانے میں اپنے ساتھ شریک کیا جائے۔

مسلمان اگر عالم دین ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے، اس سے دینی مسائل میں استفادہ کیا جائے۔

مسلمان اگر بچہ ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ شفقت، محبت اور دل لگی کا

معاملہ کیا جائے۔

مسلمان اگر رفیق سفر ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی خدمت میں مسابقت کی جائے زائد از ضرورت چیز اس کو دے دی جائے اگر وہ پیدل ہو تو اسے اپنی سواری پر بٹھا لیا جائے۔

مسلمان اگر مالک ہے تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی امانت میں خیانت نہ کی جائے اس کے ساتھ خیر خواہی والا معاملہ کیا جائے۔

مسلمان اگر مزدور ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری اور جلد اسے دے دی جائے۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جائے جس سے اس کی عزت نفس مجروح ہو۔ یوں مختلف معاشرتی حیثیتوں کے اعتبار سے مسلمان کے مختلف اور متنوع حقوق ہیں۔

آیئے! ہم اپنا محاسبہ کریں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا جائزہ لیں کیا ہم واقعی ان سارے حقوق کو ادا کرتے ہیں؟ حیوانوں کے حقوق چھوڑیئے، ذمی کافروں کے حقوق چھوڑیئے، آج آپ اپنے جائزہ کو صرف اس نکتہ تک محدود رکھیں کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے دوسرے مسلمان بھائیوں کے جو حقوق ہم پہ لازم ہوتے ہیں کیا ہم ان حقوق کو ادا کر رہے ہیں اگر آپ اپنے ضمیر کا گلا دبا کر بالفرض ''ہاں'' کہہ بھی دیں تو حقائق و واقعات چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ ''نہیں نہیں''۔

ہمارے آقا و مولیٰ محسن کائنات ﷺ نے ہمیں ایک عمارت کے ساتھ تشبیہ دی تھی جس کی اینٹیں باہم مل کر اس کی تکمیل اور مضبوطی کا سامان کرتی ہیں، ہمیں اس ''جسد واحد'' کے ساتھ تشبیہ دی تھی جس کے ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے، قرآن نے ہمارا تعارف ''رحماء بینهم '' کے ساتھ کرایا تھا اور ''لا الہ الا اللہ'' کی بنیاد پر ہمارے درمیان محبت و اخوت کا ایسا رشتہ قائم کیا کہ ''دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں مگر یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا، ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے سے روٹھ جائے

بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے اپنے بچے کو الگ کر دے ہو سکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہدِ مودت، خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمان وفا و محبت ٹوٹ جائیں مگر جو رشتہ ایک چین کے مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے ایک عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے اور ایک ہندوستان کے نومسلم کو مکہ معظمہ کے صحیح النسب قریشی سے پیوست و یک جان کرتا ہے، دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو اسے توڑ سکے اور اس زنجیر کو کاٹ سکے جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسانوں کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا ہے۔

پس اے عزایزان ملت! اور اے بقیہ ماتم زدگان قافلہ اسلام! اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں پیروان اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی ہے تو تعجب ہے اگر اس کا زخم ہم اپنے دلوں میں نہ دیکھیں، اگر اس آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پیرو توحید کی لاش تڑپ رہی ہے، تو لعنت ہے ان کروڑوں زندگیوں پر جن کے دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو اگر افغانستان میں مساجد اور مصاحف کی بے حرمتی ہو رہی ہے تو ہم کو کیا ہو گیا کہ ہمارے دل وجگر کے ٹکڑے نہیں گرے، کشمیر میں اگر ان سینوں کو گولیوں اور سنگینوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے جن سے نزع کے عالم میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کی آواز نکل رہی تھی تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو اگر اپنی گردنوں پر اس کے نشان محسوس نہ کریں، اگر عرب کے ریگزاروں میں کلمہ توحید کے محافظوں کے بدن، صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھید رہے ہیں تو ہم اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسول ﷺ کے ملعون ہوں، اگر اپنے پہلوؤں کے اندر ایک لمحہ کے لئے بھی راحت اور سکون محسوس نہ کریں مجھ کو تو یہ بھی کہنا چاہیے کہ اگر میدان جہاد میں کسی بھی مسلمان کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ جائے تو قسم ہے خدائے اسلام کی کہ کوئی پاکستان کا مسلمان، مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس کی چبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے اگر ایک نادار ماں صرف اس لئے کانٹوں پر رات گزار دیتی ہے کہ اس کے بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں

تو تف ہے ہماری زندگیوں پر اگر ہم خواب خرگوش کے مزے لیتے رہیں، اگر ایک فقر زدہ باپ صرف اس لئے خودکشی کر لیتا ہے کہ اس سے اس کے بھوکے بچوں کی چیخیں سنی نہیں جاتی تھیں، تو اس نادان باپ کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی اپنی گردنوں کو آخرت کے پھندے کے لئے تیار رکھنا چاہیئے، اگر ایک سہاگن صرف اس لئے بیوہ ہو جاتی ہے کہ ہسپتال میں آخری ہچکیاں لیتے ہوئے اس کے شوہر کو کوئی مسلمان خون دینے کے لئے تیار نہیں تھا تو تعجب ہوتا ہے، رب کائنات کی شان رحیمی اور کریمی پر کہ اب تک ہماری رگوں میں خون کی گردش کیسے جاری ہے۔

خوب یاد رکھیئے! کہ اگر کسی مظلوم کی دادرسی کے لئے، کسی نان شبینہ کے محتاج غریب مسلمان کی نصرت کے لئے، بھوک سے تلملانے والے کسی معصوم بچے کا پیٹ بھرنے کے لئے، بیماری سے نڈھال کسی مسلمان کی عیادت اور اعانت کے لئے ہمارے دل میں درد نہیں اٹھتا، ہماری تجوریوں میں ارتعاش پیدا نہیں ہوتا، ہمارے اعضاء حرکت میں نہیں آتے تو ہمیں ایک گہری نظر سے اپنے سینے کا جائزہ ضرور لے لینا چاہیئے کہ کہیں وہ ایمان سے خالی تو نہیں ہو گیا۔ ارے میاں! مسلمان تو بڑا حساس ہوتا ہے اس کی حالت تو یہ ہوتی ہے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

(بحوالہ جستہ جستہ از ندائے منبر و محراب)

مسلمان تو کسی کافر بلکہ حیوان تک کی تکلیف نہیں دیکھ سکتا وہ کیسا مسلمان ہے جو زخموں سے چور، بھوک سے نڈھال، مصائب سے پریشان حالات سے آزردہ اور بیماروں سے شکستہ انسانوں کے درمیان رہتا ہے مگر اپنی کھال میں مست ہے اس کے دل میں درد نہیں اسے کسی کی پرواہ نہیں۔

بسیار خوری کی وجہ سے کھٹے ڈکار مارنے والو! ان فاقہ زدہ انسانوں کو بھی یاد کر لیا کرو جو روٹی کے ایک ٹکڑے کی تلاش میں کچرے کے ڈھیروں پر چیلوں اور کوؤں کو

طرح جھپٹتے ہیں، میں نے ابھی چند روز پیشتر ہی اخبار میں پڑھا کہ ایک ماں نے اپنے معصوم بچوں کے گلے کاٹنے کے بعد اپنا گلا بھی کاٹ لیا اور خودکشی کر لی، وہ ماں جو بچوں کے پاؤں میں کانٹا برداشت نہیں کر سکتی۔ اس مشرقی ماں نے جانتے ہوا ایسا کیوں کیا صرف اس لئے کہ اس کے اندر اپنے بھوکے بچوں کی تڑپ دیکھنے کا حوصلہ باقی نہیں رہا تھا، کیا ان معصوم بچوں کا خون اب وڈیروں، چوہدریوں، رئیسوں، سرمایہ داروں اور حاکموں کی گردن پر نہیں ہے، جو اللہ کی دی ہوئی دولت وثروت پر خزانے کے سانپ بن کر بیٹھے ہیں۔

کیا ان نوخیز کلیوں کے مسلے جانے کا وہ نظام ذمہ دار نہیں ہے جس نظام کی بدولت امیر امیر تر ہو رہا ہے اور غریب، غریب تر! ہائے وہ اسلام کا فلاحی اور مثالی نظام! جس میں خلیفہ وقت روتے ہوئے بچوں کا پیٹ بھر کر ان کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دیتا تھا، جس نظام میں کتے کا بھوکا مرنا بھی نا قابل برداشت تھا۔

اس گذشتہ عید الفطر پر اخبار میں ایک خبر شائع ہوئی رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں وہ خبر پڑھ کر میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میرے جیسے سنگدل انسان کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے، خبر یہ تھی کہ پنجاب کے کسی شہر میں غالباً! اقبال نامی ایک معصوم بچے نے ریل گاڑی کے نیچے آ کر خودکشی کر لی وہ خودکشی کرنے کی وجہ یہ تھی کہ عید کا موقع تھا اس کے ہم عمر دوسرے بچوں نے نئے کپڑے سلوائے تھے اقبال نے اپنے والدین کے سامنے اصرار کیا کہ مجھے بھی نئے کپڑے سلوا کر دیئے جائے، مگر وہ غربت کے ہاتھوں اس قدر مجبور تھے کہ اپنے لخت جگر کی یہ چھوٹی سی خواہش بھی پوری نہ کر سکے، چنانچہ دل شکستہ بچے نے اپنی زندگی کا چراغ گل کر کے ظالم سماج کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کر دیا۔ دور حاضر کے پتھر صفت مسلمانوں کے ضمیر پر بھاری بھر کم ہتھوڑے کی ضرب لگا دی۔۔۔ اے سنگدل انسانو! تمہارے بچوں کے ڈریس ہر مہینے بلکہ ہر ہفتے تبدیل ہوتے ہیں۔ ان کا اسکول کا یونیفارم الگ ہے کھیل کود کی وردی الگ ہے شادی بیاہ

کا لباس جدا ہے گھر کے کپڑے علیحدہ ہیں، بازار کا سوٹ اور ہے، سونے کے لباس اور ہیں، مگر تم نے کبھی سوچا کہ یہاں ایسے بچے بھی ہیں جن کو عید کے لئے بھی نیا لباس نصیب نہیں ہوتا؟ کبھی تم نے ان کے تار تار لباس اور پھٹے پرانے چیتھڑوں کو دیکھا ہے جو ستر کے تقاضے بھی پورے نہیں کرتے؟ مگر تم کیوں دیکھو گے تمہارے دیکھنے کے لئے دنیا میں دوسری چیزیں کیا کم ہیں؟ تمہارے پاس اتنی فرصت ہی کہاں ہے اور ممکن ہے کہ نشہ دولت سے معمور بعض حضرات یہ بھی کہہ دیں کہ اجی! آج کے دور میں کون اتنا غریب ہوگا جسے لباس جیسی معمولی چیز کی ضرورت ہو میں ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے وہ خبر سنا دینا کافی سمجھتا ہوں جو مئی ۱۹۸۹ کو جنگ اخبار میں شائع ہوئی تھی خبر یہ تھی کہ بنگلہ دیش میں ہر سال ایک شہر میں ایک صاحب ثروت غریب عورتوں میں مفت ساڑھیاں تقسیم کرتے ہیں (کیونکہ بنگالی خواتین بالعموم ساڑھی پہنتی ہیں) اس سال ساڑھیاں لینے کے لئے دور دراز سے اس قدر عورتیں جمع ہوگئیں کہ انیس عورتیں ہجوم میں کچل کر ہلاک ہوگئیں اور پھر ان بدنصیب عورتوں کو ساڑھیوں کے بجائے کفن پہنایا گیا۔ میرے اللہ! تو ہی میری زبان میرے قلم میں ایسا درد اور اثر پیدا کر دے جو پتھر صفت دلوں کو موم کر دے۔

علامہ اقبال کے کتنے ہی اقبال ہیں ڈھنگ کے لباس سے محروم ہیں کتنی ہی مائیں ہیں جنہیں اپنے بھوکے بچوں کی چیخیں سننی پڑتی ہیں۔

سوچئے میرے دوستو سوچئے! کیا یہ ساری باتیں یہ المناک واقعات سننے کے بعد آپ اس نتیجے پر نہیں پہنچے کہ خدمت خلق کا کام سارے اسلامی اصولوں کی بنیاد پر منظم طریقے سے کرنے کی ضرورت ہے؟ یہ کسی ایک فرد کا کام نہیں ہے بلکہ اسے اجتماعی سطح پر کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کے لئے باقاعدہ تحریک چلانے کی ضرورت ہے، مسجد کیساتھ ایک فلاحی مرکز کی تعمیر ضروری ہے، مسجد اس معاملہ میں ایک کلیدی کردار ادا کر سکتی ہیں، مسجد ہی سے

محلّہ کے نادار اور مستحق افراد پر نظر رکھی جا سکتی ہے۔

مجھے ان ساتھیوں پر تعجب ہوتا ہے جو نماز، روزہ کو عبادت اور اللہ کے احکام سمجھتے ہیں لیکن مظلوموں کی داد رسی، بیواؤں کی خبر گیری، یتیموں کی سرپرستی، مریضوں کی عیادت اور ناداروں کی اعانت کو عبادت نہیں سمجھتے، کتاب وسنت کی روشنی میں میری ان مدلل معروضات کو پڑھنے کے بعد اگر کوئی اللہ کا بندہ ان کاموں کے عبادت ہونے سے انکار کرتا ہے تو اسے اللہ ہی سمجھے۔

پھر یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ قریب ہے کہ فقر انسان کو کفر تک پہنچا دے، اگر ہم نے ناداروں کی سرپرستی نہ کی اور کوئی شخص محض اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے کافر بن گیا تو ہم روز قیامت کی مسئولیت سے بری الذمہ نہیں ہوسکیں گے اور یہ محض اندیشہ نہیں بلکہ حقیقتاً ایسا ہو رہا ہے ہماری آنکھیں بند کر لینے سے حقائق تو نہیں بدل سکتے، ہزاروں لاکھوں غریب مسلمان ہیں جن کو عیسائیوں، قادیانیوں اور سوشلسٹوں نے اپنے دم تزویر میں پھانس لیا ہے اور دین سے بیگانہ کر دیا ہے ان کو مذہب تبدیل کرنے میں سوائے پیٹ کی آگ بجھانے کے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

چونکہ پاکستان میں بیروزگاری عام ہے اس لئے کئی مذہب کے مبلغوں نے نوجوانوں کو روزگار کا لالچ دے کر گمراہ کیا، مرزائیوں نے پاکستانیوں کو مرزائی بنانے کے لئے ایک سہ نکاتی منصوبہ بنایا کہ جو مسلمان مرزائی ہوگا اس کے تعلیمی اخراجات جماعت برداشت کرے گی اسے نوکری دلوا کر اسکی شادی بھی کرا دے گی جس پر کئی نوجوانوں نے مرزائیت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ "علامہ اقبال" کے ہاں پہنچے تو وہ حجامت بنوا رہے تھے باتوں باتوں میں مولانا موصوف نے پوچھا کہ "ڈاکٹر صاحب! نوجوان زیادہ تر مرزائی کیوں ہو رہے ہیں۔ تو علامہ اقبال نے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "مولوی صاحب! روٹی کے لئے،

مرزائی بیٹی کا رشتہ دیتے ہیں اور نوکر بھی کرادیتے ہیں نوجوان کو اور کیا چاہئے بیوی بھی مل گئی اور روٹی کا سوال بھی حل ہو گیا۔

ہر مرزائی تبلیغی اغراض کیلئے اپنی آمدنی سے کم از کم ایک آنہ فی روپیہ لازمی طور پر چندہ دیتا ہے ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو آمدنی کا کم از کم ۱/۱۰ حصہ اور وفات کے بعد اپنی جائیداد کا ۱/۵ حصہ بطور چندہ دیتے ہیں۔

مفت لٹریچر اور کتابوں کے علاوہ صرف پاکستان سے مختلف ناموں سے ان کے دس ماہانہ رسائل نکلتے ہیں۔

عیسائیوں کی سرگرمیاں آپ جانتے ہیں کہ مسیحیت وہ گیا گزرا مذہب ہے جسے اپنے اصل مرکز یعنی یورپ میں بھی پذیرائی حاصل نہیں ہے اور لوگ عیسائیت کو چھوڑ کر یا تو ملحد ہو رہے ہیں اور یا وہ دوسرے مذاہب بالخصوص اسلام قبول کر رہے ہیں۔ گرجے ویران ہیں اور پادری پریشان ہیں کہ لوگوں کو کیسے مسیحی مذہب کی طرف مائل رکھیں بائبل کو کوئی پڑھنے کے لئے تیار نہیں لیکن یہی پادری مبلغ اور عیسائی مشینریاں غریب مسلمان ممالک میں دن رات عیسائیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

۲ جنوری ۱۹۷۹ کے روزنامہ جنگ میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ عالمی پیمانہ پر عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ایک ارب ڈالر دس ارب روپے کا منصوبہ امریکہ میں قائم ایک تنظیم نے بنایا ہے یہ فنڈ امریکہ کے صنعت کاروں، مذہبی تنظیموں اور عیسائی مخیّر افراد کے تعاون سے جمع کیا جاتا ہے، یہ لوگ تبلیغی، مالی، تعلیمی، طبی اور خدمتی ادارے قائم کرتے ہیں اور بالعموم غریب اور نادار مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانس لیتے ہیں، اگر اللہ آپ کو توفیق دے تو پاکستان کے چاروں صوبوں کے پسماندہ علاقوں میں حالات کا جائزہ لیں آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ کیسے منظم طریقے سے خاموشی کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کر رہے ہیں وہ ناداروں، بیماروں، معذوروں اور کوڑیوں پر توجہ دیتے ہیں ان کا علاج معالجہ کرتے ہیں، ان کے ساتھ ہمدردی کی باتیں کرتے ہیں اور باتوں

ہی باتوں میں انکے کانوں میں عیسائیت کا پیغام ڈال دیتے ہیں۔

پاکستان سے ان کے ایک درجن کے قریب رسالے نکلتے ہیں اس کے علاوہ اردو زبان میں ۲۴ اور انگریزی زبان میں ۵۲ بائبل خط و کتابت کے کورسز جاری ہیں، ریڈیو، ٹی وی اور ویڈیو فلموں سے بھی وہ عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان کے ذرائع ابلاغ اور مسیحی مشنریوں کی کوششیں ضائع نہیں گئیں اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ قیام پاکستان کے بعد پہلی مردم شماری ۱۹۵۱ میں ہوئی اور اس وقت مسیحی آبادی ۴۳۴۰۰۰ تھی اور ۱۹۸۱ کی آخری مردم شماری کے وقت یعنی ۳۰ سال کی مدت میں ان کی تعداد ۱۳۱۰۴۲۶ تک پہنچ گئی یعنی ۲۰۲ فیصد کے قریب اضافہ ہو گیا جب کہ مسلمان آبادی میں اضافہ صرف ۱۴۹ فیصد ہوا۔

خدارا! ان اعداد و شمار پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اور بتائیے کہ اگر ان میں دس فیصد بھی سچائی ہو اور واقعی کچھ مسلمان ہماری توجہ اور ہمدردی سے محروم ہونے کی وجہ سے عیسائیت اور قادیانیت کی گود میں چلے گئے ہیں تو کیا ہم سے اس بارے میں قیامت کے دن کچھ بھی پوچھ نہیں ہوگی؟

اگر یہ لوگ اپنے مردود مذاہب کی تبلیغ اور اشاعت پر اربوں ڈالر خرچ کر سکتے ہیں تو ہمارے اصحاب ثروت کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ نمود و نمائش پر تو کروڑوں خرچ کر دیتے ہیں لیکن سچے دین کی اشاعت اور غریب مسلمانوں کی اعانت کے لئے ایک پائی خرچ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

مسلمان کی اعانت اور خبر گیری تو دور کی بات یہاں تو حالت یہ ہے کہ بات بات پر مسلمان کا خون بہا دیا جاتا ہے نسلی قومی اور لسانی تعصبات عروج پر ہیں ایک اللہ کی کتاب ایک رسول اور ایک قبلہ کو ماننے والے رنگ زبان اور صوبوں کی بنیاد پر تقسیم ہو چکے ہیں آپ کے سامنے یہاں کراچی میں ایسا بھی ہوا کہ ایک زبان بولنے والوں نے دوسری زبان بولنے والوں پر حملہ کیا جیسے کافر مسلمان پر حملہ کرتے ہیں ایک ایک دن

میں یہاں چار چار سو جنازے اٹھے بعض نوجوانوں کو اغوا کر کے ان کے جسم کے نازک حصوں کو سگریزوں سے داغا گیا ان کی جلد کو بلیڈ سے چیرا گیا ان کی ہڈیوں پر برمے سے سوراخ کیئے گیئے ان کے اعضاء توڑ دیئے گے، ان کی شکلیں مسخ کر دی گئیں ان کی آنکھیں نکال دی گئیں، بعض کو زندہ جلا دیا گیا ایسی خبریں بھی اخبار میں شائع ہوئیں کہ ستر سالہ بوڑھے کو لکڑیوں کے ٹال میں پھینک کر پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی اور پھر رقص بسمل پر اس کے تڑپنے کے منظر پر تالیاں بجائی گئیں اور قہقے لگائے گیئے راہ چلتے انسانوں کو پکڑ لیا جاتا اور پوچھا جاتا کہ تم کون ہو اگر وہ اللہ کا بندہ کہہ دیتا کہ میں مسلمان ہوں تو بڑی حقارت سے کہا جاتا ارے مسلمان تو سارے ہیں تم یہ بتاؤ کہ تمہارے قومیت کیا ہے کس صوبے سے تعلق رکھتے ہو اگر وہ کسی دوسری قومیت کا فرد ہوتا تو اسے جبر و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا یہ سارے واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے ہوئے اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئے لیکن ہم نے اس کے باوجود منظم طریقے سے مسلمانوں کے حقوق کا شعور اجاگر کرنے کی کوشش نہیں کی اللہ کے بندو! اسلام تو ایثار واحسان کا سبق دیتا ہے اسلام تو عفو و درگذر کا درس دیتا ہے اسلام تو اخوت ومحبت کا پیغام دیتا ہے، اسلام تو حیوانوں پر بھی ظلم کی اجازت نہیں دیتا مگر وہ کیسے مسلمان ہیں جو دوسرے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں ان کا مثلہ کرتے ہیں انہیں زندہ جلاتے ہیں اور پھر اس پر قہقے لگاتے ہیں۔

یورپ والو! لعنت ہو تمہاری گندی تہذیب پر تمہاری مار دھاڑ سے بھر پور فلموں نے، تمہارے خوفناک ڈراموں نے تمہارے جاسوسی ناولوں نے مسلمان جوان کو اتنا شقی اور سنگدل بنا دیا ہے کہ وہ جلتے ہوئے مسلمان کے رقص بسمل پر قہقے لگاتا ہے وہ تڑپتی لاشیں دیکھتا ہے مگر اس کا انسانی ضمیر نہیں جاگتا۔

یاد رکھیئے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے لاڈلے صحابی حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ایک ایسے شخص کو قتل کرنے پر کس قدر ناراضگی کا اظہار کیا تھا جس کا مسلمان ہونا بھی

مشکوک تھا اگر بالفرض وہ مسلمان تھا بھی تو چند لمحوں کا مسلمان تھا اس نے ابھی ابھی اسلام قبول کیا ہوگا، اگر چند لمحوں کے مسلمان کے قتل پر اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناراض ہو سکتے ہیں تو کیا وہ تیس سالہ، چالیس سالہ، پچاس سالہ، مسلمان کے قتل پر ناراض نہیں ہوں گے؟

میرے! مسلمان بھائیو آیئے ہم سب مل کر مسلمان کے حقوق کا تصور اجاگر کریں آیئے ہم ایک دوسرے سے محبت کریں۔ آیئے ہم ایک دوسرے کی جان، آبرو کی حفاظت کریں آیئے ہم پڑوسیوں کے دکھ سکھ میں شریک ہوں آیئے ہم بیماروں کی عیادت کریں آیئے ہم ناداروں کی اعانت کریں آیئے ہم بوڑھوں اور معذوروں کی خدمت کریں آیئے ہم دل میں خلوص اور درد پیدا کر کے خدمت کو عبادت بنا دیں، آیئے ہم خدمت کو مسلمانوں کی حفاظت اور دین کی اشاعت کا ذریعہ بنالیں، آیئے ہم انبیاء، صلحاء، اتقیاء، علما اولیا، خلفاء اور صحابہ کی اس مٹی ہوئی سنت کو دوبارہ زندہ کر دیں۔

یاد رکھیں! صرف خدمت کافی نہیں بلکہ وہ خدمت ضروری ہے جو عبادت بن جائے وہ خدمت ضروری ہے جو دین کی اشاعت کا ذریعہ بن جائے وہ خدمت ضروری ہے جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہو۔

یاد رکھیں! اگر ہم نے فوری طور پر یہ کام شروع نہ کیا تو پھر وقت ہمیں بہت پیچھے چھوڑ دے گا، گمراہی کا سیلاب ہمارے سروں کے اوپر سے گزر جائے گا، عیسائیت، قادیانیت، الحاد اور دہریت کا گھیراؤ ہمارے اردگرد بہت تنگ ہو جائے گا، خدارا! نیند سے بیدار ہو جایئے اور جلدی کیجئے۔ (بحوالہ جستہ جستہ از ندائے منبر و محراب جلد ثانی)

مسلمانوں کے باہمی حقوق کی مزید وضاحت

آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے عرب کا بچہ بچہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا دشمن تھا، ایک ایک خون کا بدلہ کئی کئی پشتوں تک جا کر

لیتے تھے۔اس طرح خاندانوں میں لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا۔اور ہر شخص اپنی جگہ پر اپنے کو ہمیشہ خطروں میں گھرا ہوا پاتا تھا۔اور اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اور چلتے پھرتے ہر وقت چوکنا رہتا تھا کہ کوئی اس پر حملہ نہ کر بیٹھے۔آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو اپنے ساتھ خون کے رشتے سے بڑھ کر ایک اور رشتہ لائے، اور وہ دین کا رشتہ تھا، جس نے مدت کے بچھڑوں کو ملا دیا، دشمنوں کو بھائی بھائی بنا دیا، اور خاندانی وقبائلی بیگانگی سے بڑھ کر اسلامی برادری کی یگانگی ان کے اندر پیدا کر دی جس نے اس طرح ان کی ہر قسم کی عداوتوں کا خاتمہ کر دیا اور باہمی دشمنیوں کو ان کے دلوں سے ایسا بھلا دیا کہ وہ حقیقت میں بھائی بھائی ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ حق تقٰتہٖ ولا تموتن الا وانتم مسلمون o واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانا o

(آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: اے مسلمانو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ تم مرو لیکن مسلمان۔اور خدا کی رسی سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو، اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو، اور تم اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے، تو اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر تم بھائی بھائی ہو گئے۔

مسلمانوں کے اس باہمی میل ملاپ اور محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل ظاہر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی روئے زمین کا سارا خزانہ بھی لٹا دیتا تو ان دشمنوں کو باہم ملا کر ایک نہیں کر سکتا تھا۔ **والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللّٰہ الف بینھم انہ عزیز حکیم o**

(انفال:۶۳)

ترجمہ: اور خدا نے مسلمانوں کے دل ملا دیئے، اگر تو زمین میں جو کچھ ہے سب

خرچ کر دیتا تب بھی تو ان کے دلوں کو ملا نہ سکتا، لیکن خدا نے ملا دیا، بیشک وہ (ہر مشکل پر) غالب آنے والا اور مصلحت جاننے والا ہے۔

تو اب مسلمانوں کو یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فعل کی قدر کریں اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کے دین کی رسی کو جو ان کی یگانگی کا اصلی رشتہ ہے، مضبوط پکڑیں اور باہم اختلاف پیدا کر کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں کیونکہ اس رسی کی مضبوطی اس وقت تک ہے جب تک سب مل کر اس کو پکڑے رہیں۔ فرمایا: **واطیعوا اللّٰہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم** (انفال:۴۶)

ترجمہ: اور اللہ اور رسول کا کہا مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو (کہ ایسا ہوگا تو) ہمت ہار دو گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

یہی باہمی اتفاق واتحاد، ملت اسلامیہ کی عمارت کا ستون ہے اور مسلمانوں کی جماعت کا شیرازہ ہے، اس شیرازہ کے استحکام کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں میں باہم الفت ومحبت ہو، اب اگر اتفاق سے ان میں اختلاف پیش آجائے تو اس کے دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ دونوں خدا اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کریں۔ **فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللّٰہ والرسول** (نساء:۵۹)

ترجمہ: تو اگر تم (مسلمانوں) میں کسی بات میں جھگڑا ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔

اگر یہ جھگڑا بڑھتے بڑھتے جنگ تک پہنچ جائے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ جو فریق ظالم ہو سب مل کر اس سے لڑیں اور اس کو صلح پر مجبور کریں اور جب وہ راضی ہو جائے تو عدل وانصاف سے ان میں صلح کرا دیں۔

وان طائفتٰن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتّٰی تفیء الی امر اللّٰہ. فان فاء ت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللّٰہ یحب المقسطین انما

المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم. (حجرات:۹)

ترجمہ: اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو، پھر اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو، تو اگر وہ رجوع کرلے تو ان میں عدل کے ساتھ صلح کرادو، اور انصاف کرو، خدا منصفوں کو دوست رکھتا ہے۔ مؤمن تو آپس میں بھائی ہی ہیں، اپنے دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کرادو۔

آیت کے اخیر ٹکڑے نے بتایا کہ باہم مسلمانوں میں بھائی بھائی کا رشتہ ہے، یہ رشتہ جنگ وخونریزی کے بعد بھی نہیں کٹتا۔ انہی آیتوں کے تحت میں وہ حدیث ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

(بخاری)

صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کی جاسکتی ہے، لیکن اگر وہ ظالم ہو تو اس کی مدد کیوں کر کی جائے، فرمایا اس طرح کہ اس کے ہاتھوں کو ظلم سے روکا جائے۔

کیسا ہی بڑے سے بڑا کافر اور سخت سے سخت دشمن ہو، جس وقت اس نے کلمۂ شہادت پڑھا اور شریعت اسلامی کو قبول کیا وہ دفعتہً ہمارا مذہبی بھائی ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فان تابوا واقاموا الصلٰوة واٰتوا الزكٰوة فاخوانكم فى الدين ط

(توبہ:۱۱)

ترجمہ: تو اگر یہ کافر (کفر سے) توبہ کرلیں، اور نماز کھڑی کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے مذہبی بھائی ہیں۔

غلام بھی اگر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجائے تو وہ اسلام کے رشتہ میں داخل ہوگیا، اگر اس کے باپ کا نام ونسب نہیں معلوم تو کوئی حرج نہیں، وہ دین کے رشتہ سے ہر مسلمان کا بھائی ہے، فرمایا: فان لم تعلموا اٰباء هم فاخوانكم فى الدين ومواليكم.

(احزاب:۵)

ترجمہ: تو اگر تم ان کے باپوں کے نام نہ جانو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور علاقہ مند۔ ایک مسلمان کسی مسلمان کو قتل کر دے تب بھی اللہ تعالیٰ مقتول کے رشتہ داروں کو قاتل کا بھائی قرار دے کر اس کے جذبہ رحم کی تحریک فرماتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

فمن عفی له من اخیه شیء۔ (بقرہ:۱۷۸)

ترجمہ: تو اگر قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے۔

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی غیبت حرام ہے کیونکہ ایحب احد کم ان یاکل لحم اخیه میتا (حجرات:۱۲)

ترجمہ: کیا تم میں کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟

یتیموں کے مال کی دیکھ بھال اور خوبی سے اس کا انتظام کرنا متولیوں کا فرض ہے، اور اگر وہ ان کو اپنے اندر شامل کر کے نیک نیتی کے ساتھ اُن کو اپنے کنبہ کا جزو بنالیں، اور ملا جلا کر خرچ کریں تو یہ بھی درست ہے کیونکہ یہ ان کے بھائی ہیں، جن کی خیر خواہی ان کا فرض ہے، فرمایا: وان تخالطوهم فاخوانكم (بقرہ:۲۲۰)

ترجمہ: اور اگر تم ان کو اپنے میں ملالو تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں۔

ایک مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان پر یہ بھی حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حق میں دعائے خیر کریں، وہ یوں کہتے ہیں: ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان. (حشر:۱۰)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے معاف کر۔

ایک مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے کینہ ہونا ایسی برائی ہے جس کے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہئے اور کہنا چاہئے: ولا

تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رء وف الرحیم. (حشر:۱۰)

ترجمہ: اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ مت رہنے دے اے ہمارے پروردگار تو مہربان رحم والا ہے۔

مسلمانوں کی صفت یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے سے رحم و شفقت کے ساتھ پیش آتے ہیں خدا نے مدح فرمائی: رحماء بینھم (فتح:۲۹)

ترجمہ: وہ (مسلمان) آپس میں رحم و شفقت رکھتے ہیں۔

مسلمان کی یہ صفت ہونی چاہیئے کہ وہ دوسرے مسلمان سے جھک کر ملے اور نرمی کا برتاؤ کرے۔ اذلة علی المؤمنین. (مائدہ:۵۴)

ترجمہ: مسلمانوں سے جھکنے اور نرمی کرنے والے۔

مسلمانوں کی اس باہمی اخوت، محبت اور مہربانی کی مزید تشریح اور تاکید محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے یوں فرمائی ہے ''مسلمان کو باہم ایک دوسرے پر رحم کرنے، محبت کرنے اور شفقت کرنے میں جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ اس کے ایک عضو میں بھی تکلیف ہو تو بدن کے سارے اعضاء بخار اور بیخوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔'' صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ فرمایا ''سارے مسلمان مل کر ایک آدمی کے مثل ہیں کہ اگر اس کی آنکھ بھی دکھے تو سارا بدن دکھ محسوس کرتا ہے اور اگر سر میں درد ہو تو پورا جسم تکلیف میں ہوتا ہے۔'' مقصود یہ ہے کہ امتِ مسلمہ ایک جسم ہے، اور اس کے سارے افراد اس کے اعضاء ہیں، بدن کے ایک عضو میں بھی اگر کوئی تکلیف یا دکھ درد ہو تو سارے اعضا اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں، اور اس دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ یہی مسلمانوں کا حال ہونا چاہیئے کہ ان میں سے ایک کو بھی تکلیف پہنچے تو سارے مسلمانوں کو وہ تکلیف ہونی چاہیے۔

ایک دوسری تمثیل میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''مسلمان باہم ایک دوسرے سے مل کر اس طرح مضبوط ہوتے ہیں جیسے دیوار، کہ اس کے ایک حصے سے اس کا دوسرا

حصہ مضبوط ہوتا ہے۔" بخاری میں ہے کہ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا، کہ کیسے ایک حصے سے دوسرا حصہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس تمثیل میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس طرح دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے مل کر مضبوط ہو کر نا قابلِ تسخیر حصن و حصار بن جاتی ہے، اسی طرح جماعت اسلامیہ ایک قلعہ ہے جس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک مسلمان ہے، یہ قلعہ اسی وقت تک محفوظ ہے، جب تک اس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے ملی ہوئی ہے جب یہ اینٹ اپنی جگہ سے کھسک جائے گی تو پوری دیوار دھم سے زمین پر آ جائے گی۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہوا کہ "ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو بے مدد چھوڑے اور نہ اس کی تحقیر کرے۔ انسان کے لئے یہ برائی کیا کم ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے مسلمان کا ہر حصہ دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو" یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، تو وہ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو اس کے دشمن کے حوالے کرے، جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کی تنگی کو دور کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت میں اس کی تنگی کو دور فرمائے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔"

ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا "جو کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور کرے گا۔ اور جو کسی تنگدست پر آسانی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی کرے گا اور جو کسی مسلمان کا پردہ رکھے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا پردہ رکھے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد میں رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔"

فرمایا ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں'' یہ صحیح بخاری کی ایک روایت ہے۔ دوسری میں ہے کہ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سب سے اچھا مسلمان کون ہے؟ فرمایا ''جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں'' یعنی جو مسلمان اپنے ہاتھ اور زبان سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہیں پہنچاتا وہی سب سے بہتر مسلمان ہے۔ جریر بن عبداللہ بجلیؓ جو ایک مشہور صحابی تھے کہتے ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے تین باتوں پر بیعت کی، نماز کو قائم رکھنا، زکوٰۃ دینا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا۔'' کئی روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''مسلمان کو گالی دینا خدا کی نافرمانی (فسوق) ہے، اور اس سے لڑنا (قتال) خدا کا انکار (کفر) ہے''، یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں باہم برادری اور صلح و آشتی کا حکم دیا ہے اب جو اس کے خلاف کرتا ہے وہ خدا کے حکم کو نہیں مانتا، اور یہ ایک معنی میں خدا کا انکار ہی ہے، چنانچہ اسی لئے قرآنِ پاک میں مسلمان کے ناحق اور بالارادہ قتل کرنے کی سزا وہی رکھی ہے، جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ فرمایا ''کسی مسلمان کو سزاوار نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو قتل کرے الا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ **ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاء ہ جھنم خٰلدا فیھا وغضب اللّٰہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذابا عظیما.**

(نساء:۹۳)

ترجمہ: اور جو کوئی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا، تو اس کا بدلہ دوزخ ہے، وہ اس میں پڑا رہے گا، اور خدا اس پر خفا ہوا اور لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا۔

حجۃ الوداع کے نہایت اہم خطبہ میں آپ ﷺ نے پہلے لوگوں کو چپ کرایا، اور پھر فرمایا ''دیکھو میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔'' ایک اور موقع پر فرمایا کہ ''جو ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔'' جان تو بڑی چیز ہے کسی مسلمان کی آبرو کے پیچھے پڑنا بھی بڑا گناہ ہے۔ فرمایا ''سب سے بڑا ربا یہ کسی مسلمان کی آبرو کی طرف بے سبب ہاتھ بڑھانا ہے۔'' اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مخمصہ میں

گرفتار ہو جس میں اس کی آبرو جانے کا ڈر ہو تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کو بچانے کی کوشش کرے۔ ارشاد ہوا ''جو کوئی کسی مسلمان کو کسی ایسے موقع پر بے مدد چھوڑے گا جس میں اس کی عزت پر حرف آتا ہو، اور اس کی آبرو جاتی ہو، تو خدا بھی اس کو ایسی جگہ بے مدد چھوڑ دے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد کرے گا تو خدا بھی اس کی ایسے موقع پر مدد فرمائے گا۔''

اگر دو مسلمانوں میں کسی ناراضگی کے سبب سے بول چال بند ہو جائے، تو آنحضرت ﷺ نے تین روز سے زیادہ ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ ''کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ دے، ملاقات ہو تو وہ ادھر منہ پھیر لے اور یہ ادھر منہ پھیر لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے کہ جو پہلے سلام کی ابتدا کرے۔'' ایک اور طریقہ سے یہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''آپس میں کینہ نہ رکھو، حسد نہ کرو اور ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہو، اے خدا کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ، اور کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بولنا چالنا چھوڑ دے۔'' ایک مسلمان کے لئے اس کی عزت و آبرو سے بڑھ کر معاملہ اس کے ایمان کا ہے قرآن نے کہا کہ جب تم کو کوئی اپنے اظہارِ اسلام کے لئے سلام کرے تو اس کو یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں۔ **ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلٰم لست مؤمنا.** (نساء:۹۴)

ترجمہ: اور اس کو جو تمہاری طرف سلامتی کا کلمہ ڈالے، یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں۔

مقصد یہ ہے کہ جو کوئی اپنے کو مسلمان کہے یا وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہے کہ تم مسلمان نہیں۔ ایک لڑائی میں ایک صحابی نے ایک کافر کو زد میں پا کر حملہ کیا، اس نے فوراً کلمہ پڑھ دیا، مگر اس پر بھی ان صحابی نے اس کو قتل ہی کر دیا۔ یہ خبر آنحضرت ﷺ تک پہنچی، آپ ﷺ نے ان کو بلا کر دریافت کیا، انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ اس نے صرف ڈر سے کلمہ پڑھا تھا، آپ ﷺ نے کس

بلیغ انداز میں فرمایا ''تم اس کے لاالٰہ الا اللّٰہ کے ساتھ کیا کرو گے؟'' ایک روایت میں ہے کہ فرمایا ''کیا تم نے اس کا سینہ چیر کر دیکھ لیا تھا؟''

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ ''مؤمن کو لعنت کرنا یا اس پر کفر کی تہمت رکھنا اس کے قتل کے برابر ہے۔'' یہ بھی فرمایا کہ ''جو کوئی اپنے بھائی کو اے کافر کہے، تو وہ کفر دو میں سے ایک پر لوٹے گا۔'' یعنی اگر وہ درحقیقت کافر نہ تھا، تو اس نے ایک مسلمان کو کافر کہا، اور یہ خود ایک درجہ کا کفر ہے۔ جان، ایمان اور آبرو کے بعد مال کا درجہ ہے۔ ارشاد ہوا کہ ''جو کوئی قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارے گا، تو خدا اس کے لئے دوزخ واجب اور جنت حرام کریگا۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر کوئی معمولی سی چیز ہو تب بھی؟ فرمایا درست کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو۔ فرمایا ہر مسلمان پر اس کے مسلمان بھائی کے پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، اس کے چھینکنے پر خدا تم پر رحمت کرے (یرحمک اللہ) کہنا، اس کی دعوت کو قبول کرنا، بیمار ہو تو عیادت کرنا اور مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ چلنا۔ یعنی یہ کم سے کم حقوق ہیں، جن سے دو مسلمانوں کے درمیان خوش خلقی اور حسنِ تعلق کا اندازہ ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ ''جب کوئی مسلمان اپنے بیمار مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو وہ جب تک واپس نہ ہو جنت کی روش پر ہوتا ہے۔'' حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو کوئی ایمان واخلاص کے ساتھ کسی مسلمان کے جنازے کے پیچھے چلتا ہے، یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھتا ہے اور اس کے دفن سے فراغت پاتا ہے تو اس کو ثواب کی دو (۲) رتی (قیراط) ملتی ہے، جن میں سے ہر رتی احد کے پہاڑ کے برابر ہوگی۔'' یعنی یہ رتی دنیاوی پیمانہ کے حساب سے نہ ہوگی بلکہ یہ اس پیمانہ سے ہوگی جس کا ایک ذرہ اپنی بڑائی میں پہاڑ کا حکم رکھتا ہے۔

یہ تمام حقوق جن کے جزئیات کا احاطہ نہیں ہو سکتا اس برادرانہ الفت ومحبت کے فروع ہیں، جن کے بغیر کسی مؤمن کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ''کہ تم میں سے کوئی کامل مؤمن نہ

ہوگا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔"
الغرض ملت اسلامیہ کی جماعت کا ہر رکن دوسرے کے ساتھ ایسی محبت کرے جیسی وہ خود اپنے ساتھ کرتا ہے، اس کا نفع اپنا نفع اور اس کا نقصان اپنا نقصان سمجھے۔ ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے، اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس کے نقصان کو دور کرتا ہے اور اس کے پیچھے میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔ دیکھئے کہ آنحضرت ﷺ نے جماعت اسلامیہ کی عمارت کیسی مستحکم بنیادوں پر قائم فرمائی تھی۔ اگر آج ان ہدایتوں پر عمل کیا جائے تو اس عمارت کی دیواریں ایسی شکستہ نہ رہیں جیسی آج ہیں، ہر جماعت انہی اصولوں پر دنیا میں بنی ہے اور آئندہ بھی بنے گی۔

دو قسم کے حقوق

دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ دین پر عمل کرنے والوں لوگوں کی زندگی ہمیشہ متوازن ہوتی ہے۔ افراط وتفریق سے ہٹ کر اعتدال کی راہ میں اللہ تعالیٰ نے خیر رکھی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **خیر الامور اوسطھا** میانہ روی بہترین حکمت عملی ہے۔

انسان پر دو طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنا اور دوسرا اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنا۔ جو شخص دونوں قسم کے حقوق ادا کرے وہی دوسروں کے لئے ماڈل ہوسکتا ہے۔ اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ نے اپنی زندگی میں دونوں قسم کے حقوق ادا کر کے دکھائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی مسجد کی زندگی بھی دیکھ لیجئے اور آپ ﷺ کے گھر کی معاشرت کو بھی دیکھ لیجئے، پورے پورے حقوق نبی کریم ﷺ نے ادا فرمائے۔

آج کے دور میں دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ عبادت پر بہت توجہ دیتے ہیں مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ ہماری بات سے لوگوں کا دل جلتا ہے، ہمارے عمل سے لوگوں

کو تکلیف ہوتی ہے، ہم بات کرتے ہیں تو لوگوں کے دلوں پر چھری پھیر رہے ہوتے ہیں، ہم دوسرے کو دکھ دے رہے ہوتے ہیں، ہم مسلمان بھائیوں کو دوسرے کے سامنے ذلیل کر رہے ہوتے ہیں۔ کئی ایسے ہیں کہ خوش اخلاق کے تو بڑے نعرے لگاتے ہیں کہ آدمی کو ایسا کرنا چاہئے اور ایسا اچھا ہونا چاہئے مگر نماز کی فرصت نہیں، تلاوت کے لئے وقت نہیں، وہ بھی مریض اور یہ بھی مریض۔ ایک نے حقوق اللہ کا لحاظ نہ کیا تو دوسرے نے حقوق العباد کا لحاظ نہ کیا۔ یہ لوگ اچھے ہوتے تو دونوں حقوق کا ایک وقت خیال کرتے۔ اس لئے اللہ رب العزت سے یہ توفیق مانگنی چاہئے کہ وہ ہمیں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمادے۔

عبداللہ بن انیسؓ فرماتے ہیں کہ روز محشر اللہ تعالیٰ پکار کر فرمائیں گے کہ میں منصف بادشاہ ہوں، کوئی جنتی جنت میں اور کوئی دوزخی دوزخ میں اس وقت تک نہیں جاسکتا جب تک کہ اہل حقوق کے حقوق ان کو نہ دلا دیئے جائیں۔

بنی اسرائیل میں سات سال تک قحط رہا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے مردار اور بچے بھی کھالئے۔ پہاڑوں پر جاتے اور گڑگڑا کر التجا کرتے لیکن دعا قبول نہ ہوتی۔ آخر کار حضرت موسیٰ پر وحی نازل ہوئی کہ انہیں کہہ دو کہ اگر وہ عبادت کرتے کرتے خشک کوڑے کی مانند ہو جائیں تو بھی ان کی دعا قبول نہ کروں گا جب تک کہ لوگوں کے حقوق واپس نہ کریں گے۔

معاشرے میں رہتے ہوئے انسانوں سے غلطی ہوسکتی ہے، باورچی خانے میں برتن دھوتے ہوئے برتن ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا بھی سکتے ہیں، دو آدمی بڑے تجربہ کار ڈرائیور ہیں پھر بھی ان دونوں کی گاڑیوں کا ایکسیڈنٹ ہوسکتا ہے۔ تو اگر تجربہ کار اور ماہر ڈرائیور سے بھی ایکسیڈنٹ ممکن ہے تو دو اچھے انسانوں کا آپس میں اختلاف کرنا بھی ممکن ہے۔ مگر ہونا یہ چاہئے کہ ایسی صورت حال میں عفو و درگزر کا معاملہ کیا جائے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو آدمی دنیا میں دوسروں کی غلطیوں کو جلدی معاف کر دیتا

ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس انسان کی غلطیوں کو جلدی معاف فرمادیں گے۔

کوشش کیا کریں کہ دوسروں کی غلطیوں کو فوراً معاف کر دیا کریں۔ بات دل سے ہی نکال دیا کریں اسلئے کہ دل سے رنجش دور کر دینے سے انسان کے سینے میں کینہ نہیں رہتا۔ جو رنجشیں باقی رہ جاتی ہیں یہی تو کینہ بن جاتی ہیں۔ دین کی نظر میں کینہ بری چیز ہے۔ سینہ بے کینہ کا مطلب ایسا سینہ ہے جس میں کسی کے خلاف نفرت نہ ہو، کسی کے خلاف دل میں غضب وغیض نہ ہو۔ مومنوں کے بارے میں دل میں کینہ نہیں رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے سینہ بے کینہ مانگا کریں۔ اگر کسی سے ایذا بھی پہنچے تو دل سے اسے معاف کر دینا یہ خلق نبوی ﷺ ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی معاف فرمادیا کرتے تھے۔ امت کے اولیاء اللہ نے تو معافی کی ایسی ایسی مثالیں قائم کر دیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ حج کے سفر پر گئے۔ ایک جگہ سے گزر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا۔ اس میں ان کے پیسے تھے۔ ایک چور ان کے ہاتھ سے وہ تھیلہ چھین کر بھاگ گیا۔ کافی دور جا کر اس کی آنکھوں کی بینائی اچانک زائل ہوگئی۔ اس چور نے رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا، بھائی کیا ہوا؟ کہنے لگا، میں نے ایک آدمی کا تھیلا چھینا ہے، وہ کوئی بڑا مقرب بندہ لگتا ہے، بڑا اچھا بندہ لگتا ہے، میری آنکھوں کی بینائی زائل ہوگئی ہے، خدا کے لئے مجھے اس کے پاس پہنچاؤ تاکہ میں اس سے معافی مانگ سکوں۔ لوگوں نے پوچھا، کہ یہ واقعہ کہاں پیش آیا؟ کہنے لگا فلاں حجام کی دکان کے قریب پیش آیا۔ لوگ اس کو اس دکان کے پاس لے کر آئے اور حجام سے پوچھا کہ بتاؤ کے اس طرح کا ایک آدمی یہاں سے گزرا ہے؟ آپ اسے جانتے ہو؟ اس نے کہا مجھے اسکے گھر کا تو پتہ نہیں البتہ نمازوں کے لئے وہ آتے جاتے ہیں، اگلی نماز کے لئے پھر آئیں گے۔ یہ لوگ انتظار میں بیٹھ گئے۔ وہ بزرگ اپنے وقت پر تشریف لے آئے۔ لوگ اس چور کو اس کے پاس لے گئے تو اس چور نے جا کر ان کے ہاتھ پکڑے، پاؤں

پکڑے کہ مجھ سے غلطی ہوئی، گناہ ہوا، میں نادم ہوں، شرمندہ ہوں، میری بینائی چھن گئی ہے، آپ اپنے پیسے واپس لے لیجئے اور معاف کر دیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ میری بینائی کو ٹھیک کر دیں۔ وہ بزرگ کہنے لگے کہ میں نے تو تجھے پہلے ہی معاف کر دیا ہے۔ یہ بات سن کر چور بڑا حیران ہوا۔ کہنے لگا، حضرت! میں تو آپ کا تھیلا چھین کر بھاگا اور آپ فرماتے ہیں کہ معافی مانگنے سے پہلے آپ نے مجھے معاف فرما دیا۔ وہ فرمانے لگے کہ ہاں میرے دل میں کوئی بات آ گئی تھی۔ فرمانے لگے کہ میں نے ایک حدیث پڑھی، جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن جب میری امت کا حساب پیش کیا جائے گا تو میں اس وقت میزان کے قریب موجود رہوں گا جب تک کہ میرے آخری امتی کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ اگر میں نے اس چور کو معاف نہ کیا تو قیامت کے دن یہ مقدمہ پیش ہوگا اور جتنی دیر میرے اس مقدمے کا فیصلہ ہونے میں لگے گی اللہ کے محبوب ﷺ کو اتنی دیر جنت کے باہر رہنا پڑے گا۔ میں نے معاف کر دیا کہ نہ تو مقدمہ پیش ہوگا نہ ہی میرے محبوب ﷺ کو جنت جانے میں دیر لگی گی۔ وہ جلدی جنت میں تشریف لے جائیں گے۔

اگر کوئی بھلا کرے تو اس کا شکریہ ادا کیا کریں۔ آج کے دور میں معلوم نہیں ہم مسلمانوں کو کیا ہوا کہ کسی کا شکریہ ادا کرتے ہی نہیں الا ماشاء اللہ۔ حالانکہ ہمیں فرمایا گیا **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اپنے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا ہے۔ تو ہمیں تعلیم اتنی دی گئی تھی مگر اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ حقوق العباد پر بھی پوری توجہ رکھی جائے تاکہ انسان ایک متوازن زندگی گزارنے والا ہو۔

اگر کبھی کسی سے تکلیف پہنچے تو یوں سمجھے کہ اس نے کوتاہی کر لی، چلو میں معاف کر دیتا ہوں، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دیں گے۔ اگر کبھی کسی بات پر غصہ آئے تو غصے کے گھونٹ کو پی لیا کریں۔ یہ کڑوا گھونٹ ہوتا ہے مگر ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس بندے نے اپنے غصے کے گھونٹ کو پیا، جب کہ وہ غصہ کو پورا کرنے کی

حالت میں تھا، یعنی اسکے پاس ایسے وسائل تھے کہ وہ چاہتا تو غصہ اتار سکتا تھا، اسکا بدلہ لے سکتا تھا، مگراس نے اللہ کے لئے اس غصے کے گھونٹ کو پی لیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر ہر گھونٹ کے بدلے میں اس بندے کو اپنا مشاہدہ عطا فرما دیں گے۔ وہ پروردگار کے جلوے دیکھے گا۔ اب دیکھ لیجئے کہ کون سا سودا اچھا ہے، دنیا میں غصے کا اظہار کر دینا، یا اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کو دیکھ لینا۔

مؤمن جب ان باتوں کو سامنے رکھتا ہے پھر اس کے اندر حلم پیدا ہو جاتا ہے۔ حلم کہتے ہیں دوسرا نادانی سے کوئی بات کر لے تو بندہ اسے معاف کر دے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ نادانوں کی بات پر تحمل مزاجی انسان کی عقل کی زکوٰۃ ہوا کرتی ہے۔ لکھے پڑھے عقل مند لوگوں کو چاہئے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے اوپر دلوں میں روگ نہ پال لیا کریں۔ دوسرے کی غلطی کو معاف کر دینا اور تکلیف برداشت کر لینا انسان کی عقل کی زکوٰۃ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عقل مند بنایا ہے تو عقل کی زکوٰۃ بھی دیا کرو۔ مگر آج دیکھا گیا ہے کہ آدمی خود تو چاہتا ہے میرے بڑے بڑے قصوروں کو معاف کر دیا جائے مگر دوسروں کی چھوٹی چھوٹی غلطی کو بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

انسانوں کی دو قسمیں

انسان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ شہد کی مکھی کی مانند ہوتے ہیں اور کچھ گندی مکھی کی مانند۔ شہد کی مکھی تو شہد بناتی ہے مگر گندی مکھی نجاست کے اوپر بیٹھی ہوتی ہے۔ ان دونوں کے اندر ایک بنیادی فرق ہے۔ گندی مکھی کے دماغ میں نجاست کی بو ہوتی ہے یہ گندی چیزوں کی تلاش میں ہوتی ہے جہاں گندگی دیکھے گی وہیں بیٹھے گی، جسم پر بھی بیٹھی تو جہاں زخم ہوگا، پیپ ہوگی یہ وہاں بیٹھے گی۔ لہٰذا گندی مکھی کی سوچ گندی، اس کی تلاش گندگی، اس کی پسند گندی، وہ ہر وقت گندی چیزوں کے ہی ارد گرد گھومتی پھرتی ہے،

وہیں اس کا ڈیرہ اور بسیرا ہوتا ہے جب کہ شہد کی مکھی کے دماغ میں خوشبو رچی ہوتی ہے۔ وہ ڈھونڈتی ہے تو پھول کو، وہ بیٹھتی ہے تو پھلوں پر، وہ اگر چوستی ہے تو پھلوں کے جوس کو، شہد کی مکھی چمن کو ڈھونڈے گی، پھول اور پھلوں کو ڈھونڈے گی۔ اس کی سوچ اچھی ہوتی ہے اور یہ ہر وقت اچھی اور خوشبودار چیزوں کی تلاش میں رہتی ہے۔

اس مثال کو سامنے رکھ کر سوچیں تو انسانوں کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ شہد کی مکھی کی مانند ہوتے ہیں ان کے اپنے اندر بھی خیر ہوتی ہے اور وہ دوسرے کے اندر بھی خیر کو تلاش کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کو خیر کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ دوسروں پر نظر ڈالتے ہیں تو انہیں دوسروں میں خیر نظر آتی ہے۔ ان کی نظر میں دنیا کے سب لوگ اچھے ہوتے ہیں۔ اسلئے کہ ان کے اپنے اندر اچھائی ہوتی ہے۔ اور کئی ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی اپنی سوچ گندی ہوتی ہے ان کے اپنے اندر خباثت بھری ہوتی ہے۔ وہ وہاں بیٹھتے ہیں جہاں انہیں برے لوگوں کی محفل نظر آئے۔ وہ ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جو برے ہوتے ہیں، وہ ایسے لوگوں سے اپنا آنا جانا رکھتے ہیں جن میں برائی غالب ہوتی ہے، وہ اگر کسی بندے پر نظر ڈالیں تو ان کی نگاہ برائیاں ڈھونڈے گی، ان کو بندے کی اچھائیاں نظر نہیں آتیں، ان کو بندے کی برائیاں نظر آتی ہیں، اسی لئے وہ کہیں گے کہ آج تو کوئی بھی اچھا نہیں، نہ وہ علماء سے راضی ہوں گے، نہ وہ پیروں سے راضی ہوں گے، نہ وہ حکام سے راضی ہوتے ہیں، نہ وہ ماں باپ سے راضی ہوں گے، دنیا میں وہ کسی سے راضی ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ کئی تو ایسے منحوس ہوتے ہیں جو اپنے پروردگار پر بھی اعتراض کرتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہماری دعائیں نہیں سنیں اور ہماری دعائیں قبول نہیں کیں، ایسا بندہ گندی مکھی کی مانند ہوتا ہے۔ یہ جہاں بیٹھے گا بری باتیں کرے گا، جب بھی سنے گا بری باتیں سنے گا، جہاں اس کی نگاہ پڑے گی یہ برائی کی طرف توجہ کرے گا۔ لہٰذا اس کے دماغ میں ہر وقت برائی پھیلی رہے گی۔ اللہ رب العزت سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں شہد کی مکھی کی مانند اچھا انسان

بنادے تاکہ ہم اچھائی کی تلاش میں رہیں۔

کمینے آدمی سے کبھی دوستی نہیں کرنی چاہئے کہ اس کی مثال کوئلہ کی مانند ہوتی ہے۔ کوئلہ اگر ٹھنڈا ہو تو ہاتھوں کو کالا کرتا ہے اور اگر گرم ہو تو ہاتھوں کو جلا دیتا ہے، نہ ٹھنڈا اچھا نہ گرم اچھا۔ اسی طرح کمینے آدمی کی دوستی بھی بری اور کمینے آدمی کی دشمنی بھی بری۔ ایسے انسان سے ہمیشہ اپنے آپ کو دور رکھنے کی ضرورت ہے۔ اچھے لوگوں سے دوستی کرنی چاہئے، اچھے لوگوں سے تعلقات رکھنے چاہئیں۔ اگر معاشرے میں رہنا ہو تو انسان دوسروں کا ادب واحترام بھی سیکھے، انسان دوسروں کے ساتھ اچھے تعلقات بنا کر رکھے۔ دیکھیں دیوار کا ہر پتھر اپنی قیمت رکھتا ہے اگر وہ کتنا چھوٹا کیوں نہ ہوں اسی طرح گھر کا ہر فرد اپنی ایک حیثیت اور قیمت رکھتا ہے۔ وہ چاہے بڑا ہو یا چھوٹا ہو، تو ہمیں دوسروں کی بھی قدر کرنی چاہئے اور ان کی قدر و قیمت کا احساس رکھنا چاہئے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ میاں بیوی زندگی گزار رہے ہیں تو بیوی اپنے خاوند سے بیزار نظر آئے گی کہے گی، میں نے تیرے گھر میں آ کے دیکھا ہی کیا ہے۔ میں تو ڈولی میں آئی تھی اور کھٹولے کے ذریعے تیرے گھر سے قبرستان چلی جاؤں گی اور تیرے گھر میں رہتے ہوئے مجھے مصیبتیں ہی دیکھنی تھیں، مجھے تم نے دیا ہی کیا ہے، اگر کچھ کرتے بھی ہو تو اپنے بچوں کے لئے کرتے ہو، میرے لئے کیا کرتے ہو؟ اب یہ بیچاری ہر وقت اپنے خاوند سے شکوہ کرتی رہے گی۔ اسے خاوند میں کوئی اچھائی نظر نہیں آئے گی۔

کسی دن اس کو خبر مل جائے کہ ایکسیڈنٹ سے خاوند کی وفات ہوگئی، اب وہی بیٹھی رو رہی ہوگی۔ دوسری عورتیں روئیں گی چند مہینے اور یہ روئے گی کئی سال۔ پانچ سال گزرنے کے باوجود بھی یاد کر کے بیٹھی ہوگی کہ میرا خاوند تو بڑا اچھا تھا۔ خدا کی بندی! اپنے خاوند کو جیتے جاگتے زندگی میں کیوں نہیں بتایا کہ تم اچھے بندے ہو، آج مرنے کے پانچ سال کے بعد کیوں رو رہی ہو، مگر مچھ کے آنسو کیوں بہا رہی ہو؟ کاش اس کی قدر و قیمت کا احساس تمہیں اس کی زندگی میں ہو جاتا۔ تیرے اپنی زندگی کی بھی جنت بنتی اور

تیرے خاوند کی زندگی بھی جنت بنتی۔

مگر جیتے بندے کی قدر نہیں کرتے، مرنے کے بعد قدر آتی ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں کہ بندے کی قدر آتی ہے "مر گیا یا ٹر گیاں" جو آدمی چلا جائے، جدا ہو جائے تب اس کی قدر آتی ہے، یا آدمی فوت ہو جائے تب اس کی قدر آتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم جیتے جاگتے بندوں کی قدر کرنا سیکھیں، اپنے اردگرد گھر میں جیتے لوگ ہیں ان میں خیر ہے، ان میں نیکی ہے، ہم ان کی قدر اپنے دل میں پیدا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ناقدری کرنے والے بن جائیں۔

مولانا رومؒ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک عطار نے ایک طوطی پالی ہوئی تھی۔ اس کی دکان پر جب گاہک آتے تو اس کی طوطی سلام کرتی، جیسے مینا سلام کرتی ہے اور آنے والے سے پوچھتی کہ تیرا کیا حال ہے؟ چنانچہ لوگ دور دور سے آتے کہ ہم نے تو کام کروانا ہی ہے چلو کسی اور سے کروانے کے بجائے فلاں دکان پر چلتے ہیں، تھوڑی دیر طوطی سے بھی باتیں کریں گے، لطف اندوز بھی ہوں اور خوشبو بھی خرید لائیں گے۔ چنانچہ اس عطار کی دکان پر گاہکوں کا رش زیادہ لگ گیا۔ لوگ اس کے پاس دور دور سے آتے، کئی دفعہ بچے ماں باپ سے ضد کر کے کہتے کہ وہاں چلو۔ چنانچہ وہ بچوں کو لے کر وہاں آتے۔ یوں عطار کا کام خوب چل رہا تھا۔

ایک دن اس عطار نے اپنی دکان تو بند کر دی مگر اس طوطی کو پنجرے میں بند کرنا بھول گیا۔ رات کو طوطی بیٹھی ہوئی تھی۔ کہیں سے بلی کی آواز سنی۔ جب میاؤں کی آواز سنی تو طوطی پر خوف طاری ہوا۔ وہ پھڑ پھڑاتی اور کبھی ادھر گری کبھی ادھر۔ ہر طرف شیشے کی چیزیں اور شیشے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ شیشیاں ایک دوسرے پر گریں تو ٹوٹ گئیں۔ شور پیدا ہونے سے طوطی اور گھبرائی۔ اڑی تو ادھر ادھر ٹکرائی جس سے مزید شیشیاں گریں۔ چنانچہ کافی زیادہ نقصان ہوا۔ صبح کے وقت جب عطار نے آکر دیکھا کہ اس کی دکان کا بہت سامان ضایع ہو گیا تو اس کو بڑا افسوس ہوا۔ اس نے طوطی کو پکڑ کر اس کے سر

کے اوپر جتنے جوتے مارے کہ اس کے سر کے کچھ بال اتر کر نیچے گر گئے اور وہ گنجی ہو گئی۔

اب جب طوطی کو محسوس ہوا کہ اس نے تو مجھے بہت مارا ہے تو طوطی چپ ہو گئی۔ عطار نے حسب معمول اپنا کام شروع کر دیا۔ لیکن اب ایک فرق تھا کہ جب کوئی گاہک آتا تو عطار چاہتا کہ یہ طوطی گفتگو کرے۔ مگر طوطی گفتگو نہ کرتی، بڑا زور لگایا اور بڑی کوشش کی کہ کسی طرح یہ طوطی باتیں کریں تا کہ لوگ آئیں اور یہ ان کا دل لبھائے مگر طوطی کلام نہیں کرتی تھی۔ جب کلام ہی نہ کیا تو کچھ مہینوں بعد لوگوں نے آنا چھوڑ دیا۔ آہستہ آہستہ گاہک کم ہو گئے۔ حتیٰ کہ کاروبار بالکل ٹھپ ہو گیا۔ اس کو احساس ہوا کہ او ہو مجھے تو اس کی قدر نہ تھی، میں نے تو ذرا سی بات پر اس کو مارا حتیٰ کہ اس کے سر کے بال بھی اکھڑ گئے، یہ گنجی ہو گئی، اس نے بولنا چھوڑ دیا، میرا تو کاروبار ٹھپ ہو گیا۔ اب عطار نفل پڑھتا اور دعائیں مانگتا کہ اے اللہ! طوطی کو بلوا دے، طوطی کو بلوا دے۔ مگر طوطی تو بولتی نہیں تھی۔ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

اس مثال کو اپنی زندگی میں دیکھئے، کہیں خاوند اپنی بیویوں کو تنگ کرتے پھرتے ہیں۔ جب وہ ذرا ناراض ہوتیں تو دل کو کچھ ہوتا ہے۔ اللہ کرے کہ بول پڑے۔ کئی عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کو ناراض کرتیں ہیں۔ جب وہ بولنا بند کر دیتے ہیں تو پھر روتی پھرتی ہیں، تعویذ لیتی پھرتی ہیں، حضرت! تعویذ دیں ہمارا خاوند ہمارے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ بھائی اس طوطی کی پہلے قدر کیوں نہ کی؟ خیر یہ تو درمیان میں بات آ گئی۔ تو مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ وہ آدمی بڑی دعائیں مانگتا مگر طوطی بات ہی نہ کرتی۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا تا ہم اس نے سبق سیکھا کہ مجھے اس طوطی کی پہلے ہی قدر کرنی چاہئے تھی۔ میں نے اس کی ناقدری کی اور اس وجہ سے آج میرا کاروبار ٹھپ ہو گیا۔

ایک دن ایک فقیر آیا جس کے سر پر بال نہ تھے۔ طوطی نے اس فقیر کو دیکھا تو فوراً بول اٹھی۔ کہنے لگی، کیا آپ نے بھی مالک کے شیشوں کو توڑا تھا؟ تو وہ طوطی اپنے ہی پر قیاس کرنے لگی کہ میں نے چونکہ اپنے مالک کے شیشوں کو توڑا تھا اور مجھے گنجا بنا دیا تو یہ جو

سامنے گنجا فقیر ہے شاید اس نے بھی اپنے مالک کے شیشوں کو توڑا ہوگا۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اس سے ایک سبق ملا اور ہر آدمی دوسرے کو اپنے پر قیاس کرتا ہے۔ جو اپنے دل میں بات ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ شاید کہ دوسرے کے دل میں بھی یہی بات ہے اور اکثر آپ دیکھیں گے کہ یہی چیز جھگڑوں کا باعث بن جاتی ہے۔

بعض اوقات انسان بات کچھ کر رہا ہوتا ہے اور دوسرے کے دماغ میں کچھ اور ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کا مفہوم کچھ اور سمجھ لیتا ہے۔ پھر غلط فہمی کی وجہ سے آپس میں جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ حقوق العباد کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کبھی بھی شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہو ایسا نہ ہو کہ انسان دوسرے کی ناقدری کر بیٹھے یا انسان غلط فہمی کی وجہ سے کسی کے حقوق کا خیال نہ رکھے۔ اگر ہم آج حقوق کا خیال نہیں رکھیں گے تو کل قیامت کے دن ہمیں اس کا جواب دینا پڑے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ پہلوان کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا، جو لوگوں کو کشتی میں گرادے۔ فرمایا، نہیں۔ عرض کیا، اے خدا کے نبی ﷺ! آپ ﷺ ہی بتا دیجئے۔ فرمایا، پہلوان تو وہ ہے جس کو غصہ آئے اور وہ اس غصے کو پی جائے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جانتے ہو کہ بانجھ عورت کون ہے؟ عرض کیا کہ، جس کا کوئی بیٹا بیٹی نہ ہو۔ فرمایا، نہیں، عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ ﷺ ہی بتا دیجئے کہ بانجھ عورت کون ہے؟ فرمایا، جس عورت کو کوئی بیٹا یا بیٹی بچپن کی حالت میں فوت نہ ہو وہ بانجھ عورت ہے۔ کیونکہ کل قیامت کے دن یہ معصوم بچے اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے اور اس کی تو کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا لہٰذا یہ بانجھ عورت ہے۔ یہ گویا تسلی کے لئے بات کر دی کہ جس عورت کا چھوٹا بچہ فوت ہو دکھ تو اس کو بھی ہوتا ہے۔ مگر اس کو تسلی ہو جاتی ہے کہ چلو میں اس بچے کی لڑکپن یا جوانی نہیں دیکھ سکی لیکن قیامت کے دن یہ میری شفاعت تو کرے گا۔

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بتاؤ غریب کون ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! جس کے پاس مال نہ ہو۔ فرمایا نہیں، عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ ہی بتا دیجئے۔ فرمایا، غریب وہ ہے جس نے دنیا میں نیکیاں تو بہت زیادہ کی ہوں مگر کسی کو برا کہا ہو، کسی کو ذلیل کہا، کسی کو کمینہ کہا، کسی کا حق پامال کیا۔ قیامت کے دن وہ ایسے حال میں کھڑا ہوگا کہ حق والے اس سے حق مانگیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے حق کے بدلے اس کی نیکیاں دلواتے رہیں گے، دلواتے رہیں گے، حتیٰ کہ اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی لیکن حق لینے والے ابھی بھی کھڑے ہوں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہمیں بھی حق دلوائیں۔ اللہ تعالیٰ ان حق والوں کے گناہوں کو لے کر اس بندے کے سر پر ڈالنا شروع کر دیں گے حتیٰ کے گناہوں کا پہاڑ اس کے سر پر ہوگا۔ فرمایا، غریب تو وہ ہے جس نے نیکیاں تو بہت کمائیں مگر حقوق العباد کا خیال نہ کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن نیکیاں دینی پڑ گئیں اور لوگوں کے گناہ اپنے سر پر لینے پڑ گئے۔ فرمایا حقیقت میں تو غریب یہ انسان ہے۔

آج کسی کو الٹی سیدھی بات کہہ دینا آسان ہے مگر کل قیامت کے دن اس کا جواب دینا مشکل کام ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اتنے جلال میں ہوں گے کہ اللہ کے انبیاء بھی تھر کتے ہوں گے، اس دن نفسا نفسی کا عالم ہوگا، تو ایسے وقت میں اگر ہم سے پوچھ لیا گیا تو بتاؤ کہ تم نے فلاں کو کمینہ کیوں کہا تھا؟ فلاں کو ذلیل کیوں کہا تھا؟ فلاں کو تم نے بے ایمان کیوں کہا تھا؟ تو سوچئے تو سہی کہ اللہ رب العزت کی عدالت میں ہمیں ان باتوں کی صفائی دینی کتنی مشکل ہوگی؟ آج زبان سے یہ الفاظ نکالنے آسان ہیں مگر کل ان کا جواب دینا بڑا مشکل کام ہے۔

موت کے بعد انسان کے پانچ حصے

علماء نے لکھا ہے کہ موت کے بعد انسان کے پانچ حصے بن جاتے ہیں، ایک تو روح جس کو ملک الموت لے کر چلا جاتا ہے، دوسرا انسان کا جسم کہ اسے کیڑے کھا جاتے

ہیں، تیسرے اس کا مال کہ یہ اس کے وارث لے جاتے ہیں، چوتھا اس کی ہڈیاں کہ جن کو مٹی کھا جاتی ہے اور پانچواں اس کی نیکیاں کہ جن کو اس کے حق دار لے جاتے ہیں۔ لہٰذا حسرت ہے اس انسان پر کہ قیامت کے دن نیکیوں کے انبار لائے گا مگر اپنی بد احتیاطیوں کی وجہ سے نیکیاں دے بیٹھے گا اور گناہوں کے پہاڑ سر پر لینے پڑ جائیں گے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ **الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب** جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اسی طرح حسد انسان کی نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔ یعنی جو نیکیاں ہم کر چکے ہوتے ہیں، اگر ہم کسی کے ساتھ حسد کریں گے تو اس کی وجہ سے ہماری کی ہوئی نیکیاں ایسے ضائع ہوں گی جس طرح کہ آگ لکڑیوں کو کھا جایا کرتی ہے۔

اسی طرح جب کوئی انسان کسی کی غیبت کرتا ہے تو جس کی غیبت ہو رہی ہو اس کے گناہ دھل رہے ہوتے ہیں اور اس کے سر پر وہ گناہ چڑھ رہے ہوتے ہیں۔ تو ہم حقیقت میں اپنے کسی مخالف کی غیبت کر کے اس کو نیکیاں دے رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے غیبت بہت خطرناک ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سلیمان اپنے لشکر کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں کچھ چیونٹیاں چل رہی تھیں۔ ان میں سے ایک چیونٹی نے دوسری سے کہا **یا ایتھا النمل ادخلوا مساکنکم** کہ اے چیونٹیو! تم اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں حضرت سلیمان کا لشکر اپنی بے خیالی میں تمہیں روندتا ہوا نہ گزر جائے۔ چنانچہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا تذکرہ قرآن میں بھی کیا اور چیونٹی کے نام پر ایک سورت کا نام ''النمل'' رکھا۔ اے میرے پروردگار! اگر چیونٹی دوسری چیونٹیوں کی خیر خواہی کرتی ہے تو آپ اتنا خوش کیوں ہوتے ہیں کہ اس واقعہ کو اپنے کلام کا حصہ بنا لیتے ہیں تو اگر کوئی انسان دوسرے انسان کی خیر خواہی کرے گا تو رب کریم اس سے کس قدر راضی ہوں گے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم مسلمان بھائی کی خیر خواہی کریں۔

مسلمانوں کے تین حقوق

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر تین حق ہیں، پہلا حق یہ ہے کہ فائدہ نہ دے سکو تو نقصان نہ دو، اور دوسری بات کہی کہ اگر کسی مسلمان کو خوشی نہ دے سکو تو اس کو رنج بھی نہ دیا کرو۔ اول تو ہمیں چاہئے کہ ہم دوسرے کو خوشیاں تقسیم کریں، خوشیاں بانٹنے والے ہوں اور اگر خوشیاں بانٹنا ہماری قسمت میں نہیں تو کم از کم ہم دوسروں کو رنج تو نہ پہنچایا کریں۔ آج کل حالت یہی ہے کہ خوشی تو ہم نے کیا دینی ہم تو دوسروں کو رنج ہی پہنچا رہے ہوتے ہیں، کسی نہ کسی کو زبان سے کڑوی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ تیسری بات کہ اگر اس کی تعریف نہ کر سکو تو پھر اس کی بدتعریفی بھی نہ کیا کرو۔ یہ مسلمان کا حق ہے۔ حق تو بنتا ہے کہ ہم دوسروں کی تعریفیں کرتے رہا کریں اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ یہ میرے محبوب ﷺ کا امتی ہے، یہ میرے مالک کا بندہ ہے۔ ہم اس بات کو سوچ کر ان کی تعریفیں کرتے رہا کریں اور اگر زبان سے تعریف نہیں بھی نکلے تو کم از کم کسی کی غیبت تو نہ کیا کریں۔

آج کل عورتیں اکثر یہ کہتی ہیں میں نے ایسی بات کی کہ اب فلاں عورت جلتی رہے گی۔ یہ جلانے والا لفظ آج کل گفتگو میں عام ہوتا جا رہا ہے۔ اے بہن! تو اسے جلا رہی ہے بلکہ اس بات کے کرنے کی وجہ سے تو خود جہنم کی آگ میں اپنے جلنے کا بندوبست کر رہی ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے **ویل لکل همزة لمزة** بربادی ہے ہر عیب جو کے لئے اور عیب گو کے لئے۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ خامیاں ہیں۔ عیب کی تلاش کرنے والے کو "عیب جو" کہتے ہیں اور جب عیب کا پتہ چل جائے تو لوگوں میں باتیں کرنے والے کو "عیب گو" کہتے ہیں۔ عیب جوئی بھی گناہ ہے، عیب گوئی بھی گناہ ہے۔ پروردگار عالم نے اس جگہ دونوں کے بارے میں فرمایا کہ اس کے لئے بربادی ہے جو لوگوں کے عیبوں کو تلاش کرتا پھرے، یا لوگوں کے عیبوں کو آگے بتاتا پھرے۔ چونکہ

لوگوں کی غلطیوں اور خامیوں کو ڈھونڈنے اور آگے پہنچانے سے لوگوں کے دلوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ رب العزت نے فرمایا، ایسا بندہ جو عیب جو اور عیب گو ہوگا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس کو جہنم کے اندر آگ کے بنے ہوئے ستونوں کیساتھ باندھ دیا جائے تاکہ یہ ہل نہ سکے اور پھر جہنم کی آگ کو حکم ہوگا کہ اس کی شعاعیں اس کی طرف بڑھیں۔ اس کی لپٹیں اس کی طرف بڑھیں گی اور اس کے دل کو جلائیں گے۔ فرمایا **نار اللہ الموقدة التی تطلع علی الافئدة** جہنم کی آگ اس بندے کے دل کو جلائے گی جس طرح ویلڈنگ کی آگ ہوتی ہے کہ اس کو اگر لوہے کے اوپر کہیں رکھ دیں تو اس جگہ کو جلا کر سوراخ کر دیتی ہے بالکل اسی طرح جہنم کی خاص آگ ہوتی ہے جو اس عام آگ سے بھی زیادہ گرم ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس آگ سے جہنمی کے دل کو جلائیں گے اور کہا جائے گا کہ اے میری بندی! تو دنیا میں اپنے منہ سے ایسی باتیں نکالتی تھی۔ کہتی تھی کہ میں نے فلاں عورت کو جلا دیا ہے، میں نے فلاں کو خوب سڑایا ہے، میں نے ایسی بات کی وہ سڑتی رہے گی۔ آج دیکھ اس کا اجر، آج دیکھ اس کا حشر، تیرے دل کے اوپر جہنم کی آگ کا قبضہ ہے۔ آج یہ تجھ پر مسلط ہے، وہ تیرے دل کو جلائے گی تو نے لوگوں کے دلوں کو جلایا، اللہ رب العزت کل جہنم کے اندر تیرے دل کو جلائیں گے۔ اب سودا تو ہم خود دیکھیں کہ کون سا اچھا ہے۔ یا تو دنیا میں دوسروں کی غلطیوں کو معاف کریں تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمیں معاف کر دے، یا پھر دنیا میں لوگوں کو جلاتے پھریں۔ کل قیامت کے دن ہمارا جسم تو جل ہی رہا ہوگا پھر دل بھی جلے گا اور وہاں پر کوئی فریاد سننے والا بھی نہیں ہوگا۔

اب تو گھبرا کے کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

سوچئے تو سہی جب وہاں ستون کے ساتھ رسیوں سے بندھے ہوئے ہوں گے، زنجیروں سے بندھے ہوئے ہوں گے اور دل جل رہا ہوگا پھر یہ عورت چیخے گی، چلائے

گی مگر اس کے رونے کا فائدہ نہیں ہوگا۔

اب پچھتائے کیا ہوت　　　جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

ان گناہوں کی معافی زندگی میں مانگنے کی ضرورت تھی، جب زندگی میں نہ مانگی تو قیامت کے دن رونے کا کیا فائدہ۔ جہنمی روتے رہیں گے، پروردگار کو ترس نہیں آئے گا۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم جیتے جاگتے اپنے جھگڑوں کو سمیٹ لیا کریں۔ دنیا میں معافی مانگنی آسان ہے، دنیا میں دو آنسو بہا لینے آسان ہیں، کسی کے پاؤں پکڑ لینے آسان ہیں۔ کسی سے معافی مانگنے کیلئے دو باتیں کہہ لینی آسان ہیں، کسی ایک بندے کے سامنے شرمندگی برداشت کر لینا آسان ہے۔ لیکن اگر ہم نے ان جھگڑوں کو نہ سمٹایا اور اسی طرح ان کو لے کر قبر میں چلے گئے تو آگے پھر معاملہ مشکل ہوگا۔ قیامت کی عدالت میں یہ مقدمے کھولے جائیں گے، وہاں کوئی ایک دیکھنے والا نہیں ہوگا بلکہ ساری انسانیت دیکھے گی۔ انبیاء بھی دیکھیں گے، اولیاء بھی دیکھیں گے، عوام الناس بھی دیکھیں گے، پروردگار بھی دیکھیں گے، جب سب کے سامنے کچا چٹھا کھلے گا تو پھر سوچئے کہ اس وقت ہمیں کتنی ندامت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ دے ہم اپنی زندگی میں اس قسم کے معاملات کو خود سمیٹ لیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو آدمی دوسروں کی خیر خواہی کرے گا اللہ رب العزت اس کی خیر خواہی فرمائیں گے۔ مثلاً ایک آدمی دوسروں کی خدمت میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے کاموں کو سنوارنے میں لگے رہتے ہیں۔ یہ انسان دوسروں کی مدد کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرما رہے ہیں۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا **واما من ينفع الناس فيمكث في الارض** جو شخص دوسرے انسانوں کی نفع رسانی کے لئے زندگی گزارتے ہیں ان کو نفع پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں جما دیتے ہیں۔ جو خیر خواہ لوگ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قبولیت دیتے ہیں۔

کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ والوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے، ان کے دلوں میں اللہ کی محبت ایسی ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور پھر مخلوق ان کے اوپر قربان ہوئی جاتی ہے۔ جس طرح کسی شمع کے اوپر پروانے جان فدا کرنے کو تیار ہوتے ہیں اسی طرح اللہ والوں پر سالکین اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر قربان، مخلوق خدا ان پر قربان، یہ اللہ سے محبت کرتے ہیں لوگ ان سے محبت کرتے ہیں، یہ اللہ کے چاہنے والے بنتے ہیں اللہ تعالیٰ لوگوں کو انکا چاہنے والا بنا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں لوگ ان کی خدمت کے لئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ وہ مقام عطا فرد یتے ہیں کہ وہ لوگوں کی خیر خواہی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پھر ان کی خیر خواہی کروا دیتے ہیں۔ اس لئے کئی ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ محبوب العالم بنا دیتے ہیں، جہاں جاتے ہیں محبتیں ملتی ہیں، الفتیں ملتی ہیں، جہاں جاتے ہیں ان کو قدرت کی طرف سے لوگوں کے دلوں کا پیار ملتا ہے۔ وجہ کیا ہے؟ ان کے دل میں اللہ کی محبت اس طرح رچ بس جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں اسکا پیار رکھ دیتے ہیں۔

اس کی دلیل حدیث پاک میں ہے کہ جب بندہ اپنے اللہ کا برگزیدہ بندہ بن جاتا ہے یتقرب الی عبدی بالنوافل میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے اتنا قرب پالیتا ہے حتی احبہ حتی کے میں اس سے محبت کرتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو دع جبریل اللہ تعالیٰ جبریل کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں جبریل! میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں۔ جبریل آسمان پر فرشتوں میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اے فرشتو! اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں لہذا سارے فرشتے اس بندے سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر جبریل زمین پر آتے ہیں اور ایک جگہ کھڑے ہو کر زمین میں اعلان کرتے ہیں اے لوگو! اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں ثم یوضع لہ القبول فی الارض یہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے

لئے دنیا میں قبولیت رکھ دیتے ہیں۔

وہ جہاں جاتا ہے مقبول بنتا ہے۔ وہ جہاں جاتا ہے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، پیار کرتے ہیں، وہ دشمنوں میں چلا جائے تو وہ دوست بن جائیں، وہ غیروں میں چلا جائے تو لوگ اپنے بن جائیں، وہ جنگل میں چلا جائے وہاں منگل کا سماں بن جائے، سبحان اللہ جس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے اللہ رب العزت اس کو زندگی میں بھی یوں محبتیں عطا فرما دیتے ہیں۔

آج چونکہ دلوں میں محبت الٰہی کی کمی ہے اس لئے آج کا ایک عام انسان یوں سمجھتا ہے کہ فلاں مجھ سے نفرت کرتا ہے، بہو سمجھتی ہے کہ ساس مجھ سے نفرت کرتی ہے، ساس سمجھتی ہے کہ بہو مجھ سے نفرت کرتی ہے، لڑکی سمجھتی ہے کہ فلاں میری کزن مجھ سے نفرت کرتی ہے، فلاں میری نند مجھ سے نفرت کرتی ہے، فلاں میری خالہ زاد میرے اوپر عمل کرتی پھرتی ہے، یہ سب اسی قسم کی باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے دل میں محبت الٰہی کی کمی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کے اندر یہ خیال ہوتا ہے کہ لوگ مجھے اچھا نہیں سمجھتے، لوگ میری غیبت کرتے ہوں گے، فلاں نے فلاں کو بگاڑا ہوگا، فلاں میرا برا چاہنے والا ہے، اس کو سب برائی چاہنے والے نظر آتے ہیں۔ کاش! ہم اپنی سوچ کو بدل لیتے، اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو بھر لیتے۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کے دل میں ہماری محبتوں کو بھر دیتے اور زندگی کتنی اچھی گزرتی۔

فرصت زندگی کم ہے محبتوں کے لئے
لاتے ہیں کہاں سے وقت لوگ نفرتوں کے لئے

معلوم نہیں کہ لوگ اسی مختصر سی زندگی میں نفرت کے لئے کہاں سے وقت نکال لیتے ہیں۔ فلاں سے نفرت، فلاں سے نفرت، فلاں سے نفرت۔ نہیں خدا کے بندے اگر نفرت ہو تو کفار سے ہو، نفرت ہو تو اللہ کے دشمنوں سے ہو۔ لیکن جو ایمان والے ہیں، جو کلمہ گو ہیں ان کے ساتھ محبت ہونی چاہئے۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی بھی محبت نصیب

فرمادے اور اپنی زندگی میں دوسروں کی خیر خواہی کرنے کی رب کریم توفیق نصیب فرمادے اور جو ہم اب تک گناہ کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ موت سے پہلے پہلے ان کی معافی مانگنے کی توفیق نصیب فرمادے۔

آج کی عورتیں اکثر کہتی ہیں کہ جی کیا کریں ہمارے لئے دعا کریں اللہ تعالیٰ تو ہماری سنتا ہی نہیں۔ میری بہن، اللہ تعالیٰ سنتے تو سب کی ہیں مگر بات یہ ہے کہ اللہ تو دل کی پکار سنتے ہیں۔تو زبان سے پکارتی پھرتی ہے۔اس لئے تیری پکار وہاں پہنچتی نہیں۔اگر تیرا دل کلام کرتا تو رب تو دل کی باتیں سنتے ہیں۔ تیرا دل خاموش، تیرا دل پتھر، تیرا دل سیاہ، پھر تیری زبان سے نکلی ہوئی باتیں وہاں تک کیسے پہنچیں گی۔یاد رکھیں کہ پروردگار سب کی سنتے ہیں مگر لوگوں کے دل گونگے ہوتے ہیں، ان کے دل باتیں نہیں کرتے، اگر تیرا دل گونگا نہ ہوتا، تیرا دل اللہ سے باتیں کرتا تو تجھے شکوہ نہ ہوتا کہ پروردگار تو میری سنتے نہیں۔ وہ جن کے دل اپنے اللہ سے باتیں کرتے ہیں۔اپنے اللہ کی یاد میں رہتے ہیں، ان کو ان شکووں کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، پھر پروردگار قبول کر لیتے ہیں،تو رب کا شکوہ کیوں کرتی ہے،اپنے دل کے گونگے ہونے کا شکوہ کیوں نہیں کرتی؟ یہ پتھر بن گیا، بے جان بن گیا، آج اس کے اندر وہ کیفیت نہیں جو ہونی چاہئے۔

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

ہم اپنے اندر بھی تو جھانک کر دیکھیں کہ ہمارے دل کی کیا حالت بنی ہوئی ہے۔

یہ ہمارے گناہ ہیں جن کی وجہ سے ظلمتیں ہوتی ہیں، دلوں کے اندر سختی آجاتی ہے۔

آج کی عورتیں جتنا وقت روزانہ اپنے ظاہری جسم کو خوبصورت بنانے کے لئے صرف کرتی ہیں کاش! کہ اس سے آدھا وقت اپنے باطن کو خوب سیرت بنانے کے لئے صرف کر دیتیں تو میرے اندازے میں جہنم سے بچ کر جنت کی مستحق بن جاتیں۔اپنے ظاہر کو خوبصورت بنانے کے لئے ہر وقت سوچتی پھر رہی ہوتی ہیں مگر اپنے باطن کی شکل

کیا ہے؟ جس کو پروردگار دیکھتا ہے اس کی طرف غور نہیں ہوتا۔

وہ سراپا جس پر بندوں کی نظریں پڑتی ہیں میری بہن! تو اسے اتنا سنوارتی پھرتی ہے جب کہ تیرے دل پر تیرے رب کی نگاہیں پڑتی ہیں تجھے اس کے سنوارنے کی پرواہ نہیں۔ جس گھر کے اندر تیرے دنیا کہ مہمان آتے ہیں تو نے اس کو نگینے کی طرح چمکا کے رکھا اور تیرے دل میں تیرا پروردگار مہمان بن کے آتا ہے اور تجھے اس گھر کی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہاں خواہشات ہوتی ہیں، شہوات ہوتی ہیں، وہاں نجاست کی بدبو ہوتی ہے اور ہمیں پروانہیں ہوتی کہ ہمارے دل کی کیا حالت بن گئی۔ لہٰذا اپنے سراپا کو ضرور خوبصورت بنائیے مگر اس سے بھی زیادہ اپنی سیرت کو خوبصورت بنائیے۔ اللہ کی نظر انسان کی سیرت پر ہوتی ہے۔

یاد رکھنا کہ قد بغیر اونچی ہیل کے بھی بڑا نظر آ سکتا ہے اگر انسان کی اپنی شخصیت میں بلندی ہو، انسان کی آنکھیں بغیر سرمے کے بھی خوبصورت لگ سکتی ہیں اگر ان آنکھوں میں حیاء ہو، انسان کی پلکیں بغیر مسکارے کے بھی دلفریب بن سکتی ہیں اگر وہ پلکیں شرم سے جھکی ہوئی ہوں، انسان کی پیشانی بغیر بندیا کے بھی خوبصورت لگتی ہے اگر اس پر سجدوں کے نشان ہوں۔ تو کیوں نہ تو اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے، اپنے محبوب ﷺ کی سنتوں پر عمل کر لے، اللہ رب العزت تجھے لوگوں میں محبوبیت عطا فرما دیں گے، لوگ تیرے سامنے بچھتے پھریں گے، تجھے دنیا میں بھی عزت اور آخرت میں عزت ملے گی۔ رب کریم ہمیں عزتوں بھری زندگی نصیب فرما دے۔ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما کر ہمیں اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرما دے۔ آمین ثم آمین۔

(بحوالہ چیدہ چیدہ از خطبات فقیر جلد پنجم)

حقوق العباد سے متعلق ضروری ہدایات

حقوق العباد سے متعلق حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ کا ایک مضمون ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

بہت سے دینداری کے مدعی مرنے والے بھائی کی جائیداد سے اس کی بیوی کو حصہ نہیں دیتے بلکہ اسے مجبور کرتے ہیں کہ تو ہمارے ساتھ نکاح کر لے، وہ بیچاری مجبوراً نکاح کر لیتی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے شریعت کی پاسداری کر لی۔ حالانکہ نکاح کر لینے سے اس کے شوہر کی میراث سے جو شرعاً حصہ اس کو ملا ہے اس کو دبا لینا پھر بھی حلال نہیں ہوتا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر عورت کو جائداد میں حصہ دے دیا گیا تو ہماری زمین کا حصہ دوسرے خاندان میں چلا جائے گا۔ اگر چلا ہی گیا تو کیا ہوا۔ بیوہ عورت کا مال مارنے اور آخرت کے عذاب سے تو بچ جائیں گے۔

بہت سے علاقوں میں رواج ہے کہ میت کے ترکہ میں سے اس کی لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے بلکہ بھائی ہی دبا بیٹھتے ہیں جو سراسر ظلم کرتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنا حق مانگتی نہیں ہیں اور معاف کرانے سے معاف بھی کر دیتی ہیں۔

واضح رہے کہ حق نہ مانگنا دلیل اس بات کی نہیں کہ انہوں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے اور جیسی جھوٹی معافی ہوتی ہے۔ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ ہم کو ملنا تو ہے ہی نہیں۔ لہٰذا معاف ہی کر دیتی ہیں اور اپنا حق طلب کرنے سے خاموش رہتی ہیں۔ اگر ان کا حصہ بانٹ کر ان کے سامنے رکھ دیا جائے کہ لو یہ تمہارا حصہ ہے اور جائداد کی آمدنی جتنی اس کے حصے کی ہو ان کو دے دی جائے اور وہ اس کے باوجود معاف کر دیں تو معافی کا اعتبار ہوگا۔ مجبوری رسمی معافی کا اعتبار نہیں۔ بعض لوگ نفس کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ زندگی بھر ان کو ان کی سسرال سے بلائیں گے، بچوں سمیت آئیں گی، کھائیں گی، پئیں گی، اس سے ان کا حق ادا ہو جائے گا۔ یہ سب خود فریبی ہے۔ اول تو ان پر اتنا خرچ نہیں ہوتا جتنا میراث میں ان کا حصہ نکلتا ہے۔ دوسرے صلہ رحمی کرنا ہے تو اپنے پیسے سے کرو۔ پیسہ ان کا اور احسان آپ کا کہ ہم نے بہن کو بلایا ہے اور خرچ کیا ہے، یہ کیا صلہ رحمی ہوئی، تیسرے ان سے معاملہ کرو کیا اس سودے پر وہ راضی ہیں۔ یکطرفہ فیصلہ کیسے فرما لیا؟

اسی طرح مہر کو بھی سمجھو کہ رسمی طور پر بیوی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔

جب تک کہ وہ اپنے نفس کی خوشی سے معاف نہ کردے۔ اگر اس نے یہ سمجھ کر زبانی طور پر معاف کردیا کہ معاف کروں یا نہ کروں۔ ملتا تو ہے ہی نہیں تو اس معافی کا کچھ اعتبار نہیں۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے:

﴿فان طبنَ لكم عن شيءٍ منه نفساً فكُلُوهُ هنيـأً مريئاً﴾

''سو اگر تمہاری بیویاں نفس کی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو تم اس کو مرغوب اور خوشگوار سمجھتے ہوئے کھاؤ۔''

اس بارے میں بھی یہی صورت کریں کہ ان کا مہر ان کے ہاتھ میں دے دیں۔ پھر وہ اپنی خوشی سے بخش دیں اس کو بے تکلف قبول کرلیں۔ لڑکیوں کی شادی کی جاتی ہے اور ان کا مہر والد یا دوسرا کوئی ولی وصول کرلیتا ہے۔ وصول کرلینا اور اس کی ملکیت جانتے ہوئے محفوظ رکھنا، یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن لڑکی سے پوچھے بغیر اسکے مال کو اپنے تصرف میں لانا اور اپنا ہی سمجھ لینا پھر اس کو کبھی بھی نہ دینا یا اوپر کے دل سے جھوٹی معافی کرالینا، یہ حلال نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب شادی میں جو ہم نے خرچ کیا ہے اس کے عوض یہ رقم ہم نے وصول کرلی۔ یا جہیز میں لگادی۔ حالانکہ والد یا کوئی ولی رواجی اخراجات کرتا ہے۔ عموماً یہ سب کچھ نام کے لئے ہوتا ہے۔ اور بہت سے کام شریعت کے خلاف بھی ہوتے ہیں۔ گانا بجانا اور طوائف کے ناچ رنگ ہوتے ہیں۔ جہیز بھی دکھاوے کے لئے دیا جاتا ہے اور وہ چیزیں جہیز میں دی جاتی ہیں جو زندگی بھر کبھی کام نہ آئیں۔ سب جانتے ہیں کہ خلاف شرع اور دکھلاوے کے لئے تو اپنا مال خرچ کرنا بھی حرام ہے۔ پھر بے زبان لڑکی کا مال اس طرح خرچ کرنا کیسے حلال ہوسکتا ہے؟ جو کچھ خرچ کریں موافق شرع خرچ کریں۔ اور وہ بھی اپنے مال سے۔ نہ کہ لڑکی کے مہر سے۔ اس کے مال سے خرچ کرنا بلا اس کی اجازت کے ظلم ہے۔ اس سے پوچھتے تک نہیں۔ اور اس کا مال اڑا دیتے ہیں۔

اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ وہ خاموش رہتی ہے۔ یہی اجازت ہے۔ تو یہ کہنا صحیح نہیں

ہے۔رواجی خاموشی مالیات کے بارے میں معتبر نہیں ہے۔اس کی رقم اس کو دے دو اور اس پر کسی قسم کا جبر نہ ہو اور بدنامی اور رواج کا ڈر نہ ہو پھر وہ خوشی سے جو کچھ آپ کو دے دیں اس کو اپنا سمجھ سکتے ہیں۔

اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ شرعاً شادی میں کوئی خرچہ نہیں ہے۔ایجاب وقبول سے نکاح ہو جاتا ہے اس کے بعد رخصت کر دو۔سواری کا خرچ شوہر دے گا جو اپنی بیوی کو لے جائے گا۔لڑکی یا اس کے ولی کے ذمہ کچھ بھی خرچ نہیں آتا۔رواجی بکھیڑوں اور نام ونمود کے قصوں نے خلاف شرع کاموں پر لگا رکھا ہے۔

یوں کہنے والے بھی ملتے ہیں کہ ہم نے پیدائش سے لے کر آج تک خرچ کیا ہے وہ ہم نے وصول کر لیا۔یہ بھی جاہلانہ جواب ہے کیونکہ شرعاً آپ پر اس کی پرورش واجب تھی اس لئے آپ نے اپنا واجب ادا کیا۔جس کی ادائیگی اپنے مال سے واجب تھی۔اس کا عوض وصول کرنا خلاف شرع ہے بلکہ خلاف محبت ہے۔اور خلاف شفقت بھی ہے۔گویا جو کچھ آپ اس کی پرورش پر خرچ کرتے آئے ہیں وہ ایک سودے بازی ہے۔اور ہے بھی بلا حساب جس کی لکھا پڑھی کچھ نہیں۔پندرہ بیس سال خرچ کر کے اس کے مال سے وصول کر لیں گے۔ادھار خرچ کر کے بعد میں وصول کر لینا یہ تو غیر بھی کر دیتے ہیں۔آپ نے اپنی اولاد کے ساتھ کونسا سلوک کیا ہے؟

بغیر بلائے کسی دعوت میں پہنچ کر کھانا کھا لینا حلال نہیں ہے۔اگر مروت اور لحاظ کی وجہ سے کوئی منع نہ کرے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔اس خاموشی کو اجازت سمجھ لینا صریح غلطی ہے اور خود فریبی ہے۔اگر کوئی شخص چار آدمی بلائے اور پانچواں بھی ساتھ چلا جائے اور صاحب خانہ لحاظ میں کچھ نہ کہے۔تو زائد آدمی کا کھا لینا حرام ہے۔

عموماً رواج ہے کہ کسی کے مرجانے پر اس کے مال سے فقراء ومساکین کی دعوت کرتے ہیں اور اس کے کپڑے وغیرہ خیرات کی نیت سے دے دیتے ہیں۔حالانکہ ترکہ تقسیم کئے بغیر ایسا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اول تو سب وارث بالغ نہیں ہوتے اور جو

بالغ ہوں ان سب کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ان میں بہت سے سفر میں یا ملازمتوں پر پردیس میں ہوتے ہیں۔مشترکہ مال میں سب کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا درست نہیں ہے اور رسمی طور پر رواجی اجازت کا اعتبار نہیں ہے۔مال تقسیم کر کے ہر ایک وارث کا حصہ اس کے حوالہ کردو۔پھر وہ اپنی خوشی سے جو چاہے ایصال ثواب کے لئے شریعت کے مطابق بلا ریاکاری کے خرچ کردے۔

اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ نابالغ کی اجازت شرعاً معتبر نہیں ہے اگرچہ وہ اپنے نفس کی خوشی سے اجازت دے دے۔

ہمارے ایک استاذ ایک تحصیلدار کا قصہ سناتے تھے کہ جب وہ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے مرید ہوئے اور دینی حالت سدھرنے لگی اور آخرت کی فکر نے ادائیگی حقوق کی طرف متوجہ کیا تو انہوں نے اپنے زمانہ تعیناتی میں رشوتیں لی تھیں ان کو یاد کیا اور حساب لگایا،عموماً متحدہ پنجاب کی تحصیلوں میں وہ تحصیلداری پر مامور رہے تھے۔انہوں نے تحصیلوں میں جا کر مقدمات کی فائلیں نکلوائیں اور ان کے ذریعہ مقدمات لانے والوں کے پتے لئے۔پھر گاؤں گاؤں ان کے گھر پہنچے اور بہت سوں سے معافی مانگی اور بہت سوں کو نقد رقم دے کر سبکدوشی حاصل کی۔ان تحصیل دار صاحب سے ہمارے استاذ محترم کی خود ملاقات ہوئی تھی۔اور انہوں نے اپنا یہ واقعہ ان کو خود سنایا تھا۔

ممکن ہے کہ بعض حضرات یہ سوال کریں کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے حقوق تو مار لئے۔اور جو ہونا تھا ہو چکا اب ان کے پاس پیسے نہیں لہٰذا حقوق کس طرح ادا کریں اور بہت سے لوگوں کے پاس پیسے تو ہیں لیکن اصحاب حقوق یاد نہیں اور تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتے ان کے پہنچانے کا کوئی راستہ نہیں مل سکتا۔ان کو پہنچانے کا کوئی راستہ نہیں اب یہ لوگ کیا کریں۔

اس کے بارے میں عرض ہے کہ اللہ کی شریعت میں اس کا حل بھی موجود ہے۔اور وہ

یہ کہ جو اصحاب حقوق معلوم ہیں ان سے جا کر یا بذریعہ خطوط معافی مانگیں اور ان کو بالکل خوش کر دیں جس سے اندازہ ہو جائے کہ انہوں نے حقوق معاف کر دیئے اگر وہ معاف نہ کریں تو ان سے مہلت لے لیں اور تھوڑا تھوڑا کما کر اور آمدنی سے بچا کر ادا کریں اور اگر ادائیگی سے پہلے ان میں فوت ہو جائے تو اس کی اولاد کو باقی ماندہ حق پہنچا دیں۔

اہل حقوق میں سے جو لوگ زندہ ہوں لیکن ان کا پتہ معلوم نہ ہو تو ان کی طرف سے ان کے حقوق کے بقدر مسکینوں کو صدقہ دے دیں۔ جب تک ادائیگی نہ ہو صدقہ کرتے رہیں اور تمام حقوق والوں کے لئے خواہ مالی حقوق ہوں خواہ آبرو کے حقوق ہوں۔ بہرحال دعائے خیر اور استغفار ہمیشہ پابندی سے کریں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے والد کی دو بیویاں تھیں اپنے والد کی وفات کے بعد انہیں خیال آیا کہ ان دو بیویوں کے مہر ادا نہیں ہوئے تھے دونوں بیویاں بھی وفات پا چکی تھیں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ان کے رشتہ داروں کا پتہ چلایا اور ان میں سے جس جس کو میراث پہنچ سکتی تھی سب کو ان کا حق پہنچایا ان میں جو وفات پا گئے تھے۔ ان کی اولاد کو تلاش کیا اور حق دیا ان میں سے ایک بیوی کاندھلہ میں تھیں ان کے کسی عزیز کے حساب میں دو پیسے نکلتے تھے حضرت والا نے مجھے (یعنی حضرت شیخ کو) وکیل بنایا تاکہ ان کا حق پہنچاؤں۔ اصل بات یہ ہے کہ عام طور سے آخرت کی فکر ہی نہیں رہی۔ دل کی لگی بری ہوتی ہے اگر فکر ہو جائے جسے واقعی فکر کہتے ہیں اور دوزخ کی آگ کا فکر ہو جائے تو نیند ہی نہ آئے جب تک کہ حقوق العباد ادا نہ کر دے۔ فکر تو بعد کی بات ہے یقین ہی کچا ہے جو یقین کہنے کے لائق نہیں اس لئے حقوق کی ادائیگی اور ادائیگی فرض و واجبات اور اجتناب محرمات کی طرف توجہ نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

بعض ایسے امور ہیں جس سے عموماً لوگ غفلت برتتے ہیں۔

☆ جس کسی نے اپنا مال تھوڑا ہو یا بہت، خواہ کسی بھی جنس سے ہو، کسی کے پاس حفاظت

کے لئے رکھ دیا۔ یہ مال اس کے پاس امانت ہے۔ اسے خوب اچھی طرح حفاظت سے رکھے۔ اور امانت رکھنے والا جب مانگے تو دے دے۔ اگر دینے سے انکار کر دیا اور وہ ہلاک ہوگئی تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔

☆ امانت کی چیز اگر خرچ کر لے یا ہلاک کر دے تب بھی ضمان لازم ہوگا۔

☆ اگر کوئی چیز کسی سے عاریۃً (مانگنے کے طور پر) لی۔ پھر ہلاک کر دی تو اس کا بھی ضمان لازم ہوگا۔

☆ اگر کوئی مہمان یا گاہک گھر یا دکان پر اپنی کوئی چیز بھول جائے تو وہ امانت ہے۔ اس کا خرچ کر لینا جائز نہیں۔ صاحب مال کے آنے کا انتظار کرے اور آنے جانے والوں سے تلاش بھی کروائے اور پتہ چلوائے کہ شخص کہاں ہے۔ جب نا امیدی ہو جائے تو اس کی طرف سے صدقہ کر دے لیکن اگر کبھی وہ آ گیا اور صدقہ پر راضی نہ ہو تو اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہوگا۔ اور صدقہ اپنی طرف سے ہو جائے گا۔

☆ اگر کوئی شخص کوئی گری پڑی چیز کہیں پالے تو مالک کو پہنچانے کی نیت سے اٹھا سکتا ہے اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اٹھانا واجب ہے۔ اٹھا لینے کے بعد اعلان کرے کہ کسی کی کوئی گری پڑی چیز ہو تو لے لے۔ جس جگہ چیز ملی ہے اس کے قریب جو آبادیاں ہوں ان میں اعلان کرے اور اتنے عرصہ اعلان کرے کہ یقین ہو جائے کہ مالک نہیں آئے گا۔ اس کے بعد مالک کی طرف سے مستحقین زکوٰۃ کو صدقہ کر دے۔ اگر خود صاحب نصاب نہیں تو اپنے اوپر بھی خرچ کر سکتا ہے لیکن ہر صورت میں اگر صاحب مال آ گیا تو مال کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگا۔ اور صدقہ کا ثواب صدقہ کرنے والوں کو مل جائے گا۔ جب کوئی چیز اٹھائے تو گواہ بنا لے کہ حفاظت کرنے کے لئے اور مالک تک پہنچانے کے لئے اٹھا رہا ہوں۔ اگر اس جگہ گواہ نہ ملیں تو آبادی میں پہنچ کر گواہ بنا لے کہ یہ چیزیں مالک کو پہنچانے کے لئے اٹھا لایا ہوں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ چوری کرنے یا غصب کرنے کی تہمت نہ رکھیں گے۔ اگر کوئی ایسی چیز ملی یا کوئی شخص دکان یا گھر پر چھوڑ کر چلا گیا تو زیادہ دیر باقی نہیں

رہ سکتی۔ جب خراب ہونے لگے تو اس کو صدقہ کر دے۔ زیادہ انتظار کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس سے پہلے اعلان جاری رکھے۔

☆ اگر کوئی شخص قرض دے کر بھول جائے یا لحاظ کی وجہ سے طلب نہ کرے۔ یا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ نہ کر سکے۔ یا کسی بھی طرح کسی کی کوئی چیز اپنے قبضہ میں آجائے اور صاحب مال کو اس کا علم نہ ہو تب بھی اس کا پہنچانا اور ادا کرنا واجب ہے۔

☆ حکومتوں کے قانون کی آڑ میں کسی کا حصہ میراث دبا لینا حرام ہے۔ نیز جسے شرعاً حصہ نہ پہنچتا ہو اس کو کسی حکومت کے قانون کی وجہ سے حصہ لینا بھی حرام ہے۔ مثلاً پوتے کو چچا کی موجودگی دادا کی میراث شرعاً نہیں پہنچتی مگر جو حکومتیں شریعت کے خلاف چلتی ہیں وہ دلا دیتی ہیں ان کے دلا دینے سے لے لینا حلال نہیں ہوگا۔

☆ اگر کوئی شخص وفات پا گیا اور اس کا کوئی قرض کسی کی طرف ہے یا مرنے والے کا اور کوئی مال کسی طرح قبضہ میں آیا ہوا ہے۔ مثلاً اس نے امانت رکھی تھی یا چوری کر کے اس کا مال لے لیا تھا۔ تو اسکے وارثوں تک اس کا پہنچانا فرض ہے جیسا کہ اس کی زندگی میں خود اس کو دینا فرض تھا۔

☆ اوقاف کے مال اور عمارت سب امانت ہوتے ہیں۔ وقف کرنے والوں کی شرطوں کے خلاف تصرف کرنا خیانت ہے۔ بہت سے لوگ جن کا اوقاف پر قبضہ ہوتا ہے ایسے لوگوں پر بھی اوقاف کا مال خرچ کر دیتے ہیں۔ جن پر واقف کی شرائط کے اعتبار سے خرچ کرنا جائز نہیں ہوتا۔ یا اپنے ملنے والوں کو شرائط کے خلاف اوقاف کی عمارتوں میں ٹھہرا دیتے ہیں یا ان کو مختصر سے کرایہ پر دے دیتے ہیں۔ یہ سب حرام ہے اور خیانت ہے۔

☆ بعض لوگوں کے پاس وقف کا مکان کرایہ پر ہوتا ہے اور وہ پرانا کرایہ دیتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہر دور میں وہی کرایہ دینا لازم ہے جو مکان کے مناسب حال ہو۔ اگر وقف کا ذمہ دار اس میں رعایت کرے یا چشم پوشی کرے تب بھی کم کرایہ پر اکتفا کرنا حلال نہیں ہے یہ دیکھ لیں کہ اس طرح کا مکان اگر کسی کی ملکیت میں ہوتا تو وہ کتنے کرایہ پر ملتا۔ اسی کے

موافق کرایہ پر دیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ ایک سال سے زیادہ کے لئے وقف کی زمین کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ (از اصلاحی مقالات)

اجتماعی حقوق کی کچھ تفصیل

دور جدید میں مغرب نے انسان کو جن نظریوں کے بلند بانگ دعوؤں میں اس کی فلاح وکامرانی کی راہ سے گمراہ کیا ہے اور شخصی یا اجتماعی اجارہ داری کے ذریعے اسے محکوم بنایا ہے ان میں حریت فکر حریت فرد فراخدلی اور اجتماعی عدل ومساوات کی اصطلاحیں زبان زد خاص وعام ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں سرمایہ داری اور لادینی جمہوریت کا ایک نظام متعارف کروایا گیا اور پھر اس نظام کے غلبے کا یہ حال بن گیا کہ دنیا میں اسے انسانی ترقی کا حرف آخر سمجھا جانے لگا۔ لوگ مجبور ہو کر اپنی انفرادی آزادی ترقی پسندی اور فراخ دلی کے ساتھ گہرا تعلق ظاہر کر کے اپنے آپ کو ایک وسیع النظر انسان ظاہر کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن اب انسانیت انہی نظاموں کے ہاتھ پٹ رہی ہے۔ اس شیطانی نظام نے زمین کو اپنے ظلم وجور سے بھر دیا ہے۔ بیچارے مسلمان مرعوبیت کا شکار ہو کر اسلام کی روشن تعلیمات کو توڑ مروڑ کر انہیں مشرف بہ جمہوریت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ سب نظریئے حق اور سچ کے لبادہ میں خونخوار بھیڑیوں کا لاؤ لشکر لئے ہوئے ہیں۔ حریت فرد، فراخ دلی سرمایہ داری اور بے دین جمہوریت کے مغربی تصورات صرف حق کا ایک پہلو لئے ہوئے ہیں۔ ان کا ظاہری چہرہ تو بڑا خوش نما لیکن ان کے اندر انسانیت دوستی کے بجائے ایک خاص سامراجی سوچ کا غلبہ مخفی ہے۔ اشتراکیت کا عمل اجتماعی بھی کچھ اسی طرح کی سوچ لئے ہوئے ہے۔ اسلام میں سب کچھ پہلے سے موجود تھا اور اب بھی ہے۔ لیکن سامراجی آج اصل اسلام کی سادگی کو جدید اصطلاحات کے پردے میں لا کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے۔

اسلام وہ دین حق ہے جو خالق کائنات نے انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا۔ انسانوں کے درمیان عدل قائم اور انصاف کو رواج دینا اس کا مطمح نظر ہے۔ انسان اپنا مالک و حاکم نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے معیار عدل ہی خود قائم کرے۔ وہ کائنات میں خدا کا نائب ہے اس لیے وہ اپنے محدود علم اور اپنی کوتاہی اور نارسائی کی وجہ سے اس قابل نہیں ہے کہ وہ اپنے معیارات کے تعین میں اپنی نفسانی خواہشات سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

اس لئے انسان کے لئے حقیقی عادلانہ معیار صرف خالق کائنات کے ذریعے ہی ممکن ہے جو بے نیاز اور عالم الغیب والشہادت ذات ہے۔ اور حقیقت یہی ہے اسلام کا مقصود ہی عدل تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسی کے ذریعے سے بنی نوع انسان کو عدل اجتماعی سے فیض یاب کیا ہے۔

انسانی معاشرہ کروڑوں افراد سے تشکیل پایا ہے جس میں ہر فیروزی روح اپنی عقل، شعور، خواہشات، مفادات اور ضروریات کی وجہ سے مختلف سوچ کا حامل ہے۔ انفرادی انسان اپنی محدود ضروریات کے لئے جب کوشش کرنے لگتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگتا ہے کیونکہ اس کی تنگ دامانیاں اسے اس قابل نہیں ہونے دیتیں کہ مسائل کے لامتناہی سمندر سے اکیلا اپنے آپ کو بچا کر نکال سکے۔ ایک فرد ایک خاندان سے جڑا ہوا ہے اور خاندان قبیلے اور برادریوں سے مربوط ہے اور مختلف قبیلے اور برادریاں مل کر ایک قوم کی تشکیل کر رہی ہیں اور قوم اپنے اجتماعی اداروں کی تنفیذ کے لئے ایک ریاست کا نظام بناتی ہے جو کہ اجتماعی مفادات کو پورا کرنے میں افراد کو متحد اور ایک جان کر کے اجتماعی ترقی کے لئے مل کر کام کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اجتماعی حقوق کی بازیابی کے لئے اجتماعی ادارے تشکیل دیئے جاتے ہیں لیکن ان کا بنیادی مقصد اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ان میں سے ہر ایک ادارے کو افراد پر، بڑے ادارے کو چھوٹے اداروں پر اقتدار حاصل ہوتا ہے اور اس طرح یہ ادارے افراد کی آزادی کو روکتے ہیں جو

دوسروں پر دستدرازی کی حد تک پہنچتی ہے۔اور وہ ادارے افراد سے کام لیتے ہیں جو بحیثیت مجموعی تمام افراد معاشرہ کی فلاح وترقی کے لیے مطلوب ہو۔

یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر عدالت اجتماعیہ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور انفرادیت و اجتماعیت کے متضاد تقاضے ایک علیحدہ مسئلہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ایک طرف انسانی فلاح اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ فرد کو معاشرے میں آزادی حاصل ہوتا کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور اپنی پسند کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کر سکے اور اسی طرح خاندان' قبیلے' برادریاں اور مختلف گروہ بھی اپنے سے بڑے دائرے کے اندر اس آزادی سے متمتع ہوں جو ان کے اپنے دائرہ عمل میں انہیں حاصل ہونا ضروری ہے۔مگر دوسری طرف انسانی فلاح ہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ افراد پر خاندان کا' خاندانوں' پر قبیلوں اور برادریوں کا اور تمام افراد اور چھوٹے اداروں پر ریاست کا اقتدار ہو، تاکہ کوئی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسروں پر ظلم وتعدی نہ کر سکے۔

اس پس منظر میں دیکھیں تو یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ حریت فرد، فراخ دلی، سرمایہ داری اور بے دیں جمہوریت کا نظام اجتماع عدل سے تضاد ہی تضاد ہے۔ریاست کو حد سے زیادہ طاقت ور بنا کر افراد خاندان قبیلوں اور برادریوں کی آزادی قریب قریب بالکل سلب ہو جاتی ہے اور افراد ذی روح انسانوں کے بجائے مشین کی طرح بے روح پرزوں کی طرح کام کرنے لگتے ہیں۔حالانکہ اس طرح انسانوں کی روح کی موت ہوتی ہے اور عدل اجتماعی کا قتل ہوتا ہے۔

اشتراکیت ظلم اجتماعی کی بدترین شکل رائج رہی، جو کبھی کسی نمرود کسی فرعون اور شاید کسی چنگیز خان کے دور میں بھی نہ رہی ہو۔ایسے نظاموں کو بھلا کیسے کون عدالت اجتماعیہ کا نام دے سکتا ہے۔اسلام میں جس چیز کو عدل کا نام دیا جاتا ہے اس میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شخص یا انسانوں کا کوئی گروہ انسانی زندگی میں عدل کا کوئی فلسفہ اور اس کا قیام کا کوئی طریقہ بیٹھ کر خود گھڑ لے اور اسے بالجبر لوگوں پر مسلط کر

دے اور کسی بولنے والی زبان کو حرکت نہ کرنے دے۔

یہ مقام کسی صدیق فاروق تو کیا نبی رحمت کو بھی حاصل نہ تھا۔ اسلام میں کسی ڈکٹیٹر کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ صرف حاکمیت اعلیٰ کا منبع و مرکز خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ جس کے آگے انسان عبودیت کے ہاتھوں سربسجود ہوگا۔ جبکہ اور کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے بنائے گئے کسی امر کو انسانوں پر مسلط کر کے بے دام غلام بنالے۔ رسول اور خلفائے رسول کے نظام حکومت میں صرف شریعت الٰہیہ تنقید سے بالاتر تھی۔ اس کے بعد ہر شخص کو ہر وقت ہر معاملے میں زبان کھولنے کا پورا حق تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام میں افراد کی آزادی کو حلال و حرام کے کاموں کے علیحدہ علیحدہ کر کے اسے محدود کر دیا ہے۔ حقوق و فرائض کو بیان کر دیا گیا ہے تاکہ کسی کو کسی کا استحصال کرنے کا موقع نہ ہو۔ افراد کی بھلائی کے لئے کون سے اجتماعی اداروں کی ضرورت ہے اور ان اجتماعی اداروں کا دائرہ کار کیا ہے اور کون سے اجتماعی مفادات ہیں جن کے لئے افراد کو مل کر کام کرنا ہوگا۔ پوری قوم پر کیا پابندیاں لازم ہیں اور کیا خدمات لازم کی جاسکتی ہیں۔ یہ تمام امور کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں تیار دستور میں ثبت ہیں جس پر کسی کو نظر ثانی کا اختیار نہیں۔ اس دستور کی رو سے ایک شخص کی انفرادی آزادیوں پر جو پابندیاں عائد ہیں ان سے تجاوز کرنے کا وہ حق نہیں رکھتا لیکن ان حدود کے اندر جو اس کو آزادی حاصل ہے اسے کوئی سلب کر لینے کا حق بھی نہیں رکھتا۔ کسب اموال کے جن ذرائع اور صرف مال کے جن طریقوں کو حرام کر دیا گیا ہے ان کے وہ قریب نہیں پھٹک سکتے اور قریب پھٹکے تو اسلامی قانون اسے مستوجب سزا سمجھتا ہے۔ لیکن جو ذرائع حلال ٹھہرائے گئے ہیں ان سے حاصل ہونے والی ملکیت پر اس کے حقوق بالکل محفوظ ہیں اور اس میں تصرف کے جو طریقے جائز کئے گئے ہیں ان سے کوئی اس کو محروم نہیں کر سکتا۔ اسی طرح معاشرہ کی فلاح کے لئے جو فرائض افراد پر عائد کر دیئے گئے ہیں ان کے ادا کرنے پر وہ مجبور ہے لیکن اس سے زائد کوئی بار جبراً اس پر عائد

نہیں کیا جا سکتا۔ الا یہ کہ وہ خود رضا کارانہ ایسے کرے اور یہی حال معاشرہ کا ہے۔ ریاست کا ہے کہ افراد کے جو حقوق اس پر لازم کیے گئے ہیں انہیں ادا کرنا اس پر اتنا ہی لازم ہے جتنا افراد سے اپنے حقوق حاصل کرنے کے اسے اختیارات ہیں۔ اس مستقل دستور کو عملاً اگر نافذ کر دیا جائے تو ایک صحیح معنوں میں عدل اجتماعی شروع ہوتا ہے جس کے بعد کوئی شے مطلوب باقی نہیں رہ جاتی۔ اسلام کے اس دستور میں فرد معاشرہ اور ریاست کے درمیان نہایت عادلانہ توازن قائم کیا گیا ہے کہ نہ فرد کو وہ آزادی دی گئی ہے جس سے وہ معاشرہ ریاست کے مفاد کو وہ نقصان پہنچا سکے اور نہ معاشرہ ریاست کو وہ اختیارات دیئے گئے ہیں کہ وہ فرد سے اس کی آزادی سلب کر سکے جو اس کی شخصیت کی نشوونما کے لیے ضروری۔

اسلام معاشرے کی خدمت کے لیے ہر فرد پر جس کے پاس نصاب سے زائد مال جمع ہو زکوٰۃ عائد کرتا ہے نیز وہ اموال تجارت پر زمین کی پیداوار پر مواشی پر اور بعض دوسرے اموال پر بھی ایک خاص شرح سے زکوٰۃ مقرر کرتا ہے۔ آپ دنیا کے کسی ملک کو لے لیجیے اور حساب لگا کر دیکھ لیجئے کہ اگر شرعی طریقے کے مطابق وہاں باقاعدہ زکوٰۃ وصول کی جائے اور اسے قرآن کے مقرر کئے گئے مصارف میں باقاعدہ تقسیم کیا جائے تو کیا چند سالوں کے اندر ایک شخص بھی وہاں حاجات زندگی سے محروم رہ سکتا ہے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ فرد کے پاس دولت جمع ہو جاتی ہے۔ اسلام اس کے مرتے ہی اس کی دولت کو ورثاء میں تقسیم کر دیتا ہے تا کہ ارتکاز کبھی دائمی بن کر نہ رہ جائے۔

اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مالک زمین اور مزارع کارخانہ دار اور مزدور باہمی رضامندی سے معروف طریقے کے ساتھ اپنے معاملات طے کر لیں اور قانون کی مداخلت پیش نہ آئے۔ لیکن جہاں کہیں ان معاملات میں ظلم ہو رہا ہو تو وہاں اسلامی حکومت مداخلت کرنے کی پابند ہے اور حق رکھتی ہے کہ انصاف قائم کر کے حق تلفی کو ختم کر کے حق حقدار کو واپس دلا دے۔

اسلام اس امر کو حرام نہیں کرتا کہ کسی صنعت یا کسی تجارت کو حکومت اپنی انتظام میں چلائے۔اگر کوئی صنعت یا تجارت ایسی ہو جس کی اجتماعی مصالح کے لئے ضرورت ہو اور لوگ اس کو چلانے پر تیار نہ ہوں تو اجتماعی مفاد کے پیشِ نظر حکومت اس کا انتظام چلاسکتی ہے۔اور اسی طرح کوئی صنعت یا تجارت کچھ افراد کے ہاتھوں اس طرح چل رہی ہو کہ اس سے اجتماعی مفاد پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہو تو حکومت کو اختیار ہے کہ اسے وہ جبرا اپنے ہاتھ میں لے لے اور ان افراد کو معقول معاوضہ دے کر اس کاروبار سے الگ کردے۔

بیت المال کے بارے میں اسلام کا قطعی فیصلہ ہے کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔اور کسی شخص کو اس پر مالکانہ تصرف نہیں ہے۔مسلمانوں کو تمام امور کی طرح بیت المال کا انتظام بھی قوم یا اس کے آزاد نمائندوں کے مشورے سے ہونا چاہیے۔جس شخص سے یہی کچھ لیا جائے اور جس مصرف میں بھی مال صرف کیا جائے وہ جائز شرعی طریقے پر ہونا چاہیے اور مسلمانوں کو اس پر پورا پورا حق ہے۔

اسلام ایک فرد کے نام دولت صرف تین صورتوں میں منتقل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

(۱) وراثت (۲) ہبہ (۳) کسب

وراثت......وہ جائز مالک سے اس کے شرعی وارث کو شرعی قاعدے کے مطابق پہنچے۔

ہبہ یا عطیہ......صرف وہ معتبر مال جس مال کے کسی جائز مالک نے شرعی حدود کے اندر دیا ہو۔اور اگر یہ عطیہ حکومت کی طرف سے ہو تو وہ اسی صورت میں جائز ہے جبکہ وہ کسی صحیح خدمت کے صلے میں یا معاشرہ کے مفاد کے لئے املاک حکومت میں سے معروف طریقے سے دیا دیا گیا ہو۔

عطیہ دینے کا اختیار بھی صرف اس حکومت کو ہے جو شرعی دستور کے مطابق

شورائیت کے طریقے پر چلائی جارہی ہو اور جس سے محاسبہ کرنے کی قوم کو آزادی حاصل ہو۔

کسب...... اسلام میں صرف وہ جائز کمائی ہے جو کسی ناجائز طریقے سے نہ کمائی گئی ہو۔ سرقہ، غصب، ناپ تول میں کمی بیشی، خیانت، رشوت، غبن، قحبہ گری، احتکار، سود، جوا، دھوکے کا سودا، مسکرات کی صنعت وتجارت اور فحاشی کی اشاعت کے مراکز اسلام کی رو سے حرام ہے۔ ان حدود کی پابندی کرتے ہوئے جو دولت بھی کسی کو کسی طرح ملے وہ اس کی جائز ملکیت ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کم یا زیادہ ہے۔ ایسی ملکیت کے لئے نہ کوئی حد مقرر ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی کی۔ اور اس کا کم ہونا اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ دوسروں سے چھین کر اسے دے دیا جائے اور نہ اس کی زیادتی اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ اسے زبردستی چھین کر کم کیا جائے۔

جائز دولت کے صرف پر صرف یہ پابندی ہے کہ کبھی بھی اسے معاشرے کے مفادات کے خلاف صرف نہ کیا جائے۔ اسلام میں کوئی شخص اپنی دولت کو فسق وفجور میں صرف نہیں کر سکتا۔ شراب نوشی' قمار بازی کا دروازہ اس کے لئے بند ہے۔ زنا کا دروازہ بھی اس کے لئے بند ہے۔ وہ آزاد انسانوں کو پکڑ کر انہیں غلام نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اس کی بیع وشراء کرنے کا اسے حق ہے کہ وہ مال ودولت کے زور پر اپنے گھر لونڈیوں سے بھر لیں۔ اسلام کو جائز نہیں رکھتا کہ مالدار عیش کرے اور اس کے قریب اس کا ہمسایہ رات کو بھوکا سوئے۔

بایں ہمہ اسلامی معاشرے میں ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ عوام الناس کی بھلائی کے لئے مندرجہ ذیل شعبوں میں اجتماعی سطح کے اقدامات کرے تب اسے ایک بہبودی ریاست کے طور پر جانا جا سکے گا۔

(۱)......کفالت عامہ

قرآن وحدیث کی تعلیمات میں متعدد مواقع پر اس کی تاکید ملتی ہے کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ مالدار اور خوشحال لوگوں سے زکوٰۃ وصدقات وصول کر کے محتاجوں، معذوروں' مسافروں اور ضرورت مندوں کی کفالت کا انتظام کرے۔ زکوٰۃ کے نظام کی تنظیم کچھ اس طرح کی جائے کہ ضرورت مندوں کی کفالت آسانی سے ہوتی رہے۔ اس کے لئے ضرورت مند کی عزت نفس بھی، مجروح نہ ہو اور صرف زکوٰۃ و صدقات پر پلنے والے آسان کوش آسان باش لوگوں کا گروہ بھی پیدا نہ ہو بلکہ وسائل رزق کو پیدا کرنے اور انہیں خوشحالی کی طرف بڑھنے میں وہ نظام مدد کرے۔

حدیث نبوی ﷺ سے واضح ہوتا ہے، کہ اگر کوئی فوت شدہ مرد قرض چھوڑے تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرض ادا کرے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے

''جو شخص مرجائے اور اس کے ذمے قرض ہو اور وہ اسے ادا کرنے کے قابل مال نہ چھوڑے تو اس کا ادا کرنا حکومت کے ذمہ ہے اور وہ جو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔ (بحوالہ ابوداؤد شریف)

ایک دوسری روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

''جس کا کوئی وارث نہیں اس کا میں وارث ہوں اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا اور اس کی میراث لوں گا۔''

ان احادیث بالا سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عوام الناس میں سے ہر فرد کی کفالت اور اس کی محتاجی میں مدد کرنا' بھوک' افلاس میں کھانا مہیا کرنا' لباس دینا اور اس کے لیے خوشحالی کے دروازے کھولنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری صرف زندگی تک نہیں بلکہ اگر کوئی قرض خواہ فوت ہو جائے تو اس کے قرض کی ادائیگی وغیرہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح اگر لا وارث ہو تو حکومت اس کی جائیداد وغیرہ کی مالک ہے۔

اسلامی ریاست اس طرح ایک عام انسان کی مجموعی کفالت کی پوری کی پوری ذمہ دار ہے جو کسی عام نظام میں کبھی ممکن نہیں۔

(۲)......تعلیم عامہ

ایک عام انسان پر جس طرح اس کی جسمانی نشوونما کے لئے غذا کو لینا ضروری ہے اسی طرح اس کی تعلیم و تربیت بھی اس کی روحانی بالیدگی کے لئے ازبس ضروری ہے۔ والدین اولاد کی تعلیم کے ذمہ دار ہیں۔ اسلامی ریاست عوام الناس کے لئے اجتماعی سطح پر ایسے اقدامات کرنے کی پابند ہے کہ وہ تعلیمی اداروں کا جال بچھائے جہاں تعلیم معیاری، یکساں اور سستی مہیا ہو۔

تعلیمی نصاب یکساں ہو اور تعلیمی اداروں میں ایسا تفاوت نہ ہو کہ وہ مخصوص طبقات کی پرورش تعلیم اور تربیت کے لئے الگ الگ ہوں یہ نظام معاشرے میں طبقاتی سوچ کو جنم دیتا ہے۔ تعلیم سب کے لئے یکساں ہونی ضروری ہے اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ تعلیم کو زیادہ سے زیادہ سستا کرے کہ غریب سے غریب فرد بھی آسانی سے اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کر سکے۔ ان اداروں میں کسی امیر کو غریب پر کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر، خاص نسل کے افراد کو دوسری نسل پر اور کسی خاص طبقہ کے دوسرے طبقہ پر برتری یا ترجیح کا احساس ہونے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔ اسلامی ریاست اس بات کی پابند ہے کہ وہ بیت المال سے ایسے اداروں کو منظم کرے ان کے اخراجات خود برداشت کرے اور تعلیم کو یکساں اور مفت سطح پر مہیا کرے۔ کم از کم میٹرک تک کسی بچے کو تعلیم کے معاملہ میں پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ اس سے شرح خواندگی میں اضافہ ہوگا اتنی معاشرے میں تعلیمی سوچ کے ابھارنے میں مدد ملی گی۔ جہالت کی موجودگی میں کوئی معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ تعلیم اگر مہنگی ہو اور طبقاتی تفاوت کا شکار ہو تو معاشرہ باہمی تفریق، تخریب اور نفرت کا شکار ہو جاتا ہے جس سے سماجی یگانگت، بھائی

چارہ اور صلہ رحمی نشو ونما نہیں پا سکتی۔

حکومت کی یہ اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ مساجد میں' مکاتب اور مدارس میں تعلیم عامہ کے فروغ کے لئے سب کے لئے یکساں اور مساوی بنیادوں پر یکساں نصاب تعلیم کے ساتھ یکساں معیار کے اندر رکھ کر تعلیم کی اشاعت وفروغ کے اقدامات کرے۔ یہ ہر شہری کا انفرادی اور معاشرے کا اجتماعی حق ہے اور اس کا پورا کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔

(۳)......صحت عامہ

اسلامی معاشرہ میں جس طرح ہر فرد کی معاشی کفالت کا بندوبست ہونا ضروری ہے اسی طرح ہر فرد کو یکساں اور مساوی بنیادوں پر صحت کو درپیش خطرات کو کم کرنے اور بیماریوں کے علاج ومعالجہ کے لئے انتہائی سستا بلکہ مفت حد تک نظام بنانا ضروری ہے۔ اس کے لئے حکومت کو ابتدائی معاشروں میں ابتدائی سطح کی صحت مراکز کھولنے ہوں گے جہاں پر وبائی بیماریوں سے دفاع کے لئے ضروری پیشگی اقدامات کرنا اور روزمرہ کی معالجاتی ضروریات کے لئے عوام الناس کو یکساں اور مساوی بنیادوں پر سہولیات فراہم کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ایک فرد کے صحت کا خیال رکھنا اجتماعی طور پر پورے معاشرے کی صحت وسلامتی کے لئے ازبس ضروری ہے یہ پریشانیاں ہر فرد کو ہر وقت پریشان رکھتی ہیں جس سے اس کی کارکردگی متاثر رہتی ہے۔ اگر ان پریشانیوں کے ازالہ کے لئے فرد کے لئے تنہا اور بے یارومددگار چھوڑ دیا جائے تو پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ صحت کے بغیر کوئی فرد اطمینان وسکون سے کام نہیں کرسکتا اور اگر افراد صحت وسلامتی کے بارے میں مطمئن نہیں ہوں گے تو کس طرح ممکن ہے کہ وہ اجتماعی کفالت میں مصروف کار اداروں کو اپنی توانائیاں فراہم کرسکیں اور پھر یہ مسلمہ ہے کہ معاشرے میں پھوٹنے والی وبائی بیماریاں کبھی بھی ایک فرد کی ذاتی کوشش وکاوش سے ختم نہیں کی جاسکتیں اس

کے لئے لازماً ریاست کو ہی منصوبہ بندی کرنا ہوگی اور یہ تبھی ممکن ہے جب ریاست صحت کے مراکز کو ابتدائی سطح پر منظم کرے جہاں ہر فرد کو صحت کے حوالے سے یکساں اور آساں بنیادوں پر سہولیات میسر ہوں تو پھر یہ ممکن ہے کہ کہیں بھی سر نکالتی خطرناک وبائی مرض کو موقع پر ہی ختم کیا جا سکے گا اور حکومت کو آسانی سے پتہ چل سکے گا کہ ملک کے اندر کن حالات میں اور کن علاقوں میں صحت و سلامتی کو کیا خطرات درپیش ہیں یا کل درپیش ہو سکتے ہیں جس سے اسے ان خطرات سے کامیابی سے عہدہ برآ ہونے میں آسانی ہو سکتی ہے۔

(۴)......تحفظ مال وجان

انسانی جان و مال کا تحفظ ایک بنیادی حق ہے اور ریاست اس حق کی اجتماعی ذمہ دار ہے۔ جس نے ایک انسان کو قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا۔،، وہ ارشاد نبوی ﷺ ہے جو اس جرم کی قباحت اور حق تحفظ مال وجان کی اہمیت کا عکاس ہے۔ وہ معاشرہ کبھی فلاحی معاشرہ نہیں کہلا سکتا جہاں پر فرد کو ہر وقت اپنی جان کا خطرہ رہتا ہو۔ مال کے لٹنے کا اندیشہ ہو۔ کسی طور بھی امن وسکون حاصل نہ ہو۔ ایسے ماحول میں فرد کی تعمیری کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ اندیشے اور وسوسے اس کی عقل وخورد پر غالب آجاتے ہیں اور آدمی توہمات کا شکار ہو کر ذہنی طور پر بیمار انسان بن جاتا ہے۔ علم نفسیات کے ماہرین کے مطابق جرم کا خوف بھی لوگوں کو جرم کا شکار کرتا ہے۔ ان لئے جس حد تک اندیشے اور وسوسے کسی معاشرے میں کم لاحق ہونگے اسی حد تک وہاں امن وسکون میں اضافہ کے امکانات بڑھیں گے۔ اسلام ایک ایسا معاشرہ دینا چاہتا ہے جہاں انسانی اخوت کا رواج ہو۔ اگر کسی آدمی کو کانٹا چبھ جائے تو دوسرا اس کا اسلامی بھائی اس کا درد محسوس کرے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ بنی نوع انسان کی مثال جسد واحد کی ہے کہ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو پورا انسانی جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اسلامی معاشرہ ایک ایسا ہی

معاشرہ ہے جہاں سلامتی ہی سلامتی ہو۔ مسلمان کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ خلافت راشدہ کا دور اس کی بہترین مثال ہے جب زیورات سے سجی اکیلی عورت سفر کرتی ہے اور اس کو راستے میں اپنے مال، عزت اور جان کے لٹنے کا کوئی خوف اور اندیشہ نہیں ہوتا وہ کامل یکسوئی اطمینان قلب اور امن کے ساتھ اپنی منزل مراد پر جا پہنچتی ہے۔

(۵)...... تحفظ روزگار و تجارت

انسان جہاں مدنی الطبع ہے وہاں اسے ایک معاشی جانور بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ انسان تہذیب و تمدن کا باسی ہے جہاں وسائل رزق میں تنوع اور تجدد پایا جاتا ہے۔ ایک عام حیوان کی طرح صرف گھاس پھوس پر گزارا نہیں کرنا ہوتا بلکہ نئی سے نئی ایجادات اور نئی سے نئی راہیں صنعت و حرفت کے نئے سے نئے انداز اس کی تخلیقی قوت کے مظہر ہیں۔ ریاست انسان کی ان طبعی صلاحیتوں کے لئے حالات ماحول اور اسباب کو یکساں آسان اور مناسب کرنے کی ذمہ دار ہے۔ کاروبار کے امکانات ہوں تو معاشرہ پھلتا پھولتا ہے اور اگر کاروبار رزق اندیشوں اور الجھنوں کا شکار ہو جائے تو کسی انسان کا اس معاشرے میں رہنا بالکل ناممکن ہو جاتا ہے۔ نقل مکانی اور ہجرت کا بنیادی سبب وسائل رزق اور عزت نفس کے لئے بہتر ماحول کی تلاش ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو کاروبار کے یکساں اور مناسب مواقع مہیا کرے۔ جائیداد اور مال کو مکمل تحفظ دے۔ معاشرے میں مکمل امن و آتشی کو فروغ دے اور ہر آدمی کو اپنی محنت کا پورا معاوضہ ملنے کی واضح یقین دہانی ملنے کے امکانات بڑھائے۔ علامہ اقبال نے اسی صورت حال کی عکاسی اپنے اس شعر میں کی ہے۔

جس کھیت سے میسر نہ ہو دہقان کو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

روزی کا تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے۔ جینا روزی کے تحفظ کے بغیر ناممکن ہے۔ آسائشات کا سوچا تو اس وقت جاتا ہے جب آدمی کو اپنے روزگار تجارت و مال جائیداد اور جان کے حوالہ سے کسی ماحول میں اندیشہ نہ ہو اور اسے جائز منافع کے ملنے کے وسیع امکانات ہوں تو وہ خطہ ارض اور حکومت اس انسان کے لئے ایک فلاحی ریاست کہلانے کا حق رکھتی ہے۔

(۶)......آزادیٔ اظہار

اظہار و ابلاغ کسی بھی انسان کا بنیادی حق ہے۔ آرٹ صحافت میڈیا اور گفتار و کردار اس کے مظہر ہیں۔ ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انسان کے اس بنیادی حقوق کے مظہر مواقع کو پھلنے پھولنے کا موقع دے۔ ناروا پابندیاں اور ناجائز دباؤ انسانی تخلیق صلاحیتوں کو موت سے ہم کنار کر دیتا ہے۔ اس لئے ایک مکمل انسان کی زندگی کے بغیر معاشرہ اپنی حسن و خوب صورتی کی معراج پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ اپنے اندر کے انسان کو پوری دیانتداری کے ساتھ اظہار کا موقع نہ مل سکے۔ انسان فطرت کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ دباؤ خوف اور لالچ انسان کو منافقت اور دوغلے پن کا شکار کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست انسان کو اس کی تفریح اور تخلیق کے تمام جائز ذرائع مہیا کرتی ہے لیکن انسان کے اندر چھپے شیطنت کے کارندوں کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیتی جو کہ انسانی معاشرے کو ذہنی بربادی اور انسانی معراج سے ہٹانے کا موجب بنتے ہیں۔ اسلام انسان کو اپنی فطری عظمت سے روشناس کرنے کے لئے اسے مکمل فکری اور تخلیقی آزادی دیتا ہے۔ کائنات کے مظاہر کی خوبصورت اور رنگین قدرتوں کو عجوبات کی قدر و منزلت اور سچائیوں کی تلاش کا حکم دیتا ہے ایسے میں بھلا انسان کیسے سوچوں کے بلائے بے کراں سمندر کی بلاخیزوں سے بچ سکتا ہے۔ اسلام انسان کو قیادت کا حق دیتا ہے۔ اسے کائنات ارضی میں خلافت الٰہی کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور اس

سے اسے خالق کائنات کی تکوینی قدرتوں کو شاہکاروں کو آشکار کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جو کہ اسے خالق کائنات اور اس کی مخلوق کے درمیان حائل پردوں کو اکھاڑنے کا موقع دیتا ہے۔ کائنات اپنی خالق کی قدرتوں کی مظہر ہے اور انسان ان قدرتوں اور عجائبات میں پنہا خداوند قدوس کی خالق آشناسی اور روشنائی کا امین ہے

(۷)......آزادیٔ رائے واجتماع

آزادیٔ رائے کا بنیادی حق اسلام کے اہم فرض امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ہم معنی ہے۔ انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ انسانیت کی بھلائی اور بہبود کے لئے اپنے ضمیر کی آواز کا ہر وقت اظہار کرے اور کسی طمع یا خوف یا مصلحت کی وجہ سے حق کی آواز کو نہ دبائے۔ اسلام میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت ارشاد نبوی ﷺ سے واضح ہوجاتی ہے کہ جب کبھی کوئی آدمی کسی برائی کو ہوتا دیکھے تو اسے طاقت سے روکے اور طاقت نہیں تو زبان سے روکے اور اگر زبان سے روکنے کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو دل سے نفرت کرے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین۔ اسلام حکومت آزادیٔ رائے اور اس کے حوالے سے مشاورت واجتماع کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ بشرطیکہ وہ معروف بنیادوں پر ہو۔ معاشرے کی بھلائی کے لئے جو آدمی بھی معروف کا راستہ اختیار کرتا ہے اسلام اس کو تحفظ دیتا ہے اور جو کوئی معاشرے میں انتشار خوف اور بدامنی کو فروغ دینے کے لئے کسی تخریبی سرگرمیوں کے لئے کوشش کرتے ہیں اسلام ہی کیا وہ ہر اخلاقی قانون کی رو سے جرم متصور ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کا محاسبہ اور ملوث ومجرم افراد کو ان کے کئے کی سزا دی جاتی ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جب قوموں نے نیکی کا حکم اور برائی سے ممانعت کا کام چھوڑ دیا تو پھر ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ شیطانی قوتیں زور پکڑ گئیں اور نیکی کی قوتیں دب گئیں اور رفتہ رفتہ پوری کی پوری قوم برائی میں ملوث ہوگئیں جس پر اللہ کا عذاب ان

کا مقدر ہو گیا۔

اسلام بھلائی کا دین ہے۔ انسانی اخوت کا داعی ہے۔ اس لئے ہر انسان کو اپنے ضمیر کی آواز کو کھل کر ظاہر کرنے کا حق ہے اور اس اظہار کی مثالیں عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ کے ادوار میں بخوبی دیکھی گئیں۔

کسی انسان کو دوسرے انسان پر ترجیحی حق نہیں تھا اور ایک عام بدو کو بھی خلیفۃ المسلمین کی غلطی پر باز پرس کرنے کا حق تھا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ ظالم اور مظلوم بھائی کی مدد کرو۔ صحابۂ کرامؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ مظلوم کی مدد تو ممکن ہے اور اس کی سمجھ آتی ہے۔ ظالم کی مدد کیسے ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ظالم کا ہاتھ ظلم کرنے سے روک کر اس کی مدد کرو تا کہ وہ اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بننے کا سامان نہ کر سکے۔

ریاست اسلام میں آزادیٔ اظہار اور اجتماع کے لئے قرآن مجید ایک قانونی بنیاد فراہم کرتا ہے کہ یہ کام کرنے کے لئے پوری کو اگر یہ ممکن نہیں تو ایک جماعت کو ضرور کرنا چاہئے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

''اور تم میں سے ضرور ایک ایسی جماعت ہو جو نیکی کی طرف بلائے اور برائی سے روکے۔''

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

''بے شک اللہ تمہیں انصاف، احسان اور اہل قرابت کو کچھ نہ کچھ دینے کا حکم دیتا ہے اور تمہیں برائی فحش اور سرکشی سے منع کرتا ہے اور تمہیں یہ نصیحت کرتا ہے تا کہ تم خیال رکھو۔'' (سورۃ النحل:۱۳۰)

سورۃ مائدہ میں فرمایا کہ قومیں ہلاک اس لیے ہوئیں کہ وہ برائی ہوتے دیکھ کر ان کو روکنے کا کام نہیں کرتی تھیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

''وہ ایک دوسرے کو اس منکر سے جو کرتے تھے روکتے نہ تھے کیا برا کام ہے جو وہ کرتے تھے۔ (سورۂ مائدہ:۱۲)

غرض دین اسلام میں آزادی اظہار رائے اور مل جل کر نیکی کا ابلاغ اور برائی کے روکنے کی جدوجہد کرنا ایمانیات میں داخل ہے اور ہر حکومت اس کی پابند ہے کہ وہ لوگوں کو اظہار رائے کی مکمل آزادی دے اور اس کے لئے ضروری جماعتی تشکیل مشاورت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اجتماعات کے انعقاد کے لئے ضروری معاونت اور آسانیاں فراہم کرے۔

(۸)......آزادیٔ مذہب وتبلیغ

دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔ قرآن مجید کا واضح حکم ہے اور یہی اصول اخوت انسانی ہے۔ ہر شخص کو اللہ نے عقل سلیم عطا کی ہے اور اسے اس سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اولاد آدم کو کائنات کی قدرتوں کو دیکھنے اور حق و باطل کی قوتوں میں سے ہر ایک کی اچھائی اور برائی کو جانچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے

"زمین میں چل کر دیکھو کہ اہل باطل کا انجام کیسا اور کتنا عبرت ناک ہوا۔"

انسان کو کفر و ایمان میں سے ایک راہ کے انتخاب کا اختیار ہے لیکن کفر کی بنیاد پر اگر کوئی طغیان، سرکشی اور معاشرتی تباہی کے لئے شر تخلیق کرے گا تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کو قوت کے ذریعہ ختم کرے۔ عقیدہ کی حد تک آپ کوئی بھی راہ اختیار کر سکتے ہیں۔ مذہبی رسوم کا انعقاد اس حد تک جائز ہے کہ آپ کی کسی رسم سے انسانیت کی توہین یا کسی دوسرے عقیدہ کے خلاف نفرت کی تحریک نہ ملتی ہو۔ اپنا مذہب اختیار کرو لیکن دوسرے کے مذہب میں مداخلت نہ کرو۔ اپنی حد تک اپنے لوگوں کے دائرہ میں تبلیغی، اشاعتی اور اجتماعی محافل کا کام کرنے کی آزادی ہے لیکن ان سرگرمیوں میں سے کسی دوسرے کے مذہب پر حملہ کی اجازت قانون کے خلاف متصور ہوگی اور اس پر سزا ملے گی۔ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ وہ ہر انسان کو خود جینے کا سلیقہ اور دوسرے کو جینے کا حق دینے کا حوصلہ دیتا ہے۔ وہ انسان کو دوسرے انسان کا بھائی بناتا ہے۔ اور یہ ظاہر

ہے کہ جب ایک انسان کی پسند مختلف ہوتی ہے اس کا لباس مختلف ہوتا ہے، اس کی شکل مختلف ہوتی ہے، خواہشات اور ارادوں کا اختلاف ہوتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگوں کے عقیدے بھی ایک جیسے ہو جائیں۔ یہ اختلاف ایک فطری امر ہے۔ یہی اختلاف تحریک و تخلیق کی قوتوں کو نشوونما دیتا ہے اور کائنات کا حسن اسی اختلاف سے عبارت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ذات واحد ہے جبکہ اس کی مخلوقات میں بے بہا تنوع اور اختلاف اس کی مشیت کا تقاضا ہے۔ لیکن اس سارے اختلاف سے اپنے دلوں میں مثبت اثرات پیدا کرنا اور لطف اندوز ہونا انسان سے فطرت کی اپیل ہے۔ اگر انسان فطرت کی اس دعوت پر لبیک کہے تو اس کی ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے فلاح و بھائی چارے کی تحریک فروغ پا سکتی ہے۔ لیکن اگر اس اختلاف کو روگ اور دشمنی کی بنیاد بنالیا جائے تو پھر ہر ایک کے لئے خطرات اندیشوں اور وسوسوں کے دامن سے ایک دوسرے کو ختم کرنے کے رذائل پروان چڑھ سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان رذائل کا پرورش کرنا مصلحت فطرت کے خلاف ہے۔ مذہب انسان کی روحانی پاکیزگی کا راستہ کھولتا ہے۔ دنیا کی مادی آسائشوں میں روحانیت کے چراغ روشن کرنے کی تحریک دیتا ہے۔ اس لئے روحانیت کے جتنے چراغ جس رنگ میں روشن ہونگے وہ مشیت الٰہی کے مظہر ہیں اور ان کی بقا مشیت الٰہی کو تسلیم کرنے اور اس کا احترام کرنے کے مترادف ہے۔

(بحوالہ جستہ جستہ از سیارہ ڈائجسٹ حقوق العباد نمبر)

مخلوق کے حقوق قائم رکھنے میں بیس باتوں کا خیال رکھیئے

۱...... جو کچھ آپ اپنے لئے بہتر سمجھتے ہیں وہی دوسروں کے لئے بھی بہتر سمجھئے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ایسے شخص کے لئے بشرطیکہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو جائے جہنم سے محفوظ رہنے کی بشارت آئی ہے۔

۲...... ہر کسی کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ مغرور اور متکبر کو پسند نہیں فرماتے، پس اگر کوئی دوسرا آپ کے ساتھ تکبر سے پیش آئے تو اسے برداشت

کر دیجئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عفو کی خصلت اختیار کرو۔ بھلائی کی ترغیب دو، اور جاہلوں سے پہلو تہی کرو۔

۳...... بڑوں کی تعظیم کیجیے اور چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھیے۔ رسول اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ جو جوان کسی بوڑھے کی تعظیم کرے گا تو اس جوان کے بڑھاپے کی حالت میں اللہ تعالیٰ اس کی تعظیم کرنے والا شخص پیدا فرمائے گا۔ اس حدیث میں اشارۃً درازیٔ عمر کی بھی بشارت آ گئی ہے۔

۴...... ہر شخص کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آیئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو دوزخ سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کی بشارت دی ہے۔

۵...... دو مسلمانوں میں رنجش ہو جائے تو صلح کرانے کی کوشش کیجئے۔ شریعت مطہرہ میں ایسے موقع پر تالیف قلوب (یعنی باہمی الفت کرانا) کی وجہ سے بضرورت جھوٹ بولنے تک کی اجازت آئی ہے اور شرعاً اس کا درجہ نفل نماز اور روزہ سے بھی افضل ہے۔

۶...... جو لوگ ایک کی دوسرے سے چغلی کھاتے ہیں یا ادھر کی ادھر لگا کر مسلمانوں میں باہم رنجش پیدا کرتے ہیں، ان کی بات ہرگز نہ سنئے کیونکہ وہ اپنا دین برباد اور جہنم میں جانے کا سامان کر رہے ہیں۔

۷...... آپ کی کسی سے اگر رنجش ہو تو تین دن سے زیادہ علیحدگی مت رکھیے، کیونکہ اگر آپ مسلمان کی طرف سے درگزر کریں گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ کی خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے۔

۸...... سلوک اور احسان کرتے وقت اہل اور نااہل مت دیکھا کیجئے، کیونکہ اگر کوئی نااہل بھی ہو تو اس کے ساتھ کیوں نااہل بنا جائے۔ حسن سلوک کے لئے تو آپ کا اہل ہونا کافی ہے۔

۹...... لوگوں سے ان کی حالت کے مطابق برتاؤ کیا کیجیئے۔ یعنی جاہل میں وہ کمال اور تقویٰ مت ڈھونڈیں جو علماء میں ہوا کرتا ہے۔ اور عوام کی طبیعتوں میں خواص کی سی سمجھ اور سلیقہ کی توقع مت رکھیئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ الٰہی وہ طریقہ بتلادے جس سے مخلوق بھی مجھ سے محبت کرے اور آپ بھی راضی رہیں، تو حکم ہوا کہ اے داؤد دنیا داروں سے ان کی حالت کے مطابق برتاؤ کرو اور دینداروں سے ان کے حال کے مطابق۔

۱۰...... برتاؤ کے وقت لوگوں کے مرتبوں کا بھی لحاظ رکھیئے۔ یعنی اگر کوئی باعزت دنیادار بھی آپ کے پاس آجائے تو اس کی عظمت کیجئے۔ چونکہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دنیادار ذی عزت شخص (جریر بن عبداللہ) کے لئے چادر مبارک بچھادی تھی، اور یوں فرمایا کہ جس کسی قوم کا بڑا شخص تمہارے پاس آیا کرے تو اس کی عزت کیا کرو۔

(بحوالہ طبرانی)

۱۱...... مسلمانوں کے عیب ہرگز ظاہر نہ کیجئے کیونکہ پردہ پوشی کرنے والے جنت میں جائیں گے۔ غیبت بھی نہ کریں اور کسی کے عیب کی ٹوہ میں بھی نہ رہیئے۔ یاد رکھئے کہ اگر آج آپ کسی مسلمان کی عیب جوئی کریں گے تو کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کے عیب ظاہر فرما کر رسوا کردیں گے اور جسے اللہ تعالیٰ رسوا کردیں پھر اس کو امان کہاں؟

۱۲...... تہمت کی جگہ سے بھی بچیئے، ورنہ لوگ بدگمان ہوں گے اور آپ کی غیبت میں مبتلا ہوجائیں گے اور چونکہ ان کی میں مبتلا ہونے کا سبب آپ بنیں ہیں کہ نہ تہمت کے موقع پر جاتے اور نہ ان کو غیبت کا موقع ملتا لہٰذا گناہ آپ پر بھی ہوگا، اس لئے کہ گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ مکان کے دروازہ پر کھڑے ہوئے کچھ باتیں فرما رہے تھے کسی شخص کا اس جانب سے گزر ہوا چونکہ موقع تہمت کا تھا اس لئے آپ ﷺ نے فوراً آواز دے کر اس شخص سے فرمایا۔ اے شخص! جس عورت سے میں باتیں کر رہا ہوں یہ میری بیوی صفیہ ہے۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ توبہ ہے، کہیں آپ کی جانب بھی بدگمانی ہوسکتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تعجب ہی کیا ہے، شیطان تو بنی آدم کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ یعنی شاید تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا اور وہ تمہاری بربادی کا سبب بنتا اس لئے مجھے اطلاع دینی ضروری ہوئی۔

۱۳...... مسلمانوں کی حاجت روائی میں کوشش کرتے رہیے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر کسی کو کچھ دینے دلانے میں تاخیر کرتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں صرف اس وجہ سے جلدی حکم نہیں دیتا کہ تم کو سفارش کرنے کا موقع مل جائے اور تم زبان سے کلمہ خیر نکال کر ثواب حاصل کرلو۔ (بحوالہ ابوداؤد شریف)

مسلمانوں کی حاجت روائی میں سعی کرنا بہرحال نافع ہے خواہ آپ کی کوشش سے اس کی حاجت پوری ہو یا نہ ہو۔ حدیث مبارک میں اس سعی کا اجر و ثواب سال بھر کے اعتکاف سے زیادہ آیا ہے۔

۱۴...... ہر مسلمان سے السلام علیکم اور مصافحہ میں پیش قدمی کیجئے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو رحمت خداوندی کے ستر حصوں میں سے انہتر حصے تو اس کو ملتے ہیں جس نے مصافحہ میں ابتداء کی ہے اور ایک حصہ دوسرے کو۔

۱۵...... مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں بھی اس کی مدد کرتے رہیے یعنی اس کی آبرو یا مال پر اگر دھبہ یا نقصان آئے تو اس کو مٹانے کی کوشش کریں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے جہاں کسی مسلمان کی آبروریزی ہو رہی ہو تو جو مسلمان ایسے وقت میں اس کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کے وقت اس کی مدد فرمائیں گے اور جو مسلمان اس کی پرواہ نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی اعانت کے وقت اس کی کچھ پرواہ نہ فرمائیں گے۔

۱۶...... شریر لوگوں سے بھی اس نیت سے مدارت کرلیا کیجیے کہ اس طریقے سے آپ ان کے شر سے محفوظ رہ سکیں گے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا آنے دو، بُرا شخص ہے اور جب وہ اندر آ گیا تو آپ ﷺ نے ایسی نرمی اور ملاطفت کے ساتھ اس سے باتیں کیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت محمد ﷺ اس کی بڑی قدر کرتے ہیں جب وہ چلا گیا تو میں نے آپ ﷺ سے اس

کی وجہ پوچھی تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدتر شخص قیامت کے دن وہ ہے جس کی بدی سے بچنے کے لئے لوگ اس کو چھوڑ دیں۔ نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس طریقہ سے بھی آدمی اپنی آبرو بچائے وہ صدقہ میں شمار ہے۔ آپ ﷺ کی نصیحت ہے کہ لوگوں سے ان کے اعمال کے موافق میل جول رکھو البتہ بدکاروں کو دل میں جگہ نہ دو۔

۱۷...... زیادہ تر مسکینوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا رکھیئے اور امراء کی صحبت سے پرہیز کیجیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی ہے کہ یا اللہ! میری موت و حیات مسکنت ہی کی حالت میں رکھیو اور مسکینوں ہی کی جماعت میں میرا حشر فرمائیو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود اس جاہ و اقتدار کے جب بھی مسجد میں کسی مسکین کو بیٹھا دیکھتے تو اس کے پاس بیٹھ جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ مسکین اپنے ہم جنس مسکین کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ یا اللہ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ تو حکم ہوا کہ شکستہ دل لوگوں کے پاس۔

۱۸...... حتی الامکان انہی کے پاس بیٹھنے کی کوشش کیجیے جن کو آپ کچھ دینی فائدہ پہنچا سکیں یا جن سے دین کا کچھ نفع حاصل کر سکیں اور غفلت والوں سے علیحدہ رہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بُرے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے نیک بخش ہم نشین بہتر ہے۔

۱۹...... مسلمان بھائی اگر بیمار ہو تو اس کی عیادت کیجیئے اور انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جایئے اور اس کے بعد بھی کبھی کبھی قبرستان میں ان کی قبر پر جاتے رہیے اور ان کے لئے ایصال ثواب اور استغفار و طلب رحمت کرتے رہیئے۔

۲۰...... اگر کسی مسلمان بھائی کو چھینک آئے تو ''یرحمک اللہ'' کہیں اور اگر وہ تم سے کسی بات میں مشورہ کریں تو نیک صلاح دیا کیجئے۔

المختصر! جو اہتمام آپ اپنے نفس کو نفع پہنچانے اور ضرر سے بچانے کا کر سکتے ہیں وہی عام مسلمانوں کے لئے ملحوظ رکھیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام حقوق کا لحاظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (تلخیص و ترمیم تبلیغ دین از امام غزالی رحمہ اللہ)

تیسرا باب

انفرادی اعتبار سے حقوق العباد کی تفصیل

والدین کے حقوق

دنیا کے تمام بڑے مذاہب نے والدین کی تعظیم وتکریم اوران کی خدمت کی تلقین کی ہے۔کم وبیش ہر مذہب میں والدین کے رتبہ ومقام کا ذکر موجود ہے لیکن واضح اور مفصل ہدایت نہ ہونے کی بنا پر ہر مذہب اس ضمن میں افراط وتفریط کا شکار ہے۔توریت میں والدین کی تعظیم کے بارے میں یہ ہدایت موجود ہے:۔

''تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تا کہ تیری عمر اس زمین پر خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔'' (بحوالہ سیرت النبی جلد ششم)

انجیل مقدس میں بھی اسی موضوع پر ہدایت وتنبیہ الفاظ میں ہے: اپنے ماں باپ کی عزت کراور جو ماں باپ پر لعنت کرے جانسے مارا جائے۔'' (بحوالہ متی)

انسانی زندگی کے دیگر معاملات کی طرح والدین کے حقوق کے مسئلہ میں بھی اسلام میں ہمہ گیر و ہمہ جہت احکام موجود ہیں جو آئندہ صفحات میں بالاختصار بیان کئے جائیں گئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاں اپنے حقوق کو بیان فرمایا ہے وہاں والدین کے حقوق کی نشاندہی بھی کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین اللہ تعالیٰ کی حقیقی شان ربوبیت کی مجازی مثال ہیں۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی تما مخلوق کے معرض وجود میں آنے اور نشوونما کیلئے انتظام فرمادیا ہے اس طرح اولاد کے تشکر کے مستحق ہیں۔

سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۳ میں ارشاد ہے:

﴿وقضی ربک الاتعبدوا الاایاہ وبالو الدین احسانا.﴾

''اور تیرے رب نے حکم دیا کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''

یہی مضمون سورۂ بقرہ میں دہرایا گیا ہے:

﴿لاتعبدون الا اللہ وبالو الدین احسانا﴾ (سورۃ البقرہ،۸۳)

''اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہیں کروگے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''

اسی طرح قرآن حکیم کے متعدد مقامات مثلاً سورۂ انعام میں یہ مضمون تکرار کے ساتھ آتا ہے: ''کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''

یہ امر لائق توجہ ہے کہ اطاعت الٰہی کے حکم کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دے کر اللہ رب العزت نے اسے نظریہ توحید کے ساتھ منسلک کردیا۔اسی بات سے حقوق والدین کی خصوصی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

والدین سے سلوک کا قرآنی منشور

والدین کی اطاعت اور حسن سلوک کے متعلق قرآن حکیم نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے:

﴿وبالوالدین احسانا. امایبلغن عندک الکبر احدھما اوکلٰھما فلاتقل لھما اف ولاتنھر ھما وقل لھما قولا کریما واخفض لھما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمھما کماربّینی صغیرا﴾ (سورۃ بنی اسرئیل،۲۳،۲۴)

''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک

یا دونوں بڑھاپے کو پہنچیں تو انہیں اف تک نہ کہو نہ ہی انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے (رحم و شفقت سے) مجھے بچپن میں پالا تھا۔ اللہ تعالیٰ بوڑھے والدین کی شان میں معمولی گستاخی تو کجا ناگوار لفظ کے استعمال سے بھی منع فرماتے ہیں۔

حضرت حسنؓ کا قول ہے کہ اف کے نیچے بھی کوئی درجہ ماں باپ کے تکلیف دینے کا ہوتا تو اللہ جل شانہ اس کو حرام قرار دے دیتے۔ (تفسیر درمنثور)

بڑھاپے کا ذکر خصوصیت سے اس لیے کیا گیا ہے کہ اس عمر میں ماں باپ بعض مرتبہ چڑچڑے ہوجاتے ہیں بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں اس لئے ایسے موقعہ پر اولاد کو صبر وتحمل کی تلقین کی گئی ہے جب اف تک کہنا جائز نہیں تو والدین کو جھڑکنے کا تو تصور بھی نہیں ہوتا ہوسکتا۔ اولاد کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ اف نہ کرے اور جھڑکنے سے احترام کرے بلکہ والدین سے قولا کریما یعنی ادب سے بات کرنے کا حکم ہے۔ حضرت زبیر بن محمدؒ نے قولا کریما کی تفسیر یوں کی ہے کہ ''جب ماں باپ تجھ کو بلائیں تو کہے کہ میں حاضر ہوں اور تعمیل ارشاد کیلئے موجود ہوں'' بقول حضرت سعید بن المسیبؒ زرخرید غلام جس طرح سخت آقا کے ساتھ ہے اس طرح والدین سے بات کرے تو قولا کریما پر عمل ہوسکتا ہے۔

(تفسیر درمنثور)

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی نصیحت فرمائی ہے کہ والدین کے حق میں دعا کرتے رہا کرو۔ انبیاء کرام بھی والدین کے لئے دعا مانگتے رہے ہیں۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے یہ دعا مانگی تھی۔

﴿ربنا اغفرلی ولوالدی﴾ (سورۂ ابراھیم، ۴۱)

''پروردگار مجھے اور میرے والدین کو معاف کردینا۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی انہی الفاظ میں دعا مانگی تھی۔ لہٰذا یہ انبیاء کرام علیہم

السلام کی سنت ہے اولاد والدین کے لئے دعا مانگتی رہے۔

والدین کے حق کی مکمل ادائیگی ممکن نہیں

انسان اللہ تعالےٰ کے انعام واحسانات کا حق تو ادا کرے گا وہ دنیا میں اپنے والدین کا بھی صحیح طور پر حق ادا نہیں کر سکتا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اٹھائے ہوئے طواف کرا رہا تھا۔ اس نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ کیا میں نے اس طرح خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا ہے۔ حضورر ﷺ نے فرمایا کہ ایک سانس کا بھی حق ادا نہیں ہوا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی اہمیت

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے فضائل اور فوائد کے بیان میں متعدد احادیث ہیں۔ ان میں سے چند تسکین ذوق کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ سب کاموں میں اللہ تعالیٰ جل شانہ، کو کون سا کام زیادہ پسند ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا "بروقت نماز پڑھنا" میں نے عرض کی اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے آپ نے فرمایا "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا" (بحوالہ مشکوٰۃ، بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ والدین کی دعا کو کس قدر شرف قبولیت دیتے ہیں وہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین دعائیں مقبول ہیں۔ ان (کی قبولیت) میں کوئی شک نہیں۔

۱۔ والدین کی دعا اولاد کے لئے

۲۔ مسافر کی دعا

۳۔ مظلوم کی دعا (بحوالہ مشکوٰۃ، ترمذی، ابوداود)

والدین کے سامان زیست کے لئے تگ ودو کرنا جہاد فی سبیل اللہ کا سا ثواب رکھتا ہے۔ یہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایسے شخص کا مجلس نبوی ﷺ (کے قریب) سے گزر ہوا جس کا جسم دبلا پتلا تھا اس کو دیکھ کر حاضرین نے کہا کاش یہی جسم اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں) ودبلا ہوتا۔ یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا وہ شاید اپنے بوڑھے ماں باپ پر محنت کرتا ہو اور ان کی خدمت میں لگنے اور ان کے لئے روزی کمانے کی وجہ سے دبلا ہو گیا اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا) شاید وہ چھوٹے بچوں پر محنت کرتا ہو (یعنی ان کی خدمت پرورش اور ان کے لئے رزق مہیا کرنے میں دُبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے۔ (پھر فرمایا کہ) شاید وہ اپنے نفس پر محنت کرتا ہو اور اپنی جان کے لئے محنت کرتا ہو اور اپنی جان کے لئے محنت کر کے روزی کماتا ہوتا کہ اپنے نفس کو لوگوں سے بے نیاز کر دے (اور مخلوق سے سوال نہ کرنا پڑے) اگر ایسا ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ ہے۔"

(تفسیر در منثور ج ۱۔ از بیہقی)

والدین کی خدمت کس قدر باعث ثواب وفضیلت ہوتی ہے اس حدیث سے عیاں ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور اس پر قادر نہیں" ان کی بات سن کر حضور ﷺ نے سوال فرمایا کہ تیرے ماں باپ سے کوئی زندہ ہے؟ عرض کیا والدہ زندہ ہے فرمایا کہ بس تو اپنی والدہ کی خدمت اور فرمانبرداری کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈر، جب تو اس پر عمل کرے گا تو حج کرنے والا اور عمرہ کرنے اور جہاد کرنے والا ہوگا۔ پس جب تیری ماں تجھے بلائے تو (اسکی فرمانبرداری کے بارے) اللہ سے ڈرنا (یعنی نافرمانی مت کرنا۔) اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا۔ (تفسیر در منثور ج ۱۔ از بیہقی)

اسلام والدین کا اس قدر احترام ملحوظ رکھتا ہے کہ کسی غیر کے والدین کو بھی گالی دینے

کی اجازت نہیں دیتا۔'' حضرت عبداللہ بن عمرؓو سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ حاضرین نے عرض کیا کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں (اس کی صورت یہ ہے کہ) کسی دوسرے کے باپ کو گالی دے اور کسی دوسرے شخص کی ماں کو گالی دے تو وہ پلٹ کر گالی دینے والے کی ماں کو گالی دے دے۔'' (مشکوٰۃ از بخاری و مسلم)

وفات والدین کے بعد حسن سلوک کی صورت

ماں باپ کی موت کے بعد بھی حسن سلوک اور ادائیگی حقوق کا اہتمام کس طرح ہونا چاہیے اس کی نشاندہی اس حدیث سے ملتی ہے۔

حضرت ابواُسیدؓ سے روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ قبیلہ نبی سلمہ کا ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول ''کیا میرے ماں باپ کی وفات کے بعد (بھی) کوئی ایسی چیز باقی ہے جس کے ذریعہ میں ان کے ساتھ سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں (یہ چیزیں باقی ہیں)

۱۔ ان کے لئے رحمت کی دعا کرنا (جس میں نماز جنازہ بھی شامل ہے)

۲۔ ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنا۔

۳۔ انکے بعد اس عہد کو نافذ کرنا جس کو وہ انجام دینا چاہتے تھے۔

۴۔ صلہ رحمی کرنا جو صرف ماں باپ کے تعلق کی وجہ سے اور ان کی رضا کے لئے ہو۔

۵۔ ان سے محبت اور میل جول رکھنے والوں کا احترام کرنا''

(بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح از ابوداود۔ ابن ماجہ حقوق والدین)

عہد کو نافذ کرنے سے مراد حج بدل، صدقہ، خیرات اور ادائیگی قرضہ والدین بھی ہے۔ انسان کی موت کے ساتھ سلسلۂ حصول ثواب ختم ہو جاتا ہے مگر بعض استثنائی صورتوں میں قائم بھی رہتا ہے اس ضمن میں اچھی اولاد کے لئے یہ حدیث راہ نمائی کرتی

ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے سب اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن تین چیزوں کا نفع اسے پہنچتا رہتا ہے۔

۱۔ صدقہ جاریہ

۲۔ ایسا علم جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہوں۔

۳۔ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہو۔ (مسلم، حقوق والدین)

والدین کو محبت کی نظر سے دیکھنا بھی ثواب ہے

والدین عظمت کے اس مقام پر ہوتے ہیں کہ ان پر محبت بھری نگاہ ڈالنا بھی بہت بڑا ثواب ہے، حدیث ہے:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والی اولاد جب بھی رحمت کی نظر سے ماں باپ کو دیکھے تو ہر نظر کے عوض اللہ جل شانہ اس کیلئے مقبول حج کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا اگر چہ روزانہ سو بار اسی طرح دیکھے۔ فرمایا ہاں! اللہ بہت بڑا ہے، بہت پاک ہے۔ (مشکوۃ۔ از بیہقیؒ)

حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ

”مسجد کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔“

قرآن کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

والدین کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

اور جس بھائی سے اللہ کے لئے محبت ہو اس پر نظر ڈالنا عبادت ہے۔

(درمنثور ج ا۔ از بیہقی)

رسول اللہ ﷺ کے والدین محترم پیدائش سے پہلے فوت ہو چکے تھے حضور ﷺ کی عمر مبارک چھ سال کی تھی کہ والدہ ماجدہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں اور دو سال بعد جدامجد کا سایہ

بھی سر سے اٹھ گیا۔اس کے بعد حضور پاک ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں رہے۔ حضور ہمیشہ ان سے عزت واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔حضور ﷺ کو دودھ پلانے کا شرف قبیلہ سعد کی خوش نصیب عورت حضرت حلیمہؓ کو حاصل ہوا۔اس طرح وہ رضاعی والدہ ہوئیں۔بچپن کے بعد وہ حضور ﷺ کے پاس اس وقت تشریف لائیں جب آپ انسانیت کی راہبری کے لئے فرائض رسالت میں مصروف تھے حضور تعظیم کے طور پر اٹھ کر ملے اور ان کے بیٹھنے کیلئے اپنی چادر مبارک بچھادی جس پر وہ بیٹھ گئیں۔ایک صاحب نے پوچھا یہ کون خاتون ہیں۔صحابہؓ نے کہا کہ یہ حضور ﷺ کی رضاعی والدہ ہیں (مشکوٰۃ از ابوداود)

حضور ﷺ نے یہی حسن سلوک اپنی رضاعی ہمشیرہ سے بھی کیا۔رضاعی رشتہ داروں کے اس قدر اہتمام واحترام سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اصل والدین کس قدر عزت و احترام کے مستحق ہیں۔

والدہ اولاد کا نام لے کر بلائے تو نفل نماز بھی چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ایک دفعہ والدہ کے پکارنے کے باوجود حضرت جریجؒ مشغول عبادت رہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لو کان جُرَیجٌ عالماًلعلِمَ أنَّ أجابةَ أُمّہٖ اولیٰ من عبادة ربہٖ** ، اگر جریج عالم ہوتے توان کو معلوم ہوتا کہ والدہ کے بلانے پر جواب دینا رب کی (نفلی) عبادت سے اولیٰ ہے

(بحوالہ فتح الباری شرح بخاری ج۳ بسند مجہول)

احکامات الٰہی اور ارشادات رسول اللہ ﷺ، صحابہء کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے دلوں پر نقش ہوگئے تھے۔اسلئے وہ حقوق والدین کی کما حقہ ادائیگی کرتے رہے۔اس ضمن میں حضرت اویس قرنیؒ تابعی کا واقعہ انتہائی دل کش ہے۔(حضرت اویسؒ یمن کے رہنے والے تھے۔ان کو حضور ﷺ نے خیر التابعین کا لقب دیا اور صحابہء کرامؓ کو فرمایا کہ وہ ان سے دعاء مغفرت کرائیں)

حضرت اویس قرنیؒ کی ضعیف والدہ بقید حیات تھیں ارشادات نبی کریم ﷺ کے مطابق زندگی بھر خاص جذبہ ولگن سے ان کی خدمت کرتے رہے اور باوجود شدت اشتیاق،

زیارت رسول مقبول ﷺ نہیں کر سکے۔ والدہ کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہے۔ ان کی یہ ادا رسول اکرم ﷺ کو بیحد پسند آئی۔" (مواعظ مولانا اشرف علی تھانوی ؒ)

حضرت اویس قرنی ؒ سمجھتے تھے کہ زیارت کا بدل آپ کی اطاعت ہے لیکن آپ کی اطاعت کا کوئی بدل نہیں۔

کیا والدین کی حکم عدولی جائز ہے

انسان پر والدین کی اطاعت وعزت ہر حال میں لازم ہے سوائے اس حکم کے جو براہ راست اللہ کے حکم سے متصادم ہو۔ لیکن اس حالت میں بھی رب العزت نے حکم دیا کہ دنیا میں اپنے مشرک والدین کے ساتھ نیک برتاؤ اور نیک سلوک کرو اور بھلائی سے پیش آؤ۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا و ان جاھدٰک لتشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما﴾

"ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے معبود کو شریک ٹھہرائے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر۔" (العنکبوت، ۸)

اس آیت کے متعلق مسلم، ترمذی، احمد، ابوداود اور نسائی کی روایت ہے کہ یہ حضرت سعد بن وقاص ؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ اٹھارہ انیس سال کے تھے جب انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی ماں حمنہ بنت سفیان بن امیہ کو جب معلوم ہوا کہ بیٹا مسلمان ہو گیا ہے۔ تو اس نے کہا جب تک تو محمد ﷺ کا انکار نہیں کرے گا میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی، ماں کا حق ادا کرنا اللہ کا حکم ہے تو میری بات نہ مانے گا تو اللہ کی نافرمانی کرے گا۔ حضرت سعد ؓ اس پر سخت پریشان ہوئے اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر

ماجرا بیان کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ صورت حال اور مسلمانوں کے ساتھ بھی پیش آئی تھی اس لئے اس مضمون کو سورۂ لقمان میں بھی دہرایا گیا ہے: ﴿وان جاھدٰک علی أن تشرِکَ بی مالیس لک به علم فلا تطعھما﴾ (لقمان۔۱۵)

''لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسی چیز کو شریک کرے کہ جس کا تیرے پاس کوئی علم نہیں تو ان کی بات نہ مان۔''

والدہ بمقابلہ والد

حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ماں ہے کیونکہ وہ حمل اور وضع حمل اور پرورش میں سب سے زیادہ تکلیف برداشت کرتی ہے۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کی نشاندہی یوں کی گئی ہے۔

ووصینا الانسان بوالدیه احسانا حملته امُه کر ھا ووضعتهُ کرھاقال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی.

(سورۃ احقاف ۱۵)

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (اور بالخصوص ماں کے ساتھ اور زیادہ کیونکہ) اس کی ماں نے اسکو مشقت سے پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اسکو جنا (سعا تمند لڑکا کہتا ہے)'' اے میرے رب مجھے ہمیشہ توفیق دے کہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں۔''

اس اہتمام کو ملاحظہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ خصوصا ماں کی احسان مندی کا ذکر خود اپنی احسان پذیری کے ساتھ کرتے ہیں۔ والدہ کے بلند تر مرتبہ کا تعین اس حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ

(رشتہ داروں میں سے) میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا تمہاری والدہ حسن سلوک کی زیادہ مستحق ہے۔ سائل نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری والدہ۔ سوال کرنے والے نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تمہاری والدہ۔ چوتھی مرتبہ سوال کے جواب میں فرمایا تمہارا باپ۔''

(مشکوۃ از بخاری و مسلم، حقوق والدین)

اس حدیث سے بعض علما نے استنباط کیا ہے کہ حسن سلوک اور احسان میں ماں کا حق تین حصہ ہے اور باپ کا ایک حصہ ہے اس کی وجہ علماء یہ بتاتے ہیں کہ ماں اولاد کے لئے تین مشقتیں برداشت کرتی ہے۔

(۱) حمل کی (۲) جننے کی

(۳) دودھ پلانے کی اس لئے اولاد کو چاہیے کہ والدہ کو خصوصی محبت و توجہ دے۔

اب یورپ کو بھی والدہ کی عظمت کا احساس ہوا ہے امریکہ میں ۱۹۱۴ء سے اور دیگر ممالک میں بھی ہر سال مئی کی دوسری اتوار کو یوم والدہ منایا جاتا ہے۔ اولاد اس روز والدہ کی خدمت میں رہتی ہے، اور تحائف دیتی ہے لیکن مذہب اسلام میں ہر دن والدہ کا دن ہے۔ والدہ کو وہ اپنے پاس رکھتی ہے اور ہر روز اسے محبت کا خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔

۱۳۔ عزت و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد والدین کو اپنے گھر رکھے اور ان کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کی یقینی خوشنودی حاصل کرے۔ مغرب کے لوگ والدین کی خدمت کی روحانی برکات سے بے بہرہ ہیں۔ انگلینڈ میں بوڑھوں کے لئے ضعیف گھر ہوتے ہیں۔ جہاں وہ اجتماعی طور پر رہتے ہیں اور ان مقامات کے مصارف رفاہی اداروں کی طرف سے یا حکومت کی جانب سے پنشن کی شکل میں امداد سے پورے ہوتے ہیں۔ امریکہ، کینیڈا وغیرہ میں بوڑھوں کو سوشل سیکورٹی اور بڑھاپے کی پنشن ملتی ہے۔ بوڑھے، بچوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں ان کے لئے خاص بنی ہوتی ہیں جہاں وہ دوسرے بوڑھوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ قرائن بتلا رہے ہیں کہ یورپ اس معاملہ میں بھی بالآخر

اسلام سے رہنمائی حاصل کرے گا۔

والدین کی خدمت کی اہمیت

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے جس کا ترجمہ ہے کہ اگر وہ (یعنی ماں باپ) تیرے سامنے (یعنی تیری زندگی میں) بڑھاپے کو پہنچ جائیں، چاہے ایک ان میں سے پہنچے یا دونوں (اور بڑھاپے کی بعض باتیں جوانوں کو گراں ہونے لگتی ہیں اور اس وجہ سے اگر ان کی کوئی بات تجھے گراں لگے) تب بھی ان سے کبھی ''اُف'' بھی مت کرنا، اور ان سے جھڑک کر بھی بات نہ کرنا، ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت اور انکساری کے ساتھ جھکے رہنا، اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے ہمارے پروردگار! تو ان پر رحمت کر جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے (اور صرف ظاہر داری ہی نہیں بلکہ دل سے ان کا احترام کرنا) تمہارا رب تمہارے دل کی بات کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو (اور غلطی سے کوئی بات اگر خلاف ادب سرزد ہو جائے اور تم توبہ کرلو) تو توبہ کرنے والے کی خطائیں بڑی کثرت سے معاف کرنے والا ہے۔'' (سورۂ بنی اسرائیل) حضرت مجاہدؒ سے ان کی تفسیر سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر وہ بوڑھے ہو جائیں اور تمہیں ان کا پاخانہ پیشاب دھونا پڑ جائے تو کبھی اف نہ کرو، جیسا کہ وہ بچپن میں بھی تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے رہے ہیں۔

ماں باپ کے احسانات بے شمار ہیں

اسلام میں اللہ اور رسول کے بعد سب سے زیادہ اونچا درجہ ماں کا ہے۔ اسلام نے ماں اور باپ دونوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے، اور ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس لئے کہ انسان پر دونوں ہی کے احسانات ہیں۔ لیکن قرآن اور حدیث میں ماں کے احسانات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد پاک ہے: ''ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا

کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا، اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹا۔ حکم دیا تا کہ میرا تم شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی شکر بجالا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔"

ایک اور جگہ پر ارشاد پاک ہے کہ۔"ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اس کی ماں نے تکلیف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور تکلیف اٹھا کر اسے جنا۔ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔"

(سورۃ الاحقاف)

بچے کی نگہداشت، پرورش، خدمت اور تعلیم و تربیت وغیرہ میں ماں کے ساتھ باپ بھی شریک ہوتا ہے۔ لیکن حمل، وضع حمل اور رضاعت کی تکلیف تنہا ماں برداشت کرتی ہے نو ماہ تک حمل کا بوجھ اٹھانا، موت و حیات کی کشمکش سے گزر کر بچے کو جنم دینا اور پھر اپنے خون کو دودھ بنا کر اپنے بچے کو پلانا اور اس پورے عرصے میں سخت احتیاط کی زندگی گزارنا آسان نہیں ہے۔ اس صعوبت کے برداشت کرنے میں باپ اس کا شریک ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا احسان باپ سے بھی زیادہ ہے۔

احادیث میں ماں کی خدمت، اطاعت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی طرف مختلف پہلوؤں سے توجہ دلائی گئی ہے۔ یہاں بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے!......رسول اللہ ﷺ نے باپ کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ لیکن ماں کے ساتھ حسن سلوک پر اس سے بھی زیادہ زور دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ"میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کے باپ کے بارے میں تاکید کرتا ہوں۔" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ"میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے شوہر کا، میں نے پوچھا مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی ماں کا۔" بعض لوگوں کا خیال ہے کہ باپ کے مقابلے میں ماں

کمزور ہے، اس لئے حضور ﷺ نے اس کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید فرمائی ہے ہوسکتا ہے کہ یہ بات بھی ہو، لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ ماں کے احسانات باپ سے زیادہ ہیں، اور وہ فی الواقع اس کی مستحق ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے دس معصیتوں کا ذکر فرمایا ہے اور کہا ہے کہ جب میری امت ان کا ارتکاب کرنے لگے تو اس پر مصیبتوں اور عذاب کا نزول شروع ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ "آدمی اپنی بیوی کی بات مانے گا، اور ماں کی نافرمانی کرے گا۔ دوست کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرے گا اور باپ کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کے حقوق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

❁❁❁❁❁❁

اولاد کے حقوق

اولاد کے کچھ حقوق والدین پر ہیں۔ دیگر مذاہب نے حقوق والدین تو متعین کیے ہیں مگر اولاد کے حقوق کے معاملہ میں مکمل خاموشی اختیار کی ہے۔ اسلام نے چونکہ ہر طبقہ کے افراد کی کارکردگی کی اصلاح کرنا اور معاشرہ میں اعتدال قائم کرنا تھا لہٰذا اس میں اولاد کے متعلق والدین کو پابند احکام کیا گیا ہے۔

رسول ﷺ کا بلیغ ومختصر ارشاد ہے **من لم یرحم صغیرنا ومن لم یوقر کبیرنا فلیس منا.** (سیرت النبی جلد ششم بحوالہ ترمذی کتاب البر)

"جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور بڑے کی عزت نہ کرے وہ ہم سے نہیں۔"

یہ ارشاد رسالت چھوٹے بڑے کے باہمی حقوق کی بنیاد ہے جس میں اسلام نے ماتحت، افسر، ملازم، آقا بزرگ عزیز وغیرہ کے آپس میں روابط کی شاندار عمارت استوار کی ہے۔

اولاد کا پہلا حق......تحفظ جان

اولاد کو جو قانون فطرت کے ساتھ تخلیق انسان میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اولاد کا سلسلہ حیات منقطع کریں رومۃ الکبریٰ کی تہذیب کے علمبرداروں میں جنہیں مہذب اور متمدن قوم ہونے کا دعویٰ تھا ایک باپ کو اولاد کے مار ڈالنے کا کلی اختیار تھا اس سے قتل کی کوئی باز پرس نہ کی جاتی تھی۔ زمانہ قدیم میں بت پرست قوموں اور زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے تا کہ ان کا کوئی داماد نہ بنے۔ بھارت میں ہندو راجپوت بھی اپنی لڑکیوں کو اسی بنا پر قتل کر دیتے

تھے۔اور کہیں بیواؤں کو ''ستی'' کی شکل میں جبراً خودکشی پر مجبور کیا جاتا تھا۔مختلف اقوام میں بھی رواج تھا کہ دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے بچوں کو قربان کیا جاتا تھا۔اسلام نے ان تمام رسومات اور عقیدوں پر کاری ضرب لگائی اوران کی مکمل طور پر بیخ کنی کردی۔قرآن مجید میں متعدد مقامات پر خصوصاً سورۂ انعام میں ان قبیح رسموں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

عرب افلاس کی بنا پر بھی اولادکشی کرتے تھے۔یہاں پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں ہے:

﴿ولاتقتلوا اولاد کم من املاق نحن نر زقکم و ایا ھم﴾

(سورۃ الانعام،۱۵۲)

لٰہذا والدین پر اولاد کا پہلا حق یہ ہے کہ وہ اس کی جان کی حفاظت کریں۔

دوسرا حق......رضاعت وحضانت

والدین پر اولاد کا صرف یہی حق نہیں کہ ان کی زندگی کا تحفظ کیا جائے بلکہ یہ بھی ہے مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔

﴿والوالداتُ یُرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ وعلی المو لودِلَہٗ رزقھُن وکسوتُھن بالمعروف﴾

جو باپ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پلائیں اپنے بچوں کو کامل دوسال دودھ پلائیں۔اس صورت میں اس کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا۔ (سورۃ البقرہ،۲۳۳)

اسلام نے یہ بھی اجازت دی ہے کہ والدہ کے علاوہ دوسری عورت بچہ کو دودھ پلائے اور رضاعی ماں کا درجہ بھی تقریباً حقیقی ماں کے برابر ہے۔ماں بیماری اور نقاہت کی صورت میں بچے کی عام دودھ سے نشوونما کرسکتی ہے۔بہرحال مقصد بچے کو معینہ عرصہ تک دودھ پلانا ہے۔تاکہ اس کی مناسب نشوونما ہو۔والد پر فرض یہ ہے کہ بچہ اوراس کی والدہ کی کفالت کرے اوران کے مصارف برداشت کرے والدین پر فرض ہے کہ اولاد کو محبت

وشفقت سے پالے پوسے اور مناسب پرورش کرے۔

ایک اعرابی آیا جب کہ حضور ﷺ حضرت امام حسنؓ کو چوم رہے تھے اعرابی نے کہا آپ ﷺ بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ میرے دس بچے ہیں۔ میں نے آج تک کسی کو نہیں چوما۔ حضور ﷺ نے اسکی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا ''جو رحم نہیں کرتا۔ اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔'' (بحوالہ بخاری شریف)

دوسری روایت میں ہے: ''اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے شفقت کو نکال لیا تو میں کیا کرسکتا ہوں۔'' (بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد)

تیسرا حق......اولاد کے درمیان عدل

والدین کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی اولاد کے درمیان تفریق کریں۔ خصوصاً لڑکے اور لڑکی کے درمیان۔ اولاد نرینہ سے ترجیحی سلوک رحمۃ للعالمین کو ناپسند تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے ''حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی شخص کوئی چیز لے کر گھر میں داخل ہو تو پہلے وہ چیز لڑکی کو دے پھر لڑکے کو۔''

اندازہ کیجئے لڑکی کے ساتھ ترجیحی سلوک کا حکم اس زمانہ میں دیا گیا جب صنف نازک کو حقیر شے سمجھا جاتا تھا۔

نبی کریم ﷺ اولاد کے درمیان عدم مساوات کی کس طرح حوصلہ شکنی فرماتے۔ اس کا اندازہ حدیث ذیل سے کیا جاسکتا ہے۔ ایک صحابیؓ نے اپنے لڑکوں میں سے کسی کو ایک غلام ہبہ کیا اور چاہا کہ آنحضرت ﷺ کی شہادت ہو۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تو نے اپنے ہر لڑکے کو ایک ایک غلام ہبہ کیا ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو میں ایسے ظالمانہ عطیہ پر گواہ نہ بنوں گا۔ (بحوالہ ابوداود، مسلم)

ہر معاملہ میں یہاں تک کہ عطیات میں بھی اولاد کے ساتھ مکمل عدل و مساوات ہونی چاہئے۔ بعض والد یہ کرتے ہیں کہ کسی ایک لڑکے کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے یا اسکی

خدمت سے متاثر ہو کر اپنی جائداد اپنی زندگی ہی میں اس کے نام کر دیتے ہیں، یہ معلم انسانیت ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔لڑکا ماں باپ کی خدمت کرتا ہے تو اپنا فرض ادا کرتا ہے۔اور فرض کی ادائیگی کے صلہ میں جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔والدین کے لئے مناسب نہیں کہ دامن عدل و مساوات ہاتھ سے چھوڑ دیں۔اور کم خدمت کرنے پر نالائق اولاد کو جائداد سے محروم کر دیں۔اولاد کا والدین کی نظر التفات سے محروم ہونا ہی ان کی اصل محرومی ہے۔

چوتھا حق......رزق حلال پر پرورش

والدین کا یہ بھی فرض ہے کہ اولاد کی رزق حلال سے پرورش کرے۔ایام حمل اور ایام رضاعت میں بھی بچے کی نشوونما حرام مال سے نہیں ہونی چاہیے ورنہ بچہ بڑا ہو کر حلال اور حرام میں تمیز نہیں کریگا فرعون کے محل میں پلنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں سوائے اپنی والدہ کے کسی اور عورت کا دودھ نہیں پیا تھا۔قرآن مجید میں ہے:

وحرمنا علية المراضع. (سورۃ القصص،۱۲)

ہم نے اس بچہ پر (قوم قبط کے) تمام دودھ پلانے والیوں کو حرام کر دیا۔"

امام حسنؓ چھوٹے سے بچے تھے تو انہوں نے صدقہ کی کھجور منہ میں ڈال لی۔حضور ﷺ نے منہ میں انگلی ڈال کر اُگلوائی یہ فرماتے ہوئے کہ صدقہ آل محمد ﷺ پر حرام ہے مذکورہ واقعات سے اولاد کے لئے پاک اور حلال خوراک کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔نیک لوگوں کا حلال کھانا اور حلال کھلانا دوہرا ثواب ہے۔لہٰذا والدین خود حلال کھائیں تب ہی اولاد کو حلال کھلا پلا سکیں گے۔

پانچواں حق......اچھی تعلیم و تہذیب

اولاد سے محبت کا جذبہ انسان و حیوان میں مشترک ہے۔گائے بھینس، بکری اور جملہ حیوان بھی اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں، انہیں فرطِ محبت سے چومتے ہیں۔ان کی جدائی

محسوس کرتے ہیں۔ ان کا بچہ مر جائے تو شدت غم میں دودھ دینا بند کر دیتے ہیں۔ بعض مرتبہ جب تک کوئی مصنوعی بچہ (کھال میں بھُس بھر کر یا کوئی اور بچھڑا) سامنے نہ لایا جائے تو یہ دودھ نہیں دیتے وہ اپنے بچوں کو چلنے پھرنے کے قابل ہونے تک اس کی دیکھ بھال لگن سے کرتے ہیں۔ جذبہ تولید اور بچے کو ابتدائی مراحل میں پالنا پوسنا فطری جذبہ ہے۔ اور حیوانات اور انسان میں مشترک ہے۔ انسان اشرف المخلوقات اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اور بقائے نوع انسانی کے علاوہ اس کو اور بھی ارفع واعلیٰ فرائض تفویض کئے گئے ہیں جن میں اولاد کی تعلیم وتربیت بھی شامل۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے کے باپ کا کوئی عطیہ بیٹے کے لئے اس سے بڑھ کر نہیں کہ وہ اس کی تعلیم وتربیت اچھی کرے۔ (ترمذی، کتاب البر، مسند امام احمد)

اولاد کی تعلیم وتادیب ایک انتہائی پر حکمت فرمان رسول مقبول ﷺ ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دس باتوں کی وصیت فرمائی تھی ان سے چار باتیں جو اس مضمون کے متعلق ہیں وہ یہ ہیں:

۲۔ ولاتعقّنّ والدیک — والدین کو ہرگز نہ ستانا

۸۔ وانفق علیٰ عیالک من طولک — اپنے اہل وعیال پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا۔

۹۔ ولاترفعْ عنھم عصاک ادباً — اور ادب سکھانے کی وجہ سے اپنی لاٹھی (تیار رکھ اور) ان کی جانب سے (غافل ہو کر لاٹھی) اٹھا کر مت رکھو۔

۱۰۔ واخفھُم فی اللہ — (بحوالہ مشکوۃ المصابیح مسند احمد)

اور ان کو اللہ جل شانہ، (کے احکام) کے بارہ میں ڈراتے رہنا۔

آخری تین نصیحتیں اہل وعیال کی پرورش اور ان کی دینی نگہداشت کے متعلق ہیں نصیحت ۹ میں حضور ﷺ کے ارشاد "لاٹھی اٹھا کر مت رکھ" کا مطلب یہ ہے کہ اولاد کی تعلیم اور تادیب کے سلسلہ میں کوتاہی نہ کی جائے اور بشرط ضرورت ڈانٹ ڈپٹ اور تادیبی

کارروائی کی جائے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اولاد کو کس قسم کی تعلیم دی جائے۔ اصل تعلیم دینے والے حق تعالیٰ جل شانہ ہیں اور حق تعالیٰ کی یہ تعلیم انسان کو ابتدائے آفرینش سے دی جارہی ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل سے نوازا ہے۔ جو حصول علم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے انسان اپنی عقل سے خود بخود بہت سی چیزیں سیکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کے گردوپیش ایسے مناظر قدرت پیدا کر رکھے ہیں جن کے مشاہدہ سے وہ اپنے خالق کو پہچان سکے، پھر انسان اپنی نوع میں سے کسی سے تعلیم کے ذریعے علم میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ علم کا حصول اور اس میں اضافہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم۔ (بحوالہ بیہقی، مشکوۃ، کتاب العلم)

”علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تعلمو االعلم وعلموہُ الناس (بحوالہ دارمی، دارقطنی)

”خود علم سیکھو اور لوگوں کو اسکی تعلیم دو۔“

لہٰذا والدین پر فرض ہے کہ وہ خود علم حاصل اور اپنی اولاد کو بھی دولت علم سے مالا مال کریں۔ والدہ کی گود بچے کی پہلی اور بہترین درس گاہ ہوتی ہے۔ درحقیقت انسانی سیرت ماں کی گود میں بنتی سنورتی ہے۔ بچے کا سب سے زیادہ رابطہ ماں کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ ماں اور اس کے ماحول کا اثر قبول کرتا ہے۔ لہٰذا والدہ کو بچے کی ابتدائی تعلیم بہم پہنچاتی چاہیے۔ ماہر نفسیات اس امر پر متفق ہیں کہ ”بہترین نسلوں کو وجود میں لانے کے لئے بہترین مائیں تیار کرو۔“ بچے کو ابتدا ہی سے دینی تعلیم دینی چاہیے تاکہ اسے دین فطرت یعنی اسلام کی خوبیوں کا علم ہو اور اس کی زندگی اسلام کے آفاقی اصولوں کے سانچے میں ڈھل جائے۔ علاوہ ازیں بچے کو سائنسی تعلیم کی ترغیب بھی دی جائے کیونکہ سائنسی علوم کو حاصل کرنے سے ہی انسان کارخانہ قدرت کے قوانین سے آگہی اور احکام الٰہی کے

مطابق تسخیر کائنات کا فریضہ ادا کر سکتا ہے اس طرح حقیقی معنوں میں خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اولاد اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ہر خاوند اور ہر بیوی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس عظیم نعمت کیلئے اللہ تعالیٰ کے شکر گذار رہوں۔ اولاد خاوند اور بیوی کے مابین تعلقات کی بنیاد کو مضبوط تر بنا دیتی ہے۔ کیونکہ وہ ان دونوں کی محبت کا مرکز بنتی ہے۔ چونکہ اولاد نے وراثت کا مالک اور خاندانی تشخص کی علامت بننا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی صحیح پرورش اور تعلیم کی طرف مکمل توجہ دینا دیگر تمام امور کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اولاد کی صحیح پرورش میں اس کو اچھی خوراک اور اچھے لباس کی سہولتوں سے نوازنا ماں باپ کا اولین فرض ہوتا ہے۔ اچھی خوراک اور صاف ستھرا لباس بچے یا بچی کی صحت وتندرستی کیلئے انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ ماں باپ کو جیسے مالی وسائل حاصل ہوں ان کے مطابق اولاد کی پرورش کرنا ہی ان کا فریضہ ہے۔ قلیل آمدنی والے افراد اگر سوجھ بوجھ سے کام لیں تو ایسی خوراک کو اپنے دستر خانوں کا حصہ بنا سکتے ہیں۔ جو اگرچہ سستی ہوتی ہیں مگر قوت اور وٹامن کی کثرت سے بھرپور ہوتی ہے اسی طرح سادہ مگر اچھا اور صاف ستھرا ایسا لباس تیار کریں جو بے شک سستا ہو لیکن اپنے ڈیزائن کی نسبت سے دلپذیر ہو۔ جو بچہ جس قدر زیادہ صحت مند اور توانا ہوگا۔ اسی قدر اس میں مدافعت کی بنا پر بہت جلدی تندرست ہو جائے گا۔ وہ بچے جن کی صحت وتندرستی اور خوراک لباس کی طرف مناسب توجہ نہیں دی جاتی۔ عموماً بیمار رہتے ہیں۔ اور ماں باپ کیلئے پریشانی کا موجب بنے رہتے ہیں۔ صحت مند بچے کا دماغ بھی صحت مند ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی سوچ بھی مضبوط اور مثبت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحت مند بچے تعلیم کے میدان میں بہت جلد کامیابیاں حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ بیمار رہنے والے اور کمزور بچے تعلیمی شعبے میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اور ان کے حصے میں عموماً ناکامیاں آتی ہیں

جس طرح بچے کی صحت وتندرستی جسمانی اور دماغی صلاحیت کا اعلیٰ ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح اس کی تعلیم وتربیت کا صحیح اہتمام کرنا ضروری اور اہم ہے۔ یہ ایک بڑا ہی

سچا مقولہ ہے کہ بچے کی اولین تربیت گاہ اس کی ماں کی گود ہوتی ہے اس مقولے کی سچائی کا بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ ماں کی گود سے بچہ جو کچھ سیکھتا ہے اس کا اثر ساری زندگی اسکے دل ودماغ پر رہتا ہے اور ماں کی گود سے جس قسم کی تربیت لے کر وہ اسکول جاتا ہے وہ اس کی کامیابیوں میں سب سے زیادہ معاون ثابت ہوتی ہے اس لئے ماں کا فرض ہے کہ وہ اسکول بھیجنے سے پہلے بچے کو زیادہ سے زیادہ بہتر انداز سے اخلاق سکھلائے اچھی گفتگو کرنے کا سلیقہ بتائے۔لڑائی جھگڑے سے بچنے کی تلقین کرے اور جس طرح وہ اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ پیار سے رہ رہا ہوتا ہے۔اسی طرح اسے اپنے اسکول کے ہجولیوں سے ملنے جلنے کے پسندیدہ طور طریقے اپنانے کی طرف توجہ دلائے۔اس کی طرف جتنی زیادہ توجہ ابتداء میں دیں گے۔وہ بچے کی آئندہ کامیابیوں میں آپ کی فکرمندی کو کم کردے گی اور اسکول سے کالج تک اور کالج سے یونیورسٹی تک اس میں ایک تسلسل اور روانی رہے گی اور جب تعلیم سے فارغ ہو کر وہ کارزار زندگی میں داخل ہوگا تو عقل وشعور میں اس کی پختگی اسے دوسروں میں ممتاز بنانے اور اعلیٰ مقام دلانے میں معاون ثابت ہوگی۔اس کی زندگی کا یہ وہ مقام ہوگا جو آپ کیلئے بحیثیت باپ،اس کی ماں اور خاندان کے تمام رشتے داروں کے لئے باعث عزت اور باعث وقار ہوگا۔آج کے دور میں بچہ ہو یا بچی دونوں کی تعلیم و تربیت کی طرف یکساں توجہ دینا ضروری بن گیا ہے۔ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ یہ دور تعلیم کا دور ہے اور تعلیمی سہولتیں حاصل ہیں،علوم ظاہری اور باطنی کے ساتھ ساتھ سائنس نے بے پناہ ترقی کرلی ہے۔جس کی وجہ سے بے پناہ اور بے اندازہ نئی تبدیلیاں آئی ہیں۔ان سب سے کما حقہ واقفیت حاصل کرنا آج کی اہم ضرورت بن گیا ہے۔اس لئے لڑکا ہو یا لڑکی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں وہ یکساں آپ کی توجہ کی محتاج ہیں لڑکیوں کے لئے جابجا بنات کے مدرسے شروع ہوگئے ہیں جو کہ بچیوں کے لئے بہت حد تک مفید اور کارآمد ہیں۔

یاد رکھئے تعلیم انسانی زندگی کو سنوارتی اور نکھارتی ہے۔وقار بلند کرتی ہے۔اس لئے ہر خاوند اور ہر بیوی کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی پرورش کے ساتھ ساتھ ان کو اچھی

تعلیم دلانے کیلئے ہر ممکن کوشش بروئے کار لائیں، تاکہ وہ معاشرے میں اچھا مقام حاصل کرے اور ملک وقوم کیلئے بھی مفید ثابت ہو۔

چھٹا حق......تربیت اخلاق

اسلام میں محض ذاتی نجات کافی نہیں۔ وہ ہر شخص کو یہ ذمہ داری سپرد کرتا ہے کہ وہ دوسروں کی نجات کا بندوبست کرے۔ خاندان کے سربراہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اہل وعیال کی ایسی تربیت کرے کہ وہ اللہ کی عظمت کے قائل ہوں۔ احکام الٰہی مانیں اور آخرت کا فکر کریں۔ دنیوی خوش حالی کے علاوہ ابدی زندگی میں سرخروئی کا خیال بھی دامن گیر رہے اس لئے اللہ تعالیٰ تنبیہ کرتے ہیں۔

یاایھاالذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا وقودھا الناس والحجارۃ

(سورۃ التحریم۔۶)

اے ایمان والو! تم اپنے آپکو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ باپ کا اپنے بچہ کو کوئی ادب سکھانا ایک صاع صدقہ سے بہتر ہے (مسلم) حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو۔ اور جب دس برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اسے مار کر نماز پڑھاؤ اور اسے الگ سلایا کرو۔" (بحوالہ ابوداود کتاب الصلوۃ)

اس ارشاد گرامی کے پیش نظر والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو سات سال کی عمر تک نماز اور اخلاق کے بنیادی اصول سکھا سمجھا دیں۔ بچے کے ابتدائی سالوں کی اہمیت کے پیش نظر نپولین نے کہا تھا:

"مجھے بچے پہلے سات سال کے لئے دے دو۔ میں تمہیں ایک اچھی قوم دے دوں گا۔"

عام طور پر والدین کی تربیت کا عکس ان کی اولاد پر مرتب ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی شخصیت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی کتنی بے مثال تربیت کی تھی۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرہ سب عورتوں سے بڑھ کر دانا تھیں۔ انداز کلام، حسن اخلاق اور وقار و متانت میں آنحضور ﷺ کے سوا ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی حضور ﷺ کے تربیت یافتہ تھے۔ ان کی زندگیاں اسلامی اخلاق کا اعلےٰ نمونہ تھیں۔ ایمان کے بعد ہی بلکہ اس کے ساتھ ہی دوسرا درجہ اعمال صالحہ کا ہے خود اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر فرمایا:

امنوا وعملوا الصالحات "ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

یہاں ایمان اور عمل کے درمیان صرف حرف عطف (واو) ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحیح اسلامی زندگی کی گاڑی ان دو پہیوں کے بغیر چل ہی نہیں سکتی خواہ یہ پہلے سائیکل سکوٹر کی طرح آگے پیچھے ہوں۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ اولاد میں عمل صالح کا جذبہ پیدا کریں اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ والدین خود کھلی کتاب کی طرح رہیں یعنی ان کا ظاہر و باطن، قول اور فعل آئینہ کی طرح ہو تا کہ اولاد خود ان کو دیکھ کر اپنی اصلاح کرتی رہے۔

کچھ وضاحت اولاد کی پرورش سے متعلق

(۱)...... ہر روز بچے کا ہاتھ۔ منہ۔ گلا۔ کان۔ چڈھے (جنگاسے) وغیرہ گیلے کپڑے سے خوب صاف کر دیا کریں میل جمنے سے گوشت گل کر زخم پڑ جاتے ہیں

(۲)...... جب پیشاب یا پاخانہ کرے فوراً پانی سے طہارت کر دیا کریں خالی چیتھڑے سے پوچھنے پر بس نہ کیا کریں اس سے بچے کے بدن میں خارش اور سوزش پیدا ہو جاتی ہے اگر موسم سرد ہو تو پانی نیم گرم کر لیں۔

(۳)...... بچے کو الگ سلادیں اور حفاظت کے واسطے دونوں طرف کی پٹیوں سے دو چارپائیاں ملا کر بچھا دیں یا اس کی دونوں کروٹ پر دو تکئے رکھ دیں تا کہ گر نہ پڑے۔

پاس سلانے میں یہ ڈر ہے کہ شائد سوتے میں کہیں کروٹ کے تلے دَب جاوے ہاتھ پاؤں نازک تو ہوتے ہی ہیں اگر صدمہ پہنچ جاوے تعجب نہیں ایک جگہ اسی طرح ایک بچہ رات کو دب گیا صبح کو مرا ہوا ملا۔

(۴)...... جھولے کی زیادہ عادت بچے کی نہ ڈالیں کیونکہ جھولا ہر جگہ نہیں ملتا اور بہت گود میں بھی نہ رکھیں اس سے بچہ کمزور ہو جاتا ہے۔

(۵)...... چھوٹے بچے کو عادت ڈالیں کہ سب کے پاس آجایا کرے ایک آدمی کے پاس زیادہ ہل جانے سے اگر وہ آدمی مر جائے یا نوکری سے چھڑا دیا جائے تو بچہ کی مصیبت ہو جاتی ہے۔

(۶)...... اگر بچے کو انا کا دودھ پلانا ہو تو ایسی انا تجویز کرنا چاہئے جس کا دودھ اچھا ہو اور جوان ہو اور دودھ اس کا تازہ ہو یعنی اس کا بچہ چھ سات مہینے سے زیادہ کا نہ ہو اور وہ خصلت کی اچھی ہو اور دیندار ہو۔ احمق، بے شرم، بدچلن، کنجوس اور لالچی نہ ہو۔

(۷)...... جب بچہ کھانا کھانے لگے انا پر بچہ کا کھانا نہ چھوڑیں بلکہ خود اپنے یا اپنے کسی سلیقہ دار معتبر آدمی کے سامنے کھانا کھلایا کریں تا کہ بے اندازہ کھا کر بیمار نہ ہو جائے اور بیماری میں دوا بھی اپنے سامنے بنوا دیں اور اپنے ہاتھ سے پلائیں۔

(۸)...... جب کچھ بچہ سمجھ دار ہو جائے تو اس کو اپنے ہاتھ سے کھانے کی عادت ڈالیں اور کھانے سے پہلے ہاتھ دُھلوا دیا کریں اور داہنے ہاتھ سے کھانا سکھلا دیں اور اس کو کم کھانے کی عادت ڈالیں تا کہ بیماری اور حرص سے بچا رہے۔

(۹)...... ماں باپ خود بھی خیال رکھیں اور جو مرد یا عورت بچے پر مقرر ہو وہ بھی خیال رکھے کہ بچہ ہر وقت صاف ستھرا رہے جب ہاتھ منہ میلا ہو جائے تو فوراً دھلا دے۔

(۱۰)...... اگر ممکن ہو تو ہر وقت کوئی بچے کے ساتھ رہے کھیل کود کے وقت اس کا دھیان رکھے بہت کودنے دوڑنے نہ دے۔ بلند مکان پر لیجا کر نہ کھلاوے۔ بھلے مانسوں کے بچوں کے ساتھ کھلاوے۔ کمینوں کے بچوں کے ساتھ نہ کھیلنے دے، زیادہ بچوں میں نہ کھیلنے

دے۔گلیوں سڑکوں میں نہ کھیلنے دے۔بازار وغیرہ میں اس کو لئے نہ پھرے۔اس کی ہر بات کو دیکھ کر ہر موقع کے مناسب اس کو آداب قاعدے سکھلاوے۔بیجا باتوں سے اس کو روکے۔

(۱۱)......کھلانے والو کو تاکید کردیں کہ اس کو غیر جگہ کچھ نہ کھلاوے اگر اس کو کھانے پینے کی چیز دیوے تو گھر لاکر ماں باپ کے روبرو رکھدے آپ ہی آپ نہ کھلاوے۔

(۱۲)......بچہ کو عادت ڈالیں کہ بجز اپنے بزرگوں کے اور کسی سے کوئی چیز نہ مانگے اور نہ بغیر اجازت کے کسی کی دی ہوئی چیز لے۔

(۱۳) بچہ کا بہت لاڈ پیار نہ کرے ورنہ ابتر ہو جاویگا۔

(۱۴)......بچہ کو بہت تنگ کپڑے نہ پہناویں اور بہت گوٹا کناری بھی نہ لگاویں۔البتہ عید۔بقرعید میں مضائقہ نہیں۔

(۱۵)......بچہ کو منجن مسواک کی عادت ڈالیں۔

(۱۶)......آداب اور قاعدے کھانے پینے کے،بولنے چالنے کے، ملنے جُلنے کے، اُٹھنے بیٹھنے کے ہیں ان سب کی عادت بچے کو ڈالیں اس بھروسہ نہ رہیں کہ بڑا ہو کر آپ سیکھ جائے گا یا اس کو اس وقت پڑھاویں گے۔یاد رکھو آپ سے کوئی نہیں سیکھا کرتا اور پڑھنے سے جان تو جاتا ہے مگر عادت نہیں پڑتی اور جب تک نیک باتوں کی عادت نہ ہو کتنا ہی کوئی لکھا پڑھا ہو ہمیشہ اس سے بے تمیزی نالائقی اور دل دکھانے کی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱۷)......پڑھنے میں بچے پر بہت محنت نہ ڈالے شروع میں ایک گھنٹہ پڑھنے کا مقرر کرے پھر دو گھنٹے پھر تین گھنٹے اسی طرح اس کی طاقت کے موافق اس سے محنت لیتا رہے ایسا نہ کرے کہ سارا دن پڑھتا رہے۔ایک تو تھکن کی وجہ سے بچہ جی چرانے لگے گا پھر زیادہ محنت سے دل اور دماغ خراب ہو کر ذہن اور حافظہ میں فطور آجاویگا اور بیماروں کی طرح سُست رہنے لگے گا پھر پڑھنے میں جی نہ لگائے گا۔

(۱۸)......سوائے معمولی چھٹیوں کے بدون سخت ضرورت کے بار بار چھٹی نہ دلواویں کہ

اس سے طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے۔

(۱۹)......جہاں تک میسر ہو جو علم جو فن سکھلاویں ایسے آدمی سے سکھلاویں جو اس میں پورا عالم اور کامل ہو۔ بعضے آدمی سستا معلم رکھ کر اس سے تعبیر دلواتے ہیں شروع ہی سے طریقہ بگڑ جاتا ہے پھر درستی مشکل ہو جاتی ہے۔

(۲۰)......آسان سبق ہمیشہ تیسرے پہر کے وقت مقرر کریں اور مشکل سبق صبح کو کیونکہ اخیر وقت میں طبیعت تھکی ہوئی ہوتی ہے مشکل سبق سے گھبراوے گی۔

(۲۱)......بچوں کو خصوصاً لڑکی کو پکانا اور سینا ضرور سکھاؤ۔

(۲۲)......شادی میں دولہا دلہن کی عمر میں زیادہ فرق ہونا بہت سی خرابیوں کا باعث ہے۔

(۲۳)......اور بہت کم عمری میں شادی نہ کریں اس میں بھی بڑے نقصان ہیں۔

(بحوالہ تلخیص از بہشتی زیور)

اولاد کی پرورش کرنے کا طریقہ

جاننا چاہئے کہ یہ بات بہت ہی خیال رکھنے کی ہے کہ بچپن میں جو عادت بھلی یا بُری پختہ ہو جاتی ہے وہ عمر بھر نہیں جاتی، اس لئے بچپن سے جوان ہونے تک ان باتوں کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)......نیک بخت دین دار عورت کا دودھ پلاویں، دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

(۲)......عورتوں کی عادت ہے کہ بچوں کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں کہیں اور ڈراؤنی چیزوں سے سو یہ بُری عادت ہے۔ اس سے بچہ کا دل کمزور ہو جاتا ہے۔

(۳)......اس کے دودھ پلانے کے لئے اور کھانا کھلانے کے لئے وقت مقرر رکھو تا کہ وہ تندرست رہے۔

(۴)......اس کو صاف ستھرا رکھو اور گرمی میں اس کو روزانہ نہلایا کرو اور سردی میں گرم پانی سے دوپہر کے وقت روزانہ نہلایا کرو کہ اس سے تندرستی قائم رہتی ہے۔

(۵)......اس کا بناؤ سنگھار مت کرو۔

(۶)......اگر لڑکا ہو تو اس کے سر کے بال مت بڑھاؤ۔

(۷)......رات کے وقت روزانہ اس کی آنکھوں میں سُرمہ لگایا کرو۔

(۸)......اگر لڑکی ہے اس کو جب تک پردہ میں بیٹھنے کے لائق نہ ہو جائے زیور مت پہناؤ۔ اس سے ایک تو ان کی جان کا خطرہ ہے، دوسرے بچپن ہی سے زیور کا شوق دل میں ہونا اچھا نہیں۔

(۹)......بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا کپڑا پیسہ اور ایسی چیزیں دلوایا کرو اسی طرح کھانے پینے کی چیز ان کے بھائی بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو تاکہ ان کی عادت ہو مگر یہ یاد رکھو کہ تم اپنی ہی چیزیں ان کے ہاتھ سے دلوایا کرو خود جو چیز شروع سے ہی ان کی ہو اس کا دلوانا کسی کو درست نہیں۔

(۱۰)......زیادہ کھانے والوں کی برائی اس کے سامنے کیا کرو مگر کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ اس طرح جو کوئی بہت کھاتا ہے لوگ اس کو حبشی سمجھتے ہیں۔ اس کو بیل جانتے ہیں۔

(۱۱)......اگر لڑکا ہو سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں تم ماشاء اللہ مرد ہو۔ ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیا کرو۔

(۱۲)......اگر لڑکی ہو تب بھی زیادہ مانگ چوٹی بہت عمدہ لباس اور تکلف کے کپڑوں کی عادت مت ڈالو۔

(۱۳)......اس کی سب ضدیں پوری مت کرو کہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے۔

(۱۴)......چلّا کر بولنے سے روکو۔ خاص کر اگر لڑکی ہو تو چلانے پر خوب ڈانٹو ورنہ بڑی ہو کر وہی عادت ہو جائے گی۔

(۱۵)......جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں یا تکلف کے کھانے اور کپڑے کے عادی ہیں۔ ان کے پاس بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھیلنے سے ان کو

بچاؤ۔

(۱۶)......ان باتوں سے اس کو نفرت دلاتی رہو۔ غصہ، لڑنا، جھوٹ بولنا، کسی کو دیکھ کر جلنا یا حرص کرنا، چوری، زنا، چغلی کھانا، اپنی بات کی ضد کرنا، خواہ مخواہ اس کو بنانا۔ بے فائدہ بہت باتیں کرنا، بے بات ہنسنا، یا زیادہ ہنسنا، دھوکہ دینا بری بھلی بات کا نہ سوچنا، اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات ہو جائے فوراً اس کو روکو اس پر تنبیہ کرو۔

(۱۷)......اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مار بیٹھے، مناسب سزا دو تاکہ پھر ایسا نہ کرے ایسی باتوں میں لاڈ پیار ہمیشہ کے لئے بچہ کو خراب کر دیتا ہے۔

(۱۸)......بہت سویرے مت سونے دو۔

(۱۹)......سویرے جاگنے کی عادت ڈالو۔

(۲۰)...... جب سات برس کی عمر ہو جائے نماز کی عادت ڈالو۔

(۲۱)...... جب مکتب میں جانے کے قابل ہو جائے اول قرآن شریف پڑھواؤ۔

(۲۲)...... جہاں تک ہو سکے دیندار استاد سے پڑھواؤ۔

(۲۳)......مکتب میں جانے میں کبھی رعایت مت کرو۔

(۲۴)......کسی کسی وقت ان کو نیک لوگوں کی حکایتیں اور قصے سنایا کرو۔

(۲۵)......ان کو ایسی کتابیں مت دیکھنے دو جن میں عاشقی کی باتیں یا شرع کے خلاف مضمون یا اور بیہودہ قصے یا غزلیں وغیرہ ہوں۔

(۲۶)..ایسی کتابیں پڑھواؤ جس میں دین کی باتیں اور دنیا کی ضروری کاروائی آجائے۔

(۲۷)..مکتب سے آجانے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کے لئے اس کو کھیلنے کی اجازت دو تاکہ اس کی طبیعت کند نہ ہو جائے۔ لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور چوٹ لگنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲۸)......آتش بازی یا باجہ فضول چیزیں مول لینے کے لئے پیسے مت دو۔

(۲۹)......کھیل تماشے دکھانے کی عادت مت ڈالو۔

(۳۰)...... اولاد کو ضرور کوئی ہنر سکھلاؤ جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسے حاصل کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا گزارا کر سکے۔

(۳۱)...... لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھا دو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب و کتاب لکھ سکے۔

(۳۲)...... بچوں کو عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں۔ اپاہج اور سست نہ ہو جائیں۔ ان سے کہو کہ رات کو بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھا دیں صبح سویرے اٹھ کر تہہ کر کے احتیاط سے رکھ دیں۔ کپڑوں کی گٹھڑی اپنے انتظام میں رکھیں، ادھڑا اور پھٹا خود سی لیا کریں۔ کپڑے خواہ میلے ہوں یا اُجلے ہوں ایسی جگہ رکھیں جہاں کیڑے اور چوہے کا اندیشہ نہ ہو۔ دھوبن کو خود گن کر دیں اور لکھ لیں۔ اور گن کر پڑتال کر کے لیں۔

(۳۳)...... لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے رات کو سونے سے پہلے اور صبح کو جب اٹھو دیکھ بھال لیا کرو۔

(۳۴)...... لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے، سینے پرونے، کپڑے رنگنے چیز بنے کا گھر میں ہوا کرے اس میں غور کر کے دیکھا کرو کہ کیونکر ہو رہا ہے۔

(۳۵)...... جب بچہ سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو اس پر خوب شاباش دو۔ پیار کرو بلکہ اس کو کچھ انعام دو۔ تاکہ اس کا دل بڑھے۔ جب اس کی بری بات دیکھو اول تنہائی میں اس کو سمجھاؤ کہ دیکھو بری بات ہے۔ دیکھنے والے کیا کہتے ہوں گے اور جس جس کو خبر ہو گی وہ دل میں کیا کہے گا۔ خبردار پھر مت کرنا۔ نیک بخت لڑکے ایسا نہیں کیا کرتے۔ اور اگر پھر وہی کام کرے تو مناسب سزا دو۔

(۳۶)...... ماں کو چاہئے کہ بچہ کو باپ سے ڈراتی رہے۔

(۳۷)...... بچہ کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو کھیل ہو یا کھانا، یا کوئی اور شغل ہو، جو چھپا کر کریگا سمجھ جاؤ کہ وہ اس کو برا سمجھتا ہے، سو اگر وہ برا ہے تو اس سے چھڑاؤ اور اگر اچھا ہے جیسے کھانا پینا تو اس سے کہو کہ سب کے سامنے کھائے پئے۔

(۳۸)...... کوئی کام محنت اور ورزش کا اس کے ذمہ مقرر کر دو۔ جس سے صحت اور ہمت

رہے۔ سستی نہ آنے پائے۔

(۳۹)...... چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ چلے، نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے۔

(۴۰)......اس کو عاجزی اختیار کرنے کی عادت ڈالو۔ زبان سے، چال سے برتاؤ سے، شیخی نہ بگھارنے پائے یہاں تک کہ ہم عمروں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا کتاب و قلم دوات تختی تک کی تعریف نہ کرے۔

(۴۱)......کبھی کبھی اس کو دو چار پیسے دے دیا کرو تا کہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کرلیا کرے، مگر اس کی یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے۔

(۴۲)......اس کو کھانا کھانے کا طریقہ اور محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ سکھلاؤ تھوڑا سا ہم لکھ دیتے ہیں۔ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ شروع میں بسم اللہ پڑھو۔ اپنے سامنے سے کھاؤ اوروں سے پہلے مت کھاؤ۔ کھانے کو گھور کر مت دیکھو۔ بہت جلدی جلدی مت کھاؤ خوب چبا کر کھاؤ۔ جب تک لقمہ نہ نگل لو دوسرا لقمہ منہ میں مت رکھو۔ سالن میں تیزی کے ساتھ لقمہ نہ لگاؤ۔ تا کہ شوربہ وغیرہ کپڑوں پر نہ ٹپکنے پائے۔ اور انگلیاں ضرورت سے زیادہ سننے نہ پائیں۔ لقمہ چباتے وقت چپڑ چپڑ مت کرو۔ کھانا کھاتے وقت ننگا سر مت رکھو کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھولو۔ پانی سیدھے ہاتھ سے اور تین سانس میں پیو۔ کھانے پینے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرو۔ اور جس سے ملو ادب سے ملو۔ نرمی سے بولو۔ محفل میں تھوکو نہیں۔ وہاں ناک صاف مت کرو۔ اگر ایسی ضرورت ہو تو وہاں سے الگ چلی جاؤ۔ وہاں اگر جمائی یا چھینک آجائے تو منہ پر ہاتھ رکھ لو۔ آواز پست کرو۔ کسی کی طرف پشت مت کرو۔ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ دے کر مت بیٹھو۔ انگلیوں کو مت چٹخاؤ۔ بلا ضرورت بار بار کسی طرف مت دیکھو۔ ادب سے بیٹھی رہو۔ بہت مت بولو۔ بات بات میں قسم مت کھاؤ۔ جہاں تک ممکن ہو خود کلام مت شروع کرو۔ جب دوسرا شخص بات شروع کرے خوب توجہ سے سنو۔ تا کہ اس کا دل نہ بجھے۔ البتہ اگر گناہ کی بات ہو مت سنو۔ یا تو منع کر دو یا وہاں سے اٹھ جاؤ۔ جب تک کوئی شخص بات پوری نہ کرے درمیان میں مت

بولو۔ جب کوئی آئے اور محفل میں جگہ نہ ہو۔ ذرا اپنی جگہ سے کھسک جاؤ۔ مل جل کر بیٹھ جاؤ تا کہ جگہ ہو جائے۔ جب کسی سے ملو یا رخصت ہونے لگو السلام علیکم کہو اور جواب میں وعلیکم السلام کہو اور طرح طرح کے الفاظ مت کہو۔ (از بہشتی زیور)

❁❁❁❁❁❁

شوہر کے حقوق

لڑکی شادی سے پہلے کافی عرصہ تک اپنے والدین کے گھر میں رہتی ہے۔اور اس عرصہ میں والدین اس کی پرورش کرتے ہیں۔اسے تعلیم وتربیت اور امور خانہ داری سکھاتے ہیں۔اور جب شادی کی عمر ہو جاتی ہے تو اچھا رشتہ تلاش کرکے اسے رخصت کردیتے ہیں۔شادی سے پہلے والدین اپنی لڑکی کا ہر طرح سے خیال کرتے ہیں اس کے ہر طرح کے ناز ونخرے برداشت کرتے ہیں۔یہاں تک کہ دوسرے افراد خانہ بہن بھائی بھی چھوٹی موٹی باتوں پر درگزر سے کام لیتے ہیں۔لیکن شادی کے بعد جب رخصت ہو جاتی ہے تو چونکہ لڑکی کے لئے بالکل نیا ماحول ہوتا ہے اور جانبین میں مناسبت بھی نہیں ہوتی،اس لئے سسرال والے ابتدا میں لڑکی کے ہر کام کو اعتراض کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور بعض اوقات اصلاح کی غرض سے ساس یا نند کسی بات یا کسی خلاف مزاج کام پر ٹوک بھی دیا کرتی ہیں یہ باتیں ایک نئی دلہن کے لئے بڑی آزمائش ہوتی ہیں کہ سسرال میں کس طرح رہے اور کس طرح زندگی گزارے۔

بعض تیز مزاج لڑکیاں دوسری عورتوں کی باتوں میں آکر اپنی ساس کی ہر بات کا الٹا جواب دیتی ہیں،جس سے اچھے خاصے گھر میں فتنہ،فساد برپا ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی جھگڑے کی وجہ سے طلاق تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور طلاق کے بعد میاں بیوی دونوں پچھتاتے ہیں کہ کاش ایسی نوبت نہ آتی۔اب علماء سے رجوع کرتے ہیں کہ کسی طرح مفتی صاحب کوئی گنجائش نکالیں تاکہ ہم دوبارہ باہم عقد نکاح کرسکیں۔لیکن جب مفتی صاحب کی جانب سے اپنی مرضی کا جواب نہیں ملتا تو اب ہائے واویلا ہوتا ہے۔ دیکھئے جس طرح بندوق سے نکلی ہوئی گولی دوبارہ واپس نہیں آسکتی۔اسی طرح زبان سے نکلی ہوئی طلاق بھی واپس نہیں ہوسکتی۔لہٰذا اگر شروع میں ہی احتیاط سے کام لیا جاتا تو پھر

ان مسائل میں الجھنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔تجربے اور مشاہدے میں چند ایسی باتیں آئی ہیں کہ اگر ابتدا ہی سے ان باتوں کا خیال رکھا جائے تو ان پریشانیوں اور فسادات سے نجات مل سکتی ہے۔ذیل میں نئی دلہنوں کے لئے اکابرین کی ہدایات کی روشنی میں چند ضروری ہدایات پیش کی جارہی ہیں۔

چند ضروری ہدایات

(۱)......شوہر کا دل جیت لینے کی تدابیر

میاں بیوی میں ایک دوسرے سے مناسبت اور جوڑ ہو تو ازدواجی زندگی میں چین اور سکون مکمل طور پر حاصل ہوسکتا ہے۔اس کے بغیر زندگی غیر مکمل اور دکھی شمار ہوتی ہے۔اسی لئے عورتوں کو شوہر کا دل جیت لینے کی تدابیر سیکھنی چاہئیں۔جس کے بغیر چارہ نہیں۔عورت چاہے کتنی ہی پڑھی لکھی اور کتنی ہی خوبصورت اور مالدار کیوں نہ ہو،لیکن یہ تدابیر جانے بغیر وہ خاوند کے دل کی ملکہ نہیں بن سکتی۔لہٰذا خاوند کو اپنا بنانے کے لئے چند حکمت بھری باتیں لکھی جاتی ہیں،خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے ان تدابیر پر عمل کرنا بہت ضروری ہے

☆......خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرو۔

☆......اپنی ضرورت سے پہلے اس کی ضرورت پوری کرو۔

☆......اس طرح رہو کہ تمہیں دیکھ کر اس کا دل خوش ہوجائے۔

☆......شوہر سے کبھی بھی اس کی گنجائش سے زیادہ فرمائش نہ کرو۔

☆......اگر شوہر کسی وجہ سے پریشان ہے تو اپنی شیریں زبان سے اس کا غم ہلکا کرو۔

☆......کفایت شعاری کے اصول اپناتے ہوئے تھوڑے پیسوں میں گھر کا خرچہ چلاؤ۔

☆......ہر کام حسن انتظام سے کرو۔

☆......شوہر کی راز کی باتیں دل ہی میں محفوظ رکھو،کسی کے سامنے کبھی بھی ان کا ذکر نہ کرو۔

(۲)......شوہر کو اپنی طرف مائل کرنے والی خوبیاں

شوہر کو اپنی طرف مائل اور متوجہ کرنے کے لئے حسب ذیل اوصاف اور خوبیوں کی ضرورت ہے۔

(۱)......ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہ سے بچنا چاہئے۔کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ استغفار کر لینی چاہئے۔

(۲)......شوہر کے مزاج کو پہچاننا اور اس کے مطابق اس کے ساتھ برتاؤ کرنا، شوہر جس طرح عورت کے رہنے میں پسند کرتا ہے، عورت کو چاہئے کہ اسی طرح رہے بشرطیکہ شرعی حدود کے خلاف نہ ہو۔اپنے اندر صبر وتحمل کی عادت بنانا نہایت ضروری ہے، نیز شیریں زبان سے بات کرنا، اسی طرح اپنی خوبصورتی اور خوب سیرتی سے اس کے دل کو جیتنا اور اس کے پسندیدہ بناؤ سنگھار کی کوشش کرنا بھی عورت کے لئے ضروری ہے۔

(۳) عورت کے لئے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کے طریقے

سسرال میں جانے کے بعد شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے کیا کیا طریقے ہیں؟ اس بات کو جاننا چاہئے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات بہت مضبوط اور گہرے ہوتے ہیں۔اس لئے کہ یہ زندگی بھر کا سودا ہے دونوں کی زندگی گاڑی پہئے کی مانند ہے اگر دونوں میاں بیوی کا دل مل جل گیا تو اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ دنیا ہی ان کے لئے جنت ہے۔اس کے برعکس خدانخواستہ دونوں کے دل اگر ایک نہ ہو سکے تو پھر اس سے بڑھ کر کوئی اور مصیبت نہیں گویا کہ یہ دنیا ہی ان کے لئے جہنم بن جاتی ہے۔شادی کے بعد زندگی کو کامیاب بنانا اکثر عورتوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اس لئے جہاں تک ہو سکے شوہر کے دل جیت لینے کے لئے اس کی فرمائشوں کے رنگ میں رنگنا اور اس کے اشارہ پر لبیک کہنا چاہئے، کیونکہ شوہر حاکم اور عورت محکوم ہے۔دنیا کی نگاہ میں عورت اسی وقت مقام حاصل کر سکتی ہے جب وہ خاوند کے دل میں اپنے لئے جگہ

بنالے۔یادرکھیں کہ شوہر کی نگاہ میں جس عورت کی عزت نہ ہوتو وہ دنیا کی نگاہ میں اس کی کیا عزت ہوگی؟عورت شوہر کے دل کو جیت کر اپنی دنیا کو جنت بناسکتی ہے اور آخرت کی بھلائی بھی حاصل کرسکتی ہے۔

(۴)......عورت شوہر کو اپنا محبوب کیونکر بنائے؟

(۱)......بیوی کو اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ شوہر سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی بھی سچا دوست نہیں بن سکتا ہے۔

(۲)......شوہر پر کبھی بداعتماد نہ ہو بلکہ اس پر پورا بھروسہ کرے۔

(۳)......تکلیف، دکھ، اور مصیبت میں عورت کو شوہر کی تن، من دھن سے مدد کرنی چاہئے اور نازک حالات میں اپنی ذات کو اس کے لئے فنا کردے۔شوہر کی محبت اور اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے بہت قربانی دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔اس لئے کہ یہ وقت بہت ہی نازک اور آزمائش کا ہوتا ہے۔

(۴)......شوہر کی عدم موجودگی میں اس کی کسی بات کا چرچہ نہ کرے۔

(۵)......عورت ہمیشہ کوشش کرے کہ شوہر کی عزت اور وقار میں اضافہ ہو۔اس عورت کو چاہئے کہ شوہر کی غیر موجودگی میں دوسروں کے سامنے اس کی تعریف کرے۔

(۶)......شوہر کے سکھ میں سکھی اور اس کے دکھ میں دکھی ہونا چاہئے نیز عورت کو شوہر کی تمام تر تکلیفیں دور کرنے، اس کو آرام وراحت پہچانے کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے۔

(۷)......خوبصورت لباس اور اپنی ذات کی خاطر ضروری سامان کے لئے شوہر پر بوجھ نہ ڈالے۔

(۵)......عورت گھر میں ہمیشہ شوہر کے سامنے کیسے رہے

ایک بزرگ بی بی کا قصہ ہے کہ وہ ہر رات کو عشاء کی نماز کے بعد خوب زینت کرتیں عمدہ لباس پہنتیں، زیورات سے آراستہ ہوکر کنگھی سرمہ لگاتیں اور اس حالت میں شوہر کے

پاس آ کر ان سے دریافت کرتیں کہ آپ کو میری حاجت ہے؟ اگر وہ کہتے کہ ہاں تو ان کے پاس کچھ دیر لیٹ جاتیں اور اگر وہ کہتے کہ مجھے حاجت نہیں تو پھر کہتیں کہ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے تا کہ میں اپنے خدا کے ساتھ مشغول ہو جاؤں۔ چنانچہ شوہر کی اجازت کے بعد وہ اپنا لباس اور زیور وغیرہ اتار کر رکھ دیتیں اور سادہ لباس پہن کر تمام رات عبادت کرتیں۔ دیکھئے بزرگ بی بی ایک وقت میں کیسی زینت کرتیں اور دوسرے وقت کمبل اور ٹاٹ میں رہتیں اب اگر کوئی زینت کے وقت ان کو دیکھتا تو یہی کہتا کہ یہ کیسی بزرگ ہیں جو اس قدر زیب وزینت کا اہتمام کرتی ہیں مگر کسی کو کیا خبر کہ وہ کس کے لئے زینت کرتی تھیں؟ وہ نفس کی خواہش کے لئے ایسا نہ کرتی تھیں بلکہ چونکہ شریعت کا حکم ہے کہ عورت کو شوہر کے لئے خوب زیب وزینت کرنا چاہیے (اس لئے کرتی تھیں) اس صورت میں اس کو زیب وزینت کرنے سے ثواب ملتا ہے۔ وہ بزرگ بی بی حکم شرعی کے تابع تھیں جہاں شریعت کا حکم تھا، وہاں خوب زیب وزینت کرتی تھیں کیونکہ جب شوہر زینت کو کہے تو دلہن کو خستہ وخراب رہنے کا کیا حق ہے؟ مگر جب شوہر کو کچھ غرض نہ ہوتی تو وہ اپنے نفس کے لئے زینت کا اہتمام نہ کرتی تھیں کیونکہ کاملین (اللہ والے) زینت اور ترک زینت میں حکم کے تابع ہوتے ہیں وہ اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں کرتے (از التبلیغ)

(۶)......شوہر کی حیثیت سے زیادہ کسی چیز کی فرمائش نہ کرنا

شوہر کی حیثیت سے زیادہ خرچ نہ مانگو جو کچھ ملے اپنا گھر سمجھ کر چٹنی روٹی کھا کے بسر کرلو۔ اگر کبھی کوئی کپڑا یا زیور پسند آیا اور شوہر کے پاس خرچ نہ ہو تو اس کی فرمائش نہ کرو نہ اس کے نہ ملنے پر حسرت (افسوس) کرو بالکل ایسا کوئی کلمہ منہ سے کبھی نہ نکالو۔ خود سوچو، اگر تم نے کہا تو وہ اپنے دل میں کہے گا کہ اس کو ہمارا کچھ خیال نہیں کہ ایسی بے موقع فرمائش کرتی ہے، بلکہ اگر شوہر مالدار ہو تب بھی جہاں تک ہو سکے خود کسی بات کی فرمائش ہی نہ کرو بلکہ وہ خود پوچھے کہ تمہارے واسطے کیا لائیں؟ تو بتلا دو ورنہ خود فرمائش نہ کرو، کیونکہ

فرمائش کرنے سے آدمی نظر سے گر جاتا ہے۔

(بہشتی زیور)

(۷)......ضد، ہٹ دھرمی اور بدزبانی سے احتراز

کم سمجھی اور انجام نہ سوچنے کی وجہ سے بعض بیویاں ایسی باتیں کر بیٹھتی ہیں جس سے مرد کے دل میں میل آجاتا ہے کہیں بے موقع زبان چلادی، کوئی بات طعن وتشنیع کی کہہ ڈالی، غصہ میں جلی کٹی باتیں کہہ دیں کہ خواہ مخواہ سن کر بری لگیں، پھر جب اس کا دل پھر گیا تو روتی پھرتی ہے۔

یہ خوب سمجھ لو کہ دل پر میل آجانے کے بعد اگر دو چار دن میں تم نے کہہ سن کر منا بھی لیا تب بھی وہ بات نہیں رہتی جو پہلے تھی۔ پھر ہزار باتیں بناؤ۔ عذر ت کرو۔ لیکن جیسا پہلے دل صاف تھا اب ویسی محبت نہیں رہتی۔ جب کوئی بات ہوتی ہے تو یہی خیال آجاتا ہے کہ یہ وہی ہے جس نے فلانے فلانے دن ایسا کہا تھا۔ اس لئے اپنے شوہر کے ساتھ خوب سوچ سمجھ کر رہنا چاہئے کہ خدا اور رسول اللہ ﷺ کی بھی خوشی ہو اور تمہاری دنیا و آخرت دونوں درست ہوں۔ دیکھو! کبھی کسی بات پر ضد اور ہٹ دھرمی نہ کرو اگر کوئی بات تمہارے خلاف بھی ہو تو اس وقت جانے دو پھر کسی دوسرے وقت مناسب طریقہ سے طے کر لینا۔ اگر میاں کے یہاں تکلیف سے گزرے تو کبھی زبان پر نہ لاؤ اور ہمیشہ خوشی ظاہر کرتی رہو تا کہ مرد کو رنج نہ پہنچے اور تمہارے اس نباہ کرنے سے اس کا دل بس تمہاری مٹھی میں ہو جائے۔

(بحوالہ بہشتی زیور)

(۸)......شوہر کے غصہ اور ناراضگی کی صورت میں عورت کو کیا کرنا چاہئے؟

تمہارا شوہر اگر کسی بات پر تم سے خفا ہو کر روٹھ گیا ہو تو تم بھی منہ پھلا کر نہ بیٹھی رہو بلکہ خوشامد کر کے عذر معذرت کر کے ہاتھ جوڑ کے جس طرح بنے اس کو منالو، چاہے تمہارا

قصور نہ ہو شوہر ہی کا قصور ہو تب بھی تم ہرگز نہ روٹھو اور ہاتھ جوڑ کر قصور معاف کرانے کو اپنا فخر اور عزت سمجھو اور اگر تمہارا ہی قصور ہو تو ایسے وقت میں خفا ہو کر الگ بیٹھنا تو اور بھی بیوقوفی اور نادانی ہے ایسی باتوں سے دل پھٹ جاتا ہے۔ شوہر کو اگر کسی بات پر غصہ آ گیا ہو تو ایسی بات مت کہو کہ غصہ اور زیادہ ہو جائے اور اگر کبھی غصہ میں کبھی کچھ برا بھلا کہے تو تم ضبط (برداشت) کرو اور بالکل جواب نہ دو، چاہے وہ کچھ کہے تم چپکی بیٹھی رہو۔ غصہ اترنے کے بعد دیکھنا خود شرمندہ ہوگا اور تم سے کتنا خوش ہوگا اور پھر کبھی انشاء اللہ تعالیٰ تم پر غصہ نہ ہوگا اور اگر تم بھی بول اٹھی تو بات بڑھ جائے گی پھر نہ معلوم نوبت کہاں تک پہنچے!!

(بحوالہ بہشتی زیور)

شوہر کے سفر سے واپسی میں ضروری ہدایات

تمہارے شوہر کبھی پردیس سے (یعنی سفر سے) آئیں تو مزاج پوچھو خیریت دریافت کرو کہ وہاں کس طرح رہے، تکلیف تو نہیں ہوئی؟ ہاتھ پاؤں پکڑ لو تھک گئے ہوں گے۔ بھوکا ہو تو روٹی پانی کا انتظام کرو۔ گرمی کا موسم ہو تو پنکھا جھل کر ٹھنڈک فراہم کرو غرضیکہ اس کی راحت و آرام کی باتیں کرو۔ روپے پیسے کی باتیں ہرگز نہ کرنے لگو کہ ہمارے واسطے کیا لائے؟ کتنا خرچ لائے؟ خرچ کا بٹوا (بیگ) کہاں ہے دیکھیں کتنا ہے؟ جب خود دیں تو لے لو۔ یہ حساب نہ پوچھو کہ تنخواہ بہت ہے اتنے مہینے میں بس اتنا ہی لائے۔ تم بہت خرچ ڈالتے ہو کیا کر ڈالا؟ کبھی خوشی کے وقت سلیقہ کے ساتھ باتوں باتوں میں پوچھ لو تو خیر اس سے کوئی حرج نہیں۔ (از بہشتی زیور)

شوہر کے لائے ہوئے سامان کی قدر و منزلت اور ناشکری کی مذمت

اگر تمہارا شوہر تمہارے لئے کوئی چیز لائے تو پسند آئے یا نہ آئے ہمیشہ اس پر خوشی ظاہر کرو۔ یہ نہ کہو کہ یہ چیز بری ہے ہم کو پسند نہیں ہے۔ اس سے اس کا دل ٹوٹ جائے گا اور پھر کبھی کچھ لانے کو جی نہ چاہے گا اور اگر اس (کی لائی ہوئی چیز) کو تعریف کر کے خوشی سے

لے لوگی تو دل اور بڑھے گا اور پھر اس سے زیادہ چیز لائے گا۔ کبھی غصہ میں آ کر خاوند کی ناشکری نہ کرو اور یوں نہ کہنے لگو کہ "اس گھر میں آ کر میں نے دیکھا ہی کیا ہے؟ بس ساری عمر مصیبت بھری اور تکلیف ہی سی کٹی۔ میرے باپ دادا نے میری قسمت پھوڑ دی مجھے ایسی مصیبت میں پھنسا دیا ایسی آگ میں جھونک دیا" ایسی باتوں سے پھر دل میں جگہ نہیں رہتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں عورتیں بہت دیکھیں۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ دوزخ میں عورتیں کیوں زیادہ جائیں گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ لعنت بہت کیا کرتی ہیں اور اپنے خاوند کی ناشکری بہت کیا کرتی ہیں تو خیال کرو ناشکری کتنی بری چیز ہے۔ (بہشتی زیور)

شوہر کے واسطے زینت اختیار کرنا شوہر کا حق ہے

شریعت مطہرہ کا حکم ہے کہ عورت کو شوہر کیلئے خوب زیب و زینت اختیار کرنا چاہئے اس صورت میں اس کو زینت کرنے سے ثواب ملتا ہے۔ آج کل عورتوں کی یہ حالت ہے کہ شوہر کے سامنے تو بھنگنوں کی طرح گندی میلی کچیلی رہتی ہیں اور کہیں برادری میں جاتی ہیں تو سر سے پیر تک آراستہ ہوتی ہیں اور اگر کوئی بیچاری شوہر کی خاطر زینت کرے تو اس کے بارے میں باتیں بناتی ہیں کہ ہائے اسے ذرا بھی شرم نہیں یہ اپنے شوہر کے واسطے کیسے چوچلے کرتی ہے۔ افسوس جس جگہ زینت کا حکم تھا وہ تو اس پر تو طعن ہوتا ہے اور جہاں ممانعت ہو وہاں اہتمام کیا جاتا ہے جب شوہر زینت اختیار کرنے کو کہے تو دلہن کو خراب و خستہ رہنے کا کیا حق ہے (التبلیغ)

عورت کے ذمہ شوہر کے حقوق

شوہر کے حقوق یہ ہیں:

(۱)...... ہر امر میں اس کی اطاعت کرنا بشرطیکہ معصیت نہ ہو۔

(۲)...... اس کے مقدور (حیثیت) سے زیادہ نان و نفقہ (خرچہ) طلب نہ کرنا۔

(۳)......شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں نہ آنے دینا۔

(۴)......اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلنا۔

(۵)......کسی کو بھی اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کوئی چیز نہ دینا۔

(۶)......اس کی اجازت کے بغیر نفل نماز نہ پڑھنا اور نفل روزہ نہ رکھنا۔

(۷)......اگر صحبت کے لئے بلائے تو شرعی مانع کے بغیر اس سے انکار نہ کرنا۔

(۸)......اپنے خاوند کو اس کے افلاس (غربت) یا بدصورتی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھنا

(۹)......اگر کوئی امر خلاف شرع خاوند میں دیکھے تو ادب سے منع کرنا۔

(۱۰)......اس کا نام لے کر نہ پکارنا۔

(۱۱)......کسی کے روبرو خاوند کی شکایت نہ کرنا۔

(۱۲)......اس کے روبرو (آمنے سامنے) زبان درازی نہ کرنا۔

(۱۳)...اس کے اقارب ورشتہ داروں سے تکرار (لڑائی جھگڑا اور بحث ومباحثہ نہ کرنا)

عورتوں کی زبردست غلطی

یہ عجیب بات ہے کہ عورتیں گھر میں تو بھنگنوں اور ماماؤں (نوکرانیوں) کی طرح رہیں اور ڈولی (رکشا وغیرہ) آتے ہی بن سنور کر بیگم صاحبہ بن جائیں۔ ہر چیز کی کوئی غرض وغایت ہوتی ہے کوئی ان سے پوچھے کہ اچھے کپڑے پہننے کی غرض وغایت کیا ہے؟ کیا صرف غیروں کو دکھانا ہی اس کی غرض وغایت ہے، تعجب ہے کہ جسکے واسطے یہ کپڑے بنے اور جس کے دام لگے اس کے سامنے تو کبھی نہ پہنے جائیں، اور غیروں کے سامنے پہنے جائیں!! یہ باتیں اگرچہ شرم کی ہیں مگر ضرورت کی وجہ سے اصلاح کے لئے کہی جاتی ہیں حیرت ـ کہ خاوند سے کبھی سیدھے منہ نہ بولیں۔ کبھی اچھا کپڑا اس کے سامنے پہن کر نہ جائیں اور غیر ے کے سامنے کپڑے بھی ایک سے بڑھ چڑھ کر پہن کر جائیں، کام آئیں غیروں کے اور دام س خاوند کے یہ کونسا انصاف ہے؟ (التبلیغ)

شادی کس کو کہتے ہیں

اس سلسلے میں جو بات سب سے پہلے ذہن نشین کرنی ہے وہ یہ کہ شادی دراصل ہے کیا؟ شادی کس کو کہتے ہیں اور اس کا مقصد کیا ہے؟ حقیقت میں نکاح کسی کی غلامی نہیں بلکہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا نام ہے۔

شریعت کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق مرد عورت آپس میں زندگی گزارنے لگیں اس کا نام شادی ہے۔ شادی کے بعد مرد عورت کو ایک دوسرے کی خیر خواہی، آپس کے پیار، خلوص کی ضرورت پڑتی ہے اور زندگی کی اس گاڑی کو دونوں کو مل کر کھینچنا پڑتا ہے، اور دونوں مل کر زندگی کو اپنی اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق خوشگوار بناتے ہیں اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے قربانیاں دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خدائے پاک نے مردوں کا درجہ عورتوں سے بلند رکھا ہے اور مرد کو عورتوں پر فوقیت عطا فرمائی ہے۔ لیکن یہ فوقیت حکومت چلانے کے لئے نہیں بلکہ اس کا مقصد عورتوں کی سرپرستی اور نگہبانی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو مردوں پر عورتوں کے بے شمار حقوق کو بیان نہ کیا جاتا۔ اسی طرح اس ازدواجی زندگی کو پُرسکون بنانے کیلئے عورتوں پر بھی بے شمار ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں اور یہ ذمہ داریاں عورت کو مرد کے ساتھ پرسکون زندگی گزارنے کیلئے انجام دینی پڑتی ہیں۔ جب شادی ایک عملی تعاون کا نام ہوا تو ظاہر ہے کہ شادی کے بعد دولہا اور دلہن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لئے ایک نظام مرتب کریں تا کہ زیادہ سے زیادہ راحت حاصل کرسکیں۔ اس نظام میں اس کی بھی وضاحت ہو کہ ایک لڑکی کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں؟ یہ ساری چیزیں تو زمانے کے حالات اور وقت کے تقاضے شناخت کرائیں گے

خدائے پاک نے عورت اور مرد دونوں کو ایک دوسرے کے لباس سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی مرد اپنی عورت کے لئے لباس ہے اور عورت اپنے شوہر کے لئے لباس

ہے۔فرض کرو کہ ایک شخص کی کہنی میں زخم لگا ہوا ہے جس میں سے پیپ وغیرہ بہتا ہے،اب جو اس زخم کو کھلا رکھا جائے تو دیکھنے والوں کے دلوں میں ضرور اس سے نفرت ہوگی۔اسی طرح ایک شخص کے جسم پر میل جما ہوا ہے اور اس پر کپڑا نہ ہو تو لوگ ایسے شخص کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے اس کو گندا اور کاہل کہیں گے۔لباس زخم کو چھپاتا ہے اور وہی لباس اس عضو کی میل کچیل بھی لوگوں کی نگاہوں سے چھپائے رکھتا ہے جس سے لوگوں کو اس سے نفرت کا موقع نہیں ملتا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرد اگر جسم ہے تو عورت اس کی روح ہے یا پھر عورت اگر جسم ہے تو مرد اس کا لباس ہے۔

لہٰذا عورت کا یہ اہم فرض ہے کہ مرد کی اس طرح حفاظت کرے جس طرح لباس جسم کی حفاظت کرتا ہے۔عورتوں میں خدمت گزاری کے ایسے جذبات ہونے چاہئیں کہ وہ اپنے مردوں کو اپنی جان و روح سمجھ کر خود ان کے جسم کے مانند بن جائیں کیونکہ بزرگوں کا مقولہ ہے:''ہر کہ خدمت کرد مخدوم شد'' یعنی جس نے خدمت کی وہ سردار بنا۔کسی کی خدمت کر کے ہی اس کو اپنا بنایا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ خدمت کے سلسلے میں ایک مزید انعام کی رسول پاک ﷺ نے خوش خبری سنائی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا:''جو عورت اس حالت میں مر جائے کہ اس کا شوہر اس سے خوش تھا تو بے شک ایسی عورت جنت میں داخل ہوگی ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:''اے عورت! دیکھ تیری جنت اور دوزخ تیرا خاوند ہے۔'' ہر عورت کے لئے جنت الفردوس کے دروازے کھلے ہوئے ہے،حور و غلمان اس کا پرتپاک استقبال کرنے کے لئے بے چین ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے پاس اس کے شوہر کی رضامندی کا پروانہ ہونا چاہئے۔

ہاں البتہ اس میں شک نہیں ہے کہ شوہر کی خدمت ایک مشکل کام ہے،اس میں تو اپنی ذات کو مٹا دینا پڑتا ہے اور پھر جنت بھی تو مفت دے دینے کے لئے نہیں ہے،عورت کے لئے بخشش کتنی آسان بنا دی گئی ہے۔ایک طرف مرد کو حکم دے دیا گیا

کہ ہمیشہ وہ اپنی عورت سے خوش رہے اور دوسری طرف عورت کو بتادیا گیا کہ اگر تیرا شوہر تجھ سے خوش ہوگا تو جنت تیری ہی ہے۔ خدائے پاک کا رحم وکرم اور اس کی مہربانی کو دیکھو تو سہی کہ مرد اپنا خون پانی کی طرح بہا کر بھی اتنی آسانی سے جنت میں داخل ہونے کا پروانہ حاصل نہیں کرسکتا، جتنی آسانی سے ایک عورت اپنے خاوند کی رضامندی حاصل کر کے جنت کی حقدار بن جاتی ہے۔ ایک دلہن کے لئے اس کا شوہر بہت انجانی شخصیت ہوتی ہے، پھر بھی اس کو اسی کے ساتھ ہی زیادہ کام پڑتا ہے۔ اس کے دامن سے ہی دلہن کا دامن باندھا جاتا ہے۔ خدائے پاک اور رسول ﷺ نے اسی کی ہی تابعداری کی تاکید کی ہے۔ اس کے دل میں مقام حاصل کر کے ہی دوسروں کے دلوں میں مقام حاصل کیا جاسکتا ہے اور جو عورت شوہر کی نگاہ سے گر جاتی ہے تو وہ عورت دنیا اور آخرت دونوں کو کھو بیٹھتی ہے۔ شوہر کے دل میں اپنی محبت پیدا کر کے ہی عورت اس کے دل کی رانی بن سکتی ہے اور جو عورت اس میں ناکام ہوتی ہے اس کو گھر میں ایک نوکرانی سے بھی ہلکا درجہ ملتا ہے، پھر خاوند بھی تو آخر ایک انسان ہی ہے، وہ بھی پیار، محبت اور خدمت کا متمنی ہوتا ہے۔ اس نے شادی یہ سمجھ کر کی ہوتی ہے کہ بیوی کے آنے کے بعد اس کو محبت اور آرام جیسی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ اگر اس کی امیدیں اور آرزوئیں بیوی سے پوری ہوں تو کون ایسا بیوقوف ہوگا جو ایسی محبت کرنے والی اور خدمت گزار بیوی کی قدر نہ کرے۔ ہمارے گھروں میں خدمت کے لئے جو خادمائیں ہوتی ہیں ان میں سے جو خادمہ ہم کو زیادہ آرام پہنچاتی ہے، ہماری زیادہ خدمت کرتی ہے تو اس کو ہم زیادہ چاہتے ہیں اور اگر ایسی خادمہ چلی جائے تو ہم مدتوں تک اس کو یاد کرتے ہیں اور اگر کام چور خادمہ چھوڑ کر چلی جائے تو کوئی بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا اس کی بجائے خوشی ہوتی ہے کہ اچھا ہوا جان چھوٹی۔

جس عورت نے اپنی خدمت اور فرمانبرداری کے باعث شوہر کے دل میں مقام حاصل کرلیا ہے ایسی خدمت گزار بیوی کی ایک منٹ کی جدائی سے بھی شوہر تکلیف محسوس

کرتا ہے اور اس کے بغیر گھر میں بدنظمی پیدا ہو جاتی ہے اور جو عورت شوہر اور اس کے گھر کے لئے بیکار ثابت ہوتی ہے ایسی عورت کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے۔ کیونکہ چور خادمہ کو بدلا جا سکتا ہے، گھر کی بدنظمی کو حسنِ انتظام میں تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن استخارہ ومشورہ کے بعد نکحتُ وَقبلتُ (ایک نے کہا کہ میں نے نکاح کیا اور دوسرے نے کہا میں نے قبول کیا) کے ذریعے جو گرہ شادی کی بندھ گئی ہے وہ اتنی مضبوط اور سخت ہوتی ہے کہ موت پر ہی کھل سکتی ہے۔ تو ایسی عورت کتنی بے عقل اور بے وقوف ہے جو تھوڑے دنوں کی تکلیف برداشت کر کے ہمیشہ ہمیشہ زندگی کا سکھ چین نہ خرید سکے اور تھوڑے دنوں کے عارضی آرام کے لئے پوری زندگی کے لئے مصیبتیں خرید لے۔

اس قسم کے اختلافات بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں لیکن اگر ان کا جائزہ لیا جائے تو ان کی کوئی خاص وجہ اور سبب بھی نہیں ہوتا، نہ کوئی اہم معاملے میں اختلافات ہوتا ہے بلکہ معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا ہوتا ہے۔ اگر سمجھداری سے کام لیا جائے اور ذرا لچک پیدا کی جائے تو جھگڑے کی ساری عمارت جڑ سے ہی اکھڑ جائے۔

ہر شخص اپنے آرام کے لئے شادی کرتا ہے۔ شادی کرنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ یعنی شوہر کسی کی لڑکی کو پریشان کرنے کے لئے، دکھ پہنچانے کیلئے شادی کر کے لاتا ہے۔ کوئی پاگل، دیوانہ ہو یا پھر جس کو باولے کتے نے کاٹ لیا ہو، ہی شخص ایسا کر سکتا ہے۔ لیکن جو سمجھدار ہے اور جس میں ذرا بھی عقل ہے وہ کبھی بھی ایسا نہ چاہے گا کہ معمولی معمولی باتوں سے چڑ کر اپنی اور اپنی بیوی کی زندگی کو برباد کرے اور بات بات میں دماغی توازن کھو کر اپنی یا اپنے بال بچوں کی زندگی کو خراب کر دے۔ ہاں! البتہ یوں ہو سکتا ہے کہ آپس کے اختلافات بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جائیں کہ ہر بات میں تو تو، میں میں ہونے لگے۔ خاوند کیسا بھی ہے لیکن وہ آزاد ہے، وہ دوسری شادی کر سکتا ہے اور نہ کرے پھر بھی اس کو ایسی الجھنوں کا سامنا نہیں کرنا پڑیگا۔ لہٰذا اگر کوئی عورت یوں چاہتی ہو کہ شادی کے بعد اس کی زندگی تباہی کی طرف نہ جانے پائے تو وہ

کسی بھی معاملے میں اپنے شوہر کی مخالفت کبھی نہ کرے اور جو جو تکلیفیں پیش آئیں، موقع بہ موقع مختلف انداز سے شوہر کے سامنے پیش کر کے اس کا فیصلہ کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ اسی وقت مخالفت کرنے سے کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ تو جلتی پر تیل ڈالنے کی مانند ہوتا ہے۔

اور اگر کسی معاملے میں عورت کو یوں محسوس ہو کہ اس کا خاوند اسے کسی ایسے راستے کی طرف لے جانا چاہتا ہے جو آگے چل کر پورے خاندان کی تباہی اور بدنامی کا سبب بنے گا تو اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق معاملہ کے نشیب وفراز سمجھا کر پورے خلوص و ہمدردی کے ساتھ معاملے کی نزاکت اس کے سامنے پیش کرے تو مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی لڑکی اپنے شوہر کو کسی معاملے میں خلوص اور محبت سے مشورہ دے گی اور فرض نمازوں کے بعد اور راتوں کو اٹھ کر شوہر کے لئے دعائیں کرے گی تو اس کا شوہر ضرور اس کی بات مان لے گا اور اگر نہ بھی مانے تو بھی عورت کو الجھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ بات بالکل ممکن ہے کہ ایک بات اگر اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آئی تو کسی دوسرے موقع پر وہی بات اس کے دماغ میں آ جائے۔ (بحوالہ از اصلاح معاشرہ کے رہنما اصول)

کچھ وضاحت شوہر کے ساتھ برتاؤ سے متعلق

''عورت'' جب تک اس کی شادی نہ ہو وہ اپنے ماں باپ کی بیٹی کہلاتی ہے مگر شادی ہو جانے کے بعد وہ اپنے شوہر کی بیوی بن جاتی ہے اور اب اس کے فرائض اس کی ذمہ داریاں پہلے سے بہت بڑھ جاتی ہیں۔ وہ تمام حقوق وفرائض جو بالغ ہونے کے بعد عورت پر لازم ہو گئے تھے، اب ان کے علاوہ بھی شوہر کے حقوق کا بہت بڑا بوجھ عورت کے سر پر آ جاتا ہے، جس کا ادا کرنا ہر عورت کے لئے بہت بڑا فریضہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو بیویوں پر حاکم بنایا ہے اور بہت بڑی بزرگی دی ہے۔ اسلئے ہر عورت پر فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کا حکم مانے اور خوشی خوشی اپنے شوہر کے ہر حکم کی

تابعداری کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کا بڑا حق بتایا ہے کہ اپنے شوہر کو راضی و خوش رکھنا بہت بڑی عبادت ہے اور شوہر کو ناخوش اور ناراض رکھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اگر میں خدا کے سوا کسی دوسرے کے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کرتی رہیں''۔ اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''جس عورت کی موت ایسی حالت میں آئے کہ مرتے وقت اس کا شوہر اس سے خوش ہو وہ عورت جنت میں جائے گی''۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ''جب کوئی مرد اپنی بیوی کو کسی کام کے لئے بلائے تو وہ عورت اگرچہ چولھے کے پاس بیٹھی ہو اس کو لازم ہے کہ وہ اٹھ کر شوہر کے پاس چلی آئے''۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ عورت چاہے کتنے بھی ضروری کام میں مشغول ہو مگر شوہر کے بلانے پر سب کاموں کو چھوڑ کر شوہر کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ مشکل سے مشکل اور دشوار کام کا بھی اگر شوہر حکم دے تو تب بھی عورت کو شوہر کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کے ہر حکم کی فرمانبرداری کے لئے اپنی طاقت بھر کمر بستہ رہنا چاہیے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جب شوہر بیوی کو اپنے بچھونے پر بلائے اور عورت آنے سے انکار کر دے اور اس کا شوہر اس بات سے ناراض ہو کر سو رہے تو رات بھر خدا کے فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ ان حدیثوں سے سبق ملتا ہے کہ شوہر کا بڑا حق ہے اور ہر عورت پر اپنے شوہر کا حق ادا کرنا فرض ہے۔ شوہر کے حقوق بہت زیادہ ہیں، ان میں سے نیچے لکھے ہوئے یہ چند حقوق بہت زیادہ قابل لحاظ ہیں۔

(۱) عورت بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے گھر سے باہر نہیں جائے۔ نہ اپنے رشتہ داروں کے گھر، نہ کسی دوسرے کے گھر۔

(۲) شوہر کی غیر موجودگی میں عورت پر فرض ہے کہ شوہر کے مکان اور مال و سامان کی حفاظت کرے اور بغیر شوہر کی اجازت کے کسی کو بھی مکان میں نہ آنے دے نہ شوہر کی کوئی چھوٹی بڑی چیز کسی کو دے۔

(۳) شوہر کا مکان اور مال و سامان یہ سب شوہر کی امانتیں ہیں اور بیوی ان سب چیزوں کی امین ہے۔ اگر عورت نے اپنے شوہر کی کسی چیز کو جان بوجھ کر برباد کر دیا تو عورت پر امانت میں خیانت کرنے کا گناہ لازم ہوگا اور اس پر خدا کا بہت بڑا عذاب ہو گا۔

(۴) عورت ہرگز ہرگز کوئی ایسا کام نہ کرے جو شوہر کو ناپسند ہو۔

(۵) بچوں کی نگہداشت، ان کی تربیت اور پرورش، خصوصاً شوہر کی غیر موجودگی میں عورت کے لئے بہت بڑا افریضہ ہے۔

(۶) عورت کو لازم ہے کہ مکان، سامان اور اپنے بدن اور کپڑوں کی صفائی ستھرائی کا خاص طور پر دھیان رکھے۔ پھوہڑ، میلی کچیلی نہ رہے۔ بلکہ بناؤ سنگھار سے رہا کرے۔ تا کہ شوہر اس کو دیکھ کر خوش ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''بہترین عورت وہ ہے کہ جب اس کا شوہر کسی بات کا حکم دے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے اور اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اپنے بناؤ سنگھار اور اپنی اداؤں سے شوہر کا دل خوش کر دے اور اگر شوہر کسی بات کی قسم کھا جائے تو وہ اس کی قسم کو پوری کر دے اور اگر شوہر غائب رہے تو وہ اپنی ذات اور شوہر کے مال میں حفاظت اور خیر خواہی کا کردار ادا کرتی رہے''۔

بیوی کے اوپر شوہر کے منجملہ حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے ماں باپ بہن بھائیوں کا احترام کرے۔ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور اگر وہ لوگ بدسلوکی کریں تو اسے برداشت کرے خصوصاً اپنی ساس اور سسر کی زیادتیوں کو سہنے کی کوشش کرے کیونکہ آگ، آگ سے نہیں پانی سے بجھتی ہے اور جب کسی معاملے میں نرمی کی جائے تو اس کے اندر حسن اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے بیوی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی انانیت اور خودسری اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھے اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور اس کی طرف سے اجر ملے گا، مرد کی نظر میں اس کا احترام اور

قدر ومنزلت بڑھے گی اس کی طرف سے عزت ومحبت اسے حاصل ہوگی۔ نیز بیوی اس حقیقت کو ہمیشہ یادرکھے کہ اس کے سسراوراس کی ساس نے اس کے خاوند کی بچپن سے پرورش کی ہے جب وہ بڑا ہوا تو اس کی تعلیم وتربیت کی اس لئے اس کے شوہر کا اولین کام یہ ہے کہ پہلے اپنے ماں باپ کے اس قرض کو چکائے اور بیوی کا فرض یہ ہے کہ اس مقدس فرض کی ادائیگی کے لئے اپنے شوہر کی مدد کرے اوراس کا ہاتھ بٹائے۔ بیوی کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ بدلہ دینے اور حساب لینے والا حاکم اعلیٰ کبھی نہ مرے گا اور ہر آدمی جیسا ایک دوسرے کے ساتھ کرتا ہے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاتا ہے اس لئے آج اگر بیوی نے اپنے خاوند کے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو کل کو بڑھاپے میں اس کی بہوبیٹیاں اس کے ساتھ اچھا سلوک کرینگی اور نیک کام کرنے والوں کا اجر اللہ تعالیٰ کبھی ضائع نہیں کرتا۔

یہ زریں ہدایات ہیں جنہیں پس پشت ڈال کر آج خاندان کے خاندان تباہ اور رشتہ داریاں ٹوٹتی جارہی ہیں بصورت دیگر اپنے ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کا مرتکب ہو کر شوہر دنیا وآخرت میں شقی ازلی اور بدبخت بنتا جارہا ہے اوراس کی تمام ذمہ داریاں اس کی اپنی بیوی پر آتی ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین)

بیوی کے حقوق

شوہر بیوی کے حقوق کا خیال رکھے

میاں بیوی کی خوشگوار زندگی بسر ہونے کے لئے جس طرح عورتوں کو مردوں کے جذبات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اسی طرح مردوں کو بھی لازم ہے کہ عورتوں کے جذبات کا خیال رکھیں، ورنہ جس طرح مرد کی ناراضگی سے عورت کی زندگی جہنم بن جاتی ہے، اسی طرح عورت کی ناراضگی بھی مردوں کے لئے وبال جان ہو جاتی ہے۔

☆ مرد کو چاہیے کہ کبھی بھی اپنی عورت کے سامنے کسی دوسری عورت کے حسن و جمال یا اس کی خوبیوں کا ذکر نہ کرے، ورنہ بیوی کو فوراً ہی بدگمانی اور یہ شبہ ہو جائے گا کہ شائد میرے شوہر کا اس عورت سے کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔

☆ مرد بلاشبہ عورت پر حاکم ہے۔ لہٰذا مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ بیوی پر اپنا حکم چلائے، مگر پھر مرد کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بیوی سے کسی ایسے کام کی فرمائش نہ کرے جو اس کی طاقت سے باہر ہو یا وہ اس کام کو انتہائی ناپسند کرتی ہو۔

☆ مرد کو چاہیے کہ عورت کی غلطیوں پر اصلاح کے لئے روک ٹوک کرتا رہے۔ کبھی سختی اور غصہ کے انداز اور کبھی محبت اور پیار اور ہنسی خوشی کے ساتھ بات چیت کرے۔

☆ شوہر کو یہ بھی چاہیے کہ سفر میں جاتے وقت اپنی بیوی سے انتہائی پیار و محبت کے ساتھ ہنسی خوشی سے ملاقات کر کے مکان سے نکلے اور سفر سے واپس ہو کر کچھ نہ کچھ سامان بیوی کے لئے ضرور لائے اور بیوی سے یہ کہے کہ یہ خاص تمہارے ہی لئے لایا ہوں۔ شوہر کی اس ادا سے عورت کا دل بڑھ جائے گا۔

☆ عورت اگر میکہ سے کوئی چیز لا کر یا خود بنا کر پیش کرے تو مرد کو چاہئے کہ اگر چہ وہ چیز بالکل ہی گھٹیا درجے کی ہو۔ مگر اس پر خوشی کا اظہار کرے اور نہایت ہی تپاک اور انتہائی چاہ کے ساتھ اس کو قبول کرے اور چند الفاظ تعریف کے بھی عورت کے سامنے کہہ دے تا کہ عورت کا دل بڑھ جائے اور اس کا حوصلہ بلند ہو جائے۔

☆ عورت اگر بیمار ہو جائے تو شوہر کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ عورت کی غم خواری اور تیمارداری میں ہرگز ہرگز کوتاہی نہ کرے، بلکہ اپنی دلداری و دلجوئی اور بھاگ دوڑ سے عورت کے دل پر یہ نقش بٹھادے کہ میرے شوہر کو مجھ سے بے حد محبت ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت شوہر کے اس احسان کو یاد رکھے گی، اور وہ بھی شوہر کی خدمت گزاری میں اپنی جان لڑادے گی۔

☆ شوہر کو چاہیے کہ اپنی بیوی پر اعتماد اور بھروسہ کرے۔ گھریلو معاملات اس کے سپرد کردے، تا کہ بیوی اپنی حیثیت کو پہچانے اور اس میں خود اعتمادی پیدا کرے اور وہ نہایت ہی دلچسپی اور کوشش کے ساتھ گھریلو معاملات کے انتظام کو سنبھالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں اور محافظ ہے اور اس معاملہ میں عورت سے قیامت میں خداوند قدوس پوچھ گچھ فرمائے گا۔

☆ عورت کا اس کے شوہر پر ایک حق یہ بھی ہے کہ شوہر کے بستر کی راز والی باتوں کو دوسروں کے سامنے بیان نہ کرے۔ بلکہ اس کو راز بنا کر اپنے دل ہی میں رکھے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خدا کے نزدیک بدترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے پاس جائے تو پھر اس کی پردہ کی باتوں کو لوگوں پر ظاہر کرے اور اپنی بیوی کو دوسروں کی نگاہوں میں رسوا کرے۔

☆ شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے سامنے آئے تو میلے کچیلے گندے کپڑوں میں نہ آئے، بلکہ بدن اور لباس و بستر وغیرہ کی صفائی ستھرائی کا خاص طور پر خیال رکھے۔ کیونکہ شوہر جس طرح یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی بناؤ سنگھار کے ساتھ رہے۔ اسی طرح عورت بھی یہ چاہتی

ہے کہ میرا شوہر میلا کچیلا نہ رہے۔ لہٰذا میاں بیوی دونوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے جذبات واحساسات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات سے سخت نفرت تھی کہ آدمی میلا کچیلا بنا رہے اور اس کے بال الجھے رہیں۔

☆ عورت کا اس کے شوہر پر یہ بھی حق ہے کہ عورت کی نفاست اور بناؤ سنگھار کا سامان یعنی صابن، تیل، کنگھی، مہندی، خوشبو وغیرہ فراہم کرتا رہے، تاکہ عورت اپنے آپ کو صاف ستھری رکھ سکے اور بناؤ سنگھار کے ساتھ رہے۔

☆ شوہر کو چاہیئے کہ معمولی معمولی، بے بنیاد باتوں پر اپنی بیوی کی طرف سے بدگمانی نہ کرے، بلکہ اس معاملہ میں ہمیشہ احتیاط اور سمجھداری سے کام لے۔ یاد رکھو کہ معمولی شبہات کی بناء پر بیوی کے اوپر الزام لگانا یا بدگمانی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

☆ اگر میاں بیوی میں کوئی اختلاف یا کشیدگی پیدا ہو جائے تو شوہر پر لازم ہے کہ طلاق دینے میں ہرگز ہرگز جلدی نہ کرے، بلکہ اپنے غصہ کو ضبط کرے اور غصہ اتر جانے کے بعد ٹھنڈے دماغ سے سوچ بچار کر اور لوگوں سے مشورہ لے کر یہ غور کرے کہ کیا میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر بناؤ اور نباہ کی کوئی شکل نکل آئے تو ہرگز ہرگز طلاق نہ دے۔ کیونکہ طلاق کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

☆ اگر خدانخواستہ ایسی سخت ضرورت پیش آجائے کہ طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو ایسی صورت میں طلاق دینے کی اجازت ہے۔ ورنہ طلاق کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔

☆ اگر کسی کے پاس دو بیویاں یا اس سے زیادہ ہوں تو اس پر فرض ہے کہ تمام بیویوں کے درمیان عدل اور برابری کا سلوک اور برتاؤ کرے، کھانے، پینے، مکان، سامان، روشنی، بناؤ سنگھار کی چیزوں غرض تمام معاملات میں برابری برتے۔ اسی طرح ہر بیوی کے پاس رات گزارنے کی باری مقرر کرنے میں بھی برابری کا خیال ملحوظ رکھے۔ یاد رکھو کہ اگر کسی نے اپنی تمام بیویوں کے ساتھ یکساں اور برابر سلوک نہیں کیا تو وہ حق العباد میں گرفتار

اور عذاب جہنم کا حقدار ہوگا۔

☆ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جس شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور اس نے ان کے درمیان عدل اور برابری کا برتاؤ نہیں کیا تو وہ قیامت کے دن میدانِ محشر میں اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ اس کا آدھا بدن مفلوج (فالج لگا ہوا) ہوگا۔ اگر بیوی کے کسی قول وفعل، بدگوئی، بداخلاقی، سخت مزاجی، زبان درازی وغیرہ سے شوہر کو بھی کچھ اذیت اور تکلیف پہنچ جائے تو شوہر کو چاہیئے کہ صبر وتحمل اور برداشت سے کام لے۔ کیونکہ عورتوں کا ٹیڑھا پن ایک فطری چیز ہے۔

☆ شوہر کو چاہیئے کہ عورت کے اخراجات کے بارے میں بہت زیادہ بخیلی اور کنجوسی نہ کرے، نہ حد سے زیادہ فضول خرچی کرے۔ اپنی آمدنی کو دیکھ کر بیوی کے اخراجات مقرر کرے۔ نہ اپنی طاقت سے بہت کم، نہ اپنی طاقت سے بہت زیادہ۔

☆ شوہر کو چاہیئے کہ اپنی بیوی کو گھر کی چار دیواری کے اندر قید کر کے نہ رکھے۔ بلکہ کبھی کبھی والدین اور رشتہ داروں کے یہاں آنے جانے کی اجازت دیتا رہے۔ اور اس کی سہیلیوں اور رشتہ داری والی عورتوں اور پڑوسنوں سے بھی ملنے جلنے پر پابندی نہ لگائے۔ بشرطیکہ ان عورتوں کے میل جول سے فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو اور اگر ان عورتوں کے میل ملاپ سے بیوی کے بدچلن یا بداخلاق ہو جانے کا خطرہ ہو تو ان عورتوں سے میل جول پر پابندی لگا دینا ضروری ہے اور یہ شوہر کا حق ہے۔

شوہر کے دینی واخلاقی فرائض

شوہر کا دائرہ عمل خاندان کی مادی ضروریات پوری کرنے تک محدود نہیں ہے۔ اسلام شوہر پر روحانی، اخلاقی اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داریاں بھی اسی طرح عائد کرتا ہے، بلکہ خوراک اور لباس کی فراہمی سے اسے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ مادی ضروریات انسان کی اس فانی دنیا میں عارضی حاجات ہیں جب کہ روحانی اور اخلاقی اقدار آخرت کی دائمی زندگی

کے لئے کامیابی اور نجات کا ذریعہ ہیں اس لئے ایک شوہر اور باپ کے لئے اشد ضروری ہے کہ اپنے خاندان کی دینی اور روحانی تربیت کی طرف بھرپور توجہ دے۔اس ذمہ داری کو صف اول پر جگہ دے۔

خاندان کی دینی، روحانی اور اخلاقی اقدار کی بالیدگی ایسے حقوق ہیں جو گھر کے سربراہ پر فرض ہیں اور ان کی عدم ادائیگی پورے خاندان کی بربادی کا سبب بن سکتی ہے۔ بڑی بدقسمتی ہے کہ موجودہ دور میں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کو خیر باد کہہ دیا گیا ہے۔اس یقین کے بعد کہ وہ اپنے خاندان کی مادی ضروریات کو احسن طریقے سے پورا کر رہا ہے وہ مطمئن ہو جاتا ہے۔اس کی زندگی کا بیشتر حصہ دینوی تگ ودو میں صرف ہوتا ہے جو اکثر اوقات صرف بے سود ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ اخروی زندگی کے لحاظ سے تباہ کن بھی ثابت ہوتا ہے۔

دینوی زندگی کے معیار کو بڑھانے اور بہتر کرنے کی جنونی خواہش شوہروں کو دولت کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے کے لئے مجبور کر دیتی ہے جو اس کے خاندان کے لئے ناقابل تلافی زیاں کا سبب بنتا ہے۔قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ شوہر کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ خود کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی ہمیشگی کے عذاب سے بچائے، لیکن وہ اپنے اندر اس منصب کے احساس سے غافل ہے کہ وہ خاندان کا دینی پیشوا بھی ہے، بیوی اور بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے فرض سے پہلو تہی کر کے اپنے خاندان کے لئے جہنم کا راستہ صاف کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد کو اپنے خاندان کا حاکم مقرر کیا ہے۔اس اعلیٰ منصب کے سبب شریعت نے اس پر اپنے خاندان کی دین کے راستے پر راہنمائی اور تربیت کا فرض سونپا ہے۔ اس پر یہ ذمہ داری زندگی بھر کے لئے ہے، زندگی کے کسی حصے میں اور کسی وقت بھی وہ اس سے پہلو تہی نہیں کر سکتا۔ یہ پاکیزہ ذمہ داری تمام اوقات پر محیط ہے۔صبح آنکھیں کھولنے کے وقت سے لے کر رات تک جب سب گھر والے سونے کیلئے اپنے اپنے بستروں میں

چلے جائیں۔ایک بہی خواہ اور دانا حاکم سے یہ منصب اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ ہر وقت ہوشیار اور چوکنا رہے اور اپنی تمام تر ذہنی صلاحیت، کوشش، وقت اور دولت کو اپنے خاندان کی فلاح بہبود کے لئے صرف کرے۔

خاندان کی دینی اور روحانی کامیابی جس سے نہ صرف وہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچ جائے گا بلکہ اس خدمت کے عوض اللہ تعالیٰ اس کے درجات بھی بلند فرمائے گا۔

شوہر اور والد کو حاکم مقرر کیا گیا ہے تاکہ وہ صراط مستقیم کی طرف اپنے خاندان کی راہنمائی کرے۔اس کی برتر حیثیت اس امر کا تقاضہ کرتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کی حفاظت کرے اور اس عظیم ذمہ داری سے کماحقہ عہدہ برآ ہو۔گھر کے افراد کو نہ صرف کوئی جسمانی ایذا پہنچے بلکہ جنت کے راستہ میں جو دشمن اس کی گھات میں ہے اس سے صاف بچالے جائے۔ لاتعداد نفسانی خواہشات، روحانی ڈاکو اور بدمعاش اس کو بھٹکانے کی اپنی سی کوشش کریں گے۔ جنت کی راہ بڑی پرخار ہے جو برائیوں کی جھاڑیوں سے اٹی پڑی ہے۔ برائیاں جو دیکھنے میں بڑی پرکشش اور دلفریب ہیں۔ یہ درحقیقت بدی کے جال ہیں جو جنت کی راہ میں شیطان نے جابجا پھیلا رکھے ہیں۔وہ اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس جھاڑ جھنکار کو صاف کرتا جائے اور اپنے خاندان کی منزل مقصود تک رہنمائی کرے۔

اس پرآشوب دنیا میں اللہ تعالیٰ نے شوہر کو اپنے خاندان کا رہنما، محافظ اور حاکم مقرر کیا ہے۔اس پر لازم ہے کہ وہ اپنا فرض خاندان کی رہنمائی کا پاکیزہ فرض بڑی عقلمندی، ہوشیاری اور الفت ومحبت سے سرانجام دے اور اخروی ٹھکانے جنت کو اس کے لئے آسان کردے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا کی بھول بھلیوں میں کھو جانے کے لئے نہیں بھیجا۔ دولت کا حصول اور دنیوی جاہ وحشمت اور کامیابی انسان کا مقصد حیات نہیں ہے۔نفسانی خواہشات کا پیچھا کرنا دین کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔شوہر کی اولین ذمہ داری

اپنے خاندان کی روحانی اور اخلاقی اقدار کا تحفظ ہے۔آج کتنے شوہر ہیں جو اپنی بیویوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے سنجیدہ ہیں؟ کتنے باپ ہیں جو اپنے بچوں کی تربیت میں مصروف ہیں اور اس سمت تہ دل سے کوشاں ہیں؟ اگر وہ ایمانداری سے اپنے دل کو ٹٹولیں تو وہ دیکھیں گے کہ انہوں نے اپنے خاندان کی ابدی خوشحالی پر بہت کم توجہ دی ہے۔آج کل بیشتر شوہروں کی اولین ترجیح دولت اور دینوی جاہ وحشمت کا حصول ہے۔یہی وجہ ہے کہ مرد تمام دن اپنے کاروبار میں مصروف رہتا ہے۔شام کو گھر آ کر وہ بہت تھکا ماندہ ہوتا ہے یا تھکاوٹ کا محض بہانہ کرتا ہے تاکہ اپنے دینی فرائض سے پہلوتہی کر سکے، یا اپنے دوستوں کی محفل میں گپ شپ کے لئے جانا ہوتا ہے اور یوں وہ خاندان کے افراد کو شیطان کا لقمہ تر بننے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سنجیدگی اور ایمانداری سے اس امر کا اندازہ لگائے کہ اپنے اہل کنبہ کا کس قدر خیال رکھتا ہے۔خاندان کا سربراہ اگر اپنے خاندان کے ساتھ اپنے تعلقات کا محاسبہ کرے تو وہ خود کو ایسا خیر خواہ حاکم نہ پائے گا جو اللہ کی طرف سے تفویض کردہ فرائض اور حقوق کی بجا آوری میں مخلص ہو۔اس کے برعکس وہ خود کو ظالم، خائن اور ایک ایسا آدمی پائے گا جو خود اپنی خواہشات کا اسیر ہو۔اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے اس نے اس حقیقت کی طرف سے آنکھیں پھیر لی ہیں کہ حاکم کی حیثیت سے اس کی اپنے خاندان کے لئے کوئی دینی ذمہ داریاں بھی ہیں۔وہ سینکڑوں بہانے تراش لیتا ہے اور ایسی مصروفیات کا ذکر کرتا ہے جو اس نے خواہ مخواہ اپنی دینوی اور نفسانی خواہشات کے لئے خود پر لازم کر لی ہوتی ہیں۔ (بحوالہ از اصلاح معاشرہ کے رہنما اصول)

❁❁❁❁❁❁

پڑوسیوں کے حقوق

حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں جس قدر قرب ہمسائے کو ہوتا ہے اگر اس کو اس قدر حقوق نہ دیئے جاتے تو معاشرے میں واضح انتشار پیدا ہو جاتا، ذرا تصور کریں اگر ہمسایہ بد باطن ہو، دشمن ہو، لڑائی جھگڑے پر ہر وقت مصر ہو، دوسروں کے مال، آرام اور سکون کا دشمن ہو تو بھلا ایسے ماحول میں گزر بسر کرنا ممکن ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں۔ ایسا ماحول تو جہنم کدہ ہی ہو سکتا ہے اسلام جس معاشرے کا داعی ہے اس میں ہمسایہ دشمن نہیں ہوگا بلکہ صحیح معنوں میں محافظ ہوگا، امیر وغریب کی تفریق نہیں ہوگی بلکہ سب بہن بھائی ہوں گے اس کی شہادت قرآن وحدیث کے ان احکامات سے ہوتی ہے۔

حضرت ابوشریح عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں نے (حضور ﷺ کا) یہ فرمان سنا جب آپ ﷺ فرما رہے تھے تو میری دونوں آنکھیں انہیں دیکھ رہی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو کوئی خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات بولے یا پھر خاموش رہے۔ (صحیح مسلم، وصحیح بخاری)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر! جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی زیادہ رکھ اور اپنے ہمسائے کی خبر گیری کر۔ (یعنی انہیں سالن میں سے تحفہ بھیج)۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے! اے مسلمان عورتو! کوئی ہمسائی کسی ہمسائی کے لیے (تحفے کو) حقیر نہ سمجھے چاہے (وہ تحفہ) بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک دن آنحضرت

ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے دو ہمسائے ہیں تو میں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں، تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب۔

(صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص مؤمن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہوتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں بہترین دوست وہ لوگ ہیں جو اپنے دوستوں کے لیے بہترین ہیں اور اللہ کے ہاں بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے لیے بہترین ہے۔ (بحوالہ ترمذی)

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہمسایہ کا حق یہ ہے کہ!

اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کر۔

اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔

اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو تو اسے (بشرط استطاعت) قرض دے۔

اگر وہ کوئی بُرا کام کر بیٹھے تو تو اس کی پردہ پوشی کر۔

اگر اسے کوئی نعمت ملے تو تو اسے مبارکباد دے۔

اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تو اسے تسلی دلاسا دے۔

تو اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کر کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے۔

تو اپنی ہنڈیا کی ہمک سے اسے اذیت نہ دے الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اسے بھی بھیج دے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ہمسائیگی اور پڑوس کے تعلق کی عظمت

انسان کا اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق ہمسایوں اور پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے، اور اس کی خوش گواری اور ناخوش گواری کا زندگی کے چین وسکون پر اور اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں ہمسائیگی اور پڑوس کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے، اور اس کے احترام ورعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو جزوِ ایمان اور داخلۂ جنت کی شرط اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا معیار قرار دیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں قرآن کریم کی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھئے:۔

﴿واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربٰی والیتٰمٰی والمسٰکین والجار ذی القربٰی والجار الجنب والصاحب بالجنب ......الأیۃ﴾

''اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور (اپنے) والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور (دوسرے) اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی، اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی۔'' (سورۂ نساء ۳۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت وعبادت اور توحید بیان کرنے کے بعد سب سے پہلے والدین کے حقوق کا ذکر کیا۔ پھر دوسرے نمبر پر تمام رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی پھر تیسرے نمبر پر یتیموں اور مسکینوں کے حق کو بیان فرمایا اور چوتھے نمبر پر قریب والے پڑوسی کا حق بیان فرمایا اور پانچویں نمبر پر دور کے پڑوسی کا

حق بیان فرمایا یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کا حکم دیا۔

اس آیت میں پڑوسی کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں ایک "جار ذی القربیٰ" دوسرے "جار جنب" ان دو قسموں کی تفسیر و تشریح میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مختلف اقوال ہیں۔ عام مفسرین نے فرمایا کہ "جار ذی القربیٰ" سے مراد پڑوسی ہے جو تمہارے مکان کے متصل رہتا ہے، اور "جار جنب" سے وہ پڑوسی مراد ہے، جو تمہارے مکان سے کچھ فاصلہ پر رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ "جار ذی القربیٰ" سے وہ شخص مراد ہے جو پڑوسی بھی ہے اور رشتہ دار بھی۔ اس طرح اس میں دو حق جمع ہو گئے اور "جار جنب" سے مراد وہ ہے جو صرف پڑوسی ہے رشتہ دار نہیں۔ اس لئے اس کا درجہ پہلے سے مؤخر رکھا گیا ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ: "جار ذی القربیٰ" وہ پڑوسی ہے۔ جو اسلام برادری میں داخل ہے، اور مسلمان ہے۔ اور "جار جنب" سے غیر مسلم پڑوسی مراد ہے۔

الفاظ قرآن ان سب معانی کو محتمل ہیں، اور حقیقت کے اعتبار سے بھی درجہ میں فرق ہو جانا امر معقول ہے اور معتبر ہے، اور پڑوسی کے رشتہ دار یا غیر ہونے کے اعتبار سے بھی، اور مسلم اور غیر مسلم ہونے کے اعتبار سے بھی، اور اس پر سب کا اتفاق ہے، کہ پڑوسی خواہ قریب ہو یا بعید، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار، مسلم ہو یا غیر مسلم ہو، بہر حال اس کا حق ہے، بقدر استطاعت کے امداد و اعانت اور خبر گیری لازم ہے۔

(معارف القرآن، جلد دوم، تفسیر ابن کثیر)

اس حدیث کی تشریح کے بعد اب آپ پڑوسیوں کے حقوق کے سلسلہ میں احادیث رسول اللہ ﷺ پڑھیے:......

پڑوس کے بارے میں حضرت جبرائیلؑ کی مسلسل نصیحت اور تاکید

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "(اللہ کے خاص قاصد) جبرائیل علیہ السلام پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر نصیحت اور تاکید کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دیں گے۔"

(بخاری، جلد دوم، مسلم جلد دوم، معارف الحدیث، جلد ۶)

تشریح:...... اس حدیث سے ہمسایہ کے حقوق یعنی پڑوسیوں کے ساتھ احسان و نیک سلوک کرنے اس کے دکھ درد کو بانٹنے اور اس کو کسی قسم کی تکلیف و پریشانی میں مبتلا نہ کرنے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو جس تواتر اور پابندی کے ساتھ حکم دیتے ہیں اس سے آنحضرت ﷺ نے یہ خیال قائم فرمالیا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام شاید کسی قریبی وقت میں یہ وحی لے کر نازل ہوں کہ پڑوسی آپس میں ایک دوسرے کے وارث قرار دیئے جاتے ہیں۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید، جلد چہارم)

ظاہر ہے کہ اس ارشاد کا مقصد ایک واقعہ کا بیان نہیں بلکہ پڑوسیوں کے حق کی اہمیت کے اظہار کے لئے یہ ایک نہایت مؤثر اور بلیغ ترین عنوان ہے۔

پڑوسیوں کا اکرام

حضرت ابوشریح عدویؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا اور جس وقت آپ ﷺ یہ فرمارہے تھے اس وقت میری آنکھیں آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے۔ اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے لازم

ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے لازم ہے کہ اچھی بات بولے یا پھر چپ رہے۔"

(بحوالہ بخاری، جلد: دوم، مسلم، جلد اول، مجمع الزوائد، جلد: ۸)

وہ شخص مؤمن نہیں، جو خود تو پیٹ بھر کر سوئے، اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کر رات کو (بے فکری سے) سو جائے کہ اس کا برابر رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اس آدمی کو اس کے بھوکے ہونے کی خبر ہو۔" (مسند بزار، معجم کبیر للطبرانی۔ مجمع الزوائد)

پڑوس کی حد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "پڑوس کا حق چالیس گھروں تک ہے۔ یعنی چاروں طرف دائیں بائیں، آگے اور پیچھے (چالیس گھروں تک پڑوس کہلاتا ہے اور اس کا حق ہوتا ہے)۔"

(مسند ابو یعلی۔ مجمع الزوائد، جلد: ۸)

پڑوسیوں کے بعض متعین حقوق

حضرت معاذ بن حیدہؓ فرماتے ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول (ﷺ) پڑوسی کے حقوق کیا ہیں؟...... آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"پڑوسی کے حقوق یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت گیری کرو، اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ، (اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ) اور اگر وہ (اپنی ضرورت کے لئے) قرض مانگے تو (حسبِ استطاعت) اس کو قرض دو، اور اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو، اور اگر اُسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارک باد دو، اور اگر کوئی مصیبت پہنچائے تو تعزیت کرو، اور اپنی عمارت اس کی عمارت

سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور (جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اس کی کوشش کرو کہ) تمہاری ہانڈی کی مہک اس کے لئے (اور اس کے بچوں کے لئے) باعثِ ایذا نہ ہو (یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے) اِلَّا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اس کے گھر بھی بھیج دو (اس صورت میں کھانے کی مہک اس کے گھر تک جانے میں کوئی مضائقہ نہیں)۔"

(بحوالہ طبرانی۔ مجمع الزوائد، جلد: ۸)

ہانڈی میں شوربہ زیادہ کر دے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب تم میں سے کسی کے ہاں سالن کی ہانڈی پکے تو اسے چاہئے کہ شوربہ زیادہ کر لے، پھر اس میں سے کچھ پڑوسی کو بھی بھیج دے۔" (معجم اوسط للطبرانی، مجمع الزوائد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے کے وقت اپنے غریب پڑوسیوں کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے، اس کو زیادہ سالن نہیں دے سکتے تو کم از کم اپنے سالن کا شوربہ ہی اس کو دے دو تا کہ وہ بھی اپنا پیٹ بھر سکے۔

پڑوسی کی تین قسمیں، غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "پڑوسی تین قسم اور تین درجے کے ہوتے ہیں، ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک ہی حق ہو اور وہ (حق کے لحاظ سے) سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے، اور دوسرا وہ پڑوسی جس کے دو حق ہوں اور تیسرا وہ پڑوسی جس کے تین حق ہوں۔"

تو ایک حق والا وہ مشرک (غیر مسلم) پڑوسی ہے، جس سے کوئی رشتہ داری بھی نہ ہو، اس کا صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے۔ اور دو حق والا وہ پڑوسی ہے، جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلمان (یعنی کہ دینی بھائی) بھی ہو، اس کا ایک حق مسلمان ہونے کی وجہ سے

ہوگا اور دوسرا حق پڑوسی ہونے کی وجہ سے۔ اور تین حق والا پڑوسی وہ ہے، جو پڑوسی بھی ہو، مسلم بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو، تو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا ہوگا، دوسرا حق پڑوسی ہونے کا ہوگا، اور تیسرا حق رشتہ داری کا ہوگا۔ (بحوالہ معارف الحدیث، جلد:٦)

وہ آدمی مؤمن اور جنتی نہیں، جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ:

"خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں، خدا کی قسم اس میں ایمان نہیں، خدا کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں۔ (عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! کون شخص؟...... (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس بدنصیب شخص کے بارے میں تین بار قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ وہ مؤمن نہیں ہے؟...... آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:) وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں (یعنی ایسا آدمی ایمان سے محروم ہے)۔" (بحوالہ بخاری، جلد: دوم، مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں۔" (بحوالہ مسلم شریف، جلد: اول)

جنتی اور دوزخی عورت کی پہچان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ فلاں عورت بہت زیادہ نمازیں پڑھتی ہے اور روزے رکھتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے پڑوس کو اپنی زبان درازی سے تکلیف بھی پہنچاتی ہے، آپ ﷺ

نے فرمایا: ''وہ عورت جہنمی ہے۔'' اس شخص نے ایک دوسری عورت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ: یارسول اللہ (ﷺ)! فلاں عورت نہ تو زیادہ روزے رکھتی ہے نہ زیادہ نمازیں پڑھتی ہے لیکن اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف بھی نہیں پہنچاتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جنتی ہے''۔ (بحوالہ مسند احمد، مجمع الزوائد، جلد: ۸)

تشریح: ...... تکلیف دینا تو کسی کو بھی جائز نہیں اور خاص کر پڑوسی کو تکلیف دینے سے پرہیز کرنا لازم ہے کیوں کہ اس کا وبال زیادہ ہے۔ اس حدیث میں ایک ایسی عورت کا ذکر کیا گیا ہے جو نفلی عبادت خوب کرتی تھی مگر صرف زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف دینے کی وجہ سے اس کے نیک اعمال سب ختم ہو گئے اور حضور ﷺ نے اس کو جہنمی فرمایا، اور اس کے مقابلے میں دوسری عورت جو زیادہ نفلی عبادت نہیں کرتی تھی مگر کسی کو تکلیف بھی نہیں دیتی تھی اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جنتی ہے۔

پڑوسی کے گھر جھانکنے والے کے لئے وعید

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جو شخص اپنے پڑوسی کے گھر جھانکے پھر اپنے مسلمان بھائی کے ستر کی طرف دیکھے یا اس کی بیوی کے بالوں کو دیکھے یا اس کے جسم کے کسی بھی حصہ کو دیکھے تو اللہ تعالیٰ پر یہ بات واجب ہو جاتی ہے کہ اس (جھانکنے والے شخص) کو جہنم میں داخل کر دے۔'' (طبرانی۔ مجمع الزوائد، جلد: ۸)

پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے اور گھر سے چوری کرنے پر شدید وعیدیں

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم زنا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟...... انہوں نے کہا وہ حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ پس وہ قیامت تک حرام ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ: ''جو شخص دس عورتوں سے اگر زنا کرے، تو اس کا گناہ اس سے کم ہے کہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔'' پھر آپ ﷺ نے چوری کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ چوری کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، پس وہ حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اگر کوئی شخص دس گھروں سے چوری کرے تو اس کا گناہ اس سے کم ہے کہ اپنے پڑوسی کے گھر سے چوری کرے''۔

(بحوالہ الادب المفرد)

تشریح:...... اس حدیث شریف میں حضور ﷺ نے ہمسائے کے ساتھ برائی کرنے پر گناہ کی زیادتی کا ذکر فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے ہمسائے کی بیوی کے ساتھ زنا کرتا ہے تو اس کو اتنا بڑا گناہ ہوتا ہے کہ اگر وہ دوسری غیر ہمسایہ دس عورتوں کے ساتھ زنا کرتا تو اس کو اتنا گناہ نہ ہوتا جتنا اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرنے پر ہوا۔ گویا ہمسائے کی بیوی سے زنا کرنے کا گناہ دوسری غیر ہمسایہ دس عورتوں سے زنا کرنے سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ (اور ظاہر ہے کہ جس طرح پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا اتنا عظیم گناہ ہے اسی طرح پڑوسی کی بہن، بیٹی، بہو اور ماں کے ساتھ زنا کا گناہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا) اسی طرح اگر کوئی شخص دس گھروں کی چوری کرتا ہے تو اتنا گناہ نہیں ہوتا جتنا اپنے ہمسائے کے گھر کی چوری کرنے پر ہوتا ہے۔ جتنا گناہ زیادہ ہوگا اتنی ہی آخرت میں سزا بھی زیادہ ہوگی اور دنیا میں بھی سزا اس کے علاوہ ملے گی۔ دنیا میں اللہ پاک نے جو سزائیں مقرر کی ہیں کہ زانی کو درے لگائیں جائیں گے یا سنگ سار کیا جائے گا اور چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ تو یہ سزا دنیا میں ملے گی، کیونکہ ہمسائے کے ساتھ برائی کا گناہ دس گناہ سے بھی زیادہ ہے۔ (الادب المفرد مترجم،)

اپنے غریب پڑوسی کی امداد نہ کرنا جنت سے محرومی کا سبب ہے

حضرت انس ابن مالک ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! مجھے کپڑے پہنائیے۔ آپ ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر اس نے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! مجھے کپڑے پہنائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تیرا کوئی ایسا (صاحب استطاعت) پڑوسی نہیں ہے جس کے پاس دو زائد کپڑے ہوں؟...... اس شخص نے کہا کیوں نہیں۔ کئی (صاحب استطاعت) پڑوسی ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

''اللہ تجھے اور اس کو جنت میں اکٹھے نہیں کریں گے، (یعنی اللہ ایسے صاحب استطاعت پڑوسی کو جنت میں داخل نہیں فرمائیں گے جو اپنے غریب پڑوسی کو کپڑے نہ پہنائے یا کسی قسم کی بھی اس کو حاجت ہو اور یہ اس کی اس میں مدد نہ کرتا ہو)۔''

(بحوالہ طبرانی، مجمع الزوائد، جلد: ۸)

تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پڑوسی کا حق ہے

علقمہ بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ ے اپنے والد عبدالرحمٰن کے واسطے سے اپنے دادا ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن (اپنے ایک خاص خطاب میں) ارشاد فرمایا کہ ''کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو اور کیا حال ہے ان کا؟...... (جنہیں اللہ نے علم و تفقہ کی دولت سے نوازا ہے اور ان کے پڑوس میں ایسے پسماندہ لوگ ہیں جن کے پاس دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ نہیں ہے) وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھانے اور ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں، نہ ان کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں، نہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ اور کیا ہو گیا ہے ان (بے عمل اور پسماندہ) لوگوں کو کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے، نہ ان سے نصیحت لیتے ہیں۔ خدا کی قسم! (دین کا علم اور اس کی سمجھ رکھنے والے) لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے (ناواقف اور پسماندہ) پڑوسیوں کو دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش

کریں، اور وعظ ونصیحت (کے ذریعہ ان کی اصلاح) کریں اور انہیں نیک کاموں کی تاکید اور برے کاموں سے منع کریں۔ اور اسی طرح ان کے ناواقف اور پسماندہ پڑوسیوں کو چاہئے کہ وہ خود طالب بن کر اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم وفہم حاصل کریں، اور ان سے نصیحت لیں یا پھر (اگر یہ دونوں طبقے اپنا اپنا فرض ادا نہیں کریں گے) تو میں ان کو دنیا ہی میں سخت سزا دلواؤں گا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر علاقے کے ان لوگوں کو جو دین کا علم رکھتے ہوں اس کا ذمہ دار قرار دیا کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے ناواقف لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور تبلیغ ونصیحت کے ذریعے ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں۔ اور اسی طرح ناواقف لوگوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے اہل علم واہل دین سے تعلیم وتربیت واصلاح کا رابطہ رکھیں۔

اگر رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل جاری رہتا تو امت کے کسی طبقہ میں بھی دین سے بے خبری اور اللہ اور رسول ﷺ سے بے تعلقی نہ ہوتی جس میں امت کی غالب اکثریت آج مبتلا ہے۔

بلاشبہ اس وقت کا سب سے بڑا اور اصلاحی اور تجدیدی کارنامہ یہی ہے، کہ امت میں تعلیم اور تعلّم کے اس عمومی غیر رسمی نظام کو پھر سے جاری اور قائم کیا جائے، جس کی اس حدیث پاک میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ بندے، جن کو اس کی توفیق ملے۔ (بحوالہ معارف الحدیث، جلد:۶)

ہمسائے کے حق کا بیان

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے گھر میں بکری ذبح کی گئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے تو فرمایا، تم لوگوں نے ہمارے یہودی ہمسائے کو بھی گوشت بھیجا یا نہیں؟...... تم لوگوں نے ہمارے یہودی ہمسائے کو بھی

گوشت بھیجا کہ نہیں؟......(یہ جملہ دو مرتبہ کہا) اس کے بعد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''جبرئیل علیہ السلام مجھے ہمسائے کے بارے میں ہمیشہ نصیحت وتاکید فرماتے رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ اسے وارث بنا کر چھوڑیں گے۔''

(بحوالہ ترمذی، جلد:۲)

تشریح:...... اس حدیث پاک سے ہمسائے کے حقوق کی حفاظت میں مبالغہ مقصود ہے، ہمسائے کا لفظ مسلم اور کافر، عابد اور فاسق، دوست اور دشمن، اجنبی اور شہری، عزیز وقریب، اور اجنبی سب کو شامل ہے، اور حسب، مراتب ہر ہمسائے کے حقوق کی نگہداشت لازم ہے۔

ہمسائے سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرے۔ اور اپنی طرف سے اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے، اور اس کی مشکلات ومصائب میں کام آئے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے اس کی مدد کرے۔ اس کے گھر کے سامنے کوڑا نہ ڈالے، اس کے بچوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرے۔ اگر کسی طرح کا کوئی اچھا سلوک نہ کر سکے، تو کم سے کم اتنا ضرور کرے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔

یہودی پڑوسی کو گوشت کا ہدیہ

شیخ الاسلام حضرت حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہم اپنے خطبات میں حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کے خاص شاگرد ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان کا غلام ایک بکری کی کھال اتار رہا تھا، حضرت عبداللہ ابن عمروؓ نے اس غلام سے فرمایا کہ اے لڑکے! جب تم کھال اتار چکو تو سب سے پہلے اس کا گوشت ہمارے یہودی پڑوسی کو بھیجنا۔ ایک صاحب جو قریب میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے تعجب سے کہا:

﴿الیھودی! أصلحک اللہ﴾

''کیا یہودی کو گوشت بھیجا، اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے۔''

مطلب یہ تھا کہ یہودی جو خدا کا دشمن ہے، آپ اس کو ہدیہ بھیج رہے ہیں آپ کا یہ عمل قابل اصلاح ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: ''میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ ﷺ پڑوسی کے بارے میں نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ: پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ آپ اس کو ہمارا وارث بنادیں گے۔''

پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک

اس حدیث کے ذریعہ حضرت عبداللہ ابن عمروؓ نے یہ بتادیا کہ پڑوسی کے ساتھ سلوک کی جو تعلیم حضور اقدس ﷺ نے دی ہے، اس کا تعلق ایمان اور کفر سے نہیں ہے لہٰذا اگر پڑوسی کافر بھی ہے تب بھی بحیثیت پڑوسی کے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔ اس کے کفر سے نفرت کرو، اس کے فسق و فجور سے نفرت کرو، لیکن اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اس لئے کہ یہی حسن سلوک بالآخر دعوت کا ذریعہ بنتا ہے۔ کیونکہ جب تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کروگے اور اس کے ساتھ خوش اخلاقی کا معاملہ کروگے تو اس کی برکت سے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان ڈال دیں۔

قرونِ اُولیٰ میں جو اسلام پھیلا، وہ درحقیقت اسی خوش اخلاقی سے پھیلا، اسی حسن سلوک سے پھیلا۔ لہٰذا اگر کوئی کافر ہے، تو اس کے کفر سے اور اس کی بداعمالیوں سے نفرت کرو، اور اس کے قریب مت پھٹکو۔ لیکن جہاں تک اس کے ادائے حقوق کا تعلق ہے، وہ تمہارے ذمے ضروری ہیں۔ اگر وہ پڑوسی ہے، تو پڑوس ہونے کا حق ادا کرنا چاہئے۔ (اصلاحی خطبات، جلد:۱۲)

یہ آشیانہ کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

مولانا ولی رازی صاحب اپنے حالیہ مضمون میں لکھتے ہیں:۔

دل کی دنیا کے حوالے سے باتیں کرتے ہوئے آج مجھے ایک ایسے ہی بے تاج بادشاہ کی یاد آگئی ہے جسے بچپن میں راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، یہ صاحبِ کشف وکرامت بزرگ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت مولانا اصغر حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو ''حضرت میاں صاحب'' کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت میاں صاحب کے مکان سے کچھ فاصلے پر ایک مسجد تھی جس میں حضرت میاں صاحب نمازیں ادا فرماتے تھے۔ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ مسجد کے راستے میں ایک حویلی نما مکان تھا جس کے دروازے پر نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ حضرت میاں صاحب جب شام کے وقت اس دروازے کے سامنے سے گزرتے تھے تو اپنے جوتے اتار لیتے تھے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر حیرت تھی کہ حضرت صاحبؒ ایسا کیوں کرتے ہیں، شروع میں پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ آخر ایک روز موقع دیکھ کر والد صاحبؒ نے پوچھ ہی لیا کہ حضرت اس مکان میں کون رہتا ہے؟...... اور آپ کے جوتے اتارنے کا کیا سبب ہے؟...... پہلے تو حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''میاں کیا کرو گے پوچھ کے؟......'' پھر کچھ وقفے کے بعد فرمانے لگے کہ: ''اس مکان میں ایک پیشہ ور رنڈی رہتی ہے، اب اس کی عمر ڈھل چکی ہے۔ لیکن جب یہ جوان تھی، تو یہاں لوگوں کا ہجوم روزانہ رہتا تھا، اور اس مکان میں کافی آمد ورفت تھی۔ اب بیچاری روزانہ شام کو بن سنور کر بیٹھ جاتی ہے، اور انتظار کرتی ہے کہ کوئی آئے، سو مجھے خیال آیا کہ شام کو جو لوگ اس کے دروازے سے گزرتے ہوں گے، ان کے جوتوں کی چاپ سن کر اس کو ایک امید پیدا ہوتی ہوگی، کہ شاید کوئی اس کے پاس آیا ہے، اور پھر جب یہ چاپ دور ہو جاتی ہوگی تو اس کی امید ٹوٹتی

ہوگی، تو میاں! ہم کیوں کسی کی ناجائز امید پیدا کرنے اور پھر اس کو توڑنے کا سبب بنیں، ہماری پڑوسن ہے، اپنی ذات سے اس کو تکلیف دینا تو صحیح نہیں۔"

"ذرا سوچئے ان اللہ والوں کی نظر کتنی باریک ہے، کہاں پہنچی؟...... پڑوسی کے حقوق کی بات تو سب ہی نے پڑھی ہے، لیکن اس دِقتِ نظر کے ساتھ پڑوسی کے حقوق کا خیال رکھنا صرف اہلِ دل کا حصہ ہے، اور واللہ یہ فہم ونظر دل کی صفائی اور ٹیوننگ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔"

ان اللہ والوں کی زندگی صحیح معنوں میں اس شعر کا مصداق تھی۔

تمام عمر اسی احتیاط میں گذری
یہ آشیانہ کسی شاکِ چمن پہ باز نہ ہو

(کتابوں کی درسگاہ میں:۱۳۶)

کبوتری کے ایک گھونسلے کی خاطر

حضرت عمرو ابن عاصؓ اور ان کے رفقاء نے مصر کے چند ابتدائی علاقے فتح کرنے کے بعد ایک فوجی قلعہ کا محاصرہ کیا اور چونکہ یہ محاصرہ چھ مہینے جاری رہا، اس لئے یہاں ایک خیمہ نصب کیا گیا، اس خیمے کے متعلق حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم اپنے سفرنامہ "جہان دیدہ" میں لکھتے ہیں:

"اس قلعے پر حملہ کرنے کے لئے حضرت عمروابن عاصؓ نے ایک بڑا خیمہ قلعے کے سامنے نصب فرمایا تھا، پیش قدمی کا ارادہ فرمایا تو اس خیمے کو اکھاڑ کر ساتھ لے جانا چاہا، لیکن جب اکھاڑنے کے لیے آگے بڑھے تو دیکھا کہ خیمے کے اوپر کی جانب ایک کبوتری نے انڈے دے رکھے ہیں، اور ان پر بیٹھی ہے، خیمہ اکھاڑنے سے یہ انڈے ضائع ہوجاتے، اس لئے حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا کہ اس کبوتری نے ہمارے خیمے میں پناہ لی ہے، اس لئے خیمے کو اس وقت تک باقی رکھو جب تک یہ بچے پیدا ہوکر

اڑنے کے قابل نہ ہو جائیں، چنانچہ خیمہ باقی رکھا گیا اور حضرت عمرو بن عاصؓ افراد کو وہاں چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف روانہ ہو گئے۔" (جہاں دیدہ:۱۴۱)

یہ حضرات پرندوں اور حقیر جانوروں کا بھی دل نہیں دکھایا کرتے تھے، پھر کسی انسان کا، کسی مسلمان کا، اور پھر اپنے پڑوسی کا دل کیسے دکھا سکتے تھے؟...... ایسے لوگ انسان کے سچے اور صحیح معنی میں غم خوار ہوتے ہیں۔ مگر افسوس! کہ آج یہ ہمدردی اور غم خواری رخصت ہوتی جارہی ہے۔

بُرے پڑوسی سے اللہ کی پناہ مانگنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ: "اے اللہ! بلاشبہ میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں برے پڑوسی سے جو مستقل جائے قیام میں رہتا ہو، کیونکہ جنگل کا ساتھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے۔" (بحوالہ الادب المفرد مترجم:۱۳۱)

"مستقل جائے قیام" سے وہ مکان اور محلہ مراد ہے جہاں مستقل رہائش ہو وہاں کے برے پڑوسی سے پناہ مانگی کیونکہ اس کے ساتھ زندگی بھر رہنا ہے اور اس کی تکلیفوں سے چارہ نہیں، پوری عمر تکلیفیں سہنا اور برداشت کرنا پڑیں ابتلاء کی بات ہے۔ اگر سفر میں کسی کا ساتھ ہو جائے تو اس سے اتنا زیادہ خوف نہیں کیونکہ وہ تھوڑی سی دیر کا مسئلہ ہوتا ہے۔ سفر ختم ہوا بُرا ساتھ بھی جدا ہوا۔

حصن حصین میں علامہ ابن الجزریؒ نے سنن نسائی، ابن حبان اور حاکم کے حوالے سے جو دعا نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿اللّٰهم انی اعوذبک من جار السوء فی دار المقامة فان جار البارية يتحول﴾

"اے اللہ! میں مستقل قیام کے برے پڑوسی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اس لئے

کہ سفر کا ساتھی تو جدا ہو ہی جاتا ہے۔" (بحوالہ حصن حصین مترجم بحوالہ نسائی، ابن حبان، حاکم)

ظاہر ہے کہ برے پڑوسی کی وجہ سے انسان کی زندگی ناخوش گوار بن جاتی ہے اور آدمی کے چین وسکون پر برا اثر پڑتا ہے اس لئے حدیث میں یہ دعا تعلیم فرمائی ہے: اللہ تعالیٰ ہم سب کو برے پڑوسی سے پناہ عطا فرمائے، آمین۔

برے دن، بری رات، بری ساعت، برے ساتھی اور برے پڑوسی سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہئے

طبرانی میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا فرماتے تھے:

﴿اللّٰهم انی اعذبک من یوم السوء ومن لیلة السوء ومن ساعة السوء ومن صاحب السوء ومن جار السوء فی دار المقامة﴾

"اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، برے دن سے اور بری رات سے اور بری ساعت سے اور برے ساتھ سے اور مستقل قیام کے برے پڑوسی سے۔" (مجمع الزوائد)

ہمسایہ کی شکایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے تکلیف دیتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "جاؤ اور اپنا سامان (گھر سے) نکال کر راستے میں رکھ دو۔" وہ گیا اور اپنا سامان نکال کر راستے میں رکھ دیا، لوگ وہاں جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کیا ہوا؟...... اس نے کہا میرا پڑوسی مجھ کو تکلیف دیتا ہے۔ تو میں نے نبی کریم ﷺ کو جا کر بتایا تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور اپنے سامان کو (گھر سے) نکال کر راستے میں ڈال دو۔ یہ بات سن کر لوگ کہنے لگے۔ اے اللہ اس پر لعنت کر، اے اللہ اس کو رسوا کر۔ یہ بات جب ہمسائے تک پہنچی تو اس نے کہا کہ اپنے گھر میں لوٹ آؤ، خدا کی قسم اب کبھی تکلیف نہ دوں گا۔

حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے پڑوسی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اپنا سامان اٹھاؤ اور راستے میں ڈال دو۔ اب جو شخص وہاں سے گزرے گا اس پر لعنت کرے گا، چنانچہ جو شخص وہاں سے گزرتا اس پر لعنت کرتا وہ شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ نے فرمایا یہ لعنت تو تجھے انسانوں سے ملی ہے۔ اور بلاشبہ خدا کی لعنت انسانوں کی لعنت کرنے سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے شکایت کرنے والے سے فرمایا یہ تیرے ہمسائے کے سمجھانے کے لئے کافی ہوگیا، یا اس قسم کا کوئی جملہ ارشاد فرمایا۔" (بحوالہ الادب المفرد)

ان دونوں حدیثوں میں پڑوسی کی تکلیف سے بچنے کی ایک تدبیر بتائی، اور وہ یہ کہ سامان گھر سے نکال کر باہر ڈال دینے کو فرمایا۔ لوگوں نے دیکھا تو تکلیف دینے والے پڑوسی پر لعنت ملامت کرتے رہے جس سے اس نے محسوس کرلیا کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف دینا صرف اُسی کو تکلیف دینا نہیں بلکہ اس کا وبال مجھ پر بھی پڑنے والا ہے دوسرے مسلمانوں کی نگاہ میں بھی برا بن رہا ہے۔

محمد بن عبداللہ ابن سلامؓ کا واقعہ اپنے اس پڑوسی کے ساتھ جو انہیں تکلیف دیتا تھا

محمد ابن عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پڑوسی نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا صبر کرو، کچھ عرصہ بعد میں نے دوبارہ جا کر عرض کیا کہ میرے پڑوسی نے مجھے بڑی تکلیف پہنچائی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا صبر کرو۔ میں نے تیسری مرتبہ عرض کیا میرے پڑوسی نے تو مجھے تنگ کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا گھر کا سارا سامان اٹھا کر گلی میں ڈال لو اور تمہارے پاس جو آئے اسے یہ بتاتے رہنا کہ میرے پڑوسی نے مجھے بہت پریشان کیا ہوا ہے اس طرح سب اس پر لعنت بھیجنے لگ جائیں گے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے پڑوسی کا اکرام کرنا چاہئے، اور جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہئے۔ اور جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ یا تو وہ خیر کی بات کہے یا چپ رہے۔'' (بحوالہ کنز العمال، جلد:۹)

پڑوسی کو گھر سے نکالنے کا وبال

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے) فرمایا کرتے تھے کہ جو بھی دو آدمی تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھیں پھر اس میں سے ایک مر جائے (اور بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ) دونوں ہی اس قطع تعلقی کی حالت میں مر جائیں تو دونوں ہلاک ہوں گے (یعنی آخرت میں دونوں کو عذاب ہوگا) پھر فرمایا کہ جو بھی کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی پر ظلم اور زیادتی کرے گا یہاں تک کہ اسے اس پر آمادہ کردے گا کہ وہ اپنے گھر سے نکل جائے تو یہ تکلیف دینے والا ہلاک ہو جائے گا، (یعنی آخرت کے عذاب میں پڑے گا)۔ (بحوالہ الادب المفرد: ۱۳۷)

تشریح...... اس حدیث میں قطع تعلق کا وبال بھی مذکور ہے اور یہ بھی کہ اگر کوئی پڑوسی اپنے کسی پڑوسی کو ایسی ایذا و تکلیف پہنچائے کہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے تو ایذا دینے والے کے لئے آخرت میں عذاب ہے۔

واضح رہے کہ جس طرح زبان اور ہاتھ سے تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح بعض افعال اور حرکات و سکنات بھی تکلیف دہ ہوتی ہے مثلاً دو منزلہ مکان ہے یا کئی منزلہ بلڈنگ ہے جس میں لوگ اوپر نیچے رہتے ہیں اور اوپر کی منزل پر رہنے والے اتنی زور زور سے چل پھر رہے ہیں کہ نیچے والوں کے آرام میں خلل آرہا ہے یا زینہ اترتے وقت یا چڑھتے وقت تھپھے لگا کہ اور اچھل اچھل کر جانا کہ جس مکان کے پاس سے گزرے ان

کی نیند میں خلل ہو یا زوردار آواز میں ریڈیو، ٹی وی کھول رکھا ہے جس کی وجہ سے پڑوس والوں کی عبادت وسکون میں خلل آرہا ہے اور ان تکلیفوں کی وجہ سے وہ مکان چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں تو تکلیف دینے والوں کو آخرت میں عذاب ہوگا، یہ بھی یاد رہے کہ یہ حقوق العباد کا معاملہ ہے، جب بندہ معاف نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتے۔

اس لئے وہ حدیث ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے جس کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے پوچھا کہ بتاؤ مفلس کون ہے؟...... صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم اس شخص کو مفلس کہتے ہیں جس کے پاس پیسے نہ ہوں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ حقیقی مفلس یہ نہیں ہے، حقیقی مفلس وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کے پاس نیکیوں کے پہاڑ ہوں گے، اس نے بہت ساری نمازیں پڑھی ہوں گی، روزے رکھے ہوں گے، ذکر اور تسبیحات پڑھی ہوں گی، تعلیم وتبلیغ کی ہوگی، اور دین کی خدمت انجام دی ہوں گی، اور بہت سے حج وعمرے کیے ہوں گے، الغرض نیکیوں سے اس کے میزان عمل کا پلہ بھرا ہوا ہوگا۔

لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا تو دوسری طرف سے وہ اہل حقوق حاضر ہو جائیں گے جن کے اس نے حقوق غصب کئے ہوں گے، کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کی غیبت کی ہوگی، کسی کو مارا ہوگا، کسی کو تکلیف پہنچائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کی جان پر حملہ کیا ہوگا، کسی کی آبرو پر حملہ کیا ہوگا، اس طرح تمام اہل حقوق آکر اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ یا اللہ! اس شخص کی طرف ہمارا یہ حق نکلتا ہے، ہمارا یہ حق نکلتا ہے، وہاں آخرت میں روپے پیسے تو چلیں گے نہیں، وہاں تو نیکیوں کا سکہ چلے گا اور حقوق کی ادائیگی نیکیوں کے ذریعے ہوگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان اصحابِ حقوق کے درمیان اس شخص کی نیکیاں تقسیم کرنا شروع کردیں گے، حتیٰ کی نیکیوں کے پہاڑ ختم ہو جائیں گے، مگر اہل حقوق پھر بھی باقی رہ جائیں گے، پھر دوسرے مرحلے پر یہ کیا جائے گا کہ اصحابِ حقوق

کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے، جب آیا تھا تو جنت میں جانے کا یقین لے کر آیا تھا، لیکن اب وہ جہنم کا رخ کیے ہوئے ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اصل مفلس یہ ہے۔

اس لئے یہ حقوق العباد بڑے ڈرنے کی چیز ہے، یہ توبہ واستغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے جب تک وہ صاحبِ حق معاف نہ کرے۔

چالیس گھر تک پڑوس کہلاتا ہے

اور یہ بھی واضح رہے کہ پڑوسی صرف دائیں بائیں گھر والوں کو نہیں کہتے بلکہ دائیں بائیں اور آگے پیچھے چالیس گھر پڑوس کہلاتا ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ''الادب المفرد'' میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے، کہ جب ان سے پوچھا گیا پڑوسی کون ہے؟......تو انہوں نے فرمایا کہ:

''چالیس گھر آگے، چالیس گھر پیچھے، چالیس دائیں طرف، اور چالیس بائیں طرف۔'' البتہ حسنِ سلوک میں، یا ہدیہ دینے میں، قرب وبعد کا لحاظ رکھنا چاہئے، کہ جو جتنا قریب ہو، اس کو دور والے پر مقدم کیا جائے، یعنی لینے دینے میں قریب والے پڑوسی کو چھوڑ کر دور والے سے ابتدا نہ کی جائے، بلکہ ترتیب اس طرح سے ہونی چاہئے، کہ پہلے قریب والے کو دیا جائے، اور پھر دور والے کو دیا جائے۔ لیکن تکلیف وایذا کسی کو بھی نہ پہنچائے کہ اس کا وبال بڑا سخت ہے۔

جس کا دروازہ قریب ہو ہدیہ دینے میں اس کو ترجیح دی جائے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں کون سے پڑوسی کی طرف ہدیہ بھیجا کروں؟...... آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو، اس کی طرف (ہدیہ بھیجا کرو)۔''

(بحوالہ بخاری شریف، جلد: دوم)

تشریح:...... جس طرح رشتہ داروں میں سے حسن سلوک کا وہ زیادہ مستحق ہے جو رشتہ میں زیادہ قریب ہو یعنی جس سے رشتہ داری جس قدر قریب تر ہو اس کے ساتھ حسن سلوک کا اسی قدر اہتمام کیا جائے۔ اسی طرح پڑوسیوں میں سے جس کے گھر کا دروازہ آپ کے گھر کے دروازے سے زیادہ قریب ہو وہ حسن سلوک کا زیادہ مستحق ہے۔ یعنی اس کے ساتھ حسن سلوک کا زیادہ اہتمام کیا جائے اور زیادہ ہدیہ اس کی طرف بھیجا جائے۔

افسوس کہ آج کل رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، مالی امداد وتعاون اور خوش اسلوبی کے ساتھ رہنے اور خوش گوار تعلق رکھنے کا رواج نہیں رہا، چہ جائیکہ پڑوسی سے اچھی طرح پیش آئیں۔ یا ایمانی زندگی کے اندر بہت بڑا خلا ہے، مؤمن بندہ تو دشمن کو بھی خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

شنیدم که مردان راه خدا
دل دشمنان هم نه کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
که بادو ستانت خلاف ست وجنگ

''ہم نے اللہ والوں کے قصے سنے ہیں کہ انہوں نے دشمنوں کے دل کو بھی رنج وناگوار نہیں کیا تم کو یہ مرتبہ کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے اس لئے کہ دوستوں کے ساتھ تمہارا اختلاف ولڑائی ہے دشمن تو رہے درکنار۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ حال تھا، کہ اگر خود محتاج وضرورت مند ہوتے۔ لیکن دوسرے کی ضرورت اپنے سے مقدم معلوم ہوتی تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک صحابیؓ کو کسی شخص نے بکری کی سری ہدیہ کے طور پر دی۔ انہوں نے خیال فرمایا کہ میرے فلاں ساتھی زیادہ ضرورت مند ہیں، کنبہ والے ہیں، اور ان کے گھر والے محتاج ہیں۔ اس لئے ان کے پاس بھیج دی۔ ان کو ایک تیسرے صاحب

کے متعلق یہی خیال پیدا ہوا، اور ان کے پاس بھیج دی۔ غرض اسی طرح سات گھروں میں پھر کر وہ سری سب سے پہلے صحابیؓ کے گھر لوٹ آئی۔

ایثار و ہمدردی کا انوکھا واقعہ

ایثار و ہمدردی یعنی دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینا، اور دوسرے کے غم اور دکھ درد میں شریک ہونا، اسلام کی معاشرتی تعلیمات میں سے ہے۔ معاشرہ کے اجتماعی نظام کے استحکام اور بقا میں اس کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کی تاریخ میں اسلام کی تعلیم ایثار اور ہمدردی کے بڑے عجیب وغریب واقعات ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ وہ ہے، جو خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تاریخ بغداد'' میں امام واقدی کے حالات میں لکھا ہوا ہے کہ:......

واقدی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے بڑی مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ فاقوں تک نوبت پہنچی، گھر سے اطلاع آئی کہ عید کی آمد آمد ہے اور گھر میں کچھ نہیں، بڑے تو صبر کر لیں گے، لیکن بچے مفلسی کی عید کیسے گزاریں گے؟...... یہ سن کر میں اپنے ایک تاجر دوست کے پاس قرض لینے گیا، وہ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گیا اور بارہ سو درہم کی سر بہ مہر ایک تھیلی میرے ہاتھ میں تھما دی، میں گھر آیا، ابھی بیٹھا ہی تھا کہ میرا ایک ہاشمی دوست آیا، اس کے گھر بھی افلاس وغربت نے ڈیرہ ڈالا تھا، وہ قرض رقم چاہتا تھا، میں نے گھر جا کر اہلیہ کو قصہ سنایا، کہنے لگی، کتنی رقم دینے کا ارادہ کیا ہے؟...... میں نے کہا تھیلی کی رقم نصف نصف کر لیں گے، اسی طرح دونوں کا کام چل جائے گا۔ کہنے لگی بڑی عجیب بات ہے، آپ ایک عام آدمی کے پاس گئے، ان نے آپ کو بارہ سو درہم دیئے اور آپ ایک عام آدمی کے عطیہ کا نصف دے رہے ہیں، آپ اسے پوری تھیلی دے دیں۔ چنانچہ میں نے وہ تھیلی کھولے بغیر سر بہ مہر اس کے حوالہ کر دی، وہ تھیلی لے کر گھر پہنچا تو میرا تاجر دوست اس کے پاس گیا، کہا عید کی آمد آمد ہے، گھر میں کچھ نہیں، کچھ رقم چاہئے۔ ہاشمی

دوست نے وہی تھیلی سر بہ مہر اس کے حوالے کر دی، اپنی ہی تھیلی اسی طرح سر بہ مہر دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی کہ مجرہ کیا ہے؟...... وہ تھیلی ہاشمی دوست کے ہاں چھوڑ کر میرے پاس آیا، میں نے اسے پورا قصہ سنایا، درحقیقت تاجر دوست کے پاس بھی اس تھیلی کے علاوہ کچھ نہیں تھا وہ ساری مجھے دے گیا تھا، اور خود قرض لینے ہاشمی کے پاس چلا، ہاشمی نے جب وہ حوالے کرنا چاہا تو راز کھل گیا، ایثار و ہمدردی کے اس انوکھے واقعہ کی اطلاع جب وزیر یحییٰ بن خالد کے پاس پہنچی تو وہ دس ہزار دینار لے کر آئے، کہنے لگے "ان میں دو ہزار آپ کے، دو ہزار آپ کے ہاشمی دوست کے، دو ہزار تاجر دوست کے اور چار ہزار آپ کی اہلیہ کے کیوں کہ وہ تو سب میں زیادہ قابل قدر اور لائق اعزاز ہے۔

(تاریخ بغداد، جلد:۳)

﴿ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصة......﴾

"یہ تھے وہ لوگ جن میں اسلام کی اخلاقی قدریں آباد تھیں اور جنہیں دیکھ کر غیر مسلم، اسلام قبول کرنے پر خود بہ خود آمادہ ہو جاتے تھے، اب ڈھونڈ، انہیں چراغ رخِ زیبا لے کر!" (کتابوں کی درسگاہ میں)

کوئی مسلمان عورت اپنی پڑوسن کے کسی ہدیہ کو حقیر نہ جانے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رویت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"اے مسلمان عورتو! ہرگز حقیر نہ جانے کوئی عورت اپنے ہمسایہ عورت کے ہدیہ کو اگرچہ ہدیہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔" (بخاری شریف، جلد:۴)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ آپس میں ہدیہ لینے دینے کا رواج رہنا چاہئے، جو کچھ تھوڑا بہت بن پڑے دے دیا کرے۔ نہ دینے والی یہ نہ سوچے کہ یہ ذرا سی چیز کیا دوں اور نہ لینے والی یہ خیال نہ کرے کہ اس نے کیا ذرا سی چیز بھیج دی۔ اس حدیث میں

بکری کا کُھر بطور مثال کے ارشاد فرمایا تاکہ کمی بیشی کا تصور کئے بغیر لینے دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ کی جائے۔ لینے والی اور دینے والی دونوں اپنی پڑوسن کی دلداری پر نظر رکھیں۔ ہدیہ کے کم ہونے کو نہ دیکھیں محبت کے جذبات پر نظر رکھیں۔ آپس میں ہدیہ کا لین دین بڑی اچھی خصلت ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

﴿تهادوا فان الهدية تذهب الضغائن.﴾ (بحوالہ مشکوٰۃ)

''یعنی آپس میں ہدیہ لیا دیا کرو کیوں کہ وہ کینوں کو دور کرتا ہے۔''

لیکن دیتے وقت نیت اللہ کو راضی کرنے کی ہو یہ نیت نہ ہو کہ کل کو یہ بھی ہم کو کچھ دیں گے۔ یعنی ادلے بدلے کی نیت نہ ہو۔ اور کچھ دینے کے بعد ان سے بدلے کی امیدیں بھی نہ باندھیں بلکہ اس کے اجر و ثواب کی امید اللہ تعالیٰ سے رکھیں ایسا ہدیہ یقیناً محبت پیدا کرتا ہے اور کینہ دور کرتا ہے۔ اور جب نیت بدلے کی ہوتی ہے اور ان کی طرف سے کچھ ملتا نہیں ہے پھر اس سے حسد اور کینہ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی محبت کب نصیب ہوتی ہے؟

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قرادؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے وضو کیا تو صحابۂ کرامؓ حضور کے وضو کے پانی کو اپنے بدن پر ملنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرے اسے چاہئے کہ جب بات کرے سچ بولے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے اس کو ادا کرے اور جس کا پڑوسی بنے اس کی ہمسائیگی اچھی کرے۔ یعنی اچھی ہمسائیگی کا ثبوت دے۔'' (مشکوٰۃ شریف)

تشریح:...... اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا

دعویٰ ایسی باتوں کے ذریعہ کرنا کہ جو نفس پر چنداں شاق نہیں کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اس دعوے کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جن چیزوں کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے ان کو اختیار کیا جائے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔ خصوصاً ان احکام پر زیادہ توجہ و مستعدی اور زیادہ پابندی کے ساتھ عمل کیا جائے جن کا تعلق لوگوں کے حقوق اور باہمی معاملات سے ہو اور حقوق و معاملات بھی وہ کہ جن سے اکثر و بیشتر واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ جیسے سچ بولنا، امانت کو ادا کرنا اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھے سلوک اور آداب ہمسائیگی کو لازم پکڑنا، یہ ان صفات میں سے ہیں جن کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت نصیب ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہو تو اپنے عقیدہ و قول اور فعل و عمل سے اس دعوت کو ثابت کرتا رہے بایں طور کے فرائض و واجبات کی بجا آوری کرے۔ حق تعالیٰ جن امور سے راضی و خوشی ہوتا ہے ان کو ہمیشہ اختیار کرتا رہے اور جن چیزوں سے منع کر دیا ہے ان کے قریب بھی نہ جائے۔ اسی بات کو مشہور صوفی خاتون حضرت رابعہ بصریؒ نے ان الفاظ میں نظم کیا ہے۔

تعصی الالہ وانت تظھر حبہ
ھذا لعمری فی القیاس بدیع
لو کان حبک صادقا لاطعتہ
ان المحب لمن یحب مطیع

”تم خدا کی نافرمانی اختیار کیے ہوئے ہو درآنحالیکہ تم اس کی محبت کا دم بھرتے ہو اپنی جان کی قسم یہ چیز قیاس میں بھی نہیں آسکتی۔

اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو یقیناً تم اس کی اطاعت کرتے کیونکہ محبت کرنے والا درحقیقت اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔“

خیر خواہ دوست اور خیر خواہ پڑوسی کی فضیلت

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''خدا کہ نزدیک (ثواب وفضیلت کے اعتبار سے) دوستوں میں بہترین دوست وہ ہے۔ جو اپنے دوستوں کا بہترین خیر خواہ ہو۔ اور خدا کے نزدیک پڑوسیوں میں بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کا بہترین خیر خواہ ہو۔''

(بحوالہ مشکوٰۃ)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ: جو شخص اپنے دوستوں اور اپنے ہمسائیوں کے ساتھ بہت زیادہ احسان وسلوک کرتا ہے، اور ہر حالت میں ان کا خیر خواہ رہتا ہے۔ تو وہ نہ صرف بہترین پڑوسی قرار پاتا ہے۔ بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بہت زیادہ ثواب بھی ملتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی نیکوکاری یا بدکاری کو کس طرح معلوم کر سکتا ہوں؟...... یعنی اگر میں کوئی ایسا کام کروں جس کی شرعاً اچھائی برائی معلوم نہ ہو تو ایسا کونسا ذریعہ ہے جس سے میں یہ معلوم کر سکوں کہ وہ کام کر کے میں نیکوکار بنا ہوں یا بدکار؟...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب تم (اپنے کسی کام کے بارے میں) اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے سنو کہ تم نے اچھا کام کیا ہے تو تمہارا کام اچھا ہے اور جب تم پڑوسیوں کو یہ کہتے سنو کہ تم نے برا کیا ہے تو تمہارا وہ کام برا ہے یعنی تمہارا نیکوکار یا بدکار ہونا تمہارے پڑوسیوں کی گواہی کے ذریعہ معلوم ہوگا۔'' (بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

تشریح:...... ''جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے سنو۔'' میں ''پڑوسیوں'' سے سارے پڑوسی مراد ہیں۔ کیوں کہ دو چار پڑوسی تو کسی غلط بات پر اتفاق کر سکتے ہیں۔

لیکن عام طور پر سارے پڑوسیوں کا کسی ناروا فیصلے اور غلط بات پر متفق ہونا ممکن نہیں ہوسکتا۔ لیکن شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت بھی کی ہے کہ: اس حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ اس کے پڑوسی اہل حق، صاحبِ انصاف اور کسی کام کی اچھائی برائی کو سمجھنے والے ہوں۔ نیز وہ اس شخص سے نہ بہت زیادہ محبت وتعلق رکھتے ہوں، اور نہ ہی بہت زیادہ دشمنی وعداوت رکھتے ہوں۔

یہ حدیث حضرت علیؓ کے اس قول کی تائید کرتی ہے کہ ''مخلوق خدا کی زبان حق تعالیٰ کا قلم ہے،'' یا اسی مفہوم کو یہاں اس محاورے ''زبان خلق نقارۂ خدا'' کے ذریعے ادا کیا جاتا ہے کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

برا کہے جسے عالم اسے برا سمجھو
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

(بحوالہ مظاہر حق جدید جلد:۴)

کامل مؤمن ومسلمان کون ہے؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق کو اسی طرح تقسیم فرمایا ہے جس طرح تمہارے رزق کو تمہارے درمیان تقسیم کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا تو اس شخص کو بھی دیتا ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ) اور اس شخص کو بھی دیتا ہے، جس کو دوست نہیں رکھتا (جیسے فرعون اور قارون وغیرہ) لیکن دین یعنی اچھے اخلاق کی دولت صرف اُسی شخص کو عطا کرتا ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے (حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ دنیاوی مال وہ دولت اور اقتدار تو ہر شخص کو عطا فرما سکتا ہے خواہ وہ اس کا دوست ہو یا نہ ہو لیکن اچھے اخلاق واحوال کی نعمت کا مستحق صرف وہی ہے جو محبوبِ خداوندی ہو) لہٰذا اللہ تعالیٰ کا

کسی شخص کو دین عطا فرمانا اس بات کی علامت ہے کہ اس کو اس نے دوست رکھا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو، اور کوئی بندہ اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔''

(بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

تشریح:...... دل کا اسلام تو یہ ہے کہ اس کو باطل عقائد ونظریات سے پاک رکھا جائے اور زبان کا اسلام یہ ہے کہ اس کو لایعنی باتوں سے محفوظ رکھا جائے۔

لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ: دل اور زبان کے مسلمان ہونے سے مراد وہ تصدیق واقرار ہے۔ جس پر ایمان کی بنیاد ہے، اور اس کے ذریعہ گویا اس طرف اشارہ مقصود ہے، کہ ظاہر وباطن کا ایک ہونا کمالِ ایمان واسلام کی دلیل ہے۔ اور چونکہ دل اور زبان ہی ایمان واسلام کا مدار ہیں، اس لئے خاص طور پر ان دونوں کا ذکر کیا گیا۔

(بحوالہ مظاہر حق جدید۔ جلد: چہارم،)

نیک پڑوسی سعادت مندی کی نشانی ہے

حضرت نافع بن عبدالحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''آدمی کی یہ بھی سعادت مندی ہے کہ ہمسایہ نیک ہو اور سواری عمدہ سیدھی اور مکان وسیع ہو۔'' (بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۸)

تشریح:...... جس طرح برے اور شریر پڑوسی کی وجہ سے سکون برباد ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی نیکوکار صالح پڑوس کی وجہ سے آدمی کو سکون وعافیت حاصل رہتی ہے۔ واقعی جس کو صالح پڑوس مل جائے وہ شخص سعادت مند ہے، اس کو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک صالح مسلمان کی وجہ سے پڑوس

کے سو گھرانوں سے بلاؤں کو دور فرماتے ہیں، اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ گھر تلاش کرنے سے پہلے پڑوسی کو تلاش کرو اور سفر کرنے سے پہلے ساتھی کو تلاش کرو یعنی ایسی جگہ گھر لو کہ آپ کا پڑوسی نیک صالح ہو اور سفر بھی نیکوکار کے ساتھ کرو۔

(بحوالہ مجمع الزوائد، جلد ۸)

قیامت کے دن کتنے ہی پڑوسی اللہ کی بارگاہ میں شکایت کریں گے

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ دینار و درہم کا سب سے زیادہ مستحق اپنے مسلمان بھائی ہی کو سمجھا جاتا تھا، پھر اب ایسا زمانہ آ گیا کہ دینار و درہم مسلمان بھائی سے زیادہ محبوب ہو گئے۔

میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ قیامت کے دن کتنے ہی پڑوسی ایسے ہوں گے جنہوں نے اپنے اپنے پڑوسیوں کو پکڑ رکھا ہو گا۔ اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ اے رب اس نے مجھے چھوڑ کر اپنا دروازہ بند کر لیا تھا اور مجھے اپنے احسان وسلوک سے محروم رکھا تھا۔ (بحوالہ الادب المفرد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ مسلمانوں پر ایسا بھی گزرا ہے جس میں روپیہ پیسہ اپنے مسلمان بھائیوں پر خرچ کرنے کا جذبہ تھا۔ اپنوں پر، غیروں پر اور پڑوسیوں پر خرچ کرنے کا جذبہ تھا، اور انہیں اپنا مسلمان بھائی روپیہ پیسہ سے زیادہ محبوب تھا، پھر وہ زمانہ آیا کہ مسلمانوں کی نسبت پیشہ روپیہ زیادہ محبوب ہو گیا، نہ اپنوں پر خرچ کرتے ہیں نہ دوسروں پر نہ پڑوسیوں پر، پڑوسیوں کی حاجت ہوتی ہے تب بھی ان کو نہیں دیتے، ان کو دیکھ کر دروازے بند کر لیتے ہیں۔ ان کی حاجتیں پوری نہیں کرتے۔ قیامت کے دن بہت سے پڑوسی ایسے ہوں گے جو اپنے پڑوسی کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر کریں گے اور شکایت کریں گے کہ اس نے اپنا دروازہ بند کر لیا تھا مجھے قریب نہ پھٹکنے دیتا تھا اور میری حاجت وضرورت کا خیال نہ کرتا تھا۔ لہٰذا پڑوسیوں کا خیال رکھا

جائے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں پکڑ ہو جائے۔

جب پڑوسی اپنے پڑوسی کو قتل کرے گا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الادب المفرد'' میں اس حدیث کو نقل کیا ہے جس کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿**لاتقوم الساعة حتی یقتل الرجل جاره واخاه واباه**﴾ ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ آدمی اپنے ہمسایہ کو اپنے بھائی کو اپنے باپ کو قتل نہ کرے۔''

تشریح:...... اس حدیث میں فرمایا ہے کہ دنیا میں ایسے ایسے پڑوسی بھی ہوں گے جو اپنے پڑوسی کو قتل کر دیں گے۔ پڑوسی تو پڑوسی اپنے بھائی اور باپ کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ ان کا بھی خون کر دیں گے۔ ہمارے اس زمانے میں اس کی ابتدا ہو چکی ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟...... (بحوالہ الادب المفرد)

قیامت کے دن سب سے پہلے جھگڑنے والے

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے دو جھگڑے والے دو ہمسائے ہوں گے۔'' (بحوالہ مشکوٰہ)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اہل دوزخ کے بعد حقوق کی عدم ادائیگی سے متعلق جو معاملہ سب سے پہلے پیش ہوگا، وہ ان دو ہمسایہ کا ہوگا۔ جنہیں آپس میں ایک دوسرے سے ایذا رسانی یا حقوق واجب الادا میں تقصیر و کوتاہی وغیرہ سے دوچار ہونا ہوگا۔

ایک بزرگ کا عجیب وغریب واقعہ

امام غزالیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''احیاء العلوم'' میں لکھا ہے کہ کسی بزرگ نے

ذکر کیا کہ ہمارے گھر میں چوہے بہت ہو گئے ہیں۔ اسے کسی نے کہا آپ بلی کیوں نہیں پال لیتے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ڈر ہے کہ کہیں بلی کی آواز سن کر چوہے ہمسایوں کے مکانوں میں نہ چلے جائیں، اور جو بات اپنے لئے نہیں پسند کرتا وہ ان کے لئے پسند کروں؟...... (بحوالہ احیاء العلوم جلد:۲)

یہ لڑنے والے تماشائی ہیں

حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ اپنے پڑوسی سے جھگڑ رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''اپنے پڑوسی سے جھگڑا نہ کرو کیونکہ پڑوسی تو یہاں رہے گا اور (لڑانے والے) باقی لوگ چلے جائیں گے۔''

(بحوالہ کنز العمال، جلد:۹)

تشریح:...... پڑوسیوں کے احوال واخلاق مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے بچے بھی گھر آجاتے ہیں، اور بچوں بچوں کی آپس میں میں لڑائی بھی ہو جاتی ہے، پڑوس کی بکری اور مرغی بھی گھر میں چلی آتی ہے، اوران چیزوں سے ناگواری ہو جاتی ہے۔ بعض مرد اور عورتیں تیز مزاج اور تیز زبان کے ہوتے ہیں۔ بغیر کسی وجہ کے اپنی بدزبانی سے لڑائی کا سامان پیدا کر دیتے ہیں۔

پھر شریر اور حاسد قسم کے لوگ لڑائی جھگڑے کی آگ کو بھڑکانے کے لئے طرح طرح کی باتیں کانوں میں پھونکتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ایسی باتوں سے اور ایسے لوگوں سے بچنا چاہئے۔ اور یہ سوچنا چاہئے کہ مجھے اور اس پڑوسی کو تو اسی محلّہ ہی میں رہنا ہے۔ میں معمولی معمولی سی باتوں کی وجہ سے کیوں اس کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کروں۔ اور پڑوسی کو ایذا دے کر اپنی دنیا وآخرت کو کیوں خراب کروں؟...... یہ لڑانے والے تماشائی ہیں۔ تماشا اور تفریح کر کے چلے جائیں گے۔

حدیث میں پڑوسیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنے پر بڑی سخت وعید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اپنے پڑوسی کو تکلیف دے اس نے مجھ کو تکلیف دی۔ اور جس نے مجھ کو تکلیف دی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی اور جو شخص اپنے پڑوسی سے لڑا وہ مجھ سے لڑا، اور جو مجھ سے لڑا وہ اللہ تعالیٰ سے لڑا۔'' (بحوالہ کنز العمال، جلد۹)

پڑوسیوں کی ایذاؤں پر صبر کرنے والوں کی فضیلت

حضرت مطرف ابن عبداللہؒ فرماتے ہیں مجھے لوگوں کے واسطہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث پہنچی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ خود ان سے میری ملاقات ہو جائے (تا کہ وہ حدیث ان سے براہ راست سن لوں) چنانچہ ایک دفعہ ان سے میری ملاقات ہوگئی تو میں نے ان سے کہا اے ابوذرؓ! مجھے آپ کی طرف سے ایک حدیث پہنچی ہے میں (اس حدیث کو براہ راست آپ سے سننے کے لئے) آپ سے ملنا چاہتا تھا۔ انہوں نے فرمایا اللہ تیرے باپ کا بھلا کرے اب تو تمہاری مجھ سے ملاقات ہوگئی ہے بتاؤ (وہ کون سی حدیث ہے؟) میں نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے آپ سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کو پسند کرتا ہے اور تین آدمیوں سے بغض رکھتا ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا میرے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ میں حضور ﷺ کی طرف سے جھوٹ بیان کروں میں نے کہا: وہ تین آدمی کون سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں؟......

انہوں نے فرمایا کہ: ''ایک تو وہ آدمی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جم کر ثواب کی امید میں غزوہ کرے، اور زوردار جنگ کرے، اور پھر آخر کار شہید ہو جائے، اور اس آدمی کا تذکرہ تمہیں اپنے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مل جائے گا۔'' پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفًا کانھم بنیانٌ مرصوص﴾۔ (سورۂ صف:۴)

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (خاص طور پر) پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس طرح سے مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے، جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔''

میں نے کہا دوسرا کون ہے؟...... انہوں نے فرمایا: ''دوسرا وہ آدمی ہے، جس کا پڑوسی برا ہے، جو اسے تکلیف پہنچاتا رہتا ہے، اور وہ اس کی تکلیفوں پر مسلسل صبر کرتا رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (اس پڑوسی کی اصلاح فرما کر) اسے اور زندگی دے دے، یا پھر اسے دنیا سے اٹھالے۔'' آگے اور حدیث بھی ذکر کی ہے۔

(بحوالہ مجمع الزوائد)

تشریح:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص پڑوسیوں کی طرف سے دی جانے والی تکلیف اور ایذاؤں پر صبر کرے اور لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ اور بدزبانی سے پرہیز کرے وہ شخص اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتے ہیں اور قیامت کے دن صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر و ثواب سے نوازے گا۔

اور تکلیف دینے والے سوچیں کہ ہم کس کا نقصان کر رہے ہیں؟...... یہ خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اپنی آخرت کو خراب کر رہے ہیں۔

آپ اور آپ کے پڑوسی

اسلامی دنیا کے مشہور بزرگ حضرت سہیل تشتری رحمۃ اللہ علیہ کو دنیا سے رخصت ہوئے زمانہ گزر چکا ہے لیکن ان کی زندگی کی ہر روشن جھلک آج بھی روشنی دکھاتی ہے۔ حضرت کے پڑوس میں بالکل ہی دیوار کے نیچے ایک مجوسی رہا کرتا تھا حضرت اپنے پڑوسی کے ساتھ ہر طرح سے اچھا سلوک کرتے، لیکن پڑوسی نہ جانے کیوں حضرت سے دلی بغض رکھتا تھا دل کی جلن نکالنے کے لئے وہ روزانہ رات گئے دیوار سے اپنے گھر کا کوڑا اور غلاظت حضرت سہیلؒ کے گھر میں ڈال دیا کرتا۔

حضرت سہیل تشتری رحمۃ اللہ علیہ بھی ظاہر ہے انسان ہی تھے۔ اس بدسلوکی پر

تکلیف فطرتی بات تھی۔ لیکن طبیعت پر صبر کرتے، صبر سے کام لیتے اور خاموشی سے کوڑا اور غلاظت اپنے ہاتھ سے اٹھا کر باہر پھینک آتے۔ کافی عرصہ تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ مجوسی کوڑا پھینکتا رہا، اور حضرت صاف کرتے رہے، اس دوران حضرت نے خاموشی سے مجوسی کو متوجہ کرنے کی کوشش بھی کی، لیکن پھر بھی وہ اپنی حرکت سے باز نہ آیا۔ حضرت یہ تکلیف سہتے رہے، لیکن جواب میں صبر اور خاموشی کے سوا کبھی کوئی حرکت نہیں کی۔ گھر والے زیادہ پریشان ہوتے اور کچھ کرنا چاہتے، تو حضرت صبر کی تلقین کرتے، اور رات ہی میں کوڑا کرکٹ اٹھا کر باہر پھینک دیتے، تاکہ گھر والے دیکھ کر مشتعل نہ ہوں۔ حضرت بیمار ہوگئے اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پڑوسی مجوسی کو بلوایا، اور تنہائی میں اس سے کہا: ''بھائی! تم جو رات کو کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے، میں صحت مند تھا اور میں رات ہی میں اٹھا کر پھینک دیا کرتا تھا اور اب میں جس حال میں ہوں تم دیکھ رہے ہو، خدا کے لئے اب تم ایسا نہ کرو اس لئے کہ میرے بعد میرے گھر کے لوگ تمہاری اس حرکت کو برداشت نہ کرسکیں گے اور اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں کوئی سخت تکلیف پہنچادیں۔''

حضرت کے اس انداز سے مجوسی کا دل بھر آیا شرمندگی سے اس نے سر جھکا لیا اور بولا حضرت خدا کے لئے مجھے معاف کردیجئے۔ بے شک میں نے آپ کو بہت ستایا اور آپ نے جس صبر کا مظاہرہ کیا یہ بے مثال قوت اسلام ہی کی دین ہے۔ مجھے معاف کیجئے اور مجھے اسلام کا کلمہ پڑھائیے۔ (شعور حیات، مولانا محمد یوسف اصلاحی)

کوڑا پھینکنے والے پڑوسی کے ساتھ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک پڑوسی کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''یہاں دارالافتاء کے عقب میں اوپر کی منزل والے روزانہ دارالافتاء کے اندر کوڑا

پھینک دیا کرتے تھے۔ انہیں کئی بار کہلوایا مگر کوئی اثر نہ ہوا کسی نے مجھ سے کہا کہ ایک ٹرک پتھروں کا منگوا لیتے ہیں اور ان پر برساتے ہیں تو ان کا دماغ درست ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ نہیں یہ مناسب طریقہ نہیں، پھر میں نے پڑوسی کو کہلوایا کہ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ معلوم نہیں کہ آپ کس وقت گھر پر ہوتے ہیں اور فارغ اوقات کیا ہیں۔ میرا یہ پیغام سن کر وہ میرے پاس خود ہی آ گئے۔ میں نے کہا کہ میں آپ کو کچھ ہدایا وغیرہ دینا چاہتا ہوں اس لئے خیال ہوا کہ پہلے جان پہچان ہو جائے تو بہتر ہے وہ کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ہدایا دیا کریں، ہماری تو بدقسمتی ہے کہ اب تک محروم رہے۔ میں نے کوڑے کی ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ نہیں آپ کے ہاں سے تو وافر مقدار میں ہدایا آتے ہیں، ٹوکروں کے ٹوکرے اسی لیے تو خیال ہوا کہ مجھے بھی احسان کا بدلہ دینا چاہئے۔“

هل جزاء الاحسان الا حسان.

جب آپ کے ہاں سے اس قدر ہدایا آتے رہتے ہیں تو مجھے بھی تو کچھ دینا چاہئے۔ وہ بہت نادم ہوئے اور اس کے بعد ان کے گھر سے کوڑا آنا بند ہو گیا۔

(بحوالہ محبت الٰہیہ)

پڑوسیوں کے حقوق کی مزید وضاحت

رحمت عالم ہادی برحق ﷺ نے اپنی تعلیم و ہدایت میں ہمسائیگی اور پڑوس کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے اور اس کے احترام و رعایت پر اس قدر زور دیا ہے کہ اس کو جزو ایمان اور داخلہ جنت کی شرط اور اللہ و رسول ﷺ کی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ہمسایوں کے حقوق اس طرح متعین فرمائے ہیں...... پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو، اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے

جنازے کے ساتھ جاؤ، اگر وہ قرض مانگے تو (بشرط استطاعت) اس کو قرض دو، اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو اس کی پردہ پوشی کرو، اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارکباد دو اور اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو، اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور تمہاری ہانڈی کی مہک پڑوسی کے لئے باعث ایذاء نہ ہو اِلّا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اس کے گھر بھیج دو۔

قریب قریب اسی مضمون کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ سے مروی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ...... اگر تم کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس میں سے پڑوسی کے ہاں بھی ہدیہ بھیجو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو چھپا کر لاؤ اور تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لے کر باہر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کے بچے کے دل میں اسے دیکھ کر جلن پیدا نہ ہو۔

آپ ﷺ کی ان ہدایات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان پر عمل کرنے سے جہاں ہمسایوں سے خوشگوار تعلقات قائم ہوں گے وہاں اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودی بھی حاصل ہے۔ ہمسایوں کو ایذا پہنچانے یا ان کے ساتھ کوئی شرارت کرنے کو آنحضور ﷺ نے جس قدر گھناؤنا فعل قرار دیا ہے اس کا اندازہ صحیحین کی اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم اس میں ایمان نہیں، خدا کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کون شخص؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں۔

اس حدیث کی رو سے ہر صاحب ایمان پر لازم ہے کہ ہمسایوں سے اس کا برتاؤ اور رویہ ایسا شریفانہ ہو کہ وہ اس کی طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف رہیں۔

پڑوسیوں کے حقوق ادا نہ کرنے کے نقصانات

صحیح مسلم میں حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے

کہ وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اس کے ہمسائے مامون نہ ہوں۔ ان دو حدیثوں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی تعلیم وہدایت میں ہمسایوں کیساتھ حسن سلوک کا کیا درجہ اور مقام ہے۔ لسان رسالت سے کسی عمل کی سخت تاکید اور دین میں اس کی انتہائی اہمیت جتانے کی آخری تعبیر یہی ہوتی ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے والا مؤمن نہیں یا یہ کہ وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ گویا ہمسایوں کے ساتھ حسن معاملہ کی فکر نہ کرنا شقاوت اور بدبختی کی نشانی ہے۔ ہمسایوں کے ساتھ حسن معاملہ کا ایک اور پہلو بھی ہے جس کا ذکر مسند بزار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کر رات کو سو جائے کہ اس کے برابر رہنے والا پڑوسی بھوکا ہو اور اس آدمی کو اس کے بھوکے رہنے کی خبر ہو۔ گویا ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی پر یہ حق ہے کہ اس کے بھوک پیاس کے مسئلوں اور کسی قسم کی دوسری ضرورتوں سے بھی بے فکر اور بے نیاز نہ ہو۔

پڑوسیوں کے حقوق کا پورا کرنا اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کا معیار ہے

ایک اور حدیث میں پڑوسیوں کیساتھ حسن معاملہ کو اللہ اور رسول کی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے وضو کا پانی لے لے کر اپنے اپنے جسم پر ملنے لگے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے لئے اس کا کیا باعث اور محرک ہے؟ انہوں نے عرض کیا بس اللہ اور رسول کی محبت۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس کی یہ خوشی اور خواہش ہو کہ اس کو اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کرنا نصیب

ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ ان تین باتوں کا اہتمام کرے، بات کرے تو سچ بولے جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو امانتداری کے ساتھ اس کی حفاظت اور واپسی کا فریضہ ادا کرے اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوشریح عدوی ﷜ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پہ ایمان رکھتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے۔

پڑوسیوں کے حقوق پورا کرنے کی سخت تاکید

صحیحین ہی کی ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ؄ اور حضرت ابن عمر ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل ؑ پڑوسی کے حق میں مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر وصیّت اور تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو (ایک پڑوسی کو دوسرے پڑوسی کا) وارث قرار دے دیں گے۔

ہمسایوں کے ساتھ حسن معاملہ میں یہ بات ہی شامل نہیں کہ ان کی مادی ضرورتوں کا خیال رکھا جائے اور ان کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھے جائیں بلکہ یہ بھی ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کا خیال بھی رکھا جائے۔ امام بخاریؒ کی "کتاب الو حدان" میں حضرت ابزی خزاعی ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھانے اور ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے، نہ ان کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں نہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں اور کیا ہو گیا ہے ان بے علم اور پسماندہ لوگوں کو کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھنے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے اور نہ ان سے نصیحت لیتے ہیں۔

رحمت عالم ﷺ نے صرف مسلم پڑوسی ہی کے ساتھ حسن معاملہ کی تاکید نہیں

فرمائی بلکہ غیر مسلم ہمسائے کے ساتھ بھی حسن سلوک کی ہدایت فرمائی ہے۔ مسند بزار میں حضرت جابر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، پڑوسی تین قسم کے اور تین درجے کے ہوتے ہیں ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک ہی حق ہو، کم درجہ کا پڑوسی ہے۔ دوسرا وہ جس کے دوحق ہوں اور تیسرا وہ جس کے تین حق ہوں، تو ایک حق والا وہ مشرک پڑوسی ہے جس سے کوئی رشتہ داری بھی نہ ہو، دوحق والا وہ پڑوسی ہے جو مسلم بھی ہو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کی وجہ سے ہے اور دوسرا پڑوسی ہونے کی وجہ سے اور تین حق والا وہ پڑوسی ہے جو مسلم بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا ہوگا دوسرا حق پڑوسی ہونے کا اور تیسرا حق رشتہ داری کا ہوگا۔

پڑوسیوں کے حقوق پورا نہ کرنے کی سزا

فقیہ ابولیث سمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات قسم کے لوگ ہوں گے جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم نہیں ہوگی اور نہ ہی ان کو گناہوں سے پاک کریں گے اور ان کو حکم ہوگا کہ دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ ایک لواطت کا عمل کرنے والا دوسرے ہاتھ سے شہوانی تقاضہ پورا کرنے والا، تیسرے چوپائے سے بدفعلی کرنے والا، چوتھے عورت سے لواطت کرنے والا، پانچویں ایک عورت اور اس کی بیٹی کو نکاح میں جمع کرنے والا، چھٹے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرنے والا، ساتویں اپنے ہمسائے کو ایذا دینے والا۔ البتہ اگر یہ لوگ توبہ کرلیں اور اس کی شرطوں کو بھی پورا کریں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی انسان اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ لوگ اس کے قلب سے اور زبان اور ہاتھ سے محفوظ نہ ہو جائیں اور

کوئی بندہ اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا ہمسایہ اس کے مظالم سے مامون ومحفوظ نہ ہوجائے۔

حضرت سعید بن المسیبؒ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمسایہ کی عزت وحرمت ہمسایہ کے لیے ماں کی حرمت کی طرح ہے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ بکری ذبح کرو اور ہمارے یہودی ہمسائے کو بھی کھانا کھلانا، پھر کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد فرمایا۔اے غلام جب بکری ذبح کرے تو ہمارے یہودی ہمسائے کو ضرور کھلائیو۔غلام کہنے لگا آپ نے ہمیں یہودی ہمسائے کی وجہ سے اضطراب میں ڈال دیا ہے۔آپ نے فرمایا تجھے افسوس ہے حضور ﷺ ہمسائے کے متعلق ہمیں اس قدر تاکید فرماتے رہتے کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ شاید اسے وارث مقرر فرمادیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پڑوسیوں کے حقوق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

پڑوسیوں کے حقوق کی اجمالی فہرست

حجۃ اسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں پڑوسیوں کے مجمل حقوق بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ہم ان حقوق کو یہاں اپنے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ وہ مجمل حقوق یہ ہیں:......

(۱)...... جب پڑوسی سے ملاقات ہوتو اس کو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(۲)...... جب اس کے ساتھ بات کرے تو گفتگو کو طویل نہ کرے۔

(۳)......اس کے اندرونی حالات معلوم کرنے میں بہت پوچھ گچھ نہ کرے۔

(۴)...... جب بیمار ہوتو اس کی عیادت کرے۔

(۵)...... مصیبت میں اس کو تسلی دے اور اس کا ساتھ نہ چھوڑے۔

(۶)...... جب اسے کوئی خوشی ہو تو اس کو مبارک باد دے، اور خود بھی اس کے ساتھ خوشی کا اظہار کرے۔

(۷)......اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو درگزر کرے۔

(۸)......چھت پر سے اس کے گھر میں نہ جھانکے۔

(۹)......دیوار پر کڑیاں رکھنے یا پرنالہ سے پانی گرنے یا صحن سے مٹی ڈالنے میں اس کو تنگ نہ کرے۔

(۱۰)......اس کے گھر میں جانے کا راستہ تنگ نہ کرے۔

(۱۱)......جو کچھ وہ اپنے گھر لے جا رہا ہو اس پر تاک نہ لگائے۔

(۱۲)......اگر اس کا کوئی عیب معلوم ہو تو اس کو چھپائے۔

(۱۳)......اگر اس پر کوئی حادثہ ہو تو فوراً اس کی مدد کرے۔

(۱۴)...... جب وہ گھر پر نہ ہو تو اس کے مکان کی دیکھ بھال سے غافل نہ رہے۔

(۱۵)......اس کی برائی نہ سنے۔

(۱۶)......اس کے اہل خانہ سے نگاہیں نیچی رکھے۔

(۱۷)......اس کی نوکرانی پر ٹکٹکی نہ لگائے۔

(۱۸)......اس کے بچہ سے گفتگو میں نرمی برتے۔

(۱۹)......دین اور دنیا کی بھلائی کی جو بات اس کو معلوم نہ ہو، اس کو ٹھیک ٹھیک بتا دے۔

(۲۰)......ان حقوق کے علاوہ وہ حقوق جو عام مسلمانوں کے لئے ہیں اس کا لحاظ پڑوسیوں کے ساتھ بھی رکھے۔ (ایسی صورت میں پڑوسی کے دو حق ہوں گے ایک پڑوسی کا اور ایک مسلمان ہونے کا)۔ (بحوالہ احیاء العلوم)

پڑوسی کے حقوق سے متعلق ایک مفید مضمون

زیر نظر مضمون شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم کے مجموعہ مضامین ''ذکر وفکر'' سے لیا گیا ہے۔

ابوحمزہ سکری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے ایک راوی گزرے ہیں، ''سکر'' عربی زبان میں چینی کو کہتے ہیں اور ان کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ انہیں ''سکری'' اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان کی باتیں، ان کا لہجہ اور ان کا انداز گفتگو بڑا دل کش اور شیریں تھا، جب وہ بات کرتے تو سننے والا ان کی باتوں میں محو ہو جاتا تھا، وہ بغداد شہر کے ایک محلے میں رہتے تھے، کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے اپنا مکان بیچ کر کسی دوسرے محلے میں منتقل ہونے کا ارادہ کیا، خریدار سے معاملہ بھی تقریباً طے ہو گیا۔ اتنے میں ان کے پڑوسی اور محلّہ داروں کو پتہ چلا کہ وہ اس محلے سے منتقل ہو کر کہیں اور بسنے کا ارادہ کر رہے ہیں، چنانچہ محلّہ والوں کا ایک وفد ان کے پاس آیا اور ان کی منت سماجت کی کہ وہ یہ محلّہ نہ چھوڑیں، جب ابوحمزہ سکری نے اپنا عذر بیان کیا تو تمام محلّہ والوں نے متفقہ طور پر انہیں یہ پیش کش کی کہ آپ کے مکان کی جو قیمت لگی ہے، ہم وہ قیمت آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن آپ ہمیں اپنے پڑوس سے محروم نہ کیجئے، جب انہوں نے اہل محلہ کا یہ خلوص دیکھا تو منتقل ہونے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ابوحمزہ سکّری رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت کی ایک وجہ ان کی سحر انگیز شخصیت بھی ہو گی لیکن بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے ایک مثال قائم کی تھی۔ قرآن کریم نے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی بار بار تاکید فرمائی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بہت سے ارشادات میں پڑوسی کے حقوق کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میرے پاس جبرئیل امین علیہ السلام آئے اور مجھے پڑوسی کے حقوق کی اتنی تاکید کرتے رہے کہ مجھے

گمان ہونے لگا کہ شاید وہ پڑوسی کو تر کے میں وارث بھی قرار دیں گے۔''

قرآن وسنت کی ان تعلیمات کے سائے میں جو معاشرہ پروان چڑھا، اس میں پڑوسی کی حیثیت ایک قریبی رشتہ دار سے کم نہیں تھی۔ ایک ساتھ رہنے والے نہ صرف ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک تھے، بلکہ ایک دوسرے کے لئے ایثار وقربانی کر کے خوشی محسوس کرتے تھے۔

1963ء میں جب میں سعودی عرب گیا تو وہاں کے ایک باشندے نے مجھے اپنا واقعہ خود سنایا کہ ایک مرتبہ میں کپڑا خریدنے کے لئے بازار گیا، ایک دکان میں داخل ہو کر بہت سے کپڑے دیکھے، دکان دار پوری خوش اخلاقی سے مجھے کپڑا دکھاتا رہا، بالآخر میں نے ایک کپڑا پسند کر لیا دکان دار نے مجھے قیمت بتادی میں نے دکان دار سے کہا کہ ''مجھے یہ کپڑا اتنے گز کاٹ کر دے دو'' اس پر دکان دار ایک لمحہ کے لئے رکا اور اس نے مجھ سے کہا آپ کو یہ کپڑا پسند ہے؟...... میں نے کہا: جی ہاں، کہنے لگا قیمت بھی آپ کی رائے میں مناسب ہے؟...... میں نے کہا: جی ہاں، اس پر اس نے کہا آپ میرے برابر والی دکان پر چلے جائیے اور وہاں سے یہ کپڑا اسی قیمت پر لے لیجئے، میں بڑا حیران ہوا اور میں نے اس سے کہا کہ میں اس دکان پر کیوں جاؤں؟...... میرا معاملہ تو آپ سے ہوا ہے، کہنے لگا آپ کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں، آپ کو جو کپڑا چاہیئے وہ وہاں موجود ہے اور آپ کو اسی قیمت میں مل جائے گا جا کر وہاں سے لے لیجئے میں نے کہا پہلے مجھے بتائیے، کیا وہ آپ ہی کی دکان ہے؟...... اس نے کہا نہیں، اب میں بھی اڑ گیا اور میں نے اصرار کیا کہ جب تک آپ مجھے وجہ نہیں بتائیں گے میں اس دکان پر نہیں جاؤں گا، آخر کار اس نے زچ ہو کر کہا آپ خواہ مخواہ بات لمبی کر رہے ہیں بات صرف اتنی ہے کہ میرے پاس صبح سے اب تک بہت گاہک آچکے ہیں اور میری اتنی بکری ہو چکی ہے کہ میرے آج کے دن کے حساب سے کافی ہو سکتی ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا پڑوسی دکان دار صبح سے خالی بیٹھا ہے، اس کے پاس کوئی گاہک نہیں آیا، اس لئے میں چاہتا

ہوں کہ اس کی بھی کچھ بکری ہو جائے آپ کے وہاں چلے جانے سے اس کا بھلا ہو جائے گا، آپ کا اس میں کیا حرج ہے؟...... یہ اس اسلامی معاشرے کی ایک بچی کھچی جھلک تھی جس میں مسرت اور کامیابی محض پیسوں کی گنتی کا نام نہیں تھا، بلکہ روح کے اس سکون اور قلب وضمیر کے اس اطمینان کا نام تھا جو اپنے کسی بھائی بہن کا دکھ درد کر کے یا اس کے چہرے پر مسکراہٹ لا کر حاصل ہوتا ہے، جب قرآن کریم نے انصار مدینہ کی تعریف کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ چاہے وہ خود مفلسی کا شکار ہوں، مگر دوسروں کے ساتھ ایثار کا معاملہ کر کے انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، تو درحقیقت ان کی اسی صفت کی مثال دے کر مسلمانوں کو ان کی پیروی کی ترغیب دی تھی، تو ایثار کا یہ معاملہ ہر شخص کے ساتھ قابل تعریف ہے لیکن خاص طور پر پڑوسی اس کا زیادہ حق دار ہے اسی لئے قرآن وسنت نے اس کی زیادہ ترغیب دی ہے۔ جدید شہری زندگی نے جہاں ہمیں بہت دھندلا دیا ہے۔ اول تو کوٹھی بنگلوں کے مکین پڑوس کا مفہوم ہی بھولتے جا رہے ہیں، بعض دفعہ مدتوں پاس پاس رہنے کے باوجود وہ ایک دوسرے سے ناواقف رہتے ہیں اور اگر کہیں پڑوس کی اہمیت کا تصور موجود ہے تو عام طور سے اسے انہی پڑوسیوں کے ساتھ مخصوص

کر دیا گیا

ہے، جو رتبے یا معاشی حالت کے اعتبار سے اپنے قریب قریب ہوں، چنانچہ کوٹھی بنگلے میں رہنے والا کسی دوسری کوٹھی کے مکین ہی کو اپنا پڑوسی سمجھتا ہے اور اگر اس کے پاس کچھ لوگ جھونپڑیوں یا معمولی مکانات میں رہ رہے ہوں تو انہیں عام طور سے نہ پڑوسی سمجھا جاتا ہے نہ پڑوسی جیسے حقوق دیئے جاتے ہیں، ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کسی عالیشان بنگلے میں رہنے والا اپنے قریب کسی جھونپڑی والے کی خبر گیری، اس کی بیمار پرسی یا محض ملاقات کے لئے جاتا ہو، حالانکہ ایسے پڑوسی ایثار ومحبت کے زیادہ مستحق ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ علمی اور دینی اعتبار سے تو بلند مقام کے حامل تھے ہی، اپنی خاندانی وجاہت کے اعتبار سے بھی ممتاز

تھے، لیکن ان کا روزانہ کا معمول یہ تھا کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے دارالعلوم جانے سے پہلے اپنے قریب معمولی مکانات میں بسنے والی بیواؤں اور بے سہارا خواتین کے پاس جاتے، ہر ایک سے پوچھتے کہ انہیں بازار سے کیا سودہ سلف منگانا ہے؟...... اور بہت سی خواتین کے بتائے ہوئے سودے کی ایک فہرست لے کر خود بازار جاتے، ہر خاتون کا سودہ خریدتے اور ہر ایک کو پہنچاتے، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کوئی خاتون کہتی مفتی صاحب! آپ یہ چیز غلط لے آئے ہیں، میں نے تو فلاں چیز منگائی تھی، یا اتنی تعداد میں منگائی تھی، مفتی صاحب خندہ پیشانی سے فرماتے کہ: معاف کرنا بی بی! مجھ سے غلطی ہوگئی، میں ابھی بدل کر وہ چیز لے آتا ہوں، اور اس طرح وہ نہ جانے کتنے ٹوٹے دلوں کی دعائیں سمیٹ کر اور ان کی خدمت کے سروں سے دل آباد کر کے اپنے دن کی مصروفیات کا آغاز کرتے تھے۔ آج تقریباً ہر شخص اسباب راحت کی فراوانی کے باوجود ایک انجانی سی بے چینی اور دل کی ایک بے نام سی کسک میں مبتلا ہے، اور بقول جناب نظر امروہی۔

کوئی الجھن نہیں، لیکن کسی الجھن میں رہتا ہے
عجیب دھڑکا سا ہر دم دل کی ہر دھڑکن میں رہتا ہے

اس انجانی بے چینی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے روپے پیسے کی گنتی ہی کو زندگی کا مقصد سمجھ لیا ہے اور مال و دولت کی دوڑ سے آگے کچھ سوچنے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ ہم روح کے اس اطمینان اور اس سرور سے محروم ہوتے جارہے ہیں جو اپنی کسی بھائی بہن کی خدمت کر کے اور اس کے لئے کوئی قربانی دے کر حاصل ہوتا ہے، جو زندگی کا اپنا خالق و مالک کے تابع فرمان بنانے اور اس کے حکم کے آگے اپنی ناجائز خواہشات کو کچلنے کا نقد انعام ہوتا ہے، قلبی سکون کا یہ نقد انعام بسا اوقات کچے مکان اور دال روٹی کی معمولی معیشت میں بھی حاصل ہوجاتا ہے، اور اگر اس کی شرائط پوری نہ ہوں، تو عالیشان کوٹھیوں اور چمک دار کاروں میں حاصل نہیں ہوتا، اس صورت میں کوٹھی بنگلوں

کی چمک دمک دل میں چھپی ہوئی بے چینیوں کا علاج نہیں کرسکتی۔

کوئی شک نہیں کہ آج کی شہری زندگی بہت مصروف ہوگئی ہے۔ لیکن یہ مصروفیت زیادہ تر روپے پیسے کی گنتی بڑھانے ہی کے لئے ہے، لہٰذا اگر سکون قلب بھی کوئی حقیقی نعمت ہے جسے حاصل کرنے کی فکر کی جائے تو ان ہی مصروفیتوں میں تھوڑا سا وقت اس کام کے لئے بھی نکالنا پڑے گا جس میں اپنے آس پاس بسنے والوں کی زندگی میں جھانک کر دیکھا جاسکے اور ان کے دکھ درد کرنے کی کوئی امکانی سبیل تلاش کی جاسکے۔ چوبیس گھنٹے کی مصروفیات میں سے نکالے ہوئے یہ چند لمحات جو اس کام میں خرچ ہوں گے، ان شاء اللہ وہ کام کر جائیں گے جو دن بھر کی بھاگ دوڑ سے حاصل ہونے والی روپے کی ریل پیل سے انجام نہیں دے سکتی۔ (بحوالہ ذکر و فکر: ۲۵۵ تا ۲۵۹)

نیک پڑوسی عظیم نعمت

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ مسلمان کی خوش نصیبی میں تین چیزیں خاص اہمیت رکھتی ہیں:۔

(۱)......کشادہ مکان۔ (۲)......نیک پڑوسی۔ (۳)......خوشگوار سواری۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:......

دوسری چیز جو مسلمان کی سعادت اور خوش نصیبی کا حصہ ہے وہ نیک پڑوسی ہے، اگر کسی کو نیک پڑوسی مل جائے تو یہ عظیم نعمت ہے آج کے دور میں لوگوں نے اس نعمت کو بھلا دیا ہے، آج کے کوٹھی بنگلوں میں پڑوس کا تصور ہی نہیں رہا۔ سال ہا سال سے ایک جگہ پر رہتے ہیں مگر یہ پتہ نہیں ہے کہ دائیں طرف کون رہتا ہے اور بائیں طرف کس کا مکان ہے۔ لیکن حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ پڑوس کے اتنے حقوق ہیں اور حضرت جبرئیل امین علیہ السلام مجھے اس کی اتنی تاکید فرماتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو انسان کی میراث میں وارث ہی بنا دیا جائے گا، پڑوس کی اتنی اہمیت ہے۔

لہٰذا جب مکان تلاش کرو تو جہاں اس میں اور چیزیں دیکھو، وہاں یہ بھی دیکھ لو کہ اس کا پڑوس کیسا ہے؟...... آیا شریف اور نیک لوگوں کا پڑوس ہے تو سمجھو کہ یہ نعمت ہے، اس لئے کہ انسان کا صبح شام پڑوس سے واسطہ پڑتا ہے اور اس کی صحبت انسان کو اٹھانی پڑتی ہے۔ اب جیسا پڑوس ہوگا، ویسی ہی صحبت ہوگی، اور صحبت کا انسان کی زندگی پر اتنا اثر پڑتا ہے۔ اچھی صحبت انسان کو اچھا بنا دیتی ہے اور بری صحبت انسان کو برا بنا دیتی ہے اس لئے فرمایا کہ نیک پڑوسی بڑی عظیم نعمت ہے۔ (بحوالہ اصلاحی خطبات۔ جلد۱۲)

آگے حضرت عائشہؓ کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ میرے گھر تشریف لائے، آپ ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کے پاس جانے کے لئے باریاں مقرر فرمائی ہوئی تھیں، ایک دن ایک کے پاس اور دوسرے دن دوسری کے پاس، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس روز میری باری تھی، ویسے تو ہر بیوی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی خوب خدمت کرے، اس کو اچھے سے اچھا کھانا کھلائے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس ﷺ سے جتنی محبت کرتی تھیں، ایسی محبت تو دنیا میں کوئی بیوی کر ہی نہیں سکتی، اس لئے حضرت عائشہؓ کی یہ خواہش ہوئی کہ آج حضور اقدس ﷺ میرے گھر تشریف لا رہے ہیں تو آپ ﷺ کے لئے اچھا کھانا بنالوں، لیکن اچھا کھانا کس طرح بنائیں، اس لئے کہ جو کچھ آتا تھا وہ تو اللہ کی راہ میں خرچ ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ گھر میں کچھ جو پڑے تھے، میں نے ان کو چکی میں پیس کر ان کا آٹا بنایا اور پھر اس کی ایک روٹی بنائی، خیال یہ تھا کہ جب حضور اقدس ﷺ تشریف لائیں گے تو ان کی خدمت میں پیش کروں گے۔ جب حضور گھر میں تشریف لائے تو چونکہ سردی کا موسم تھا اور آپ ﷺ کو سردی لگ رہی تھی، اس لئے آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے گرم بستر کا انتظام کیا۔ آپ ﷺ لیٹ گئے اور

آپ ﷺ کی آنکھ لگ گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس انتظار میں تھی کہ جب آپ ﷺ بیدار ہوں تو جو روٹی میں نے آپ ﷺ کے لئے پکائی ہے وہ آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ اتنے میں پڑوس کے گھر کی بکری ہمارے گھر میں آئی اور وہ روٹی جو میں نے اتنی محبت اور چاہت سے پکائی تھی، وہ بکری اٹھا کر لے گئی، میں اس بکری کو اپنی آنکھوں سے روٹی لے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی، لیکن چونکہ حضور اقدس ﷺ سو رہے تھے، اس لئے میں نے اس بکری کو نہیں روکا، تاکہ کہیں شور کی وجہ سے آپ کی آنکھ نہ کھل جائے، یہاں تک کہ وہ بکری روٹی اٹھا کر گھر سے باہر چلی گئی اس کے روٹی لے جانے سے مجھے بہت صدمہ ہوا، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، جیسے ہی آپ ﷺ بیدار ہوئے تو میں دروازے کی طرف بھاگی کہ شاید بکری کہیں نظر آجائے۔

جب حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گھبراہٹ کی حالت میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟...... میں نے سارا قصہ سنا دیا کہ میں نے اتنی محبت سے روٹی آپ (ﷺ) کے لئے پکائی تھی، مگر بکری وہ روٹی لے کر بھاگ گئی، اس لئے مجھے بڑا صدمہ ہو رہا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس روٹی کو جو کچھ بچا ہوا حصہ تمہیں مل جائے وہ لے آؤ، اور اس بکری کی وجہ سے اپنے پڑوسی کو تکلیف مت دینا اور اس کو برا بھلا مت کہنا کہ تمہاری بکری میری روٹی کھا گئی اور میرا نقصان کر گئی۔ اب دیکھئے کہ اس موقعہ پر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ اپنے پڑوسی کو برا بھلا مت کہنا اس لئے کہ اس میں اس پڑوسی کا قصور نہیں ہے، اور اگر اس کا قصور بھی ہو تب بھی اگر تمہاری ایک روٹی چلی گئی، تو کیا ہوا؟...... اس کے ساتھ تو تمہیں عمر بھر نباہ کرنا ہے، اگر تم اس کے ساتھ لڑائی مول لوگی تو اس سے ہمیشہ کے لئے تعلقات خراب ہوں گے۔ اور یہ تعلقات اس روٹی کے مقابلے میں زیادہ قیمتی ہیں۔

آج ہم لوگ اس زمانے کا ذرا تصور کریں تو ہم لوگ اس روٹی کی قدر و قیمت نہیں پہچان سکتے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پکائی تھی۔

اس لئے آج تو اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراوانی کر دی ہے، روٹی کی کوئی قدر و قیمت ہمارے دلوں میں نہیں۔ اگر آج روٹی چلی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن اس وقت تو یہ عالم تھا کہ ذرا سا جو پڑا ہوا تھا، اس کو پیس کر بہ مشکل ایک روٹی تیار کی، وہ روٹی بھی بکری اٹھا کر لے گئی۔ لیکن اس کے باوجود حضور اقدس ﷺ نے اہتمام کے ساتھ فرمایا کہ اس بکری کی وجہ سے اپنے پڑوسی کو تکلیف مت دینا۔

ایک اور حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

﴿لایدخل الجنة من لایامن جاره بوائقه.﴾ (کنز العمال، حدیث عمر)

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جس کا پڑوسی اس کی تکلیف دہی سے محفوظ نہ ہو۔''

گویا کہ جنت میں داخل ہونے کی ایک بنیادی شرط یہ ہے، کہ اپنی ذات سے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ﴿نظفوا افنیتکم﴾ (ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی النظافة)

اپنے گھر کے سامنے والی جگہ کو صاف کیا کرو۔ یہ نہ ہو کہ گھر کے سامنے اور آس پاس کوڑے کرکٹ کے انبار لگا دو۔ جس کے نتیجے میں پڑوسیوں کو بھی اس سے تکلیف پہنچے، اور آنے جانے والوں کو بھی اس سے تکلیف پہنچے۔ بعض لوگ اپنے گھر کے اندر سے جھاڑ کر سارا کوڑا دوسرے کے گھر کے دروازے پر پھینک دیتے ہیں۔ یہ ''بوائق الجار'' ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اگر سب لوگ اس حدیث پر عمل کرلیں، اور ہر شخص اپنے گھر کے آس پاس کا علاقہ صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کرے، تو پھر شہر میں ''بلدیہ'' کی ضرورت نہ رہے۔

چونکہ یہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، اس لئے صفائی ستھرائی بھی دین کا حصہ

ہے۔ آج لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صفائی ستھرائی دنیاداری کا کام ہے۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ جامع مسجد دہلی کے پاس ایک انگریز رہتا تھا، وہ مسلمان ہوگیا، اب مسجد میں نماز کے لئے آنے لگا، جب اس کو وضو کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ وضو خانے میں وضو کرتا۔ اس نے دیکھا کہ یہ وضو خانہ بہت گندہ ہو رہا ہے اس کی نالیاں بہت خراب ہو رہی ہیں، کہیں کائی جم رہی ہے، کہیں ناک کی ریزش پڑی ہوئی ہے، کہیں کچھ۔ کچھ دن تک تو دیکھتا رہا، ایک دن اس نے سوچا کہ جب کوئی اور آدمی اس کی صفائی نہیں کر رہا تو چلو میں ہی اس کی صفائی کردوں۔ چنانچہ اس نے جھاڑو لے کر وضو خانے کی نالیاں صاف کرنا شروع کردیا، کسی شخص نے دیکھا کہ یہ انگریز نالیاں صاف کر رہا ہے تو اس نے دوسرے لوگوں سے کہا یہ انگریز مسلمان تو ہوگیا ہے لیکن انگریزیت کی خوبو اس کے دماغ سے اب تک نہیں گئی۔

مطلب یہ تھا کہ یہ صفائی ستھرائی انگریزیت کی خوبو ہے۔ اس صفائی کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ العیاذ باللہ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ ارشاد ہے کہ: ''اپنے گھر کے آس پاس کی جگہوں کو بھی صاف کرو، یہ بھی پڑوسیوں کے حقوق میں داخل ہے''۔

(اصلاحی خطبات۔ جلد: ۱۲)

ظُلم صرف یہ ہی نہیں ہے کہ کسی کا مال چھین لیا جائے یا اسے جسمانی تکلیف پہنچانے کے لئے اس پر ہاتھ اٹھایا جائے، بلکہ عربی زبان میں ''ظلم'' کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ''کسی بھی چیز کو بے جگہ استعمال کرنا ظلم ہے۔'' چونکہ کسی چیز کا بے محل استعمال یقیناً کسی نہ کسی کو تکلیف پہنچانے کا موجب ہوتا ہے، اس لئے ہر ایسا استعمال ''ظلم'' کی تعریف میں داخل ہے، اور اگر اس سے کسی انسان کو تکلیف پہنچی ہے تو وہ شرعی اعتبار سے گناہ کبیرہ بھی ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں اس طرح کے بہت سے گناہ کبیرہ اس

طرح رواج پا گئے ہیں کہ اب عام طور سے ان کے گناہ ہونے کا احساس بھی باقی نہیں رہا۔

''ایذا رسانی'' کی ان بے شمار صورتوں میں سے ایک انتہائی تکلیف دہ صورت لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال ہے۔ ابھی چند روز پہلے انگریزی روزنامے میں ایک صاحب نے شکایت کی ہے کہ بعض شادی ہالوں میں رات تین بجے تک لاؤڈ اسپیکر پر گانے بجانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اور آس پاس کے بسنے والے بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں، اور ایک شادی ہال پر کیا موقوف ہے؟ ہر جگہ دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ جب کوئی شخص کہیں لاؤڈ اسپیکر نصب کرتا ہے تو اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس کو آواز کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھا جائے، اور آس پاس کے ان ضعیفوں اور بیماروں پر رحم کیا جائے، جو آواز سننا نہیں چاہتے۔

گانے بجانے کا معاملہ تو الگ رہا، کہ اس کو بلند آواز سے پھیلانے میں دہری برائی ہے، اگر کوئی خالص دینی اور مذہبی پروگرام ہو تو اس میں بھی لوگوں کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے زبردستی شریک کرنا شرعی اعتبار سے ہرگز جائز نہیں ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں سیاسی اور مذہبی پروگرام منعقد کرنے والے حضرات بھی شریعت کے اس اہم حکم کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ سیاسی اور مذہبی جلسوں کے لاؤڈ اسپیکر بھی دور دور تک مار کرتے ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی شخص اپنے گھر میں نہ آرام سے سو سکتا ہے، نہ یکسوئی کے ساتھ اپنا کوئی کام کر سکتا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان کی آواز دور تک پہنچانا تو برحق ہے، لیکن مسجدوں میں جو وعظ اور تقریریں یا ذکر و تلاوت لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں، ان کی آواز دور دور تک پہنچانا کوئی جواز نہیں ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجد میں بہت تھوڑے سے لوگ وعظ یا درس سننے کے لئے بیٹھے ہیں جن کو آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے، یا صرف اندرونی ہارن سے بآسانی کام چل سکتا ہے، لیکن بیرونی لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھلا ہوتا ہے،

اور اس کے نتیجے میں یہ آواز محلے کے گھر گھر میں اس طرح پہنچتی ہے کہ کوئی شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ لاہور گیا، جس مکان میں میرا قیام تھا، اس کے تین طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے سے تین مسجدیں تھیں، جمعہ کا دن تھا، فجر کی نماز کے فوراً بعد سے تینوں مسجدوں کے لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھل گئے اور پہلے درس شروع ہوا، پھر بچوں نے تلاوت شروع کر دی، پھر نظمیں اور نعتیں پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا، یہاں تک کہ فجر کے وقت سے جمعہ تک یہ "مذہبی پروگرام" اس طرح بے تکان جاری رہے، کہ گھر میں کسی کو کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس گھر میں اس وقت کوئی بیمار نہیں تھا۔ لیکن میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ کوئی شخص بیمار ہوتا تو اس کو سکون کے ساتھ لٹانے کا اس ماحول میں کوئی راستہ نہیں۔

بعض مسجدوں کے بارے میں یہ بھی سننے میں آیا ہے، کہ وہاں خالی مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر ٹیپ چلا دیا جاتا ہے۔ مسجد میں تو سننے والا کوئی نہیں ہوتا، لیکن پورے محلے کو یہ ٹیپ زبردستی سننا پڑتا ہے۔

دین کی صحیح فہم رکھنے والے اہل علم خواہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں، کبھی یہ کام نہیں کر سکتے، لیکن ایسا ان مسجدوں میں ہوتا ہے جہاں کا انتظام علم دین سے ناواقف حضرات کے ہاتھ میں ہے۔ بسا اوقات یہ حضرات پوری نیک نیتی سے یہ کام کرتے ہیں، وہ اسے دین کی تبلیغ کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں، اور اسے دین کی خدمت قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے معاشرے میں یہ اصول بھی بہت غلط مشہور ہو گیا ہے، کہ نیت کی اچھائی سے کوئی غلط کام بھی جائز اور صحیح ہو جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ کسی کام کے درست ہونے کے لئے صرف نیک نیتی ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کا طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے۔ اور لاؤڈ اسپیکر کا ایسا ظالمانہ استعمال نہ صرف یہ کہ دعوت و تبلیغ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے، بلکہ اس کے الٹے نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں۔

جن حضرات کو اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی ہو، ان کی خدمت میں دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ چند نکات ذیل میں پیش کرتا ہوں:۔

(۱)...... مشہور محدث حضرت عمر بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ کی تاریخ پر چار جلدوں میں بڑی مفصل کتاب لکھی ہے، جس کا حوالہ بڑے بڑے علماء و محدثین ہمیشہ دیتے رہتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے ایک واقعہ اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک وعظ صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان کے بالکل سامنے بلند آواز میں وعظ کہتے تھے، ظاہر ہے کہ وہ زمانہ لاؤڈ اسپیکر کا نہیں تھا، لیکن ان کی آواز بہت بلند تھی، اور اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یکسوئی میں فرق آتا تھا، یہ حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، اس لئے حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ یہ صاحب بلند آواز سے میرے گھر کے سامنے وعظ کہتے ہیں، جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور مجھے کسی اور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ حضرت عمرؓ نے ان صاحب کو پیغام بھیج کر انہیں وہاں وعظ کہنے سے منع کیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد وعظ صاحب نے دوبارہ یہی سلسلہ پھر سے شروع کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود جا کر ان صاحب کو پکڑا اور ان پر تعزیری سزا جاری کی۔ (اخبار المدینہ)

(۲)...... بات صرف یہ نہیں تھی کہ حضرت عائشہؓ اپنی تکلیف کا ازالہ کرنا چاہتی تھی، دراصل وہ اسلامی معاشرت کے اس اصول کو واضح اور نافذ کرنا چاہتی تھی کہ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، نیز یہ بتانا چاہتی تھی کہ دین کی دعوت و تبلیغ کا پروقار طریقہ کیا ہے؟...... چنانچہ امام رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے مدینہ منورہ کے ایک واعظ کو وعظ و تبلیغ کے آداب تفصیل کے ساتھ بتائے اور ان آداب میں یہ بھی فرمایا کہ:

''اپنی آواز کو ان ہی لوگوں کی حد تک محدود رکھو جو تمہاری مجلس میں بیٹھے ہیں، اور انہیں بھی اسی وقت تک دین کی باتیں سناؤ جب تک ان کے چہرے تمہاری طرف متوجہ

ہوں، جب وہ چہرے پھیر لیں، تو تم بھی رک جاؤ...... اور ایسا بھی نہ ہونا چاہئے کہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہوں، اور تم ان کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کرو، بلکہ ایسے موقعہ پر خاموش رہو، پھر وہ جب تم سے فرمائش کریں تو انہیں دین کی بات سناؤ۔"

(مجمع الزوائد۔ جلد:۱)

(۳)...... حضرت عطا بن ابی رباحؒ بڑے اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، علم تفسیر و حدیث میں ان کا مقام مسلم ہے، ان کا مقولہ ہے کہ:

"عالم کو چاہئے کہ اس کی آواز اس کی اپنی مجلس سے آگے نہ بڑھے۔"

(ادب الاملاء والاستملاء للسمعانی،)

(۴)...... یہ سارے آداب درحقیقت خود حضور سرور کونین ﷺ نے اپنے قول وفعل سے تعلیم فرمائے ہیں، مشہور واقعہ ہے کہ آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گذرے، وہ تہجد کی نماز میں بلند آواز سے تلاوت کر رہے تھے، آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ بلند آواز سے کیوں تلاوت کرتے ہیں؟...... حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ "میں سوتے کو جگاتا ہوں، اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اپنی آواز کو تھوڑا پست کر دو۔" (بحوالہ مشکوٰۃ۔ جلد:۱)

اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اپنے بستر سے آہستگی کے ساتھ اٹھتے تھے، (تاکہ سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو)

(۵)...... ان ہی احادیث و آثار کی روشنی میں تمام فقہاء امتؒ اس بات پر متفق ہیں کہ تہجد کی نماز میں اتنی بلند آواز سے تلاوت کرنا جس سے کسی کی نیند خراب ہو، ہرگز جائز نہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر بلند آواز سے تلاوت کرے جب کہ لوگ سو رہے ہوں تو تلاوت کرنے والا گناہ گار ہے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ، جلد:۱۔ وشامی، جلد:۱)

ایک مرتبہ ایک صاحب نے یہ سوال ایک استفتاء کی صورت میں مرتب کیا تھا، کہ بعض مساجد میں تراویح کی قرأت لاؤڈ اسپیکر پر اتنی بلند آواز سے کی جاتی ہے، کہ اس سے محلے کی خواتین کے لئے گھروں میں نماز پڑھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ نیز جن مریض اور کمزور لوگوں کو علاجاً جلدی سونا ضروری ہو وہ سو نہیں سکتے، اس کے علاوہ باہر کے لوگ قرآنِ کریم کی تلاوت ادب سے سننے پر قادر نہیں ہوتے، اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تلاوت کے دوران کوئی سجدے کی آیت آجاتی ہے۔ سننے والوں پر بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے، اور یا تو ان کو پتہ ہی نہیں چلتا، یا پھر وہ وضو سے نہیں ہوتے، اس لئے سجدہ نہیں کر سکتے، اور بعد میں بھول ہو جاتی ہے۔ کیا ان حالات میں بھی تراویح کے دوران بیرونی لاؤڈ اسپیکر زور سے کھولنا شرعاً جائز ہے؟......

یہ سوال مختلف علماء کے پاس بھیجا گیا، اور سب نے متفقہ جواب یہی دیا کہ ان حالات میں تراویح کی تلاوت میں بیرونی لاؤڈ اسپیکر بلا ضرورت زور سے کھولنا شرعاً جائز نہیں ہے، یہ فتویٰ ماہ نامہ ''البلاغ'' کی محرم ۱۴۰۷ھ کی اشاعت میں شائع ہوا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے، اس پر تمام مکاتبِ فکر کے علماء متفق ہیں۔

اب رمضان کا مقدس مہینہ شروع ہونے والا ہے، یہ مہینہ ہم سے شرعی احکام کی سختی کے ساتھ پابندی کا مطالبہ کرتا ہے، یہ عبادتوں کا مہینہ ہے، اور اس میں نماز، تلاوت اور ذکر جتنا بھی ہو سکے، باعثِ فضیلت ہے۔ لیکن ہمیں چاہئے کہ یہ ساری عبادتیں اس طرح انجام دیں کہ ان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اور ناجائز طریقوں کی بدولت ان عبادتوں کا ثواب ضائع نہ ہو۔ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال صرف بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت کیا جائے، اس سے آگے نہیں۔

مذکورہ بالا گزارشات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شریعت نے دوسروں کو تکلیف سے بچانے کا کتنا اہتمام کیا ہے؟...... جب قرآن کریم کی تلاوت اور وعظ و نصیحت جیسے مقدس کاموں کے بارے میں بھی شریعت کی ہدایت یہ ہے کہ ان کی آواز ضرورت کے

مقامات سے آگے نہیں بڑھنی چاہئے، تو گانے بجانے اور دوسری لغویات کے بارے میں خود اندازہ کر لیجئے کہ ان کو لاؤڈاسپیکر پر انجام دینے کا کس قدر دہرا وبال ہے؟......

(ذکر و فکر: ۲۴ تا ۲۹، از حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

تھوڑی دیر کا ساتھی

زندگی میں انسان کو قدم قدم پر دوسروں سے واسطہ پیش آتا ہے، بعض تعلقات دائمی نوعیت کے ہوتے ہیں: جیسے رشتہ دار، بعض دائمی نہ سہی لیکن لمبی مدت کے لئے ہوتے ہیں، جیسے پڑوسی، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ صرف چند گھنٹوں یا اس سے بھی کم مدت کے لئے کسی کا ساتھ ہو جاتا ہے، جیسے ہم سفر جو کسی بس، ریل یا ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے کچھ دیر کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم نے نہایت باریک بینی سے ان تینوں قسم کے تعلقات کے کچھ حقوق رکھے ہیں، اور ان حقوق کی نگہداشت کی تاکید فرمائی ہے، پہلے دو قسموں یعنی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کو لوگوں پر بھی کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ بدسلوکی کے نتیجے میں انسان بدنام ہو جاتا ہے، اور چونکہ یہ تعلقات دیرپا قسم کے ہیں اس لئے یہ بدنامی میں دیرپا ہو جاتے ہیں، لیکن تیسری قسم یعنی وہ لوگ جو مختصر وقفے کے لئے ساتھ ہو گئے ہوں بہت کم انسان اس کے حقوق کا خیال رکھنے پر آمادہ ہوتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ عموماً اجنبی ہوتے ہیں، اور تھوڑی دیر کے بعد جدا ہوتے ہیں تو بعض اوقات تمام عمر ان سے کوئی واسطہ پیش نہیں آتا، اس لئے ان کے ساتھ اگر کوئی بداخلاقی یا بدسلوکی ہو جائے تو اس کی وجہ سے کسی دیرپا بدنامی کا اندیشہ نہیں ہوتا، لوگ عموماً یہ سوچتے ہیں کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس شخص پر میرے بارے میں کوئی غلط تاثر ہو بھی گیا تو کیا ہوا؟...... بعد میں کبھی اس سے ملنا نہیں ہے، اس لئے اس تاثر سے میری زندگی پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔ چنانچہ بسوں، ریلوں، دوسری عوامی

سواریوں، اوراب تو ہوائی جہاز میں بھی دھکا پیل اور نفسی نفسی کا جو عالم نظر آتا ہے، کہ ہر شخص دوسرے شخص کو کہنی مار کر آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا ہے۔ وہ درحقیقت اسی ذہنیت کا شاخسانہ ہے۔

اسی لئے قرآن کریم نے جہاں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دی وہاں تھوڑی دیر کے ساتھیوں کے حقوق ادا کرنے کو بطور خاص ذکر فرمایا، تھوڑی دیر کے ساتھی کے لئے قرآن کریم نے "الصاحب بالجنب" (سورۂ نسا آیت نمبر:۳۶) کا لفظ استعمال کیا ہے، اس کا اردو ترجمہ "ہم پہلو" کے لفظ سے کیا جاسکتا ہے، اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو مختصر مدت کے لئے کسی کے ساتھ ہو گیا ہو، خواہ کسی سفر میں، یا کسی عمومی مجلس میں، بس یا ریل میں سفر کرتے ہوئے جو شخص ہمارے قریب بیٹھا ہے، وہ ہمارا "صاحب بالجنب" ہے، کسی دعوت جلسے یا اجتماع عام میں جو شخص ہمارے پہلو میں ہے، وہ ہمارا "صاحب بالجنب" ہے، اور قرآن کریم نے خاص طور پر اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید اس لئے فرمائی ہے کہ انسان کی شرافت اور خوش اخلاقی کا اصل امتحان ایسے ہی موقع پر ہوتا ہے، بڑے بڑے تعلیم یافتہ، بظاہر مہذب اور شائستہ لوگوں کو دیکھ کر اپنے روز مرہ کے حالات میں وہ بظاہر بڑے خوش اخلاق اور شائستہ نظر آتے ہیں، لیکن جب کبھی سفر کی نوبت آتی تو ان کی ساری تہذیب اور خوش اخلاقی دھری کی دھری رہ گئی، اور انہوں نے اپنے ہم سفروں کے ساتھ پرلے درجے کی خودغرضی اور سنگ دلی کا برتاؤ کر دیا۔

اسی لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ کسی شخص کی نیکی کی حتمی گواہی اس وقت دو جب یا تو تمہارا اس سے روپے پیسے کا کوئی لین دین ہو چکا ہو جس میں تم نے اسے کھرا پایا ہو، یا اس کے ساتھ تم نے کوئی سفر کیا ہو، اور اس سفر میں تم نے اسے واقعی خوش اخلاق دیکھا ہو۔

بات دراصل یہ ہے کہ خوش اخلاقی کا جو برتاؤ صرف بدنامی کے خوف سے کیا

جائے، وہ خوش اخلاقی ہی کہاں ہے؟...... وہ تو ایک دکھاوا ہے، چنانچہ جب بدنامی کا خوف ٹلے گا، انسان کی بداخلاقی اصلیت ظاہر ہو جائے گی، خوش اخلاق تو ایک اندرونی صفت کا نام ہے جو نیک نامی اور بدنامی سے بے نیاز ہو کر کوئی اچھا عمل اس لئے کرتی ہے کہ وہ اچھا، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے، جب یہ صفت کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو اس کا رویہ ہر جگہ اس صفت کے مطابق ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس جگہ بھی جہاں اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو، وہ اپنی پاکیزہ فطرت کے تحت وہی طرز عمل اختیار کرتا ہے جو اسے کرنا چاہئے اور یہ حقیقت اس کے سامنے رہتی ہے کہ کوئی اور دیکھے یا نہ دیکھے، وہ ضرور دیکھ رہا ہے۔ جس کے دیکھنے پر جنت اور جہنم کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اسلام نے "صاحب بالجنب" یعنی تھوڑی دیر کے ساتھی کے حقوق کی جس باریک بینی سے دیکھ بھال کی ہے، اس کا اندازہ چند مثالوں سے لگائیے:۔

(۱)...... جمعہ کے دن جب مسجد میں لوگ خطبے اور نماز کے لئے جمع ہوں تو نو وارد کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اجتماع کے آخری حصے میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش کو سختی سے منع فرمایا گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس عمل پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

(۲)...... جمعہ کے دن نہا دھو کر، اچھے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر مسجد میں جانے کی ترغیب دی گئی ہے، تا کہ اس بڑے اجتماع میں ہر شخص دوسرے کے لئے تکلیف کے بجائے فرحت اور راحت کا سبب بنے۔

(۳)...... فقہائے کرامؒ نے کہا ہے کہ: جو شخص کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے، کہ جس سے کسی پاس والے کو تکلیف ہو سکتی ہو، یا پھر گھن آسکتی ہو، اس کے لئے جمعہ کی نماز معاف ہے، اور اس کو اپنے گھر ہی میں نماز پڑھنے پر ان شاء اللہ مسجد کی جماعت کا ثواب ملے گا۔

(۴)...... جب چند افراد ساتھ بیٹھ کر کوئی چیز کھا رہے ہوں تو حکم یہ ہے کہ

دوسروں کا خیال رکھ کر کھاؤ، حدیث میں ہے کہ جب دوسرے لوگ ایک ایک کھجور کھا رہے ہوں تو تم دو دو کھجوریں مت لو، اس میں یہ اصول بتایا گیا ہے کہ صرف اپنی اپنی فکر کرنا اور جو ہاتھ لگے لے اڑنا ایک مؤمن کا شیوہ نہیں، یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کچھ اور لوگ بھی تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہیں، تمہارا حصہ پوری طرح ناپ تول کر نہ سہی، لیکن دوسروں کے ساتھ کسی توازن ہی میں ہونا چاہئے، (آج کل بوفے قسم کی دعوتوں میں بعض مرتبہ جو چھینا جھپٹی نظر آتی ہے، اور جس طرح بعض لوگ یکبارگی ضرورت سے زیادہ چیزیں اپنے برتن میں انڈیل لیتے ہیں وہ ان احکام کی صریح خلاف ورزی ہے۔

یہ چند مثالیں میں نے صرف یہ بتانے کے لئے دی ہے کہ اسلامی تعلیمات میں ''صاحب بالجنب' یا تھوڑی دیر کے ساتھی کی کتنی اہمیت ہے، اس اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے معاشرے کے چند جزوی مسائل پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

جہاں بہت سے لوگوں کو باری باری کوئی کام انجام دینا ہوا، وہاں فطری طریقہ یہی ہے کہ آنے والوں کی ترتیب سے ایک قطار بنالی جائے، اور ہر شخص نمبر وار اپنا کام انجام دیتا ہے، اس طرح سب کا فائدہ ہے، اور سب کا کام آسانی سے ہو جاتا ہے، ایسے موقع پر (کسی معقول عذر کے بغیر) لائن توڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرنا اس کے لئے دھینگا مشتی کرنا دوسروں کی شدید حق تلفی ہے، جو بداخلاقی اور ناشائستگی ہونے کے علاوہ گناہ بھی ہے۔

افسوس ہے کہ آج غیر مسلم قومیں اس بات کا لحاظ رکھتی ہیں، بلکہ ان کا مزاج ہی یہ بن چکا ہے کہ جہاں دو آدمی جمع ہوں گے فوراً آگے پیچھے ہو کر قطار بنالیں گے، لیکن ہم جو ''صاحب بالجنب'' کے بارے میں قرآن وسنت کی مذکورہ ہدایات کی روشنی رکھتے ہیں لائن توڑ کر آگے بڑھنے کو بہادری اور جی داری کا ایک ہنر سمجھتے ہیں۔ اور یہ خیال تو شاید ہی کسی کو آتا ہو، کہ میں کسی گناہ کا ارتکاب کر رہا ہوں۔

بس یا ریل میں ہر شخص نشست کا اتنا حصہ استعمال کرنے کا حق دار ہے جتنا ایک

مسافر کے لئے گاڑی والوں کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اس میں ہمارے یہاں دو طرح کی شدید بے اعتدالیاں ہوتی ہیں۔

پہلی بے اعتدالی تو یہ ہے کہ جب گاڑیوں میں بکنگ نہیں ہوتی، ان میں جو شخص پہلے پہنچ گیا وہ بیک وقت کئی کئی نشستوں کی جگہ گھیر کر اس پر قبضہ جما لیتے ہیں اور دوسرے مسافر کھڑے سفر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اب یہ کتنی بے انصافی کی بات ہے کہ آپ ایک ٹکٹ لے کر آرام سے لیٹے ہیں اور دوسرا شخص اتنی ہی رقم کا ٹکٹ لے کر بیٹھنے سے بھی محروم ہے۔ میں نے اپنے بعض بزرگ علماء کے بارے میں تو یہاں تک سنا ہے کہ اگر گاڑی بالکل خالی پڑی ہوتی، اور دوسرے مسافر نہ ہوتے تب بھی وہ اپنی نشست سے زیادہ جگہ استعمال نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے ایک نشست کا کرایا دیا ہے، میں ایک ہی نشست کے استعمال کا حق دار ہوں، اس سے زیادہ کا نہیں۔ یقیناً یہ احتیاط وتقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے، لیکن چونکہ گاڑی والوں کی طرف سے ایسے موقع پر خالی جگہوں کے استعمال کی عموماً اجازت ہوتی ہے، اس لئے اس کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا، مگر جہاں دوسرے مسافر کھڑے ہونے پر مجبور ہوں، وہاں زائد جگہ گھیرنے کا کوئی جواب نہیں۔

دوسری بے اعتدالی اس کے برعکس یہ ہوتی ہے کہ جو سیٹ چار آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے مخصوص ہے اس میں پانچواں آدمی زبردستی اپنے آپ کو ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے، اور پہلے سے بیٹھے ہوئے آدمیوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ سمٹ کر اسے ضرور جگہ دیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ پہلے سے جائز اور بجا طور پر اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ تنگی اور دشواری کے ساتھ سفر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، ایسے میں اگر وہ لوگ خود ایثار سے کام لیں، اور نو وارد کو جگہ دیں دیں تو بے شک یہ ان کی عالی ظرفی ہے اور باعث ثواب ہے، لیکن کسی نو وارد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ انہیں اس عالی ظرفی پر مجبور کرے۔

چونکہ ہم نے دین کو صرف نماز روزے ہی کی حد تک محدود کر لیا ہے اس لئے اس

قسم کی حرکت کرتے وقت یہ خیال بھی دل میں نہیں آتا کہ ہم کسی گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں، حالانکہ جس عمل سے بھی کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہو، یا اسے بے جا تکلیف پہنچتی ہو، وہ حرام ہے، ایسا حرام کہ اس کا گناہ صرف توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا جب تک خود وہ شخص معاف نہ کرے جس کی حق تلفی کی گئی ہے۔

دیکھنے میں یہ چھوٹی باتیں ہیں لیکن درحقیقت ان ہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے افراد اور قوموں کا مزاج بگڑتا ہے، اور جب کسی معاشرے کا مزاج بگڑ جائے تو وہی کچھ ہوتا ہے جس کا رونا آج ہم سب رو رہے ہیں، پھر فائدہ کسی کا نہیں ہوتا، نقصان سب کا ہوتا ہے، راحت کسی کو نصیب نہیں ہوتی، تکلیف میں سب مبتلا رہتے ہیں۔

اس کے برعکس اگر ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں یہ سوچ لیں کہ جس شخص کے ساتھ ہمیں کچھ دیر کی رفاقت میسر آئی ہے، اس کو آرام پہنچانے کی خاطر اگر ہم خود تھوڑی سی تکلیف اٹھا لیں تو یہ تکلیف تو زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کی ہے، جو بہت جلد ختم ہو جائے گی، لیکن ہمارے ایثار کا نقش ہمارے ساتھی کے دل سے جلدی نہیں مٹے گا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور ہماری یہ تھوڑی سی محنت ان شاء اللہ وہاں جا کر کیش ہوگی، جہاں روپے پیسے کا کیش بے کار ہو چکا ہوگا، تو رفتہ رفتہ ہمارے معاشرے کا مزاج بھی بدل سکتا ہے اور ہم ایک دوسرے کے لئے سراپا رحمت بن سکتے ہیں۔ (ذکر و فکر: ۲۶۰، ۲۶۵)

بیوہ کے حقوق

اصنافِ انسانی میں سب سے ناچار اور ناتوان گروہ جنسِ لطیف کے ان افراد کا ہے جن کو قدرت نے شوہروں کے سایہ سے محروم کر دیا ہے۔ اب وہ بے یار و مددگار اور بے مونس و غمخوار ہیں، نہ ان کے کھانے پینے کا کہیں سہارا ہے اور نہ ان کے تن ڈھانکنے اور ستر پوشی کی کسی کو فکر ہے۔ عورت جس کو خدا نے دنیا کے عملی مشکلات سے پرے رکھا تھا۔ اور اس کی ذمہ داری اُس کے شوہر کے حوالہ کر دی تھی اب وہ ناچار اُن سے دوچار ہے۔ اب غم والم اور فکر و تردد کے علاوہ بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ ایک بے حامی و بے محافظ عورت کو دیکھ کر نہ صرف اس کے جسمانی ستانے والے، بلکہ اس کے روحانی اور اخلاقی حملہ آور گِدھ کی طرح اس کے پس و پیش منڈلاتے رہتے ہیں، اور موقع کی تاک میں رہتے ہیں۔ دنیا کے روزمرہ کے واقعات اور اخبارات کی اطلاعیں کافی سے زیادہ ثبوت ہیں۔

یہودی مذہب میں بیوہ عورت ایک بھائی کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے بھائی کی ملک ہو جاتی تھی، وہ جس طرح چاہتا تھا اس سے معاملہ کر سکتا تھا، عورت کی مرضی کو اس زن و شوئی کے مجبورانہ تعلق میں کوئی دخل نہ تھا۔ عیسوی مذہب میں یہ جبری قانون تو جاتا رہا مگر وہ کوئی دوسرا ایجابی پہلو نہ پیش کر سکا۔ ہندوؤں میں اب اس کی زندگی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی، اب اس کو اپنے شوہر کی چتا سے لپٹ کر بے موت مر جانا چاہیے۔ اور اگر زندہ رہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دنیا کی تمام آرائشوں اور لذتوں سے علیحدہ ہو کر ساری عمر سوگ میں گذار دے۔ عربوں میں رواج یہ تھا کہ وہ شوہروں کے وارثوں کی ملکیت بن جاتی تھی، اور وہ جو چاہتے اس کے ساتھ کر سکتے تھے۔ اس کو تکلیفیں دے دے کر اس سے دین مہر معاف کراتے تھے اور اس کو اپنی مرضی

کے بغیر کہیں شادی نہیں کرنے دیتے تھے۔

اسلام آیا تو اس مظلوم گروہ کی فریادرسی ہوئی، اس نے سب سے پہلے تو یہ کیا کہ ان کے غیر محدود سوگ کے زمانہ کو محدود کردیا اور صرف اتنی مدت تک کے لئے رکھا جس میں تھوڑا بہت اس کا طبعی غم فراموش ہو سکے، اور یہ بھی پتہ لگ سکے کہ اس کو اپنے شوہر سے کوئی حمل تو نہیں، اس لئے سوگ کا ایک زمانہ متعین کیا، جس کی حد چار مہینے دس دن قرار دی اور اس کا نام عدت رکھا یعنی شمار کے دن، اس مدت کے گزر جانے کے بعد قانونی حیثیت سے اس کو ہر قسم کے جائز زیب و آرائش کی اجازت دے دی۔ اس کا دین مہر اگر اب تک ادا نہ ہوا ہو تو اس قرض کا ادا کرنا اس شوہر کے ترکہ میں سب سے اول ضروری ٹھہرایا۔ پس اس ترکہ میں سے اگر شوہر کی اولاد ہو تو عورت کو آٹھواں حصہ اور نہ ہو تو چوتھائی حصہ دلوایا۔ عورت کو اپنی دوسری شادی کے متعلق پوری آزادی بخشی، اور اس کے سر سے دیوروں اور شوہر کے دوسرے عزیزوں کی ہر قسم کی جابرانہ حکومت کا قلع قمع کردیا، اور ان تمام امور کو نہ صرف اخلاق بلکہ اسلام کے قانون کا جز بنادیا۔ اس بے یار و مددگار طبقہ کی دوسری ضروری امداد یہ ہے کہ جس سوسائٹی سے اسکو اوروں نے نکال دیا ہے اس میں دوبارہ اس کو عزت کے ساتھ داخلہ کا موقع دیا جائے، اور کسی شریف شریکِ زندگی کی معیت کا شرف اس کو دوبارہ بخشا جائے۔ اور جس مہر و عنائت کے سایہ سے وہ محروم ہوگئی ہے وہ اس کو پھر عطا کیا جائے۔ قرآن نے اس کے بارہ میں صرف نصیحت و موعظت پر اکتفا نہیں کی بلکہ مسلمانوں کو صریحاً یہ حکم دیا:

وانکحوا الایامٰی منکم (سورۃ نور:۴)

ترجمہ: اور اپنے میں سے بے شوہر والی عورتوں کا نکاح کردو۔

اس سے پہلے کہ یہ حکم اترے، بلکہ خود نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ نے اس بے کس فرقہ کی امداد کی طرف توجہ فرمائی اور عین اس وقت جب ایک نوجوان کے تمام ولولے برانگیختہ ہوتے ہیں، اور بہتر سے بہتر اور نوجوان سے نوجوان عورت کا مشتاق

ہوتا ہے آپ ﷺ نے پچیس برس کی عمر میں چالیس برس کی ایک ادھیڑ بیوہ سے شادی کی، اور پچیس برس تک اس طرح اس کے ساتھ کامل رفاقت کی کہ اس اثناء میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ان کی وفات کے بعد وقتاً فوقتاً دس عورتوں سے نکاح کئے، جن میں سے آٹھ حضرت سودہؓ، حفصہؓ، زینبؓ، ام المساکین، ام سلمہؓ، جویریہؓ، ام حبیبہؓ، میمونہؓ اور صفیہؓ بیوہ تھیں۔ جن کی کفالت کا بار آپ ﷺ نے اپنے دوش مبارک پر اٹھایا اور اس طرح اپنے پیروؤں کے لئے اس کو مستحسن اور مسنون طریقہ خود اپنے عمل سے بھی بنا دیا، یہ تو آپ ﷺ کا عمل تھا، قول یہ ہے کہ اس مظلوم فرقہ کی امداد کو آپ ﷺ نے ایسی نیکی قرار دیا کہ رات رات بھر (نفل) نمازیں پڑھ پڑھ کر اور اکثر (نفل) روزے رکھ رکھ کر جو ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے وہ اس فرقہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا باآسانی کر سکتا ہے، فرمایا: بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسا خدا کی راہ میں دوڑنے والا اور راوی کہتا ہے کہ میں گمان کرتا ہوں کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا، اور جیسا وہ نمازی جو نماز سے نہیں تھکتا، اور وہ روزہ دار جو کبھی اپنا روزہ نہیں توڑتا۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: بیوہ اور غریب کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کی راہ کے مجاہد کی طرح ہے، اور اس کے برابر ہے جو دن بھر روزہ اور رات بھر نماز پڑھا کرے۔

ان بیواؤں کی تسکین کی خاطر جو اپنی گود میں ننھے بچے رکھتی ہوں اور اس لئے وہ تکلیف اٹھاتی ہوں، لیکن ان ننھے بچوں کی پرورش کی مصروفیت کے سبب سے اپنے کو اس وقت تک دوسرے نکاح کے بندھن میں نہیں باندھتی ہیں جب تک وہ بڑے ہو کر ان سے علیحدہ نہ ہو جائیں، اور یا وہ دنیا سے رخصت نہ ہو جائیں، یہ فرمایا: ”میں اور محنت و مشقت کے سبب سے وہ کالی پڑ جانے والی بیوی قیامت کے دن مرتبہ میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔ وہ حسن و جمال اور جاہ و عزت والی بیوہ جو شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ ہو جائے، لیکن اپنے ننھے یتیم بچوں کی خدمت کی خاطر اپنے کو روکے رہے یہاں تک کہ وہ اس سے علیحدہ ہو جائیں یا مر جائیں۔ اسی مقصد کو ابویعلی کی مسند

میں ہے، کہ آپ ﷺ نے اس طرح ایک واقعہ کی صورت میں بھی بیان فرمایا کہ ''قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا، تو دیکھوں گا کہ ایک عورت مجھ سے بھی پہلے اندر جانا چاہتی ہے، میں پوچھوں گا، تو کون ہے، تو وہ کہے گی کہ میں ایک بیوہ ہوں جس کے چند ننھے یتیم بچے تھے۔''

❁❁❁❁❁❁

حاجت مندوں کے حقوق

ہر انسان خواہ وہ کسی قدر صاحبِ دولت اور بے نیاز ہو، کسی نہ کسی وقت اس پر افتاد پڑتی ہے کہ اس کو دوسروں کا دستِ نگر بننا پڑتا ہے، اور اس کو دوسروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو جاتی ہے اس لئے انسانی جماعت کے ہر رکن کا فرض ہے کہ وہ اپنے ایسے مصیبت زدہ بھائی کی ہر طرح مدد کرے اور اپنی موجودہ بہتر حالت پر مغرور ہو کر کبھی کسی حاجتمند کی حاجت روائی سے بے پروائی نہ برتے اور نہ یہ سمجھے کہ اس کو کبھی کسی دوسرے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ قرآن پاک میں دو موقعوں پر ذرا سے فرق سے ایک آیت ہے۔ **فی اموالهم حق للسائل والمحروم** (سورۃ ذاریات:۱۹)

ترجمہ: جن (مسلمانوں) کے مالوں میں مانگنے والوں اور محروم کے لئے حق ہے۔ **فی اموالهم حق معلوم. للسائل والمحروم.** (سورۃ معارج:۲۵)

ترجمہ: جن (مسلمانوں) کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم کے لئے مقررہ حق ہے۔

سائل مانگنے والے کو کہتے ہیں لیکن عام شہرت کی بنا پر سائل کے معنی صرف ''بھیک مانگنے'' کے لینا ٹھیک نہیں ہے بلکہ اس سے ہر وہ ضرورتمند مراد ہو سکتا ہے جو تم سے کسی مالی مدد کا خواستگار ہو۔ محروم کی تشریح میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے، بعض اس کو محروم کہتے ہیں، جس کا مالِ غنیمت میں کوئی حصہ نہیں، کسی نے اس کے ظاہری معنی لئے ہیں کہ جو دولت سے محروم ہو کوئی متعفف کے معنی لیتا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مصیبت زدہ ہے جس کی کمائی یا کھیتی پر کوئی آسمانی افتاد پڑ گئی ہو۔ اور اب وہ دوسروں کی مدد کا محتاج ہو گیا ہو، اس معنی کی تائید اہلِ لغت اور بعض اہلِ تفسیر کے بیان اور قرآن پاک سے ہوتی ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ اس حق سے مراد زکوٰۃ ہے یا عام صدقہ، مفسرین دونوں آیتوں میں دونوں طرف گئے ہیں، مگر صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذاریات میں جس میں ''حق'' کا بیان ہے، مطلق صدقہ اور مالی امداد مراد ہے۔ اور معارج میں جس میں مطلق حق کا نہیں بلکہ ''مقررہ حق'' کا بیان ہے ''زکوٰۃ'' مراد ہو، کیونکہ ''مقررہ حق'' کا مفہوم عام صدقہ پر نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ ہی پر صادق آتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایسے حاجتمندوں کی جن پر کوئی مالی مصیبت اور افتاد پڑی ہو، دونوں طرح سے مدد مسلمانوں کے حقوق میں سے ایک حق ہے قرآنِ پاک میں دوسرے موقع پر ہے:

واما السائل فلا تنهر (ضحیٰ:۱۰)

ترجمہ: اور تو سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ کر۔

یہاں ''سوال کرنے والے'' کے معنی اغنٰی کے قرینہ سے عام طور سے بھیک مانگنے والے کے سمجھے جاتے ہیں مگر لفظ کا عموم وسعت کو چاہتا ہے یعنی ہر ضرورتمند جو تم سے کسی قسم کی مدد کا خواستگار ہو خواہ وہ جسمانی ہو، مالی ہو یا علمی ہو، یہاں تک کہ کوئی لنگڑا تم سے صرف تمہارے کندھے کا سہارا چاہتا ہے تو وہ بھی سائل کے تحت میں ہے اس کے سوال کو بھی سختی سے رد نہ کرو بلکہ امکان بھر اس کو پورا کرو اور نہ کر سکو تو نرمی اور خوبصورتی سے عذر کرو، مدد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تم کسی دوسرے سے اس مستحق کی مدد کی سفارش کرو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها. ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها ط وكان الله علىٰ كل شيء مقيتا. (نساء:۸۵)

ترجمہ: جو نیک بات کی سفارش کرے گا تو اس کے ثواب میں اس کا بھی حصہ ہے اور جو بُری بات کی سفارش کرے گا تو اس کے گناہ میں وہ بھی حصہ پائے گا اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

اگرچہ یہ آیت عبارت کے نظم ونسق کے لحاظ سے لڑائی کے سلسلہ میں ہے یعنی اگر

کوئی کمزور قبیلہ درخواست کرے کہ طاقتور قبیلے کے مقابلے میں اس کی امداد کی سفارش کی جائے تو اس نیک کام میں اس کی سفارش کی جائے اور وہ قبول کی جائے، تاہم الفاظِ قرآنی کی وسعت ہر نیک کام کی سفارش تک وسیع ہے اور اس میں یہ اصول بتا دیا گیا ہے کہ کسی نیک غرض کی جدوجہد میں جتنا حصہ بھی لیا جائے حصہ لینے والا بھی اس نیک کام کے ثواب میں شریک ہوگا، ایسا ہی برے کام کی جدوجہد میں حصہ لینا اس کے گناہ میں شریک ہونا ہے، ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

وتعاونوا علی البرّ والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعُدوان، واتقوااللّٰہ ان اللّٰہ شدید العقاب . (سورۃ مائدہ:۲)

ترجمہ: اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو، اور ڈرو اللہ سے، بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

غرض یہ کہ حاجتمندوں کی حاجت برآری ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا اور جو جس قدر بھی مدد تم سے چاہے اگر تمہاری طاقت میں ہو تو وہ اس کو دینا ہر مسلمان پر ایک حق کی حیثیت رکھتا ہے جس کو ہر مسلمان کو ادا کرنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے گویا انہی آیات کی تشریح اپنے ان الفاظ میں فرمائی ہے: جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا، تو خدا اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا، اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو اس سے دور کرے گا۔ (صحیحین)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا: اللہ اپنے بندہ کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ (بحوالہ ترمذی)

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی سائل یا حاجتمند آتا تو آپ ﷺ صحابہؓ سے فرماتے کہ تم سفارش کرو تو تمہیں ثواب ملے گا۔ ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ اگر

کچھ اور نہ ہو سکے تو بے کس حاجتمند کی مدد کیا کرو۔ یہ بھی فرمایا کہ بھولے بھٹکے ہوئے کو اور کسی اندھے کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے، یہ بھی ارشاد ہوا کہ جو شخص راستہ چلنے میں کوئی کانٹا راستے سے ہٹا دے تو خدا تعالیٰ اس کے اس کام کی قدر کرتا ہے اور اس کا گناہ معاف کرتا ہے۔ (بحوالہ ترمذی شریف)

محتاجوں کے حقوق کی مزید کچھ وضاحت

انسان ضروریات کا بندہ ہے اس پر کبھی کبھی ایسا موقع ضرور آتا ہے کہ اس کو دوسروں کا دست نگر بننا پڑتا ہے، دوسروں سے مدد لینا پڑتی ہے ایسے وقت میں انسانی معاشرہ کا یہ فرض ہے کہ وہ مصیبت کے وقت میں اپنے انسانی بھائی کی حاجت روائی کے لیے کوشش کرے قرآن حکیم میں ایسے لوگوں کا دوسرے لوگوں کے مالوں میں حق مقرر ہے، ارشاد ربانی ہے!

''جن کے مالوں میں مانگنے والوں اور محروم لوگوں کے لیے حق ہے''۔

(سورۃ ا اریات:۱)

مسافر دوران سفر لٹ جائے، کمائی یا کھیتی پر کوئی اچانک افتاد پڑ جائے، اچانک کسی حادثہ یا بیماری سے مستقل معذوری کی صورت بن جائے وغیرہ وغیرہ غرض اس طرح کے کئی پہلوؤں میں ایک انسان مفلس، مجبور محتاج اور ضرورت مند بن کر سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے قرآن مجید میں ایسے سائل کو انکار کرنے سے منع فرمایا ہے ارشاد ربانی ہے!

''اور تو سوال کرنے والے کو جھڑ کا نہ کر'' (سورۃ الضحیٰ)

اس طرح کوئی بھی ضرورت مند مدد کا خواستگار، خواہ وہ جسمانی، مالی یا علمی مجبوری کے ہاتھوں سوال کرنے پر مجبور ہو گیا ہو تو وہ سائل ہے اور اس کو انکار کرنے یا جھڑکنے سے منع فرمایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے مدد کی ایک صورت یہ بھی بتائی ہے کہ آپ اس کی کسی دوسرے سے سفارش کر دیں تو یہ بھی کافی ہے ارشاد ربانی ہے!''جو نیک بات کی سفارش

کرے تو اس کے ثواب میں اس کا بھی حصہ ہوگا اور جو بُری بات کی سفارش کرے گا تو اس کے گناہ میں وہ بھی حصہ پائے گا اور ہر چیز کا نگہبان اللہ ہے۔" (سورۃ النساء:۱۱)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

"جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو خدا اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا اور جو کسی کی کوئی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ قیامت کے روز قیامت کی مصیبتوں میں سے اس کی کوئی مصیبت دور کرے گا۔" (بحوالہ صحیح بخاری و مسلم)

ایک دوسری روایت میں ارشاد نبوی ﷺ ہے!

"اللہ اپنے بندہ کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے"۔ (بحوالہ ترمذی)

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی سائل یا حاجت مند آتا تو آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے کہ!"تم سفارش کرو تو تمہیں بھی ثواب ملے گا"۔

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ"اگر کچھ اور نہ ہو سکے تو بے کس حاجت مند کی مدد ہی کیا کرو کسی بھولے بھٹکے ہوئے کو راہ لگانا، راستہ میں پڑی ضرر رساں کوئی چیز یا کانٹا ہٹانا بھی خداوند تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا کام ہے، وہ ذات ایسے کام کی قدر کرتی ہے اور اس کا گناہ معاف کر دیتی ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک فرمان مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے آدم کے بیٹے میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہ کی، انسان حیران ہو کر کہے گا کہ اے میرے رب! تو تو رب العلمین ہے میں تیری کس طرح عیادت کرتا، پھر خدا تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو اسے میرے پاس پاتا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تو نے مجھے

کھانا نہ دیا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اسے کھانا دیتا تو اسے میرے پاس پاتا، اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، انسان کہے گا اے میرے رب! میں تجھے کس طرح پانی پلاتا جبکہ تو رب العٰلمین ہے خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے اسے پانی نہ پلایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔" (بحوالہ صحیح مسلم)

غریبی اور حقارت اتنی قابل حقارت نہیں جتنی کہ اہل دنیا نے اسے مذموم سمجھ لیا ہے

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ داخل ہونے والے زیادہ مسکین اور غریب لوگ ہیں۔

(بحوالہ صحیح مسلم)

اسی طرح ایک دوسری روایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ جنت کے بادشاہ کون ہوں گے میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (جنت کا بادشاہ) وہ شخص ہوگا جو کمزور ہے لوگ اسے کمزور سمجھتے ہیں وہ پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے کوئی اس کی پرواہ نہیں کرتا (مگر اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں اس کا وہ رتبہ ہے کہ) اگر وہ خدا کے بھروسے پر قسم کھالے تو خدا اسے سچا کر دیتا ہے۔" (ابن ماجہ)

حضرت سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کے پاس سے گزرا۔ آپ ﷺ نے (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) سے فرمایا تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ (یعنی تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ شخص کیسا ہے) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اس قابل ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس سے نکاح کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے اور اگر بات کرے تو اس کی بات پر غور کیا جائے۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تو پھر حضور ﷺ خاموش ہو گئے اسی دوران غریب مسلمان میں سے ایک شخص گزرا تو حضور ﷺ نے پوچھا! "بھلا اس کے بارے میں

کیا کہتے ہو؟ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ (تو معمولی آدمی ہے اور) اس قابل ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر بات کرے تو اسے غور سے نہ سنا جائے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر دنیا اس جیسے (امیروں) سے بھری ہوئی ہو تو ان سب سے یہ (غریب) بہتر ہے۔ (بحوالہ صحیح بخاری شریف)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا تمہارے لیے صدقہ ہے اور تمہارا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے اور تمہارا کسی ایسے شخص کو ایسی سرزمین میں راستہ بتا دینا جہاں لوگ راستہ بھول جاتے ہوں تمہارے لیے صدقہ ہے اور تمہارا کسی ایسے شخص کی مدد کرنا جس کی بصارت خراب ہو (یعنی نابینا کمزور نگاہ والا ہو) تمہارے لیے صدقہ ہے، اور تمہارا راستے سے پتھر ہٹانا، کانٹا ہٹانا، یا ہڈی وغیرہ کا ہٹا دینا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے اور تمہارا اپنا ڈول ڈال کر اپنے بھائی کے لیے پانی نکال کر اپنے بھائی کے ڈول میں ڈال دینا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے۔ (بحوالہ ترمذی)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار پرسی کرو اور قیدی کو رہائی دلاؤ۔ (بحوالہ ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے (صحابۂ کرام کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ آج تم میں سے کون روزہ دار ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج تم میں سے کون جنازے کے ساتھ گیا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج تم میں سے کس کس نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے کھانا کھلایا ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آج تم میں سے کس نے کسی مریض کی عیادت کی ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے کی ہے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا

کہ جس شخص میں یہ تمام باتیں جمع ہو گئیں وہ جنت میں جائے گا۔" (بحوالہ صحیح مسلم)

غرض معاشرے کے محروم ومحتاج اور مصائب کے شکار افراد اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ دوسرے لوگ حسب استطاعت ان کے غم والم اور احتیاج کے وقت ان کی مدد کریں کیونکہ اسی میں انسانی معاشرے کے لیے برکت ورحمت اور حیات ہے۔

❁❁❁❁❁❁

بیمار کے حقوق

دنیا کا ایک اور کمزور طبقہ جو ہماری ہمدردیوں کا مستحق ہے بیماروں اور مریضوں کا ہے، یہ عموماً اپنی اس حالت میں اپنی خبر گیری اور خدمت آپ نہیں کر سکتے۔ ان ہمدردی کے لائق انسانوں کی دیکھ بھال، خدمت، غمخواری اور تیمارداری بھی انسانیت کا ایک فرض ہے اور اس فرض کا نام عربی میں عیادت ہے۔ (عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ عیادۃ المریض کے معنی صرف بیمار پرسی کے ہیں، یعنی کسی بیماری کی حالت میں دیکھنے کو جانا لیکن واقعہ ایسا نہیں ہے بیمار کی عیادت کے معنی بیمار پرسی کے بھی ہیں اور اس کی تیمارداری غمخواری اور خدمت گزاری کے بھی ہیں۔ بیمار کو بیماری کی حالت میں صرف دیکھنے کو جانا تو عیادۃ کی معمولی قسم ہے اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کی غمخواری کرے اس سے زیادہ یہ ہے کہ اس کی پوری تیمارداری اور خدمت گذاری کرے۔ عرب کا ایک قدیم شاعر جو حجاج کے زمانہ میں تھا کہتا ہے، تجھے جو غم پہنچا اس سے نیند چلی گئی تو نیند معلوم نہیں ہوتی۔ اور عیادت کرنے والے سو گئے۔ قاعدہ یہ ہے کہ کسی تیماردار اور خدمت گذار اس کی آخری حالت میں شب و روز اس کی خدمت میں جاگتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کی کئی کئی راتیں کٹ جاتی ہیں لیکن جب بیمار سے مایوسی ہو جاتی ہے اور وہ موت کے قریب ہو جاتا ہے یا مر جاتا ہے تو پھر ان پر نیند طاری ہو جاتی ہے اور وہ سو جاتے ہیں۔ اب اگر "عیادت" کے معنی صرف بیمار پرسی کے ہوتے تو عیادت کرنے والوں کے سو جانے کا کوئی مطلب نہ ہوتا، اس سے ظاہر ہوا کہ "عیادت" کی وسعت میں خدمت گذاری اور تیمارداری سے لے کر بیمار پرسی تک سارے مدارج داخل ہیں۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عیادت کے معنی صرف بیمار کے دیکھنے کو جانے ہی کے ہوں تب بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ جب صرف اس کو دیکھنے جانے کا ثواب اتنا ہے تو اس کی خدمت اور

تیمارداری کا ثواب کتنا ہوگا۔) ان بیماروں کے ساتھ اسلام نے سب سے پہلی ہمدردی تو یہ دکھائی ہے کہ وہ بہت سے فرائض جن کے ادا کرنے سے وہ مجبور ہو رہے ہیں، یا جن کے ادا کرنے سے ان کی تکلیف کی زیادتی کا خیال ہے، ان کو یک قلم معاف یا کم کردیا ہے، اور قرآن نے اس کے لئے ایک کلی اصول بنادیا ہے۔

ولا علی المریض حرج (سورۃ نور:۶۱)

ترجمہ: اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے۔ **لیس علی الاعمٰی حرجٌ ولاعلی الاعرج حرجٌ ولاعلی المریض حرج .** (سورۃ فتح:۱۷)

ترجمہ: نہ اندھے پر تنگی ہے (کہ وہ جہاد میں شریک ہو) اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر۔

لیس علی الضعفاء ولا علی المرضٰی (سورۃ توبہ:۹)

ترجمہ: نہ کمزوروں پر نہ بیماروں پر (جہاد کے عدم شرکت کی باز پرس ہے۔)

بیماروں کے لئے وضو معاف ہے، **وان کنتم مرضٰی** (سورۃ مائدہ:۳)

"یا تم بیمار ہو تو تیمم کرو۔"

اسی طرح ان سے تہجد کی لمبی نمازیں معاف ہیں **علم ان سیکون منکم مرضٰی** (سورۃ مزمل:۲)

"خدا کو معلوم تھا کہ تم میں کچھ بیمار بھی ہوں گے۔" اسی طرح حج کے احکام میں بھی بیمار کے لئے رعایت فرمائی گئی۔ **فمن کان منکم مریضا** (بقرہ:۱۸۴)

"روزہ توڑنے کی اس کو اجازت دی گئی۔" کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی قوت نہ ہو تو بیٹھ کر، اور اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز کی رخصت دی گئی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے فرائض معاف کردیئے تو بندوں کو کس حد تک ان سے اپنے اخلاقی مطالبہ میں کمی کردینی چاہیئے۔

اسلام نے مسلمان کی بیماری کی تکلیف کو صبر وشکر کے ساتھ برداشت کرنے کی

حالت میں غم کے بجائے خوشخبری بنا دیا ہے۔ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ مؤمن کو دنیا میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، اگر وہ بیمار ہو جائے اور صبر کے ساتھ بیماری کی تکلیفوں کو برداشت کرے تو آخرت کے عذابِ شدید سے بچانے کے لئے وہ اس کے گناہوں کا معاوضہ بن جاتی ہے اور وہ پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے بیماروں کی عیادت کی خاص تاکید فرمائی ہے۔ اس کے آداب تعلیم کئے ہیں، اسکی دعائیں سکھائی ہیں، اور اس کا ثواب بتایا ہے۔ فرمایا جو کوئی مسلمان کے کسی غم کو ہلکا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے غم کو ہلکا کرے گا۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ جب وہ بیمار پڑے تو وہ اسکی عیادت کرے صحابہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ہم کو سات باتوں کا حکم دیا تھا، جن میں سے ایک بیمار کی عیادت ہے۔ ارشاد ہوا کہ جب کوئی صبح کو کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو فرشتے شام تک اس کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں، اور جب شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک فرشتے اس کی مغفرت کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے ہیں۔ یہ بھی آیا ہے کہ "جب کوئی کسی بیمار کی عیادت کو جاتا ہے تو واپسی تک وہ جنت کے میوے چنتا رہتا ہے۔ فرمایا کہ جب کوئی کسی کی عیادت کے لئے جائے تو اُس کے ہاتھ اور پیشانی پر ہاتھ رکھے اور اس کو تسلی اور دلاسہ دے، اور اس کو شفا پانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔" آنحضرت ﷺ اور آپ کی تعلیم سے صحابۂ کرامؓ کو بیماروں کی عیادت کا اس قدر اہتمام تھا کہ وہ اس کو ایک اسلامی حق جانتے تھے بلکہ اس معاملہ میں مسلمان اور غیر مسلم کی تفریق نہ تھی، آپ نے یہودیوں کی عیادت فرمائی ہے، منافقوں کی عیادت کو تشریف لے گئے ہیں، اور اسی سے علماء نے غیر مسلموں کی عیادت کی بھی اجازت دی ہے۔ حضرت سعد بن معاذؓ جب زخمی ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کا خیمہ مسجد میں نصب فرمایا تاکہ بار بار ان کی عیادت کی جا سکے۔ رفیدہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جو ثواب

کی خاطر زخمیوں کا علاج اور ان کی خدمت کیا کرتی تھیں، ان کا خیمہ بھی اسی مسجد میں رہتا تھا، تا کہ لڑائیوں سے زخمی مسلمانوں کی تیمارداری اور مرہم پٹی کریں۔ غزوات اور لڑائیوں میں بھی بعض ایسی بی بیاں فوج کے ساتھ رہتی تھیں جو بیماروں کی خدمت اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ آپ ﷺ نے اپنے پیرؤوں کو عمومیت کے ساتھ حکم دیا ہے کہ ''بھوکے کو کھلاؤ، قیدی کو چھڑاؤ اور بیمار کی عیادت کرو'' ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے عیادت کی فضیلت حسب ذیل مؤثر و دلکش طرزِ ادا میں ظاہر فرمائی کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ ''اے آدم کے بیٹے میں بیمار پڑا، تو میری عیادت تُو نے نہ کی''، وہ کہے گا اے میرے پروردگار تُو تو سارے جہاں کا پروردگار تھا، میں تیری عیادت کیونکر کرتا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا بندہ بیمار ہوا اگر تو نے اس کی عیادت نہ کی اگر کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا''۔ تعلیم کی یہ طرز ادا بیمار پرسی، بیمار کی تیمارداری اور غمخواری کی کیسی دلنشین تلقین ہے اور صابر و شاکر بیمار کی کیسی ہمت افزائی ہے کہ اس کا رب گویا اس کے سرہانے کھڑا اپنی مہربانیوں سے اسے نوازتا رہتا ہے، اور اس کے درجوں اور رتبوں کو بلند کرتا رہتا ہے، اور کیسے خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو ان بیماروں کی خدمت کر کے خدا کا قرب پاتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁

مہمان کے حقوق

موجودہ نظامِ تمدن میں گو مہمانی کی زحمت ہوٹلوں اور ریسٹرانوں نے اپنے سر لے لی ہے، مگر گزشتہ نظامِ تمدن میں اس کی جگہ نہایت اہم تھی اور اب بھی مہمان نوازی مشرقی تمدن کے خمیر میں داخل ہے اور مغربی تمدن نے بھی اس کی رسمی حیثیت کو باقی رکھا ہے ہر انسان کسی نہ کسی وقت کسی کا مہمان ہوتا ہے اس لئے یہ کہنا چاہئے کہ سوسائٹی کے نظام میں اس کی حیثیت مبادلہ اخلاق کی ہے۔ آج ہم اپنے مہمان کے ساتھ نیک سلوک اور عزت کا برتاؤ کریں گے، تو کل وہ ہمارے ساتھ کرے گا۔ گزشتہ مذاہب کے اخلاق میں مہمان نوازی کی تعلیم کا ذکر خصوصیت کے ساتھ نہیں لیکن اہلِ عرب میں مہمان کا بہت بڑا حق سمجھا جاتا تھا، مہمان کی خدمت اور حفاظت میزبان اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اسلام آیا تو اس نے اس فرض کی اہمیت کو اور بڑھایا۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا ذکر سورۂ ذاریات کی ان آیتوں میں آیا ہے۔ **هل اتک حديث ضيف ابراهيم المكرمين .اذدخلوا عليه فقالوا سلٰما قال سلٰم قوم منكرون. فراغ الٰى اهله فجاءَ بعجلٍ سمين فقربهٗ اليهم قال الا تأكلون فأوجس منهم خيفة . قالوا الا تخف وبشروهُ بغلام عليمo** (سورۃ ذاریات:۲۸)

ترجمہ: (اے پیغمبر) ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت بھی تم تک پہنچی ہے کہ جب یہ لوگ ان کے پاس آئے تو (آتے ہی) سلام علیک کی، ابراہیم نے سلام کا جواب دیا، (اور دل میں کہا کہ یہ) لوگ تو کچھ اجنبی سے معلوم ہوتے ہیں، پھر جلدی سے اپنے گھر گیا (ایک) موٹا تازہ بچھڑا (یعنی اس کا گوشت بھنوا کر مہمانوں کے لئے) لائے اور ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے تامل کیا، ابراہیم نے پوچھا آپ لوگ کھاتے کیوں

نہیں، اس پر بھی انہوں نے کھانے سے انکار کیا، تب تو ابراہیم ان سے جی ہی جی میں ڈرے، انہوں نے اس کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ آپ کسی طرح کا اندیشہ نہ کریں اور ان کو ایک ہوشیار فرزند کی خوشخبری بھی دی۔

اس حکایت سے آدابِ مہمان نوازی کے متعلق حسب ذیل نتیجے نکالے جا سکتے ہیں۔(1) مہمان اور میزبان میں کلام کی ابتداء باہمی سلام سے ہونا چاہیئے۔

(2) مہمان کے کھانے پینے کا فوراً سامان کرنا چاہیے، کیونکہ ''روغان'' کے معنی سرعت کے ہیں۔(3) روغان کے ایک معنی چپکے چلے جانے یا دزدیدہ نگاہوں سے دیکھنے کے بھی ہیں۔اس لئے مہمانوں کے کھانے پینے کا سامان مخفی طور پر ان کی نگاہ بچا کر کرنا چاہیئے، کیونکہ اگر مہمانوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے لئے کچھ سامان تیار کیا جا رہا ہے، تو وہ ازراہِ تکلف اس کو روکیں گے۔اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اہل وعیال سے یہ نہیں کہا کہ کھانے پینے کا سامان کرو، بلکہ چپکے سے خود کھانے پینے کا سامان تیار کرنے چلے گئے۔

(4) کسی بہانے تھوڑی دیر کے لئے مہمانوں سے الگ ہو جانا چاہیے، تا کہ ان کو آرام کرنے یا دوسری ضروریات سے فارغ ہونے میں تکلیف نہ ہو۔اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کھانے پینے کا سامان تیار کرنے کے لئے ان سے الگ ہو گئے۔

(5) مہمانوں کے سامنے عمدہ سے عمدہ کھانا پیش کرنا چاہیئے۔اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح کیا۔

(6) کھانا مہمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہیئے، ان کو کھانے کا حکم نہیں دینا چاہیئے۔اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ آپ لوگ کیوں نہیں کھاتے، یہ نہیں کہا کہ آپ لوگ کھایئے۔

(7) مہمانوں کے کھانے سے سرور اور نہ کھانے سے مغموم ہونا چاہیئے۔کیونکہ جو لوگ بخیل ہوتے ہیں وہ کھانا تو مہمانوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں لیکن ان کی خواہش یہی

ہوتی ہے کہ مہمان نہ کھائے تا کہ وہ کھانا ان کے اور ان کے اہل وعیال کے کام آئے۔ اسی لئے جب ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ناپسند کیا، اور ان کے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ یہ دشمن بن کر تو نہیں آئے۔

(8) نہ کھانے کی حالت میں مہمانوں کو عمدہ الفاظ میں عذر کرنا چاہیے۔ اسی لئے ان فرشتوں نے کہا کہ اگر ہم نہیں کھاتے تو آپ کو خوف زدہ نہ ہونا چاہیئے، کیونکہ ہم لوگ کھاپی نہیں سکتے، بلکہ صرف آپ کو ایک لائق فرزند کے تولد کی بشارت دینے کے لئے آئے ہیں۔

سورۂ حجر میں حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان فرشتوں کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آرام وآرائش کے ساتھ میزبان، مہمان کی عزت وآبرو کا بھی محافظ ہوتا ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اس کے ساتھ اہانت آمیز برتاؤ کرنا چاہے تو میزبان کا یہ فرض ہے کہ مہمان کی جانب سے مدافعت کرے کیونکہ اس سے خود میزبان کی توہین ہوتی ہے۔ اسی لئے جب قومِ لوط ؑ نے ان مہمان فرشتوں کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کرنا چاہا تو حضرت لوط علیہ السلام نے کہا قرآن پاک اسے یوں بیان کرتا ہے: **قال ان ھؤلاء ضیفی فلا تفضحون واتقوا اللّٰہ ولا تخزون**

(سورۃ حجر:۶۹)

ترجمہ: کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں، تو (ان کے بارے میں) مجھ کو فضیحت نہ کرو، اور خدا سے ڈرو، اور مجھے رسوا نہ کرو۔

یہ تو قرآن مجید کے ضمنی اشارات تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے مکارمِ اخلاق میں مہمان نوازی کو بہ تصریح اس قدر اہمیت دی کہ اس کو ایمانِ کامل کا ایک جزو قرار دیا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کا جائزہ عزت کے ساتھ دے، کہا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کا جائزہ کیا ہے؟

فرمایا کہ ایک دن اور ایک رات اور مہمانی تین دن کی ہے، اس کے آگے مہمان پر صدقہ ہوگا، نیز فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے قرابت کے تعلقات کو جوڑے رکھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن کو روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا بیشک، فرمایا ایسا نہ کرو، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی، روزہ بھی رکھو اور بے روزہ بھی رہو کیونکہ تمہارے اوپر تمہارے جسم کا حق ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ، ایک شب کی مہمانی تو واجب ہے، پھر اگر مہمان کسی کے یہاں رہ جائے تو مہمانی اس پر قرض ہے، چاہے وہ لے لے، چاہے چھوڑ دے۔

چونکہ کہیں مہمان ہونا میزبان کے لئے بہر حال یک گونہ تکلیف کا باعث ہے اور کسی کے ہاں بے وجہ مفت کھانا انسانی اور اسلامی غیرت کے خلاف ہے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ جہاں میزبان کو مہمان کی خاطر تواضع اور تعظیم و تکریم کی ہدایت کی گئی ہے، وہاں مہمان کو بھی یہ بتا دیا جائے کہ وہ کسی دوسرے کے خوانِ کرم سے حدِ ضرورت سے زیادہ فائدہ نہ اٹھائے۔ چنانچہ احادیث میں یہ تصریح کر دی گئی ہے کہ مہمان کو کسی کے یہاں تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے صاحبِ خانہ کو تکلیف ہوگی اور اس پر بار پڑے گا۔ اس کے علاوہ تین دن سے زیادہ کی مہمانی صدقہ ہو جائے گی، جس کو خود غیور اور خوددار مہمان پسند نہیں کرے گا۔

❁❁❁❁❁❁

یتیموں کے حقوق

اللہ کی شان بڑی نرالی ہے اگر وہ چاہے تو عرصہ دراز تک اولاد کے سر پر باپ کا سایہ قائم رکھے اور کسی کے سر سے جب چاہے باپ کا سایہ اٹھالے، اس کی حکمت وہی جانتا ہے جن بچوں کے والدین کے بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں ان کو یتیم کہا جاتا ہے وہ چونکہ اکیلے اور تنہا رہ جاتے ہیں اس لیے بھی انہیں یتیم کہا جاتا ہے، اولاد کے لیے والدین کا اور بالخصوص والد کا سہارا نہایت ہی اہم ہے، جس کا نعم البدل دوسرے رشتہ دار نہیں بن سکتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یتیموں پر خصوصی توجہ دینے کا حکم دیا ہے، تاکہ ان کی تربیت اور پرورش والدین کی طرح آغوش محبت میں ہو جائے، کیونکہ اولاد کے لیے جو ہمدردی والدین کے دل میں ہوتی ہے اور کسی کے دل میں نہیں ہو سکتی۔

کلام الٰہی میں یتیم کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا اللہ، وبالوالدین احسانا وذی القربیٰ والیتٰمی والمساکین وقولوا للناس حسنا وّاقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ، ثم تولیتم الا قلیلا منکم وانتم مُعرضُون﴾

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین اور رشتہ دار، اور یتامی اور مساکین سے احسان کرو اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز پابندی سے پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو، پھر تم اس عہد سے پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے قائم رہے اور یہ کہ تم پھر جانے والے تھے۔'' (پ۱، البقرہ:۸۳)

فرمان الٰہی کے مطابق یتیم سے احسان یعنی خیرخواہی کرنے کے لیے کہا گیا ہے، جس کا مفہوم بڑا جامع ہے، مقصد یہ ہے کہ یتامی کے ساتھ جس طرح کی بھی بھلائی کر سکتے ہو کرو، ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے۔

﴿فاما الیتیم فلاتقهر﴾ ''پس یتیم پر دباؤ نہ ڈالو۔'' (سورۃ ضحیٰ:۹)

اور ایک مقام پر فرمایا گیا ہے:

﴿ویطعمون الطعام علیٰ حبہٖ مسکینا وّیتیما وّاسیرا، انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاءً ولا شکورا﴾

''اور وہ اللہ کی محبت کی بناء پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں، ان کے نزدیک کھانا کھلانے کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہوتا ہے، اور اس کے عوض نہ ہم تم سے کوئی جزا اور نہ شکر گزاری چاہتے ہیں۔''

مزید فرمایا ﴿أو اطعٰمٌ فی یومٍ ذی مسغبۃ، یتیما ذا مقربۃ، او مسکینا ذا متربۃً﴾

''یا افلاس کے دنوں میں کھانا کھلانا ہے، یعنی یتیم رشتہ دار کو کھانا کھلانا ہے یا تنگدست مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔'' (سورۃ بلد:۱۴۔۱)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں یتیموں کے حقوق کی بیحد اہمیت ہے، حقوق کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

یتیم سے حسن سلوک

یتیموں سے اچھا سلوک کرنا چاہئے، تا کہ وہ اپنے مرحوم والد کی شفقت کا نعم البدل محسوس کریں کیونکہ والدین کے دل میں اولاد کے لیے فطری طور پر ایک ایسا پیار اور محبت بھرا جذبہ ہوتا ہے، جس سے اولاد فرحت اور راحت محسوس کرتی ہے، اس لیے یتیموں سے ایسا مشفقانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے کہ جس شفقت سے وہ اپنے آپ کو محروم سمجھتے ہوں، انہیں وہ میسر ہے، اس لیے یتیم کو گود میں لینا، ان کا بوسہ لینا ان کے سر پر دست شفقت پھیرنا، انہیں بات بات پر جھڑکی نہ دینا، اگر ان سے کوئی غلطی یا نقصان ہو جائے تو انہیں محبت بھرے لہجے سے سمجھانا، سب حسن سلوک کے زمرے میں شمار ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿واعبدوا اللہ ولا تشرِکوا بہٖ شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتٰمٰی والمسٰکِین والجارذی القُربیٰ والجارِ الجنب والصّاحبِ بالجنب وابن السّبیل وما ملَکتُ أیمانکم، ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا﴾

''اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ، والدین اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی ہمسایوں اور دور کے ہمسایوں اور پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو تمہاری ملکیت میں ہوں ان سب سے احسان کرو، بیشک اللہ بڑائی مارنے والوں تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (سورۃ نساء:۳۶)

یتیموں کی پرورش کرنا، ان کی عمدہ طریقے سے اخلاقی اور مذہبی تربیت کرنا، مذہبی تہواروں پر ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا، ان کی ضروریات کی چیزوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرنا، اور اگر یتیم گھر میں آپ کی اولاد کے ساتھ رہتے ہوں تو ان کو اپنی اولاد کی طرح چاہنا، یہ سب احسان میں شامل ہے۔

ایک اور جگہ پر فرمایا گیا ہے کہ یتیم کو دھکے نہ دینے چاہئیں، بلکہ برے لوگ یتیموں کو دھکے دیتے ہیں یعنی ان سے برا سلوک کرتے ہیں۔

﴿فذالک الذی یدعُ الیتیم﴾

''پس یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔'' (سورۃ ماعون:۲)

برے لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی یتیم ان کے پاس ہمدردی کا طالب بن کر آتا ہے تو اسے اس کی بدحالی پر رحم نہیں آتا، اس کی بے کسی دیکھ کر اس کا دل نرم نہیں ہوتا، بلکہ نفرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور اسے دھکے دے کر اپنے ہاں سے نکالتا ہے، برے لوگوں کے اسی بد اخلاقی رویے کو ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

﴿کلا بل لا تکرمون الیتیم﴾

''ایسا نہیں بلکہ تم یتیم کی تکریم نہیں کرتے۔'' (سورۃ فجر:۱۷)

یہاں بتایا گیا ہے کہ برے لوگوں کی ایک برائی یہ بھی ہے کہ وہ یتیم کے ساتھ رحمت اور شفقت کا سلوک نہیں کرتے، جس حد تک ان کی عزت کرنی چاہیے وہ بھی نہیں کرتے بلکہ ان کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کرتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی برائی کا ذکر کر کے انہیں اس طرح رغبت دلائی ہے کہ یتیموں کے ساتھ ایسا سلوک کرو۔

یتیموں سے حسن سلوک کے بارے میں حضور ﷺ کی چند احادیث حسب ذیل ہیں:

''حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور کالے رخساروں والی عورت قیامت میں ایسے ہوں گے اور یزید بن ذریعؒ نے درمیانی اور شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا یعنی وہ جاہ و جمال والی عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا اور اس نے اپنے نفس کو یتیم بچوں کی وجہ سے روکے رکھا یہاں تک کہ وہ جدا ہو گئے یا مر گئے۔'' (بحوالہ ابوداؤد)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یتیم کی پرورش کرنے والا خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہو یا نہ ہو، میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے، راوی نے درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی کو ملا کر اشارہ کیا۔'' (بحوالہ مسلم شریف)

''حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو اللہ تعالیٰ ہر اس بال کے بدلے جس پر اس کا ہاتھ پھرے نیکیاں لکھ دیتا ہے اور جو کسی یتیم لڑکی یا یتیم لڑکے کے ساتھ اچھا سلوک کرے جو اس کے پاس ہو تو میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے اپنی دونوں انگلیاں ملائیں۔'' (بحوالہ ترمذی شریف)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مسلمان گھرانوں میں بہترین گھر وہ ہے جس گھر میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ نیکی کی جاتی ہو، اور مسلمانوں کا برا گھر وہ ہے جس گھر میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔'' (بحوالہ ابن ماجہ)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے اپنی قساوت قلبی کی شکایت کی، فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔'' (بحوالہ مسند احمد)

یتیموں کی پرورش وتربیت

یتیموں کا ایک حق یہ ہے کہ ان کی بہتر طریقے سے پرورش کی جائے، یتیم جن لوگوں کی زیر کفالت ہوں ان کو چاہئے کہ ان کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دیں، یتیم بچوں کو اپنی استطاعت کے مطابق اپنی اولاد کی طرح لکھایا پڑھایا جائے، اگر صاحب حیثیت ہوں تو ان کے تعلیمی اخراجات بھی برداشت کریں، تعلیم کے ساتھ ہی انہیں اچھے اخلاق وآداب بھی سکھائیں، اگر کسی بچے نے قرآن پڑھا ہو تو اس کی دینی تعلیم کا بھی اہتمام کریں تاکہ وہ جوان ہو کر معاشرے کے اچھے افراد بن سکیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ویسئلونک عن الیتمٰی ،قل اصلاحٌ لهم خیر وان تخالطُوهم فاخوانکم ،والله یعلم المُفسدَ من المُصلِح،ولو شاء الله لأعنتکم،ان الله عزیزٌ حکیم﴾

''اور آپ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ فرمائیے کہ ان کی اصلاح کرنا بہتر ہے، اور اگر تم ان کا خرچ دینے میں ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور خدا خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون، اور اگر خدا چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا، بے شک خدا غالب حکمت والا ہے۔'' (سورۃ بقرہ:۲۲۰)

یتیموں کی اصلاح کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یتیم بچے جن رشتہ داروں کی زیر کفالت ہوں انہیں چاہئے کہ ان کی اصلاح کی طرف متوجہ رہیں یعنی ان کی تربیت میں قطعاً کوتاہی نہ کریں، ان میں اچھے اخلاق پیدا کریں انہیں تعلیم دلوائیں، انہیں آداب زندگی سکھائیں، غرضیکہ ہر لحاظ سے انہیں اچھا بنانے کی کوشش کریں، اس کے بارے میں ارشادات نبوی ﷺ حسب ذیل ہیں:

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو اپنے کھانے اور پینے میں یتیم کو شامل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے، مگر جب کہ ایسا گناہ کرے جو بخشا نہ جائے اور جو تین بیٹیوں یا تین بہنوں کی پرورش کرے انہیں ادب سکھائے اور ان پر شفقت رکھے یہاں تک کہ انہیں ضرورت نہ رہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب فرما دیتا ہے، ایک شخص عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ! اگر دو ہوں؟ فرمایا اگر چہ دو ہوں، یہاں تک کہ لوگ عرض گزار ہوئے اگر ایک ہو؟ فرمایا اگر چہ ایک ہو، اور جس شخص کی دو پیاری چیزیں اللہ تعالیٰ چھین لے اس کے لیے جنت واجب ہو گئی، عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! دو پیاری چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا کہ دو آنکھیں۔ (شرح السنۃ)

یتیم کو اپنے روزمرہ کے کھانے پینے میں شامل کر لینے سے جنت کا حاصل ہونا لازم ہو جاتا ہے۔

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مسلمان یتیم کے کھانے پینے کی کفالت کرے اللہ تعالیٰ ضرور اسے پینے کی کفالت کرے اللہ تعالیٰ ضرور اسے جنت میں داخل کرے گا مگر یہ کہ وہ کوئی ایسا عمل کرے جس کی بخشش نہ ہو۔''

(بحوالہ ترمذی شریف)

یتیم کے طعام وقیام کا بندوبست کرنے والا جنت میں ہو جائے گا یعنی یتیموں کی کفالت کا انعام کتنا بڑا ہے، اس طرح اگر کسی کو یتیم کی کفالت کا موقع ملے تو اسے کبھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔

''حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا خواہ یتیم اپنا ہو یا غیر، جنت میں اس طرح ہوں گے اور اپنی شہادت والی اور درمیانی انگشت مبارک سے اشارہ فرمایا، اور ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔''

(بحوالہ بخاری شریف)

یتیم کی کفالت کرنے والے کو حضور ﷺ کی قربت' اعزاز بھی حاصل ہوگا یعنی وہ

جنت میں حضور ﷺ کے بالکل قرب میں ہوگا، یہ بھی بہت بڑا اعزاز ہے جو یتیم کی پرورش کی وجہ سے حاصل ہوگا۔

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے تین یتیموں کو پالا پوسا تو ایسا ہی ہے جیسا رات بھر عبادت کرتا رہا ہو، دن میں روزے رکھتا ہو، اور صبح وشام تلوار لے کر جہاد کرتا رہا ہو، اور یاد رکھو میں اور وہ شخص جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں، پھر آپ نے درمیانی اور شہادت کی انگلی کو ملا کر دکھایا۔''

(بحوالہ ابن ماجہ)

تین یتیموں کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا اتنا زیادہ ثواب ہے جتنا کہ کوئی عابد رات بھر عبادت کرتا ہو اور دن کو روزے رکھتا ہو اور صبح وشام جہاد کرتا ہو یہ بھی بہت بڑا انعام ہے غرضیکہ اس طرح یتیم کی پرورش کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور تاکید کی گئی ہے تاکہ لوگ یتیموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے داؤد! یتیم کے لیے مہربان باپ کی طرح، اور مفلس بیوہ کے لیے مہربان شوہر کی طرح ہوجا اور جان لے کہ جیسا بوئے گا ویسا ہی کاٹے گا، یعنی تو جیسا کرے گا ویسا ہی تجھ سے کیا جائے گا، کیونکہ آخر ایک دن مرنا ہے، تیری اولاد کو یتیم اور بیوی کو بیوہ ہونا ہے۔

یتیموں کی مالی معاونت

جو لوگ مالدار ہوں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اور دوسرے یتیموں کی مالی امداد کرتے رہا کریں کیونکہ یتیم بچے بچیوں کا ذریعہ معاش تو ہوتا نہیں مگر ضروریات زندگی کے لیے مال تو درکار ہوتا ہے، اس لیے اسلام میں مالداروں کے لیے ضروری ہے کہ یتیموں کی مالی امداد کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یسئلونک ماذا ینفقون، قل ما أنفقتم من خیرٍ فللوالدین و الأقربین

والیتمٰی والمسٰکینِ وابن السبیل ،وماتفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم﴾

''اے محبوب!لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں،فرما دیجئے جو چاہو خرچ کرو لیکن ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کو دو،اور جو بھلائی تم کرو گے خدا اس کو جانتا ہے۔'' (سورۃ بقرہ:۲۱۵)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق جن لوگوں کو مالی اعانت کی تاکید فرمائی گئی ہے ان میں یتامیٰ بھی شامل ہیں،اگر کسی کے پاس یتیم لوگ غربت اور افلاس کا شکار ہوں اور مالدار ہوتے ہوئے ان کی مدد نہ کرے تو یہ ان کی حق تلفی ہوگی جو اللہ کو ناپسند ہے،اس لیے جب کوئی شخص اللہ کی راہ میں مال دینے لگے تو مندرجہ بالا فرمان کے مطابق درجہ بدرجہ ان پر خرچ کرے جنہیں دینے کے لیے اللہ نے فرمایا ہے:

ایک اور مقام پر اللہ نے فرمایا ہے کہ ﴿واٰتی المال علٰی حبّہٖ ذوی القربٰی والیتمٰی والمسٰکین وابن السبیل ،والسائلینَ وفی الرّقاب﴾

''اور جو اپنا پیارا مال ہو اسے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں اور غلام آزاد کرانے میں خرچ کیا جائے۔'' (سورۃ بقرہ:۱۷۷)

مال و دولت ہر شخص کو پیارا لگتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہی سے کثرت میں ملتا ہے،اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس طرف توجہ دلائی ہے کہ میرا عطا کردہ مال میری مخلوق کے لیے خرچ کرو تاکہ میں اس کا تمہیں بہتر اجر دوں جن لوگوں پر اللہ کا حصہ خرچ کرنا ہے،ان میں رشتہ دار،یتیم،مسکین،مسافر،سائلین اور غلام شامل ہیں۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿واعلموا انما غنِمتم من شیء فان للہ خمسَہٗ وللرسول ولِذِی القُربٰی والیتٰمٰی والمساکینِ وابنِ السَّبیل﴾

''اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت سے حاصل ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔'' (سورۃ انفال:۴۱)

غنیمت کا مال جب مسلمانوں کو حاصل ہو تو اس میں سے رشتہ داروں یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو دیا جائے، اس بات کی ایک اور مقام پر یوں بھی ترغیب دی گئی ہے:

﴿ما افاء الله علىٰ رسوله من اهلِ القُرىٰ فلله وللرّسول ولذِى القربىٰ واليتمٰى والمساكين وابن السبيل كَى لا يكونَ دُولةً بينَ الأغنياءِ منكم، وما اٰتٰكم الرّسولُ فخذُوهُ وما نهٰكم عنهُ فانتهُوا واتقوا اللّٰه انّ اللّٰه شديدُ العقاب﴾

''جو مال غنیمت اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے دلوایا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ مال تمہارے دولتمندوں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے، اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں اسے خوشی سے قبول کرلو اور جس چیز سے وہ تمہیں منع کریں پس رک جایا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' (سورۃ حشر:۷)

ابو عمارہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسنؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے مسلمانوں کا ایسا زمانہ پایا ہے بلاشبہ ایک آدمی ان میں سے جب صبح کرتا تھا تو (اپنے گھر والوں سے) کہتا تھا اے گھر والو! اے گھر والو! اپنے یتیم کا خیال رکھو، ان کو کھلاؤ ان کی خدمت کرو، اور اے گھر والو! اے گھر والو! اپنے مسکینوں کا خیال رکھو اور اے گھر والو! اے گھر والو! اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو، اور تمہارے اچھے لوگ جلدی جلدی اس دنیا سے جارہے ہیں اور تم ہر دن گھٹیا اخلاق اختیار کرتے جارہے ہو اور میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا کہ آج کل یہ دور ہے کہ جب تو کسی فاسق کو دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے جو تیس ہزار (درہم و دینار گناہوں میں خرچ کر کے) دوزخ میں جارہا ہے، اس شخص کو کیا ہوا اللہ اس کا برا کرے، اس نے اپنا وہ حصہ جو اللہ سے ثواب کی صورت میں مل سکتا تھا، معمولی سی قیمت میں اسے بیچ دیا، (یعنی اتنا بڑا بھاری مال ذرا سے نفس کے مزے میں لگا دیا) اور اگر تو کسی ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جس نے اپنا کھلیان شیطان کی راہ میں خرچ کر کے ضائع

کر دیا تو ایسا شخص بھی دیکھ سکتا ہے، نہ تو خود اس کے نفس میں کوئی واعظ ہے جو اسے نصیحت کرے، نہ لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے جو اسے صحیح راہ پر لائے۔

یتیموں کے مال کی حفاظت

یتیم کے مال کی حفاظت کرنا اس کے سرپرست کے ذمے ہے، بعض یتیم بچوں کی بے شمار جائداد ہوتی ہے جو انہیں وراثت میں ملتی ہے ان کے مال کو بڑے احسن طریقے سے خرچ کرنا چاہئے، اور نہ ہی کسی بہانے سے خود کھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وابتلوا الیتٰمٰی حتی اذا بلغوا النّکاح فان اٰنستم منهم رُشدًا فادفعُوا الیهم اموالهم، ولا تأکلوها اسرافا وّبدارا ان یّکبرُوا ومن کان غنیا فلیستعفِف ومن کان فقیرًا فلیأکل بالمعروف فاذا دفعتم الیهم اموالهم فاشهدوا علیهم وکفی بالله حسیبا﴾

''اور یتیموں کی پرورش کرتے رہو حتی کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، پس اگر تم ان میں عقلمندی دیکھو تو ان کے مال ان کے سپرد کردو اور اسے فضول خرچی کے ذریعے نہ کھاؤ، اور نہ ہی جلد بازی میں اڑا لے جاؤ، کہ وہ بڑے ہو کر اپنا مال تم سے واپس لے لیں گے اور جو غنی ہو وہ اس سے بچے اور جو ضرورتمند ہو اسے چاہئے مناسب طریقے سے ان کے مال کو مصرف میں لائے، پھر جب ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو اس پر گواہ بنا لو، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے۔'' (سورۃ نساء:٦)

یہاں فرمایا گیا ہے کہ یتیموں کی دیکھ بھال ان کے جوان ہونے تک رکھو، اس وقت تک اگر ان کا مال تمہاری نگرانی میں ہو تو اب اسے ان کے سپرد کر دو کیونکہ اب وہ جوان ہو کر اس کی حفاظت کرنے کے خود قابل ہو گئے ہیں اور یتیموں کو جب ان کا مال واپس دیا جائے تو اس وقت اس پر گواہ بنا لیے جائیں۔

مزید ارشاد ہے: ﴿ولا تقربوا مالَ الیتیم الا بالتی ھِی أحسن حتی یبلُغ اشُدَّہ﴾

''یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو احسن ہو، یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے۔'' (سورۃ انعام: ۱۵۳)

یہ حکم دیا گیا ہے کہ یتیموں کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانے کی کوشش نہ کرو بلکہ ان کو فائدہ پہنچانے کے کاروبار میں اس طریقے سے لگا سکتے ہو جس سے انہیں فائدہ حاصل ہو، اور ان کے مال کی بڑے عمدہ طریقے سے حفاظت کرو، اور جب وہ صاحب عقل ہو جائیں تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو، اس طرح یتیموں کا مال بالکل باحفاظت طریقے سے ان کو مل جائے گا، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے مال کی حفاظت کی تاکید فرمائی ہے۔

یتیم کے مال کو اس وقت آپ اپنے ذاتی مصرف میں لا سکتے ہیں جبکہ آپ خود انتہائی غریب ہوں اور جب عذر غربت دور ہو جائے تو پھر مال استعمال میں لانا جائز نہیں، اس کے بارے میں حضور ﷺ کا بیان کردہ یہ ضابطہ حسب ذیل ہے:

''حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد ماجد سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا میں غریب ہوں میرے پاس کچھ بھی نہیں اور میرے پاس ایک یتیم ہے، فرمایا کہ اپنے یتیم کے مال سے کھالو لیکن اسراف نہ کرنا، جلدی نہ کرنا اور مال جمع نہ کرنا۔'' (بحوالہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

یتیموں کا مال کھانے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھا جانے سے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے، بلکہ اسے ظلم قرار دیا ہے، جو ایسا کرے گا وہ گویا کہ حرام مال کھائے گا جس کی بناء پر اسے آخرت میں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا یہ کتنی بڑی سزا ہوگی، اس لیے کبھی بھی یتیم کا مال کھانے کی

کوشش نہ کرنی چاہئے، اس کے بارے میں قرآنی آیات مندرجہ ذیل ہیں:

﴿واٰتوا الیتمٰی اموالھم ولا تتبدّلوا الخبیث بالطیب ولا تأکلوا اموالھم الٰی اَموالکم انه کان حوبا کبیرا﴾

''اور یتیموں کا مال ان کے حوالے کردو اور ان کے پاکیزہ مال کو اپنے برے سے مال سے نہ بدلو اور نہ ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھاؤ کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔'' (سورۃ نساء:۲)

﴿ان الذین یأکلون اموٰل الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا، وسیصلون سعیرا﴾

''بے شک جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈالتے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔'' (سورۃ نساء:۱۰)

﴿ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی أحسنُ حتّٰی یبلُغَ اشدّہ﴾

''یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو اس کے لیے فائدہ مند ہو یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے۔'' (سورۃ بنی اسرائیل:۳۴)

بسا اوقات انسان بے خوف ہو کر دوسرے کے مال اور اولاد میں تصرف کرتا ہے، کہ اسے اچانک موت آلیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اس کے مال اولاد خاندان کو تمام تعلقات کی ویسی ہی جزا دیتا ہے جیسا سلوک اس نے دوسرے کے ساتھ کیا ہوتا ہے اگر اچھا سلوک کیا ہوتا ہے تو اچھی جزا، اور اگر برا سلوک کیا ہوتا ہے تو بری سزا ملتی ہے، لہٰذا عقلمند کو چاہئے کہ اگر اس کے دل میں دین کا خوف نہ ہو تب بھی اسے اپنی اولاد اور مال کی خاطر خوف کرنا چاہئے اور یتیموں کے مال کو جو اس کی سرپرستی میں ہیں ایسے خرچ کرے جیسے وہ (اپنی اولاد کے مال میں ان کے یتیم ہونے کی صورت میں ان کے سرپرست سے خرچ کرنے کی امید رکھتا ہے۔

یتیموں کا مال نہ کھانے کے بارے میں چند احادیث حسب ذیل ہیں:

''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا ''اور یتیموں

کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقے سے" اور ارشاد باری "وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں" تو جس کے پاس بھی کوئی یتیم تھا اس نے اس کا کھانا اور پینا اپنے کھانے اور پینے سے ایک طرف کر دیا، جب یتیم کے کھانے یا پینے کی چیز سے کچھ بچ رہتا تو اسی کے لیے رکھ دیا جاتا، یہاں تک کہ وہ کھالیتا یا خراب ہو جاتا، یہ لوگوں پر گراں گزرا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، پس اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا "اور آپ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان کا بھلا کرنا بہتر ہے اور اگر اپنا اور ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ پس لوگوں نے ان کے کھانے پینے کی چیزیں اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں ملا لیں۔" (بحوالہ ابوداؤد)

حاکم نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ چار شخص ایسے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ عدل کرے گا تو انہیں جنت میں داخل نہ کرے گا اور نہ ہی انہیں جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے دے گا، شرابی، سودخور ناحق یتیموں کا مال کھانے والا اور والدین کا نافرمان۔

"حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے اللہ! میں دو ضعیفوں کا یعنی ایک یتیم کا اور ایک عورت کا حق کھانے کو (انتہائی برا سمجھتا ہوں)

(بحوالہ ابن ماجہ)

صحیح ابن حبان میں روایت ہے کہ ان باتوں میں جو آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کے توسط سے جو احکام یمن والوں کو بھیجے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے بڑا گناہ اللہ کا شریک ٹھہرانا، ناحق کسی مؤمن کو قتل کرنا، جنگ کے دن میدان سے جہاد فی سبیل اللہ سے فرار، والدین کی نافرمانی، پاکباز عورتوں پر اتہام لگانا، جادو سیکھنا، سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا ہے۔ (بحوالہ ابن حبان)

"حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات مہلک چیزوں سے بچو، حاضرین نے دریافت کیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کا

شریک ٹھہرانا، جادوگری کرنا اور اس شخص کو قتل کرنا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا مگر حق کی وجہ سے، سود کھانا، یتیم کا مال ہضم کر جانا، لڑائی کے دن پیٹھ دکھانا اور ایماندار بے خبر پاکدامن خواتین پر تہمت لگانا۔" (بحوالہ بخاری شریف)

معراج شریف کی حدیث میں ہے، پس میں اچانک ایسے آدمیوں کے پاس آیا جن پر کچھ لوگ مقرر تھے، جو ان کی داڑھیاں نوچ رہے تھے اور کچھ لوگ جہنم کے پتھر لا کر ان کے منہ میں ڈال رہے تھے جو ان کے پیچھے سے نکل رہے تھے، میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے کہا جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھا رہے ہیں، پس اس کے سوا اور کچھ نہیں (یہ وہی لوگ ہیں) (بحوالہ مکاشفۃ القلوب)

صاحب ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یتیموں کے مالوں کے ساتھ اپنا مال گڈمڈ کر کے ملا کر کھا جانے کی نیت نہ رکھو، حلال رزق جب خدا تمہیں دے رہا ہے پھر حرام کی طرف کیوں منہ اٹھاؤ، تقدیر کی روزی مل کر ہی رہے گی، اپنے حلال مال چھوڑ کر لوگوں کے مالوں کو جو تم پر حرام ہیں، نہ لو دبلا پتلا جانور دے کر موٹا تازہ نہ لو، بوٹی دے کر بکرے کی فکر نہ کرو، ردی دے کر اچھے کی، کھوٹا دے کر کھرے کی نیت نہ رکھو، پہلے لوگ ایسا کر لیا کرتے تھے کہ یتیموں کی بکریوں کے ریوڑ میں سے عمدہ بکری لے لی اور اپنی دبلی پتلی بکری دے کر گنتی پوری کر دی، کھوٹا درہم اس کے مال میں ڈال کر کھرا نکال لیا اور پھر سمجھ لیا کہ ہم نے تو بکری کے بدلے بکری اور درہم کے بدلے درہم لیا ہے، ان کے مال میں اپنا مال خلط ملط کر کے پھر یہ حیلہ کر کے کہ اب امتیاز کیا ہے ان کے مال تلف نہ کرو یہ بڑا گناہ ہے۔ (بحوالہ ابن کثیر)

یتیموں کی شادی کرنا

یتیم بچے کا ایک حق یہ ہے کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہنچ جائیں تو سرپرست کو ان کی شادی کر دینی چاہئے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النسآء

مثنیٰ وثلٰث وربٰع ،فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ماملکت ایمانکم ، ذلک ادنیٰ الا تعولوا﴾

''اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو اس کے سوا جو عورتیں تمہیں پسند ہوں۔ دو دو یا تین تین یا چار چار سے نکاح کر لو، اور اگر اس بات کا ڈر ہو کہ برابر سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت کافی ہے یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو اس سے تم بے انصافی سے بچ سکو گے۔'' (نساء:۳)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ تمہاری پرورش میں اگر کوئی یتیم لڑکی ہو اور تم اس سے نکاح کرنا چاہتے ہو لیکن چونکہ اس کا کوئی اور نہیں اس لیے تم ایسا نہ کرو کہ مہر اور حقوق میں کمی کر کے اسے اپنے گھر ڈال لو، اس سے باز رہو، اور عورتیں بہت ہیں جس سے چاہو نکاح کر لو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک یتیم لڑکی تھی جس کے پاس مال بھی تھا اور باغ بھی، جس کی پرورش میں وہ تھی، اس نے صرف اس کے مال کے لالچ میں بغیر اس کا مہر وغیرہ پورا مقرر کر کین کیے اس سے نکاح کر لیا جس پر یہ آیت اتری، میرا خیال ہے کہ اس باغ اور مال میں یہ لڑکی حصہ دار تھی۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا بھانجے! یہ ذکر اس یتیم لڑکی کا ہے جو اپنے ولی کے قبضہ میں ہے اس کے مال میں شریک ہے اور اسے اس کا مال و جمال اچھا لگتا ہے، چاہتا ہے کہ یہ اس سے نکاح کر لے لیکن جو مہر وغیرہ اور جگہ سے اسے ملتا ہے اتنا یہ نہیں دیتا، تو اسے منع ہو رہا ہے کہ پھر یہ اس کی نیت چھوڑ دے اور دوسری عورت سے جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے۔

ایک اور مقام پر یوں فرمایا گیا ہے ''اور آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تو آپ فرمایئے کہ اللہ ان کے بارے میں حکم دیتا ہے جو یتیم لڑکیوں کے بارے

میں قرآن پاک میں بیان کیا جا چکا ہے تم ان کا مقرر کردہ حق نہیں دیتے اور یہ خواہش رکھتے ہو کہ ان کے ساتھ نکاح کر لو اور کمزور بچوں کے بارے میں سوچتے نہیں ہو اور یہ بھی حکم ہے کہ یتیموں کے بارے میں انصاف قائم کرو اور جو بھی تم بھلائی کرتے ہو تو بے شک اللہ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔'' (سورۃ نساء:۱۲۷)

مقصد یہ ہے کہ ایسی یتیم بچی جس سے اس کے ولی کو نکاح حلال ہو تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ جو مہر اس جیسی اس کے کنبے قبیلے کی اور لڑکیوں کو ملا ہے اسے بھی دے اور اگر ایسا نہ کرے تو اسے چاہئے اس سے نکاح بھی نہ کرے۔

یتیموں کے حقوق کی مزید کچھ وضاحت

وہ کمسن بچہ جو باپ کے سایہ رحمت و عاطفت سے محروم ہو جائے اسے یتیم بولا جاتا ہے، اسلامی معاشرت میں ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس یتیم بچے کو آغوش محبت میں لے لیں، اسے پیار کریں، اس کی خدمت کریں، اس کو تعلیم دلائیں اس کے متروکہ مال واسباب کی حفاظت کریں اور جب وہ عقل و شعور کو پہنچ جائے تو پوری دیانتداری سے اس کی امانت اسے پوری کی پوری واپس کر دی جائے۔ اس کی شادی اور خانہ آبادی کا اہتمام کیا جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

''اور بہتری کی غرض کے سوا یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی طاقت کی عمر کو پہنچ جائیں۔'' (سورۃ انعام:۱۹)

دوسری جگہ ارشاد ہے ''اور یہ کہ یتیموں کے لیے انصاف پر قائم رہو۔'' (سورۃ النساء:۱۹)

یتیموں کے مال میں اسراف کرنے سے منع کیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

''اور اڑا کر اور جلدی کر کے ان کا مال نہ کھاؤ کہ کہیں یہ بڑے نہ ہو جائیں۔''

(سورۃ النساء:۱)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے "اور جو (متولی) بے نیاز ہے اس کو چاہیے کہ بچتا رہے اور جو محتاج ہے تو منصفانہ طور پر دستور کے مطابق کھائے۔" (سورۃ النساء:۱)

یتیم بچوں کے مال کو بددیانتی اور اسراف سے خرچ کرنے کی جہاں تنبیہ کی گئی ہے وہاں یہ بھی ہدایت ہے کہ نابالغ یتیم بچوں کے سپرد ان کا مال نہ کرو جب وہ سن رشد کو پہنچ جائیں تو پھر ان کی عقل کو دیکھ بھال کر ان کی امانت ان کے سپرد کریں۔ ارشاد خداوندی ہے۔ "اور بے وقوفوں کو اپنے مال جس کو خدا نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے نہ پکڑا دو اور ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہو اور یتیموں کو جانچتے رہو جب وہ نکاح کی (طبعی) عمر کو پہنچیں تو ان میں اگر ہوشیاری دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔" (سورۃ النساء:۱)

یتیم کی عزت نہ کرنے والے اور اس کی بھوک پیاس کا احساس نہ کرنے والے کے بارے میں قرآن مجید کے اندر متعدد مقامات پر تنبیہ کی گئی ہے۔ سورۃ الماعون میں ارشاد خداوندی ہے۔

"کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا جو انصاف کو جھٹلاتا ہے سو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔" سورۃ الفجر میں ارشاد خداوندی ہے "نہیں یہ بات نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ ایک دوسرے کو مسکین کو کھانے کھلانے پر آمادہ کرتے ہو اور مرے ہوئے لوگوں کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور دنیا کے مال و دولت پر جی بھر کر ریجھے رہتے ہو۔

(سورۃ الفجر:۱)

مکی دور نزول قرآن میں یتیموں کی پرورش اور بے کس و نادار پر رحم و کرم کی دعوت متعدد آیات قرآنی میں دی گئی ہے، دولت مندوں کو غریبوں کے ساتھ فیاضی کی تلقین کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ انسانی زندگی کی گھاٹی کو پار کرنا اصل کامیابی ہے اس گھاٹی کو کیونکر پار کیا جاسکتا ہے۔ ظلم و ستم کے گرفتاروں کی گردنوں کا چھڑانا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور یتیموں کی خدمت کرنا، سورۃ البلد میں ارشاد خداوندی ہے! "یا بھوک والے دن میں کسی رشتہ دار یتیم

کو کھانا کھلانا۔"

سورۃ الدھر میں ارشاد ہوا! "اور اس کی محبت کے ساتھ کھانا کسی غریب اور یتیم کو کھلاتے ہیں۔" سورۃ الضحیٰ میں ارشاد فرمایا! "یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو"۔

بنی اسرائیل کو دیئے گئے حکم کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا! "یاد کرو اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔"

(سورۃ البقرۃ:۸۲)

سورۃ البقرہ ہی میں ایک اور ارشاد خداوندی ہے! "پوچھتے ہی یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، کہو جس طرز عمل میں ان کے لیے بھلائی ہو وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔"

(سورۃ البقرۃ:۲۲)

غرضیکہ احادیث رسول ﷺ اور قرآن مجید کی تعلیمات میں یتیموں کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سخت احکامات دیئے ہیں، ان احکامات کی روشنی میں ہم یتیموں کے حقوق کو بالاختصار مندرجہ ذیل نکات کی شکل میں بیان کر سکتے ہیں۔

(۱) یتیم بچے کا احترام واکرام اور پیار ومحبت اپنے بچوں سے بھی بڑھ کر کیا جائے تا کہ اسے اپنے باپ کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہو۔

(۲) یتیم بچے کی ۔ ورش و پرداخت اسی طرح کی جائے جس طرح اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔

(۳) یتیم بچے کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا اہتمام کیا جائے اور اس پر اٹھنے والے اخراجات اگر یتیم بچے کے والدین کے ترکہ سے کیے جا رہے ہیں تو انہیں عدل کے ساتھ کیا جائے۔

(۴) یتیم بچے کی جائیداد اور مال کی حفاظت اور اس کی سرمایہ کاری کا اسی طرح اہتمام کیا جائے جس طرح کوئی شخص اپنی جائیداد کا کرتا ہے، انصاف کے ساتھ اسے اپنی

محنت کا حق لینے کا حق حاصل ہے۔

(۵) یتیم بچے کے مال کی اس وقت تک حفاظت کی جانی چاہیے جب تک بچہ سن بلوغت کو پہنچ کر اس جائیداد کو سنبھالنے کے لیے ضروری علمی و عقلی استعداد و کمال کا مالک نہ بن جائے۔

(۶) خوش کلامی و خوش اخلاقی کے ساتھ یتیم کی مالی کفالت اور حاجت روائی معاشرے کے سارے افراد پر واجب ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے!

''مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جارہی ہو اور سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا! ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔'' (بحوالہ صحیح بخاری و مسلم شریف)

(۷) یتامیٰ کے ساتھ معاشرتی عدل و احسان کا حکم ہے اور یہ سلسلہ ترحم اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک کہ ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک نہ کر دیا جائے۔ یتیم بچی کے ساتھ شادی کرنے اور اسے دبائے رکھنے کے ارادوں کو اسلام ناپسند کرتا ہے، اسلام کا حکم یہ ہے کہ یتیم بچی کے ساتھ انصاف نہ کر سکو تو اس کے ساتھ بالکل نکاح نہ کرو۔

(۸) یتامیٰ کی پرورش کے لیے مسلمانوں کے صدقات و خیرات کی رقم کا استعمال کیا جا سکتا ہے، پرورش سے مراد بچوں کی خورد نوش، لباس اور تعلیم و تربیت کے اخراجات ہیں۔

(۹) غریب و یتیم کو کھانا کھلانا نیکی ہے لیکن کبھی بھی اس نیکی کا احساس دلانا یا جتلانا جائز نہیں ہے۔

(۱۰) یتیم کے ولی پر لازم ہے کہ وہ یتیم کے مال اور جائیداد کا مناسب انتظام کرے اور اس میں تجارت کے ذریعہ افزائش مال کا اہتمام کرے، اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو پوری دیانتداری سے اس کا اصل بمعہ منافع اس کو واپس کر دے۔

(۱۱) یتیم بچوں کی پرورش و پرداخت کی نگرانی اور اس سلسلہ میں لوگوں کو ترغیب و ترہیب دینے والا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

(۱۲) اسلامی معاشرہ میں یتامیٰ کو لوگوں کے مالوں سے ان کے صدقات و خیرات کی رقم لینے کا حق حاصل ہے اور یہ ان پر کسی کا احسان نہیں بلکہ یہ مالدار لوگوں پر ان یتیم بچوں کا احسان ہے جو وہ مال لے کر اس کے مال میں مزید خیر و برکت کا سبب بنتے ہیں۔

(۱۳) اگر یتیم بچوں کے وارث مال نہ چھوڑ کر مریں اور وہ غریب ہوں تو معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی اجتماعی کفالت کے لیے صحت مند اور نفع بخش باعزت روزگار فراہم کرے۔

(۱۴) یتیم بچوں کا مال امانت ہے جو کوئی ان کے مال کا امین بنے گا اور پھر خیانت کا مرتکب ہوگا تو اسے شدید عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک قوم کے لوگ قیامت کے روز اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ ان کے منہ آگے سے بھڑک رہے ہوں گے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا وہ لوگ جو ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔“

(۱۵) یتیموں میں بعض اس قسم کے لوگ ہوں گے جو کہ دست سوال دراز کرنے سے بوجہ شرافت گریز کرتے ہیں، اسلام میں ایسے لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا معاشرے کی ذمہ داری ہے، قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے! ”خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسب معاش کے لیے زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، ان کی خودداری دیکھ کر واقف گمان کرتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت جان سکتے ہو، مگر وہ ایسے لوگ نہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر بھیک مانگیں ان کی اعانت میں جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔“ (سورۃ البقرۃ:۲۷۳)

مساکین کے حقوق

اللہ تعالیٰ نے مسکینوں کے ساتھ احسان کا حکم دیا ہے تاکہ ان کی زندگی کے شب وروز بھی آسانی کے ساتھ گزر جائیں، مسکین کا لفظ سکون سے بنا ہے جس کا مطلب قرار پکڑ جانا ہے، مسکین کی معاشی حرکت چونکہ کسی وجہ سے قرار پکڑ جاتی ہے، اس لیے اسے مسکین کہا جاتا ہے مگر شریعت میں مساکین سے مراد تنگدست اور مفلوک الحال لوگ ہیں جن کی آمدنی ان کے خراجات کی نسبت بہت کم ہو، عیال دار ہوں، غربت کا شکار ہوں خستہ حال ہوں، جن سے اس کا گزارہ نہ ہوتا ہو، اپنی اور اپنے اہل وعیال کی بنیادی ضروریات پوری نہ کرسکتا ہو، چونکہ بنیادی ضروریات کا مہیا ہونا ضروری ہے، اس لیے ایسے لوگوں کی مدد کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے۔

بعض کا قول ہے کہ مسکین وہ ہے جو رہائش کا بندوبست کرتا ہو تو تن ڈھانپنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہ رہتا ہو اور اگر تن ڈھانپنے کے لیے کپڑے کا بندوبست کرتا ہو تو کھانے پینے پر صرف کرنے کے لیے کچھ نہ رہتا ہو، لیکن عزت نفس اور سفید پوشی کی خاطر کسی سے مانگتا نہ ہو لہٰذا جو بنیادی ضروریات کی اشیاء سے محروم رہتا ہے مسکنت کے زمرے میں آتا ہے مگر جب ضرورت سے زائد اشیاء اس کے پاس مہیا ہو جائیں تو وہ مسکین کے زمرے سے نکل جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور اسے گزارہ کرنے یا ڈھانپنے کے لیے سوال کرنا پڑے، ایسے شخص کے لیے امام مالکؒ کے نزدیک مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور یہ فقیر سے بھی زیادہ حاجتمند ہے اور حنابلہ کے نزدیک مسکین وہ ہے جسے آدھی ضروریات یا اس سے بھی زیادہ کے لیے مل جاتا ہو۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال یا حلال کمائی کا

ذریعہ ہو جو اس کی عمومی مذکورہ بالا صرف آدھی ضروریات پوری کر سکے اور اس سے زیادہ نہ ہو۔

میرے نزدیک مسکین دو طرح کے ہیں، ایک راہ حق وصداقت کے طالبان اور صوفیاء ہیں جو ظاہراً شرع کے پورے پابند ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کی راہ سلوک کی ابتدائی زندگی مالی بحران سے متاثر ہوتی ہے، اور اکثر حالات میں اللہ کی طرف سے رزق کی کمی آزمائش رہتی ہے، رات دن ذکر وفکر میں مشغول رہنے کی وجہ سے وہ کمائی کی طرف پوری توجہ نہیں دیتے، لہٰذا قدرتی طور پر ہی ابتدائی ایام میں ان کے حالات مسکینوں جیسے رہتے ہیں اور ایسے لوگوں نے اللہ کے سوا کسی سے کچھ مانگنا بھی نہیں ہوتا لہٰذا ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا زیادہ افضل ہے۔

دوسری طرح کے مسکین وہ نادار ہیں جن کے مالی وسائل کم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان پر مسکنت رہتی ہے مگر بعض حالات میں انسان اپنی استطاعت سے بڑھ کر خرچہ کرنے کی وجہ سے بھی مسکنت کا شکار ہو جاتا ہے، ایسے مسکین کی ظاہری حالت بھی قابل رحم ہوتی ہے اور لوگوں کو اس کی حالتِ زار پر رحم آتا ہے۔

مساکین کے حقوق مندرجہ ذیل ہیں۔

مساکین سے عمدہ سلوک

مساکین سے ہمیشہ اچھا سلوک کرنا چاہئے کیونکہ مساکین اکثر دکھ مصائب اور آلام میں مبتلا ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے ہمیشہ اچھا رویہ اختیار کریں، جب کوئی مسکین ملنے آئے تو دوسری مصروفیات ترک کر کے اس کی طرف توجہ دیں اور اس کی بات بڑی توجہ سے سنیں اور ان کی خبر گیری میں کسی قسم کی کسر نہ چھوڑیں، اللہ تعالیٰ مساکین سے اچھا طرز عمل اختیار کرنے والے کو پسند فرماتا ہے، فرمانِ خداوندی ہے:

﴿واذاخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا الله وبالوالدین

احسانا وذی القربی والیتمی والمساکین وقولوا للناس حسنا واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ ،ثم تولیتم الا قلیلا منکم وانتم معرضون﴾

''جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے بھی احسان کرو اور لوگوں سے اچھی بات کہو، اور نماز پابندی سے پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو، پھر تم پھر گئے اور اس عہد پر تھوڑے سے قائم رہے اور یہ کہ تم پھر جانے والے تھے۔'' (سورۃ بقرہ:۸۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم تھا کہ وہ والدین عزیز واقارب، یتامیٰ اور مساکین سے عمدہ سلوک کریں اسی طرح مسلمانوں کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ ان لوگوں سے عمدہ سلوک کریں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

حضور ﷺ بذات خود بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتے تھے، اس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور میرے خیال میں آپ نے فرمایا: اس قیام کرنے والے کی طرح جو نہ تھکے اور اس روزہ دار کی طرح جو روزہ نہ چھوڑے۔'' (بحوالہ بخاری شریف)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مساکین کی خبر گیری کرنا حضور ﷺ کی سنت بھی ہے، آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

''حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دعا مانگی: ''اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، حالت مسکینی میں رحلت ہو، اور قیامت کے دن مساکین ہی کی جماعت سے اٹھانا،'' حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں ایسا ہو، آپ نے فرمایا مساکین امیر لوگوں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اے عائشہؓ! مسکین کے سوال کو کبھی رد نہ کرنا اگر چہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو، اے عائشہ مساکین سے محبت رکھ اور انہیں اپنے

قریب کر (ایسا کرنے سے) اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اپنا قرب نصیب کرے گا۔"

(بحوالہ ترمذی شریف)

مساکین کی مالی امداد

مالدار لوگوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ گاہے بگاہے مساکین کی مالی امداد کرتے رہیں، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿یسئلونک ما ذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمٰی والمسکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیرٍ فان اللہ بہ علیم﴾ "آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ فرمادیں کہ والدین، رشتہ دار، یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کی بہتری کے لیے خرچ کرو اور جو نیکی تم کرو گے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ مساکین کی ضروریات کے لئے اپنے مال کو خرچ کرو اور اس میں رضائے الٰہی کو مدنظر رکھو، اگر کوئی مسکین بیماری میں مبتلا ہو اور آپ علاج کے لیے رقم دے سکتے ہیں، اور اگر کسی مسکین کی بچی کی شادی ہو اور مسکین کے پاس خرچ کرنے کے لیے مال نہ ہو تو آپ اس کی چپکے سے مدد کریں، اگر کسی مسکین پر قرض ہو تو آپ اس کا قرض بھی اتار سکتے ہیں، غرضیکہ وہ شرعی ضروریات جو زندگی کی بقا کے لیے ضروری ہیں ان کے لیے مسکین کی مالی امداد کرنا بہت ہی افضل درجہ رکھتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وات ذی القربیٰ حقہٗ والمسکینَ وابن السبیل ولا تبذّر تبذیرا﴾

"اور عزیز و اقارب اور مساکین اور مسافروں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی کے ذریعے بیجا خرچ نہ کرو۔" (سورۃ بنی اسرائیل:۲۶)

اس آیت میں مساکین کی مالی امداد کے بارے میں دوبارہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ ان پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرو کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

﴿فات ذاالقربی حقه والمسکین وابن السبیل ،ذالک خیر للذین یریدون وجه الله واولئک هم المفلحون﴾

''پس عزیز واقارب اور مساکین اور مسافروں کو ان کا حق دو، یہ ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔'' (سورۃ روم)

مسکینوں، رشتہ داروں اور مسافروں کی مالی خدمت کرنا اچھے سلوک اور احسان کے زمرے میں شمار ہوتا ہے، ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور جو ایسا کرتے رہیں گے ان کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی حاصل ہوگا اور یہ انسان کے لیے بہت بڑی نعمت ہوگی، اور اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو حاصل ہوگی اور ان میں وہ بھی شامل ہوں گے جو مسکینوں پر اپنا مال خرچ کرتے رہے ہوں گے، ایسے لوگوں کو ہی درحقیقت دنیا اور آخرت میں نجات ملے گی۔

مساکین کی مالی امداد کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان یہ ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، بیوہ اور مسکین کے لیے محنت کرنے والا، مجاہد فی سبیل اللہ کی مثل ہے اور میرا گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا وہ نماز میں اس قیام کرنے والے کی مثل ہے جو تھکتا نہ ہو اور اس روزہ دار کی طرح جو افطار نہ کرے، (یعنی مسلسل روزے رکھے۔) (بحوالہ مسلم شریف)

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے جنگل میں بادل سے ایک آواز سنی کہ فلاں آدمی کے باغ کو سیراب کرو، وہ بادل چل پڑا اور اس نے بجری والی زمین پر پانی برسایا، وہاں کے نالوں میں سے ایک نالہ بھر گیا، وہ شخص اس پانی کے پیچھے پیچھے گیا وہاں ایک شخص باغ میں کھڑا اپنے پھاوڑے سے پانی کو ادھر ادھر کر رہا تھا، اس شخص نے باغ والے سے پوچھا، اے اللہ کے بندے! تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا وہی نام بتایا جو اس نے بادل سے سنا تھا، اس شخص نے پوچھا اے اللہ کے بندے! تم نے میرا نام کیوں پوچھا تھا؟ اس نے کہا جس بادل نے اس باغ میں پانی برسایا

ہے میں نے اس بادل سے یہ آواز سنی تھی کہ فلاں آدمی کے باغ کو سیراب کرو، اس نے تمہارا نام لیا تھا، تم اس باغ میں کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا اب جب تم نے یہ بتایا ہے تو سنو! میں اس باغ کی پیداوار پر نظر رکھتا ہوں، ایک تہائی میں میں اور میرے اہل وعیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی میں مسکینوں اور سائلوں اور مسافروں پر خرچ کر دیتا ہوں، اور ایک تہائی اسی باغ پر خرچ کر دیتا ہوں۔ (بحوالہ مسلم شریف)

مساکین کا حق صدقہ

مساکین کا ایک حق یہ ہے کہ زکوٰۃ دیتے وقت ان کو بھی دی جائے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿انما الصدقٰت للفقرآء والمسٰکین والعٰملینَ علیها والمؤلفةِ قلوبُهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل ،فریضة من الله والله علیم حکیم﴾

''بے شک صدقات یعنی زکوٰۃ فقراء، مساکین اور اس کے عاملین اور دلجوئی اور غلام آزاد کرانے میں اور خلاصی قرض اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے ہے، یہ اللہ کی طرف سے مقرر شدہ ہے اور اللہ حلم والا حکمت والا ہے۔'' (سورۃ توبہ: ۶۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان آٹھ مصارف کا ذکر فرمایا ہے جن پر زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا چاہئے، ان میں سے ایک مصرف مسکین کو زکوٰۃ کا مال دینا بھی ہے، اس لیے جب اہل ثروت لوگ زکوٰۃ کا مال تقسیم کریں تو انہیں چاہئے کہ مساکین کا خیال رکھیں اور ضرورت کے مطابق انہیں چپکے سے دیں دیں کیونکہ مساکین مانگتے نہیں اس لیے ان کو دینا بڑا افضل ہے۔ ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ مسکین وہ نہیں جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے اور دو ایک لقمے یا دو ایک کھجوریں اس کو دے دی جاتی ہیں بلکہ مسکین تو وہ ہے جس کے اندر اتنی غنا نہیں جو اس کو غنی کر دے اور نہ اس کے بارے میں معلوم کیا جائے کہ وہ محتاج ہے اور اس کو صدقہ دیا جائے اور وہ لوگوں سے سوال کرنے کے

لیے نہیں اٹھتا ہے۔" (بحوالہ بخاری شریف)

مساکین کا مال غنیمت میں حصہ

مال غنیمت میں مساکین کو کچھ حصہ ملتا ہے اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہٗ وللرسول ولذی القربی والیتمٰی والمسٰکین وابن السبیل﴾

"اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت سے حاصل ہو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔" (سورۃ انفال:۴۱)

حضرت ابو العالیہ رباحی کہتے ہیں کہ مال غنیمت کے رسول خدا ﷺ پانچ حصے کرتے تھے، چار تو مجاہدین میں تقسیم ہوتے، پانچویں میں سے آپ مٹھی بھر کر نکال لیتے اسے کعبے میں داخل کردیتے، پھر جو بچتا اس کے پانچ حصے کرڈالتے، ایک رسول خدا کا، ایک قرابتداروں کا، ایک یتیموں کا، ایک مسکینوں کا، ایک مسافروں کا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں اللہ کے حصے کا نام صرف بطور تبرک ہے۔

مساکین کو کھانا کھلانا

مساکین کو کھانا کھلانا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

﴿فی جنٰتٍ یتساء لون .عن المجرمین. ما سلککم فی سقر. قالوا لم نک من المصلین. ولم نک نطعمُ المِسکین﴾

"جو جنتوں میں ہوں گے سوال کریں گے ان سے جنہوں نے جرم کیے ہوں گے کہ تمہیں کونسا جرم دوزخ میں لے آیا، وہ کہیں گے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا بھی نہ کھلاتے تھے۔" (سورۃ مدثر:۴۰ تا ۴۴)

آخرت میں اہل جنت جب جنت میں آرام سے بیٹھے ہوں گے تو اس وقت جب وہ

اہل دوزخ سے سوال کریں گے کہ تمہیں کونسا برا عمل دوزخ میں لے آیا تو وہ جواب میں کہیں گے کہ ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور نہ ہی مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے، تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ مستحق لوگوں کو کھانا کھلانا بھی ضروری ہے کیونکہ مساکین کی خدمت جنت میں لے جانے والے اعمال میں سے ہے، ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے کہ:

﴿ویطعمون الطعام علٰی حبہٖ مِسکینا ویتیما وأسیرا ،انما نطعمُکم لوجہِ اللہ لا نُرید منکم جزاءً ولا شکورا﴾

''اور وہ اللہ کی محبت کی بناء پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں، ان کے نزدیک کھانا کھلانے کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہوتا ہے، اور اس کے عوض ہم تم سے کوئی بدلہ اور شکرگزاری نہیں چاہتے۔'' (سورۃ دہر: ۸تا۹)

اللہ کے خاص بندوں کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور اس میں وہ صرف رضائے الٰہی کو مدنظر رکھتے ہیں، ایک اور مقام پر یوں فرمایا گیا ہے: **﴿ولا تحضُّون علی طعام المسکین﴾**

''اور تم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے ہو۔'' (سورۃ فجر: ۱۸)

جن لوگوں کی روزی تنگ ہو جاتی ہے، اس کی ایک وجہ مسکینوں کو کھانا نہ کھلانا بھی ہے اس لیے جو لوگ یہ چاہتے ہوں کہ ان کی روزی فراخ ہو جائے تو انہیں چاہیے، کہ اللہ کی راہ میں غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی عادت بنالیں، احادیث میں کھانا کھلانے کی ترغیب یوں دی گئی ہے۔

''حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج کس نے روزہ رکھا ہے، جناب ابو بکرؓ نے عرض کیا میں نے، رسول اللہ نے دوسرا سوال کیا تم میں سے جنازہ میں کس نے شرکت کی ہے؟ ابو بکر صدیقؓ نے کہا میں نے، رسول اللہ نے پھر سوال کیا کہ مسکین کو کھانا کس نے کھلایا ہے؟ حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں نے، سرکار نے پھر سوال کیا کہ مریض کی عیادت کس نے کی ہے؟ اس موقعہ پر بھی

ابو بکر صدیقؓ نے کہا میں نے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص میں یہ صفات جمع ہو جائیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (بحوالہ مسلم شریف)

"حضرت عبداللہ بن سلامؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر یقین کر لیا کہ یہ چہرہ (خاکم بدہن) کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا، اس وقت آپ نے سب سے پہلے یہ فرمایا لوگو! اسلام کو پھیلاؤ، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو نماز پڑھو اور سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔" (بحوالہ ترمذی شریف)

مسکین کا حق ہے کہ وہ اشارۃً یا کنایۃً اپنی شدید ضرورت کا کسی کو احساس دلا سکتا ہے مگر اس کے لیے سائلوں کی طرح بھیک مانگنا منع ہے۔

"حضرت حسین بن علیؓ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سائل کا حق ہے اگر چہ وہ گھوڑے پر آئے۔" (بحوالہ احمد، ابوداؤد)

"حضرت ام بجیدؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! فقیر میرے دروازے پر آتا ہے اور میرے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا، مجھے اس وقت شرم آتی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا اس کو کچھ دے دو اگر چہ بکری کا جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔" (بحوالہ احمد، ابوداؤد)

"حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں جب کوئی سائل یا حاجت مند آتا تو فرماتے تم سفارش کرو تا کہ تمہیں ثواب ملے، اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان سے جو چاہے فیصلہ کرواتا ہے۔" (بحوالہ بخاری شریف)

اصل مسکین تو وہی ہیں جو کسی سے نہ مانگیں، لیکن اشد ضرورت کے وقت کسی طرح دوسروں کو ان کی ضرورت کا پتہ چل جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ کسی کی ضرورت کا عام بندے کو کیسے علم ہو سکتا ہے، جب تک وہ نہ بتائے غرضیکہ ہر لحاظ سے مسکینوں کی مدد کرنا نیک اعمال میں سے ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

علماء اور عوام کے باہمی حقوق

علماء ہر مذہب معاشرے کا جزو ہوتے ہیں بطور انسان ان کے اور دوسرے لوگوں کے مابین حقوق وفرائض ہیں لیکن علماء کی ایک خصوصی حیثیت بھی ہے۔ اوران کی یہ حیثیت انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے ان کی علمی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ **العلماء ورثة الانبياء.** (بحوالہ مشکوۃ کتاب العلم مسند احمد)

''علماء انبیاء کے بعد ان کے قائم مقام ہوتے ہیں''

انبیاء کے علم کی بنیاد وحی الٰہی تھی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ رشد وہدایت کو لوگوں تک پہنچایا لیکن انسانی زندگی کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ مسائل کی پیچیدگی بڑھتی جاتی ہے اور ایسے لوگوں کی ضرورت پیش آتی ہے جو موجودہ وقت کے مسائل کا حل انبیاء کے لائے ہوئے علم میں سے تلاش کریں۔ اس کی درست اور قابل عمل تشریح وتوضیح کریں۔ اسی لئے اسلامی فقہ کا ایک اہم منبع اجماع واجتہاد بھی ہے۔ لیکن یہ تشریح وتوضیح ایک جاہل آدمی نہیں کرسکتا اس کے لئے علم ضروری ہوگا۔ لہٰذا عالم اپنے وقت کا راہنما ہوتا ہے۔ بلکہ آنے والی نسلوں کا بھی۔ اسی لئے انبیاء کے بعد علماء کا درجہ رکھا گیا ہے امام غزالیؒ نے حدیث نقل کی ہے کہ درجہ نبوت کے زیادہ سے زیادہ قریب اہل علم اور اہل جہاد ہوتے ہیں اہل علم اس لئے کہ وہ رسولوں کی لائی ہوئی چیزوں کو قائم کرنے کے لئے تلوار سے کوشش کرتے ہیں۔ (احیاء العلوم ج ۱)

علماء کرام کی اس ممتاز حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام ان کے اور عوام الناس کے کچھ حقوق وفرائض متعین کرتا ہے۔ علماء کرام کے مندرجہ ذیل فرائض مقرر کئے گئے ہیں۔

۱۔ علماء باکردار ہوں

۲۔ تفکر وتدبر کے عادی ہوں

۳۔ مفہوم عبادت وروح اسلام جاری وساری کریں

۴۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عمل پیرا ہوں

۱......علماء باکردار ہوں

اسلامی نظریہ کے مطابق چند امور کا جاننا ہی عالم کہلانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ ان امور پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ **لایکون المرءُ عالما حتی یکون بعلمه عاملا .**

''آدمی اس وقت تک عالم نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے علم پر عمل کرنے والا نہ ہو۔''

کارخانہ قدرت میں عمل ہی سب کچھ ہے لیکن عمل کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے۔ علم کے بغیر ممکن نہیں ہے اور نتائج حاصل کرنے کے لئے عمل کے بغیر صرف علم کسی کام کا نہیں۔ آپ کہیں جانا چاہتے ہیں تو محض زبانی اعلان سے آپ ایک انچ بھی سرک نہیں سکتے۔ اس کے لئے عمل کرنا ہوگا۔ اسلام نظریہ کی دوستی کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنے کا حکم بھی دیتا ہے اسی لئے قرآن حکیم میں جہاں ایمان کا ذکر آیا ہے۔ ساتھ ہی عمل کا حکم آیا ہے۔ **امنوا وعملوا الصالحات** کا ارشاد ربانی تکرار کے ساتھ آتا ہے۔ لہٰذا علم بغیر عمل کے بے معنی ہے۔ علماء کے لئے عمل ایک اور پہلو سے بھی نہایت اہم ہے، انہوں نے عوام الناس کی رہنمائی کرنی ہوتی ہے۔ زبان سے پند ونصائح کا اثر اتنا نہیں ہوتا جتنا عملی مثال کا۔ یہاں مولانا شاہ اسماعیل شہید کا واقعہ قابل ذکر ہے۔ ہندستان میں بیوگان کی شادی نہ کرنے کی رسم جو ہندو میں رائج تھی جو مسلمانوں میں بھی عام ہوگئی تو مولانا موصوف نے اصلاحی بیڑا اٹھایا۔ سب سے پہلے اپنی ساٹھ سال بیوہ ہمشیرہ جوان سے عمر میں بڑی تھیں کے پاس مؤدب ہو کر عرض کیا کہ ان کی وجہ سے سنت رسول زندہ ہوتی ہے وہ اسے پورا کرنے کا وعدہ کریں تو وہ بیان کریں ان کی ہمشیرہ نے ہاں کی تو آپ نے مدعا بیان کیا

اسلام کی شیدائی معمر خاتون نے بات مان لی۔ان کا نکاح ہوا اور پھر وہ وعظ کے لیے گھر سے نکلے ان کا وعظ دلوں میں یوں گھر کر گیا کہ بے شمار بیوگان کے گھر بس گئے۔علماء کا کردار ایسا ہونا چاہیے جو لوگوں کو متاثر کرے اور عوام ان کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کریں۔ بے عمل علماء کے لئے مختلف احادیث میں سخت وعید آئی ہے۔ کیونکہ ایک جاہل آدمی جسے کسی کام کرنے یا نہ کرنے کے حکم کا علم نہیں اتنا مجرم نہیں جتنا کہ ایک ایسا آدمی علم رکھتا ہے، اور جان بوجھ کر اس پر عمل نہیں کرتا۔ یہ ایک طرح سے بغاوت ہے اسی لئے قرآن مجید میں اسرئیلی علماء کی مذمت کی گئی ہے۔

اتأمرون الناس بالبر وتنسَون انفسکم (سورۃ البقرہ:۴۴)

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپکو بھول جاتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔لم تقولون مالا تفعلون (سورۃ الصف ۲۱)

تم وہ کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔'' کردار میں تمام اوامر پر عمل اور تمام نواہی سے اجتناب شامل ہے۔ بلکہ علماء کے لئے تو بعض مشتبہات سے بھی اجتناب ضروری ہے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے اخلاق و کردار کا اعلیٰ نمونہ پیش کرسکیں۔غرور ونخوت سے خاص طور پر پرہیز لازمی ہے۔کیونکہ یہ ایک خامی ہے جو غیر محسوس انداز سے انسان کے کردار میں شامل ہو جاتی ہے خصوصا جبکہ اسے علمی برتری حاصل ہو۔

۲......تفکر وتدبر

:قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف امور میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے

یہ امور درج ذیل ہیں۔

(ا)تفکر فی القرآن

(ب)تفکر فی الدین

(ج)تفکر فی العبادۃ

(د) تفکر فی الکائنات

(ر) تفکر فی النفس

(س) تفکر فی اللہ

(ا) تفکر فی القران...... قرآن مجید بغیر سمجھے پڑھنا باعث ثواب تو ہے۔ لیکن اس طرح پڑھنے والا اس کی فیوض و برکات سے محروم رہتا ہے۔ قرآن مجید ایک ضابطہ حیات دیتا ہے۔ کوئی قصے کہانیوں کی کتاب نہیں (نعوذ با اللہ) اس ضابطہ حیات کو جب تک سمجھا نہیں جائیگا اس پر عمل نہیں ہو سکے گا۔ ایک عالم دین کے لئے لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کا مطالعہ تدبر اور پورے غور و فکر سے کرے۔ تدبر کا مطلب یہ ہے کہ قاری نہ صرف یکسوئی سے قرآن پڑھے بلکہ قرآن کے معانی و مطلب میں بھی فکر کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

افلایتدبرون القراٰن أم علیٰ قلوبِ اقفالھا (سورۃ محمد:۲۴)

کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اقراء القراٰن ما نھاک فان لم ینھک فلست تقرائه

(التعلیمات غزالی (طبع دوم) بحوالہ طبرانی)

قرآن پڑھنے کے معنی یہ ہیں کہ برائیوں سے روکتا ہے۔ لیکن اگر یہ برائیوں سے نہیں رکتا تو یہ کوئی پڑھنا نہیں ہے۔''

(ب) تفکر فی الدین...... دین کے مختلف احکام کی مصلحت پر غور کرنا اور نئے مسائل پیدا ہونے پر ہدایت الٰہی کو سامنے رکھ کر حل تجویز کرنا تفکر اور تفقہ فی الدین کے زمرے میں آتا ہے۔ ہر آنے والا دور نئے مسائل لے کر آتا ہے۔ اب کسی اور نبی نے نہیں آنا ہے۔ لہٰذا ان مسائل کا حل جدید تقاضوں کو سامنے رکھ کر دین میں سے تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔ جب سے مسلمانوں نے اس عمل کو ترک کیا ہے۔ انہیں غیر مسلموں کے

ناقص نظاموں کی طرف دیکھنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔کہ

تفکر ساعةٍ حسنٌ من عبادة ستين سنةً.

''ایک ساعت کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔''

(رواہ ابن حبان فی کتاب العظمة ،احیاء العلوم)

(ج) تفکر فی العبادۃ...... اسلام میں عبادت چند اعمال کرنے اور چند آیات پڑھنے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ ان ظاہری اعمال کو ادا کرتے ہوئے ایک ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان اپنے آپکو عبد (بندہ ،غلام) سمجھتے ہوئے اپنے رب، خالق مالک کے آگے جھکتا ہے۔ ماتھا ٹیکتا ہے۔اور اس بات کا حقیقی اعتراف کرتا ہے کہ اللہ کی ذات رب السمٰوٰت والارض ہے۔لیکن یہ کیفیت اسی وقت پیدا ہوگی جب بندہ عبادت میں پڑھی جانے والی دعاؤں کا مطلب، مفہوم اور ان کی اہمیت کو سمجھتا ہو۔اس سمجھنے کا نام تفکر فی العبادۃ ہے۔ یہ تو نماز کے متعلق ہے۔اسی طرح روزہ چند گھنٹوں کے لئے منہ بند کرنے کا نام نہیں بلکہ تمام محرمات سے اجتناب اور تمام اوامر پر عمل کرنے سے روزہ مکمل ہوتا ہے، یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب اس عبادت میں تفکر ہوگا۔اسی طرح حج گھر بار چھوڑ کر ایک دور دراز ملک میں جا کر چند رسوم ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ اس احساس کا نام ہے جس کے تحت ایک آدمی اپنا پیارا گھر اپنے عزیز و اقارب۔اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر لبیک اللھم لبیک کہتا ہوا ایک عالمی برادری کا رکن بنکر اپنے رب کے حضور حاضر ہوتا ہے راستے کی تکلیفوں کو ہنسی خوشی برداشت کرتا ہے۔اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اللہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے وہ بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔اسی طرح زکوۃ اور صدقات ایثار کا عملی مظاہرہ ہیں۔اگر ان عبادات میں تفکر نہیں ہوگا تو پھر یہ عبادات اپنی دولت کی نمائش کا ذریعہ بن جائیں گی اور عبادت کی روح فنا ہو جائے گی۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: **لا خیر فی عبادۃ لا فقه فیھا**

ولافی قراء ۃ لاتدبر فیھا .

اس عبادت میں خیر کا پہلو نہیں جس میں فقہ وشعور نہیں اور اس قرأت میں بھلائی نہیں جو تدبر سے عاری ہے۔'' (تعلیمات غزالیؒ)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درج ذیل قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ مطالعہ قرآن میں کس قدر تدبر وتفکر کا اہتمام کرتے تھے۔لکا نوا یتد بر ونھا با للیل و ینفذ ونھا با النھار.

''وہ رات تدبر وتفکر میں بسر کرتے تھے اور دن کو اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

ایک ضروری وضاحت...... یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ تفکر فی القرآن وتفکر فی الدین اور تدبر فی العبادۃ ہر شخص کی صلاحیت کے مطابق ہے۔ایک عام جاہل آدمی اگر بغیر سمجھے بھی قرآن مجید پڑھتا ہے یا نماز روزہ کرتا ہے تو اس علم کی کمی کے لحاظ سے قابل قبول ہوگا۔لیکن ایک پڑھا لکھا شخص جو ساری دُنیا کے علوم تو حاصل کرنے کے در پے ہو لیکن مذہبی علوم کی پروا نہیں کرتا اور تفکر فی الدین وتفکر فے العبادۃ وتفکر فی القرآن نہیں کرتا وہ ان ضروری امور کو جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا ہے۔لہٰذا وہ اس کے لئے قیامت کے دن قابل گرفت ہوگا اور یہی حال ایک عالم بے عمل کا ہوگا جو عالم دین ہوتے ہوئے بھی قرآن مجید کو پڑھتا تو ہے حکمت و ماہیت میں غور نہیں کرتا۔

(د) تفکر فی الکائنات...... قرآن مجید میں بارہا سورج چانداور دوسرے مظاہر قدرت کے اعمال پر غور کرنے کا حکم ہے۔مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض۔اور آسمان وزمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں۔

(سورۃ آل عمران)

ایک اور مقام پر سرزنش یوں کی گئی ہے:وکاَین من اٰیۃ فی السمٰوٰت والارض یمرُّون علیھا وھُم عنھما معرِضون (سورۃ یوسف:۱۰۵) زمین اور آسمان میں کتنی

نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔'' آخر تفکر فی الکائنات پر زور کیوں دیا گیا ہے؟ درحقیقت ان لوگوں کے سوال کا جواب ہے جو کہتے تھے کہ سورج خدا ہے یا چاند خدا ہے یا کوئی درخت خدا ہے یا پھر پتھر خدا ہے۔ ان تمام فانی چیزوں کو خدا صرف وہی شخص مان سکتا ہے جو ان کی ماہیت اور ان افعال پر غور نہیں کرتا۔ جو شخص ان مظاہر قدرت کی ماہیت پر غور کرے گا اُسے معلوم ہو جائیگا کہ یہ تمام ایک عظیم تر نظام میں مجبور ہے۔ لہٰذا یہ خُدا نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ مجبور محض ہے تو ان کو کس نے پابند کیا ہے۔ تو ان کو کس نے پابند کیا ہے۔ اور جب یہ سوال ابھرے گا تو فوراً یہ جواب آئیگا کہ کوئی ایسی ہستی ہے جس نے اتنا وسیع وعریض نظام کائنات تشکیل دیا ہے۔ جس میں کوئی خامی نہیں جو ہزار ہا سال سے چل رہا ہے۔ اور اس وقت تک چلے گا جب تک اس بنانے والا چاہے گا لہٰذا انسان کو اس ہستی کی عبادت کرنی چاہئے جس نے یہ سارا نظام بنایا ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل کرنے کے لئے تفکر فی الکائنات ضروری ہے۔

(ر) تفکر فی النفس...... اس سے مراد انسان کا اپنی خامیوں پر نظر رکھنا اور ان کی اصلاح کرنا ہے۔ اسی سلسلے میں بزرگوں کا قول ہے: من عرف نفسه فقد عرف ربه. جس نے اپنے آپکو پہچان لیا اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔'' خود احتسابی سے اپنی اصلاح خود ہی کرتا جائیگا تا آنکہ وہ کردار میں ایک اعلیٰ نمونہ بن جائیگا۔ اسی لئے تفکر فی النفس کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔

(س) تفکر فی اللہ...... اللہ کی ذات وصفات کو پہچاننا۔ اخلاص سے اسکی عبادت کرنا۔ اس کے فضائل کو سننا اور ''تخلقوا با خلاق الله'' کی تفسیر عملی زندگی میں پیش کرنا ''تفکر فی اللہ کے زمرے میں آئے گا۔ سورۃ اخلاص درحقیقت ''تفکر فی اللہ کی دعوت دیتی ہے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا ہے تفکر کی یہ تمام قسمیں ہر شخص کے علم کی گہرائی اور گیرائی پر منحصر ہونگی اور لایکلف الله نفسا الا وسعها (سورۃ البقرہ ۲۸۶) کے حکم مطابق ہر شخص سے اس

کے علم کے مطابق تفکر کی توقع رکھی جائے گی اور جتنا علم زیادہ ہوگا اس سے اتنی ہی توقع زیادہ ہوگی اسی لئے علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض کیا گیا ہے تاکہ وہ احکام الٰہی کو بہتر طور پر سمجھ سکے اور ان پر بہتر طور پر عمل کر سکے۔

۳...... مفہوم عبادت وروح اسلام عملی زندگی میں جاری وساری کریں

ایمان صرف اقرار باللسان کا نام نہیں بلکہ اس اقرار ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے عمل کرنا بھی ہوگا۔ اس عمل عبادت کی روح زندگی کے ہر شعبے میں ظاہر ہونی چاہیے۔ مثلاً نماز کی روح اللہ کے سامنے بندے کی عبودیت کا اقرار ہے۔ جب اللہ کے سامنے جھک گئے تو پھر انسان کے سامنے جھکنا خواہ وہ کیسا ہی جابر و قاہر کیوں نہ ہو نماز کی روح کے خلاف ہوگا۔ اسی طرح روزہ کی روح مصائب میں صبر و استقامت دکھانا ہے۔ اگر مصیبت کے وقت آدمی ہمت ہار دے تو پھر روزہ کی روح نفی ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسری عبادات ہیں۔ دوسرے الفاظ میں عبادات کی روح کو روزمرہ زندگی میں جاری وساری کرنا مسلمان کا فرض ہے۔ اسلام صرف مسجد تک محدود نہیں ہے۔ اگر عبادات کی روح کو سامنے رکھ کر زندگی کے معاملات نبھائے جائیں تو پھر رزق حلال کمانا بھی نیکی ہوگی، بیماری میں صبر کرنا بھی عبادت ہوگی ظلم کے خلاف ڈٹ جانا بھی جہاد ہوگا۔ اسی لئے حضور ﷺ کی احادیث کی روشنی میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عنوان قائم کیا ہے۔

ان الایمان هو العمل یقیناً ایمان عمل ہی ہے۔

(بخاری ج ۱، کتاب الایمان)

قرآن حکیم کی رو سے زمین کے وارث بھی وہی لوگ ہوں گے جو نیکی اور عبادت کی روح کو روزمرہ کی زندگی میں جاری کریں گے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصّٰلحٰتِ لَیستخلفنّھم فی

الارضِ كمَا استخلفَ الذين مِن قبلهم. (سورۃ النور: ۵۵)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور نیک عمل کریں وہ ان کو اس طرح زمین پر خلیفہ بنائے گا جس طرح اسے ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ایک عالم کا فرض ہے کہ اسکی حرکات وسکنات اسلامی آداب کے عین مطابق ہوں۔ جس سے معلوم ہو سکے کہ اس کے علم کا اثر اس کے اعمال پر ہے۔ ورنہ وہ عالم بے عمل ہوگا۔

۴......امر بالمعروف

حضور ﷺ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو دین کی اساس قرار دیا ہے اور ساری عمر عزیز اسی بنیاد کی مضبوطی میں صرف فرمائی مکہ کا بازار ہو یا عکاظ کا میلہ، حرم پاک ہو، یا مسجد نبوی۔ ہر جگہ اسی اصول زندگی کی تبلیغ میں سرگرم عمل رہے۔ تبلیغ کی نوعیت کی ایک جھلک ہمیں دربار نجاشی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے ملتی ہے۔

''انہوں نے (آنحضرت ﷺ نے) ہم سب کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانیں۔ انہوں نے فرمایا ہم سچ بولا کریں۔ وعدہ پورا کیا کریں۔ گناہوں سے دور رہیں۔ برائیوں سے بچیں صدقہ دیا کریں'' (مسند امام احمد۔ مستدرک حاکم)

ابو سفیانؓ نے جو دربار قیصر میں پیش ہونے کے وقت تک اسلام نہیں لائے تھے قیصر کو بتایا تھا کہ نبی کریم ﷺ یہ تبلیغ کیا کرتے ہیں۔

''ایک اللہ کی عبادت کرو۔ نماز پڑھو۔ سچ بولو۔ عام انسانوں اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرو اور نیکی کے راستے پر چلو۔ (بحوالہ مسلم کتاب الجہاد ج ۲)

اسلام لانے والوں سے بیعت کے وقت حضور ﷺ جو عہد لیتے تھے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ مسلمانوں کو پیکر اخلاق دیکھنا چاہتے تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر انصار سے ان باتوں کا عہد لیا گیا تھا کہ وہ شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور افترا

پردازی کے مرتکب نہ ہو گے۔" حضور ﷺ نے اپنی عظیم شخصیت اور عمل پیہم سے ایسا عظیم الشان معاشرہ ترتیب دیا کہ ان کے مبارک دور اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں برائی گھٹ گھٹ کر رہ گئی اور بھلائی کے نور سے قلیل عرصہ میں ہی دنیا کے متعدد ممالک روشن ہو گئے اور مسلمان قرآن حکیم کے اس حکم کی مجسم تصویر بن گئے۔"

کنتم خیرَ امةٍ اُخرجت للناس تأمرونَ بالمعروف وتنهَون عنِ المُنکر۔ (سورۃ آل عمران:۱۱۰)

"تم بہترین امت ہو جیسے نوع انسانی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور بدی سے روکتے رہو۔"

خلفائے راشدینؓ کے مبارک زمانہ میں علماء اور عام مسلمان بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول پر عمل پیرا رہے۔تاریخ اسلام پہلی مرتبہ بنو امیہ کے دور استبداد (ماسوائے عہد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) میں اظہار حق اور امر بالمعروف کا زریں اصول زنگ آلود ہو گیا۔پھر بھی چند علماء امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عظیم الشان ورثہ کی خون دے کر نگہبانی کرتے رہے۔خلق قرآن کے مسئلہ میں ظلم انتہا تک پہنچ گیا تھا۔لب کشائی کی سزا موت تھی۔مامون الرشید کے دور میں شیخ عبدالعزیز بن یحیٰی اکنانی مکہ معظمہ بغداد محض قرآن کے ابطال پر اعلانیہ وعظ کرنے آئے اور گرفتار ہو کر دربار میں لائے گئے تو بھی کہا "کلام اللہ نزل غیر مخلوق" امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی شمع کو جان دے کر قائم رکھا۔ اسلام رہبانیت اور ملوکیت کو تسلیم نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اکثر بادشاہ اور آمر حکمران امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا سدّ باب کرتے رہے۔علماء حق اپنے خون سے اس کی آبیاری کرتے رہے اور حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق بادشاہ سے احتساب میں مارے جانے کی وجہ سے افضل الشہداء کے مرتبہ پر فائز ہوتے رہے۔ وہ اس سے بھی آگاہ تھے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ نے ایسی بستی پر عذاب نازل کیا جہاں اٹھارہ ہزار لوگ ایسے تھے جن کے اعمال پیغمبروں جیسے تھے لوگوں نے پوچھا کہ حق تعالیٰ نے پھر عذاب

کیوں بھیجا۔ فرمایا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارہ میں دوسروں سے باز پرس کرتے تھے۔" موجودہ دور میں عام مسلمانوں میں علم کا فقدان اور خواندہ طبقہ میں مذہب سے روگردانی کی بنا پر علماء پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ قرآن کے اس حکم پر عمل پیرا ہوں:

ولتکن منکم اُمَّةٌ یّدعون الی الخیرِ ویأمرون با لمعروفِ وینھَون عن المنکروواولئک ھم المفلحون .

اور تم میں ایسی جماعت تو ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف بلاتی ہو۔ اچھے کام کا حکم دیتی ہو اور برُے کام سے روکتی ہو اور فلاح پانے والے ایسے ہی لوگ ہیں۔

حضور ﷺ نے اس فرض کی وضاحت یوں فرمائی ہے: "تم میں سے جو مسلمان کوئی خلاف حق چیز دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ کے زور سے اسے دور کرے۔ اگر اسکی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اسکی بُرائی کرے۔ اگر اس کی قدرت نہ دیکھے تو کم از کم دل ہی میں اسکو برا سمجھے مگر یہ آخری صورت ایمان کا ضعیف درجہ ہے۔" ایمان کا انحصار اس بات پر ہے کہ مسلمان کس حد تک برائی کو برداشت اور اس کا تدارک کرتا ہے۔ لوگ یہ غلط سمجھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصولوں کا نفاذ صرف حکومت کی ذمہ داری ہے۔ قرآن حکیم میں ایسی تخصیص نہیں۔ بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ گو علم رکھنے کی وجہ سے علماء پر کچھ زائد ہے۔ پیر اور سجادہ نشین حضرات پر تو یہ ذمہ داری انتہا تک پہنچ جاتی ہے کیونکہ ان کا مریدوں سے ایک قسم کا معاہدہ ہوتا ہے کہ آپ ہم کو تعلیم و تبلیغ کریں۔ ہم آپ کی تعلیم پر عمل کریں گے۔ اگر علماء اور مشائخ اپنے فرائض سے اعراض کریں گے تو اللہ تعالیٰ ملک اور آزادی جیسی نعمتوں کو سلب بھی کر سکتے ہیں۔

وان تتولو ایستبدل قوماغیرَکم (سورۃ محمد: ۳۸)

"اگر تم منہ پھیر لو گے تو تمہاری جگہ دوسری قوم کو کھڑا کر دیں گے۔"

علماء سو اور ان کی تباہ کاریاں: علماء سو کی اصطلاح ان اشخاص کے متعلق استعمال ہوتی ہے۔ جو علم تو رکھتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے یا بوجوہ لوگوں کو غلط راستے کی طرف

راہنمائی کرتے ہیں۔ایسے علماء کی مثالیں ہر دور میں کثرت سے رہی ہیں۔خلافت راشدہ کے فوراً بعد جب بادشاہت کا دور شروع ہوا تو ایسے علماء نے مختلف بدعنوانیوں پر ذاتی مفاد کیلئے اور جان بچانے کے لئے خاموشی اختیار کی اور برائی کو برائی نہ کہا نہ روکنے کی کوشش کی اور نہ ہی لوگوں کو بتایا تو اس طرح ظلم کو بالواسطہ تقویت دی بنوعباس کے دور میں خلق قرآن کے مسئلہ پر اور تاریخ برصغیر میں اکبر بادشاہ من گھڑت دین الٰہی کی تائید میں علماء سو کی فوج کمر بستہ رہی۔آج کے دور میں پیشہ ور واعظ کی آتش بیانی کا مرکز ومحور مصنوعی اختلافات ہیں جن کے پرچار سے تعمیر کی بجائے تخریب اور اتحاد کی بجائے تفرقہ پیدا ہوگا۔ایسے علماء فتنہ پردازوں کے زمرے میں آتے ہیں۔اور قرآن مجید کا **والفتنة اشدُ من القتل** کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

صنفان من الناس اذا صلحا صلح الناس واذا فسد افسد الناس العلماء والآمر (جامع الصغیر للسیوطی ابن عباسؓ)

دو گروہ ہیں جب وہ درست ہوں تو لوگ بھی درست ہوں گے جب وہ بگڑ جائیں گے تو لوگ بھی بگر جاتے ہیں۔علماء اور حکام۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاشرے کے بگڑنے اور سنورنے کا علماء پر کس قدر انحصار ہے۔اس لئے اب علماء کو چاہیے کہ وہ فروعی اختلافات کو بھلا دیں اور قرآن فہمی کے بعد اس کے مطابق معاشرے میں عمل وحرکت پیدا کریں۔مسلمہ تاریخ اور مسلسل تجربہ ومشاہدہ کی بنا پر یہ مقولہ سو فیصد صحیح ہے۔"**صلاحُ العالَم صلاح العالِم وفساد العالِم فسادالعالَم**" کہ عالم دین کے سدھرنے سے ایک جہان سدھر جاتا ہے اور عالم کے بگاڑ سے ایک جہان کا بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں علماء حق اور علماء سو کا ذکر نہایت بلیغ انداز میں فرمایا: **الا ان شر الشر شرار العلماء وخیر الخیر خیار العلماء۔** (۲مشکوٰۃ کتاب العلم مسند دارمی)

بدتر سے بدتر مخلوق علماء سو ہیں اور بہتر سے بہتر مخلوق علماء حق ہیں۔

اس دور میں علماء کا رول: علماء سو کے منفی اثرات کی وجہ سے تعلیم یافتہ طبقہ سوچتا ہے کہ کیا اس دور جدید میں مذہب اور علماء کی ضرورت ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلام میں پاپائیت کا تصور نہیں مگر معاشرہ کے ذہین طبقہ (علماء) پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ انبیاءؑ کی طرح عوام الناس کو روح دین اور علم کے عرفان سے آشنا کریں۔ موجودہ دور میں جو تخصص کا ہے۔ انسان علم اور فقہ کے ہر شعبہ کا تعمق و گہرائی سے مطالعہ کرنا چاہتا ہے ہر کام کے لئے ماہرین خصوصی کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم دین سے جس کا اصل مقصد کردار سازی اور ذوق علم کو جلا بخشنا ہے تا کہ انسان دنیا میں تخریب کی بجائے تعمیری کردار ادا کرے۔ وہ مقصد حل نہیں ہوتا جب تک قرآن میں تدبر اور تفکر نہ کیا جائے یہ عظیم کار خیر علماء کرام نے انجام دینا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس دور میں تنگ نظر عالم کی ضرورت نہیں۔

اسلام کو دور جدید میں سائنس سے خطرہ ہے نہ یلغار الحاد سے۔ دنیا میں مذہب سے بیزاری کی وجہ یہ ہے کہ دیگر مذاہب نے اوہام وظنون سے زندگی کا رشتہ قائم کیا ہوا ہے۔ اور جہاں مقابلہ وہم وگمان وعلمی حقائق کے درمیان ہو وہاں وہم وگمان کی شکست یقینی ہے۔ ۱۴۵۶ء میں دُم دار ستارے کے طلوع سے یورپ کے دینی حلقوں میں کہرام مچ گیا تھا۔ اس واقعہ سے یہ مطلب لیا گیا کہ نحوست کا سایہ بڑھے گا۔ بدامنی ہوگی اور ترکی کے سلطان محمد ثانی کو قسطنطنیہ ویورپ میں عروج ہوگا۔ کلیساؤں میں گھڑیال بجتے رہے اور شب وروز دعائیں ہوتی رہیں۔ اسلامی دُنیا اس واقعہ سے بے اثر تھی اسلام توہمات کو نہیں مانتا۔ رسول ﷺ کے زمانہ مبارک میں آپ کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا بچپن میں انتقال ہوا تو اسی روز سورج گرہن تھا مسلمانوں نے اُسے وفات سے منسلک کیا۔ آنحضرت ﷺ کو علم ہوا تو سختی سے تردید کی اور فرمایا چاند وسورج قدرت الٰہی کی آیات میں سے ہیں ان کے کسوف کا کسی کی موت وحیات سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔" (مسلم باب الکوف ج ۱)

چاند سورج، سیارے سب ایک ریاضیاتی فطری قانون کے تحت سرگرم عمل ہیں اور

ان کا اس سے سر موانحراف ممکن نہیں ۔قرآن حکیم میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے :

الشَّمس والقمرُ بحُسبان (سورۃ الرحمٰن ۵)

''سورج اور چاند کی رفتار مقررہ حساب کے مطابق ہے۔

وکل فی فلکٍ یسبحُون (سورۃ یٰسین :۴۰)

''سب اپنے دائرے میں رواں دواں ہیں۔

اسلام علم کا مذہب ہونے کی وجہ سے سائنس سے تصادم نہیں کرتا بلکہ اسے ساتھ ساتھ چلاتا ہے۔اسلام کا زائد نفع یہ ہے کہ علم یا سائنس کو انسان کی فلاح و بہبود کے لئے بروئے کار لاتا ہے۔سائنسدان غیر مسلم ہوگا تو وہ پابند قوانین الٰہی نہ ہونے کی وجہ سے تخریب انسانیت کا بندوبست کرے گا۔ہائیڈروجن بم بنائے گا۔اس پر اکتفانہیں ہوگا تو وہ نیوٹران بم ایجاد کرے گا تا کہ اپنے ملک کے نام ونمود کی خاطر اوروں کو نیست ونابود کردے۔بقول مولانا ابوالحسن ندویؒ ''آج کے دنیا میں خودغرضی اور بداخلاق کا مونسون ہے اسے چادروں سے روکا نہیں جاسکتا'' اس سیلاب کا سدباب اسلام کا تصور فکر و علم ہے۔گویا انسانیت کو جس قدر آج اسلام کی ضرورت ہے پہلے کبھی نہیں تھی ۔دنیا دو بڑے پاٹ سرمایہ داری اور کمیونزم کے درمیان پس رہی ہے۔سرمایہ داری ایک ایسا شیطانی نظام معیشت ہے جس میں مقناطیس صفت سرمایہ دار(جنہیں بامعنی طور پر بھی کہا جاتا ہے) ایسا چکر چلاتے ہیں کہ ساری دولت سمٹ کران کی تجوریوں میں آجاتی ہے اور امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوجاتا ہے۔کمیونزم ظالمانہ جبر کے ذریعہ پیدائش دولت کے وسائل افراد کی بجائے جماعتی ملکیت میں لے آتا ہے اور ضروریات زندگی کو پھر افراد پر تقسیم کرنے کا انتظام جماعت کے ذریعہ کرتا ہے دراصل یہ جماعت بھی سرمایہ داری ہی کی مکروہ ترین شکل ہے۔یہ نظام بھی غیر فطری ہونے کی وجہ سے روس ہی میں پسپا ہورہا ہے۔اوراب وہاں اس کا علاج محدود ملکیت جائز قرار دینے کے ذریعہ کیا جارہا ہے۔اسلام کا نظام معیشت اعتدال وانصاف کی راہ متعین کرتا ہے یہ فرد اور جماعت کے درمیان ایسا توازن قائم کرتا

ہے کہ فرد کی شخصیت اور احترام انسام سب قائم رہے اور اجتماعی مفاد پر بھی ضرب نہ پڑے۔ آج معاشی میدان میں بھی انسانیت اسلام کی راہ تک رہی ہے۔اور اب علماء کا فرض ہے کہ وہ اسکی راہنمائی کریں۔

علماء کے حقوق

کچھ فرائض عوام پر بھی عائد ہوتے ہیں۔انہیں چاہیے کہ وہ علماء کی

۱...... اطاعت کریں.

۲...... تعظیم کریں۔

۳...... بوقت ضرورت احتساب کریں۔

اصول اطاعت پر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الأمر منکم.** (سورۃ النساء)

''تم اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی اور صاحب امر لوگوں کی۔''

صاحب امر لوگوں میں حکام کے علاوہ علماء مجتہدین۔قانون ساز ادارہ۔صالحین وغیرہ شامل ہیں۔لہٰذا ان کی اطاعت بھی فرض ہے اور تعظیم بھی۔اس ضمن میں ''عوام اور حکام کے باہمی حقوق' کے باب میں تذکرہ ہو چکا ہے یہاں اس کا اعادہ غیر ضروری ہے۔ علماء حق کے مقام رفیع کا اندازہ اس معروف حدیث سے بھی کیا جا سکتا ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔**العلماء ورثۃ الانبیاء.** (بحوالہ مسند احمد و ترمذی)

کہ علماء انبیاءؑ کے وارث اور نائب ہیں۔یہاں صرف اتنی گذارش کافی ہوگی کہ عوام پر لازم ہے کہ وہ ان علماء کی تعظیم کریں اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے متصادم نہ ہوں۔متصادم کی صورت میں عمل احتساب شروع ہونا چاہیے۔(بحوالہ چیدہ چیدہ از حقوق العباد)

علم ایک عظیم وصف ہے جو انسان کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے اور اس کی عزت کا باعث بنتا ہے،اور انسان کو انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے،ذہن اور فکر کو عرفان کی معراج

بخشتا ہے، غرضیکہ علم دین اللہ تعالیٰ کی عظیم عنایت ہے جسے چاہے عطا فرمادے، جس شخص کے پاس علم ہو لامحالہ اس کی سوچ اور فکر دوسروں سے بڑھ جاتی ہے اور وہ اس بات کا اہل ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کی راہنمائی کر سکے۔

اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''تاکہ اہل علم کو معلوم ہو جائے کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے لہٰذا اس پر ایمان لے آئیں، پھر ان کے دل تسلیم میں جھک جائیں اور بے شک اللہ ایمان والوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے دیتا ہے۔''

(سورۃ حج: ۵۴)

''اور صاحب علم لوگوں نے کہا کہ تم پر افسوس ہے کہ اللہ کا ثواب اس کے لیے بہتر ہے جو ایمان لے آئے اور صالح عمل کرے اور یہ نعمت صبر کرنے والوں ہی کو ملتی ہے۔''

(سورۃ قصص)

''اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا ہے، وہ کہیں گے کہ بلاشبہ تم اللہ کی کتاب کے مطابق روز محشر تک ٹھہرے رہے ہو، پس یہی محشر کا دن ہے اور تم تو اسے جاننے والے نہ تھے۔'' (سورۃ الروم: ۵۶)

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادگی سے بیٹھو تو کشادہ ہو جایا کرو، پس اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی کر دے گا اور جب تمہیں اٹھنے کے لیے کہا جائے تو اٹھ جایا کرو، اللہ تم میں سے اہل ایمان اور اہل علم کے درجات بلند فرمادے گا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔'' (سورۃ مجادلہ: ۱۱)

کلام الٰہی کی ان آیات سے علماء کرام کے بلند مقام کا پتہ چلتا ہے، کہ جن لوگوں کو علم کی دولت دی گئی ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جس شخص پر علم کا کرم کر رکھا ہو اس کا حق پہچاننا اہل دنیا کا فرض ہے، اس کے بارے میں فرمان نبوی یہ ہے:

''حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص ہمارے

بڑوں کی عزت نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے علماء کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں۔" (بحوالہ طبرانی)

عزت واحترام

علماء کرام کا حق ہے کہ ان کی عزت کی جائے انہیں خود سے مکرم جانا جائے، ان کی عزت واحترام کرنے کے بارے میں حضور ﷺ کی احادیث مبارکہ یہ ہیں:

"حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علماء کی عزت کرو کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔" (بحوالہ کنز العمال)

علماء کو انبیاء کا وارث اس لیے کہا گیا ہے کہ جو باتیں انبیاء نے اپنی امتوں کو بتائیں اب ان کے بعد انہوں نے اہل دنیا میں ان کا پرچار کرنا ہے، عالم دین کی شان میں حضور ﷺ کی ایک اور حدیث یوں ہے:

"حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عالم کا تم پر یہ حق ہے کہ تم مجلس میں لوگوں کو بالعموم سلام کرو اور عالم کو خصوصیت کے ساتھ علیحدہ سلام کرو، تم ان کے سامنے بیٹھو ان کے سامنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرو اور نہ آنکھوں سے اشارے کرو، جب وہ کوئی مسئلہ بتائے تو یہ نہ کہو کہ فلاں نے اس کے خلاف کہا ہے، اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو، نہ اس کی مجلس میں کسی سے سرگوشی کرو، اس کے کپڑے کو نہ پکڑو، جب وہ اکتا جائے تو اس کے پاس نہ جاؤ، اس کی لمبی صحبت سے احتراز نہ کرو کیونکہ وہ کھجور کے درخت کی طرح ہے، تم منتظر رہو کہ تم پر کب اس سے کوئی پھل گرتا ہے، کیونکہ مؤمن عالم کا اجر روزہ دار اور قیام کرنے والے عابد اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے شخص سے زیادہ ہے اور جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایسا سوراخ ہو جاتا ہے جس کو قیامت تک کوئی چیز بند نہیں کر سکتی۔" (بحوالہ کنز العمال)

اس روایت میں بڑی تفصیل کے ساتھ عالم کا ادب واحترام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

''حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اکرام میں یہ بھی شامل ہے کہ بوڑھے مسلمان کا اکرام کیا جائے، اور حامل قرآن کا بھی اکرام کیا جائے جو اس میں غلو کرنے والا نہ ہو، اور اس سے دوری اختیار کرنے والا بھی نہ ہو اور انصاف کرنے والے صاحب اقتدار کا اکرام کرنا بھی اسی میں شمار فرمایا۔'' (الادب المفرد)

حامل قرآن سے مراد حفاظ کرام اور اہل علم ہیں لہٰذا اس حدیث کے مطابق بھی علماء کرام کی عزت اور احترام کرنا چاہیے۔

حسن سلوک

علماء کا ایک حق یہ ہے کہ لوگ ان سے اچھا سلوک کریں علماء کو برا نہ سمجھیں، انہیں کسی طرح اذیت نہ پہنچائی جائے اور گاہے بگاہے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اکتساب علم کیا جائے، اگر کوئی کسی عالم کے ساتھ گفت و کلام میں زیادتی کر جائے تو بعد میں اس سے معذرت کرے علماء سے حسن سلوک کے بارے میں حضور ﷺ کی احادیث یہ ہیں:

''حضرت ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم زمین پر اللہ کا سلطان ہے جو اس کی مذمت کرے گا وہ ہلاک ہوگا۔'' بحوالہ (مجمع الزوائد)

اس حدیث میں علماء کو سلاطین کی مانند قرار دیا گیا ہے، یہ کتنا بڑا مقام ہے، اس لیے علماء کی مذمت نہیں کرنی چاہئے۔

''حضرت معاذؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم زمین پر اللہ کا امین ہے۔'' (بحوالہ کنز العمال)

اصل علم اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو علم علماء کو ان کی عقل و فراست کے مطابق دیا ہے، وہ امانت کی طرح ہے، اس لیے علماء اللہ تعالیٰ کے امین کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا ہر لحاظ سے ان سے اچھا سلوک کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔

''حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم کی موت سے اسلام

میں سوراخ ہو جاتا ہے جو وقت کے گزرنے سے پر نہیں ہوتا'' (بحوالہ کنز العمال)

حضور ﷺ کے اس فرمان سے یہ بات عیاں ہے کہ عالم کی موت سے دنیا میں بہت کمی آ جاتی ہے، اس سے ایک سچے عالم دین کا مقام ظاہر ہوتا ہے لہٰذا علماء کے مقام کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سے اچھا سلوک کریں۔

''حضرت احوص بن حکیمؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے شر کے بارے میں معلوم کیا تو سرکار نے فرمایا، مجھ سے شر کے بارے میں نہیں بلکہ خیر کے بارے میں معلوم کرو، یہ کلمات آپ نے تین مرتبہ فرمائے، اس کے بعد فرمایا بروں میں سب سے برے بھی علماء ہیں اور اچھوں میں سب سے بہتر بھی علماء ہی ہیں۔''

(بحوالہ دارمی)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ علماء دو طرح کے ہیں، ایک اچھے اور دوسرے بُرے اچھے علماء وہی ہیں جو اللہ کو راضی کرنے میں مشغول رہتے ہیں، اچھے علماء کی قدر کی جائے گی اور وہی حسن سلوک کے مستحق ہیں۔

عوام الناس کو چاہئے کہ زندگی کے ہر شعبے میں علماء اکرام سے اچھے سلوک سے پیش آئیں، راستے میں چلتے وقت علماء سے آگے نہ چلیں، علماء کی تضحیک نہ کریں، جب ان کی محفل میں جائیں تو ان کی اجازت کے بغیر اپنی بات کا آغاز نہ کریں ان سے جب بات کریں تو مختصر کریں، طول کلامی سے بچیں، غرضیکہ علماء کے حق کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

عظمت وسیادت

علماء کا ایک حق یہ ہے کہ لوگ اللہ کے طالب علماء کی عظمت وسیادت کو تسلیم کریں کیونکہ علماء کے لیے علم شریعت کا اجرا کرنا اور اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور علماء اسی صورت میں شریعت پر عمل کا حکم دے سکتے ہیں جب کہ لوگ انہیں خود سے بہتر اور صاحب

عزت مانیں، ان کی عقل، ان کی فکر، ان کی رائے جو عین علم الٰہی کے مطابق ہو اس کی قدر کریں لہٰذا لوگوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ دل و جان سے اللہ کے طالب علماء کی عظمت اور مقام کو جانیں، علماء کی عظمت و سیادت کے بارے میں حضور ﷺ کے چند ارشادات حسب ذیل ہیں:

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا زمین پر علماء آسمان پر ستاروں کی طرح ہیں جن سے سمندر اور خشکی پر ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور جب ستارے چھپ جائیں گے تو قریب ہے کہ ہدایت حاصل کرنے والے بھٹک جائیں۔'' (بحوالہ مسند احمد)

اس حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس طرح آسمان پر ستارے خود چمک کر دنیا کو روشنی پہنچا رہے ہیں اسی طرح علماء علم دین کے میدان میں آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں، علماء کے بارے میں ایک اور حدیث یہ ہے۔

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عالم کی عابد پر ستر درجہ فضیلت ہے اور ہر درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے۔'' (ابویعلیٰ)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ عالم دین کو کثرت سے عبادت کرنے والے پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ عابد تو صرف اپنی دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے عبادت کرتا ہے جبکہ علماء اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے سرگرم عمل رہتے ہیں اور اس کے لیے دکھ برداشت کرتے ہیں۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر آدمی علم کا ایک باب پڑھ لے تو وہ میرے نزدیک ہزار نفل پڑھنے سے بہتر ہے، ان دونوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب طالب علم کو طلب علم کی حالت میں موت آئے تو وہ شہید ہے۔'' (بحوالہ بزار)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کی معرفت اور قرب کے حصول کے لیے ظاہری شریعت پڑھانے والا نوافل پڑھنے والے سے بہتر ہے، اس کے بارے میں ایک

اور حدیث یہ ہے۔

''حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو چر لیا کرو، صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا علم کی مجلسیں۔'' (بحوالہ طبرانی)

اس حدیث میں اہل علم کی مجالس کو جنت کی کیاریوں سے تشبیہ دی گئی ہے، جس طرح اہل علم کی مجالس میں شامل ہو کر انسان کو علم و عمل کا بے شمار فائدہ حاصل ہوسکتا ہے، حضور ﷺ کی پیاری امت کو چاہیے کہ اہل علم کی دل سے قدر کریں اور ان کی عظمت کا اعتراف کریں۔

اتباع علماء

علماء کی ایک شان یہ ہے کہ علم کے سلسلے میں ان کی طرف رجوع کیا جائے، کتاب وسنت کے مطابق ان کی اتباع کی جائے، کیونکہ لوگوں کو صرف اسی صورت میں علمی وعملی فائدہ ہوسکتا ہے جب کہ علماء کے سچے علم پر عمل کیا جائے، لہٰذا ہمیں ان علماء کی باتوں پر عمل کرنا چاہیے جو اللہ کے قرب کی بات کریں، زہد وتقویٰ کی تشریح کریں، اللہ کی یاد اور ذکر وفکر کی دعوت دیں، اللہ سے دوستی والا راستہ بتائیں، ایسے اللہ والے علماء کی اتباع لازم ہے جن کے بیان سے دل میں خوف خدا اور خشیت الٰہی پیدا ہو، جس کی بناء پر سننے والا گناہ ترک کر کے توبہ کرلے اور طریقت کی راہ اختیار کرے، اس کے بارے میں آپ کی چند احادیث حسب ذیل ہیں:

''حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علماء کی اتباع کرو کیونکہ وہ دنیا اور آخرت کے چراغ ہیں۔'' (بحوالہ کنز العمال)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس حال میں صبح کو اٹھو کہ تم عالم ہو یا متعلم نہ کرو، اگر تم یہ نہ کرسکو تو علماء سے محبت رکھو

اوران سے بغض نہ رکھو۔" (بحوالہ طبرانی)

"حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں، آسمان والے ان سے محبت کرتے ہیں اور جب وہ فوت ہو جائیں تو قیامت تک سمندر کی مچھلیاں ان کے لیے استغفار کرتی ہیں۔" (بحوالہ کنز العمال)

"حضرت ابو امامہ باہلیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی بندہ کو کتاب اللہ کی ایک آیت کی تعلیم دی وہ اس کا مولیٰ ہے، وہ نہ اس کو نامراد کرے اور نہ اس پر اپنے آپ کو ترجیح دے۔" (بحوالہ طبرانی)

"حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تین شخصوں کی تخفیف صرف منافق کرتا ہے، جو شخص اسلام میں سفید ریش ہو، عالم، امام عادل۔" (بحوالہ طبرانی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ علماء کا حق اسی وقت ادا ہوگا جب کہ انہیں سننے والے ان کے نیک باتوں پر عمل کریں گے، اتباع صرف ان علماء کی کریں جو اللہ اور اس کے رسول اور اولیاء کی تعلیم کا پرچار کرتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁

استاد وشاگرد کے حقوق

استاد کے حقوق

علم حقیقی کا سرچشمہ پروردگار عالم ہے، یہی علم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دیا اور جب انسان کو پیدا فرمایا تو اسے بھی کائنات کی اشیاء کے نام سکھائے، شرف انسانیت کے باعث جب فرشتوں سے وہ نام پوچھے تو وہ پکار اٹھے:

﴿سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا﴾

''اے پاک ذات! ہمیں علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا۔''

(سورۃ بقرہ:۳۲)

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا گیا تو انہوں نے تمام نام بتادیئے اللہ تعالیٰ نے اس طرح آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر علم کی بناء پر برتری ثابت فرمادی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعے سے حضرت انسان کو اپنے علم کے زیور سے آراستہ فرمایا، اس اصل علم کا ذریعہ وحی الٰہی ہے، نبی آخر الزمان ﷺ پر اس وحی کے علم کا آغاز چالیس برس کی عمر میں ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمایا:

﴿اقرأ باسم ربک الذی خلق ،خلق الانسان من علق،اقرأ وربک الأکرم ،ألذی علم بالقلم،علم الانسان ما لم یعلم﴾

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا انسان کو اس چیز کا علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔'' (سورۃ العلق، ا تا ۴)

اللہ کی تلقین کی ابتداء پڑھنے سے ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ پڑھنا اور پڑھانا بہت

اہم ہے، علم کی اصل بنیاد وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو دیا ہے، اور وہ علم دیا ہے جسے انسان جانتا نہ تھا، اس کے علاوہ انسان کو لکھنے کا علم بھی دیا ہے، پس اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق لکھنا پڑھنا بہت ضروری ہے۔

حضور ﷺ نے اپنے منصب ورسالت کے ساتھ اپنا ایک منصب ''معلم'' بیان فرمایا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

''میں بطور معلم واستاد مبعوث کیا گیا ہوں۔'' (بحوالہ سنن ابن ماجہ)

خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں کئی بار اس منصب کا ذکر فرمایا ہے:

﴿یعلمهم الکتٰب و الحکمة﴾ (سورۃ آل عمران:۱۶۴)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہارے لیے باپ کی حیثیت رکھتا ہوں کہ تمہیں علم حکمت سکھاتا ہوں۔''

اس بناء پر حضور ﷺ نے علم سکھانے کے لیے خصوصی توجہ فرمائی، حضور ﷺ کے دور مبارک سے پہلے عربوں میں پڑھنا پڑھانا، معیوب سمجھا جاتا تھا، بقول مورخ بلاذری سارے قبیلہ قریش میں صرف ۱۷ آدمی پڑھ لکھ سکتے تھے، آنحضرت ﷺ نے علم کی اہمیت کے پیش نظر اس کی ترویج واشاعت کی ابتداء فرمائی، جنگ بدر کے بعض خواندہ کافر قیدیوں کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ ایک قیدی دس مردوں کو لکھنا سکھاوے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کے صحن میں درس گاہ (صفہ) قائم کی جس میں صحابۂ کرامؓ رات دن خدمت علم میں مصروف رہتے تھے، صحابۂ کرامؓ میں طلب علم کا بے پناہ شوق وجذبہ تھا، یہ ذوق وشوق معلم انسانیت ﷺ کی پیہم تلقین کا نتیجہ تھا، حضور ﷺ نے فرمایا ہے: کہ

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

اس حدیث سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علم سے مراد محض دینی علوم ہیں یا دیگر دنیوی علوم بھی شامل ہیں، محدثین کی مراد یہاں دینی علوم سے یہ ہے کہ ایسے علوم جو دنیوی

ہوتے ہوئے دین سے متصادم نہ ہوتے ہوں اور دین کی تقویت کا باعث ہوں وہ سب اسی زمرہ میں آتے ہیں۔ جنگ بدر کے کافر قیدیوں سے مسلمان مردوں کو پڑھانے کا کام لیا گیا، ظاہر ہے کہ کافر دینی نہیں بلکہ لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیتے ہوں گے، پس اس سے معلوم ہوا کہ ایسا علم جو کتاب وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے انسان کے لیے نفع بخش ہو اس کا حاصل کر لینا ضروری ہے، شرعی طور پر پڑھانے والے اور دیگر کسی علم کے استاد کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔

استاد کا درجہ

استاد کا درجہ بمنزلہ باپ کے ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تیرے تین باپ ہیں، ایک وہ جس کے نطفہ سے تیری پیدائش ہوئی (والد) دوسرے وہ جس نے تجھے اپنی بیٹی دی (سسر) اور تیسری وہ جس نے تجھے علم وآگاہی بخشی۔ (بحوالہ استاد ومعلم)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ سب سے زیادہ فیاض ہے، اس کے بعد اولاد آدم میں سب سے زیادہ میں فیاض ہوں، پھر میرے بعد وہ فیاض ہے جس نے علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا قیامت کے روز وہ امت کی صورت میں (اپنے شاگردوں کے ساتھ) آئے گا۔ (بحوالہ بیہقی)

خود صاحب علم ہونے کا بھی بہت درجہ ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

﴿یرفعِ الله الذین امنوا منکُم والذین اُوتُوا العلمَ درجٰت﴾

''تم میں سے جو لوگ صاحب علم ہیں، اللہ ان کے درجات بلند کرے گا اور جنہیں علم دیا گیا ہے ان کے بڑے درجے ہیں۔'' (سورۃ مجادلہ:۱۱)

اسی طرح فرمایا:

﴿هل یستوِی الذین یعلمون والذین لا یعلمون﴾

''وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے کیا برابر ہیں؟'' (سورۃ زمر:۹)

اطاعت ......استاد کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کے شاگرد اس کا کہنا مانیں اور جو کام وہ کرنے کے لیے کہے اسے دل وجان سے کریں، غرضیکہ شاگرد پر استاد کی اطاعت لازم ہے اور اس کی اطاعت پر قرآن پاک کی یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

﴿یا أیها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم﴾

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحب امر ہیں ان کی اطاعت بھی کرو۔'' (سورۃ النساء:۵۹)

صاحب امر سے مراد وہ شخص ہے جو تمہارے اوپر کسی کام کا نگران ہو، اس لیے استاد بھی صاحب امر کے زمرے میں آتا ہے، چونکہ استاد سے جو بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ ان کا ایک طرح کا حاکم ہوتا ہے، اس لیے مفسرین نے اساتذہ علماء اور حکام کو صاحب امر کے معنوں میں شمار کیا ہے، حضور ﷺ کے ارشادات سے بھی یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جو تم پر حاکم ہوں ان کی اطاعت بھی کرو۔

''حضرت ام الحصین رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تمہارے اوپر ناک کٹے غلام کو امیر بنا دیا جائے جو تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی بات سنو اور اس کا حکم مانو۔''

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے جب رسول اللہ ﷺ سے سننے اور حکم ماننے پر بیعت کی تو آپ ہم سے فرماتے رہے جہاں تک تمہاری بساط میں ہو۔ (بحوالہ بخاری شریف)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر سننا اور حکم ماننا ہے خواہ اسے پسند کرتا ہو یا ناپسند، جب تک کہ خدا کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے، جب خدا کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو اس میں سننا اور حکم ماننا نہیں ہے۔''

(بحوالہ بخاری شریف)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے

سنا کہ جس نے امیر کی اطاعت سے اپنا ہاتھ نکال لیا تو جب قیامت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو اس کے پاس کوئی وجہ جواز نہیں ہوگی اور جو مر گیا اور اس کے گلے میں کسی کی بیعت نہ تھی تو جاہلیت کی موت مرا۔" (بحوالہ مسلم شریف)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کا حکم مانا تو اس نے میرا حکم مانا اور جس نے امیر کی نافرمانی کی تو اس نے میری ہی نافرمانی کی، کیونکہ امام ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے جہاد کیا جاتا ہے، اور جس کی آڑ لی جاتی ہے، اگر وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے انصاف سے حکم دے تو اس کا اسے ثواب ملے گا اور اگر اس کے برعکس کہے تو اس کا گناہ اس پر ہوگا۔" (بحوالہ بخاری شریف)

ادب واحترام

استاد کا ایک حق یہ ہے کہ شاگرد اس کی عزت کریں، مکتب میں اسے ادب واحترام سے بلائیں، مکتب کے باہر بھی اگر استاد مل جائے تو اچھے اخلاق سے پیش آئیں، استاد کے ساتھ کبھی بدتمیزی نہ کریں، شاگرد کے لیے لازم ہے کہ اپنے استاد کی کبھی بدتعریفی نہ کرے اس کی غیبت نہ کرے اور نہ ہی اسے کبھی گالی دے، راستے میں چلتے وقت استاد کی جائے مسند پر نہ بیٹھے، استاد کی اجازت کے بغیر بات نہ کرے، استاد کے سامنے طویل کلام نہ کرے، استاد کے وقت کا خیال رکھے، جو وقت اس نے تعلیم کے لیے مقرر کر رکھا ہو اگر اس وقت کے مطابق آنے میں کبھی دیر ہو جائے تو اس کے آنے کا انتظار کرے۔

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور نیک باتوں کا حکم نہ دے اور بری باتوں سے نہ روکے۔" (بحوالہ ترمذی شریف)

"حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی تعظیم

وتوقیر کا حصہ ہے کہ بوڑھے مسلمان اور قرآن جاننے والے کی عزت کی جائے جبکہ وہ اس میں زیادتی نہ کرے اور نہ اس سے دور رہے، نیز انصاف کرنے والے حکمران کی۔"

(بحوالہ ابوداؤد، بیہقی)

"حضرت ابودرداءؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان اپنے بھائی کی عزت کی حفاظت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے کہ قیامت کے روز اس سے جہنم کی آگ کو دور رکھے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اور ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے۔" (بحوالہ شرح السنۃ)

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق سلوک کرو۔" (بحوالہ ابوداؤد)

عذرخواہی

بعض شاگرد اپنے بچپن کی وجہ سے بعض اوقات ایسی بات کہہ دیتے ہیں یا ایسی شرارت کر دیتے ہیں جس سے استاد کو غصہ آجاتا ہے تو اس صورت میں شاگرد میں احساس ندامت پیدا ہونا چاہئے اور بعدازاں استاد سے اپنی غلطی کی معافی طلب کرنی چاہئے، اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ تورات کا ایک نسخہ لے کر پڑھ رہے تھے کہ حضور ﷺ کو معلوم ہو گیا تو آپ نے حضرت عمر کے ایسا کرنے کو ناپسند فرمایا، اس پر حضرت عمرؓ نے معذرت کی اور کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے عذرخواہ ہوں۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ استاد کو اگر شاگرد کی کوئی بات یا عمل پسند نہ آئے تو اسے چاہئے کہ استاد سے معذرت کرلے۔

آداب مجلس

استاد کا حق ہے کہ تلامذہ اس کی موجودگی میں آداب مجلس ملحوظ رکھیں، یہ آداب شاگرد

کو مجلس نبوی سے سیکھنے چاہئیں، حضور ﷺ اور صحابہؓ کے تعلق کے جہاں اور کئی پہلو تھے ان میں استاد اور شاگرد کا پہلو بھی تھا اس لیے کہ سردار انبیاء ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا منصب ایک معلم اعظم کا بھی تھا، پس ایک مسلمان طالب علم کو اپنے استاد کے ساتھ برتاؤ کا ڈھنگ بھی مجلس نبوی ہی سے سیکھنا چاہئے، اس استاد اعظم سے بات کرنے کا سلیقہ قرآن مجید میں یوں سکھلا گیا ہے۔

﴿لا ترفعوا أصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض﴾

''اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے اونچا نہ ہونے دو، اور ان سے زور زور سے باتیں مت کرو، جیسے تم آپس میں کرلیا کرتے ہو۔'' (سورۃ حجرات:۲)

صحابہؓ مجلس نبوی میں کامل ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے تھے، صحابۂ کرامؓ کا بیان ہے کہ وہ مجلس نبوی میں یوں بیٹھتے تھے۔

﴿کان علی رءوسنا الطیر﴾

''گویا ہمارے سر پر پرندے بیٹھے ہیں کہ ذرا سی حرکت کرنے پر اڑ جائیں گے۔''

آداب مجلس کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ استاد کی بات کو خاموشی کے ساتھ سنے وراس کے قطع کلام نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں لگا تار دو برس ارادہ کرتا رہا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کروں گا مگر رعب کی وجہ سے ہمت نہ پڑتی تھی، آخر ایک حج کے موقعہ پر جب حضرت عمرؓ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس ہونے لگے تو میں نے دل کڑا کر کے عرض کیا امیر المؤمنین! ایک حدیث کے متعلق دو برس سے سوال کرنا چاہتا ہوں مگر آپ کا رعب بولنے نہیں دیتا، فرمایا یوں نہ کیا کرو جو کچھ پوچھنا ہو بے دھڑک پوچھ لیا کرو، علم ہوگا تو بتاؤں گا ورنہ کہہ دوں گا کہ مجھے معلوم

(بحوالہ جامع بیان العلم)

معاشی بے فکری

پڑھانے والے اساتذہ کا یہ حق ہے کہ اسے ہر وقت معاش کی فکر نہ ہو، اسے مالی طور پر اتنا ملنا چاہیے کہ وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جائز ضروریات پوری کر سکے، تا کہ اس کا ذہن سکون میں رہے جس سے اسے پڑھانے میں آسانی ہوگی۔

اگر استاد مالی طور پر پریشانیوں کا شکار ہوگا تو وہ طالب علموں کو صحیح طریقوں سے پڑھا نہیں سکے گا۔

اس لیے معاشرے پر مجموعی طور پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ استاد کی مالی ضروریات کو اس حد تک پورا کریں کہ وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔

جناب حکم تابعیؒ استاد کی خدمت میں تنخواہ یا فیس ادا کرنے کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں کہ:

﴿لم اسمعُ احداً كرِهَ أجرَ المعلّم﴾

''میں نے کسی سے نہیں سنا کہ وہ استاد کو معاوضہ دینے کو مکروہ سمجھتا ہو۔''

(بحوالہ بخاری شریف)

شاگردوں کے حقوق

کائنات کا معلم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو علم دیا اور تخلیق آدم کے بعد اسے بھی کائنات کی اشیاء کے نام اور ان کی ماہیت سے آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اشیاء کے نام پوچھے تو وہ پکار اٹھے:

سبحٰنک لاعلم لنا الاماعلمتنا (سورۃ البقرہ:۳۲)

''اے پاک ذات! ہمیں علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا۔''

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا گیا تو انہوں نے تمام نام بتا دیئے اللہ تعالیٰ نے اسطرح آدمؑ کی فرشتوں پر علم کی بنا پر برتری ثابت فرمادی۔ اللہ تعالیٰ حضرت

انسان کے سب سے پہلے استاد ہیں اور دنیا کے باقی تمام استاد اللہ کے نائب ہیں ۔اس لئے معلمی کا پیشہ نیابت الٰہی کے باعث بے حد معزز اور مقدس ہے ۔ نبی کریم ﷺ پر چالیس سال کی عمر میں پہلی وحی اتری ۔ حضور ﷺ عمر بھر امی رہے ۔اس کے باوجود یہ کس قدر اثر انگیز واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلے وحی بھیجی اس میں حضور ﷺ کو اقرأ یعنی پڑھنے کا حکم تھا۔

اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأوربُّکَ الأکرم ،ألذی علَّم بالقلم علَّمَ الانسان مالم یعلم. (سورۃ العلق ۱تا۴)

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا جمے ہوئے خوں کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی ۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔انسان کو اس چیز کا علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔''

اللہ تعالیٰ کی تلقین کی ابتداء پڑھنے سے ہوئی ۔اگر پڑھنے سے زیادہ ضروری کوئی اور امر ہوتا تو ظاہر ہے پہلے اس کی تلقین کی جاتی ۔علم کے بغیر انبیاء کرامؑ بھی مؤثر طریقے سے فریضہ دعوت حق ادا نہیں کر سکتے ۔اس لئے معلم انسانیت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے علم اور اس میں اضافے کی دعا کی ہے: رب زدنی علماً (سورۃ طٰہٰ:۱۱۴)

اے پروردگار میرے علم کو اور زیادہ کر۔

معلم انسانیت کی تعلیم میں دلچسپی: حضور ﷺ کے دور مبارک سے پہلے عربوں میں پڑھنا پڑھانا معیوب سمجھا جاتا تھا ۔بقول مؤرخ بلاذری سارے قبیلہ قریش میں صرف ۱۷ آدمی پڑھ لکھ سکتے تھے ۔آنحضرت ﷺ نے علم کی اہمیت کے پیش نظر اس کی ترویج واشاعت کی ابتداء فرمائی ۔ جنگ بدر کے بعد خواندہ کافر قیدیوں کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ ایک قیدی دس مردوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے۔ (بحوالہ مسند ابن جنبل ج ۱ ابن سعد)

آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی کے صحن میں درس گاہ (صفہ) قائم کی جسمیں صحابہ کرامؓ رات دن خدمت علم میں مصروف رہتے تھے ۔ان میں صرف لکھنے پڑھنے اور دینی علوم پر

دسترس حاصل کرنیکا جذبہ ہی نہ تھا بلکہ وہ تبلیغ کے لئے بصورت وفود باہر بھی جاتے تھے اور جہاں کارزار جنگ میں داد شجاعت دیتے تھے۔ علم کی روشنی بھی پھیلاتے تھے۔ اس ادارہ کی نگرانی رسول کریم ﷺ خود فرمایا کرتے تھے۔'' (بحوالہ فتوح البلدان۔ بلاذری)

مسجد قبا مسجد نبوی سے کوئی دو میل پر واقع ہے بیان کیا جاتا ہے کہ وقتاً فوقتاً رسول اللہ ﷺ وہاں جاتے اور وہاں کے مدرسے کی شخصی طور سے نگرانی فرماتے۔

(بحوالہ ابن عبدالبر۔ کتاب العلم)

جب سلسلہ تعلیم عام ہوا تو صحابیات بھی پڑھ لکھ گئیں۔ ازواج مطہرات میں حضرت حفصہؓ اور حضرت ام سلمہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کو تو فقہ۔ ادب وشاعری اور طب میں بڑا دخل تھا۔ (بحوالہ سیرت النبی جلد ۲)

معلم اور متعلم کی فضیلت

صحابۂ کرامؓ میں طلب علم کا بے پناہ شوق و جذبہ تھا یہ ذوق وشوق معلم انسانیت ﷺ کی پیہم تلقین کا نتیجہ تھا۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے:۔ عالم کی روشنائی شہید کے خون جتنی مقدس ہے۔ (احیاء العلوم جلد ۱)

۲۔ ''جو شخص علم کی تلاش کے لئے گھر سے نکلتا ہے وہ خدا کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔''

(بحوالہ ترمذی مسند دارمی۔ ابن ماجہ کتاب الجہاد' مشکوٰۃ)

معلم اور متعلم کی تعریف میں متعدد احادیث ہیں جن کا بیان کرنا مضمون کو غیر ضروری طول دے گا۔ مذکورہ دو احادیث سے علم اور علم حاصل کرنے والوں کی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

تمام نافع علوم کا حصول فرض ہے

علم سے خود آگہی اور خود شناسی پیدا ہوتی ہے اس لئے انسانیت کے عظیم ترین معلم نبی کریم ﷺ نے حصول علم کو فرض قرار دیا۔ آپ کا ارشاد ہے۔ طلب العلم فریضة علی

کل مسلم. علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (بحوالہ شعب الایمان بیہقی مشکوٰۃ)

یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ کیا علم سے مراد محض دینی علوم ہیں یا دیگر دنیوی علوم بھی شامل ہیں محدثین کی مراد یہاں دینی علوم سے یہ ہے کہ ایسے علوم جو دنیوی ہوتے ہوئے دین سے متصادم نہ ہوتے ہوں اور دین کی تقویت کا باعث ہوں وہ سب اس زمرہ میں آجاتے ہیں جنگ بدر کے کافر قیدیوں سے مسلمان مردوں کو پڑھانے کا کام لیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کافر دینی نہیں بلکہ لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیتے ہوں گے۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں غیر زبان سیکھنے کا بھی واقعہ ملتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن ثابت کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ جو انہوں نے غیر معمولی حافظہ کی بناء پر چند ہفتوں میں سیکھ لی تھی۔ (بحوالہ ابوداود کتاب العلم ج ۲)

قرآن نے اسلام کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ انسان کی فطرت ہے یہ صداقت ہے۔ سچائی ہے کوئی علمی صداقت ایسی نہیں جو اسلام کی تائید نہ کرتی ہو۔ اور جس کی اسلام تائید نہ کرتا ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

الكلمة الحكمة ضالة المؤمن فحيث وجد ها فهو أحق بها

(بحوالہ ترمذی کتاب العلم، ماجہ کتاب الزہد، مشکوٰۃ)

دانائی کی بات (یعنی صداقت) مؤمن کی گم شدہ چیز ہے وہ جہاں اسے پائے اس کا زیادہ حقدار ہے۔

علم ایک حقیقت یا صداقت کی نشاندہی کرتا ہے۔ لہٰذا تمام علوم اسلامی نظریہ کائنات کی شاخیں ہیں۔ بہر حال اب علم اور استاد کو اسی نقطہ نظر سے پڑھنا پڑھانا چاہیے۔ وہ علوم جن سے انسانیت کو کسی طرح فائدہ پہنچتا ہے اس کو حاصل کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہاں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

خير الناس انفعهم للناس. (جامع الصغیر للسیوطی جلد ۲)

تم لوگوں میں اچھا وہ ہے جس سے عوام کو فائدہ پہنچے۔

قرآنی دعا "رب زدنی علما" اور حضور ﷺ کے ارشادات سے یہی منطقی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دینی علوم کے بعد کے ایسے نفع بخش دنیوی علوم کا حصول، جو دین کی تقویت اور مسلمان قوم کی قوت وطاقت کا ذریعہ بنتے ہوں ایک درجہ میں ضروری ہے۔

ایک اہم نکتہ......: قرآن مجید میں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے واعِدُّو الهم ما استطعتُم من قوة وَّمن رباطِ الخیلِ تُرهبون بهٖ عدوَّ اللّٰه وعدوَّ کم.

(سورۃ الانفال ۶۰)

اور ان (کفار کے مقابلہ) کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق قوت اور پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جس سے اپنے اور خدا کے دشمنوں کو مرعوب کرو۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ ملت اسلامیہ کا یہ اجتماعی فرض ہے کہ اسلام اور اہل اسلام کے مخالف تمام طاقتوں کے مقابلہ کے لئے حربی، اقتصادی۔ سیاسی غرضیکہ زندگی کے تمام میدانوں میں اتنی قوت وطاقت پیدا کریں کہ اسے دیکھ کر تمام مخالف طاقتیں مرعوب اور خوفزدہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ موجودہ دور میں جدید علوم وفنون کے بغیر ایسی طاقت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

علم کی تعریف اور معلم ومتعلم کی فضیلت اور اُن سب کی اہمیت کا تعین کرنے کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ معلم ومتعلم کے فرائض وحقوق کیا ہیں۔ معلم کے فرائض جو متعلم کے حقوق ہیں وہ یہ ہیں۔

معلم باکردار ہو اور کردار ساز بھی ہو

کسی قوم میں کسی پیغمبر کی بعثت کا ایک اہم مقصد امت کی تعلیم وتربیت ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ایک معلم بنا کر بھیجا گیا۔

(بحوالہ مشکوۃ کتاب العلم۔ مسند دارمی)

اس کی تائید قرآن آیات سے ملی ہے۔ مثلاً ھو الذی بعث فی الامیّین

رسولا منهم یتلو اعلیهم ایته و یزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة۔

(سورۃ الجمعہ:۲)

وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے بھیجا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے اُن کی زندگی سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

علماء کرام کیونکہ انبیاء کے وارث ہیں۔ لہٰذا معلم کا کام تعلیم و تربیت دینا ہے۔ سلسلہ تدریس سے بیشتر یہ ضروری ہے معلم خود مجسم حسن خلق ہو۔ خلق نیکوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ کونوا مع الصّادقین. (سورۃ التوبہ ۱۱۸)

سچے نیکوکاروں کے رفیق بنو۔''

اسلامی ضابطہ اخلاق میں اچھی صحبت کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ ہادی اعظم ﷺ کا ارشاد ہے:

''بُرے ہم نشین کے مقابلہ میں تنہائی بہتر ہے اور اچھے انسانوں کی ہم نشینی تنہائی سے بہتر ہے۔'' (مشکوۃ باب حفظ اللسان) شاگردوں کو کیونکہ اپنے اساتذہ سے ہمکلامی اور ہم نشینی کا زیادہ موقعہ ملتا ہے لہٰذا اساتذہ کو اپنے کردار پر کڑی نظر رکھتے ہوئے شاگردوں کی کردار سازی کا عمل بھی مسلسل جاری رکھنا چاہئے۔

علم کی حفاظت کرے

علم کی حفاظت تین طریقوں سے ممکن ہے۔ پہلے یہ کہ:

ا: معلم مصروف مطالعہ رہے

ب: دوسرے یہ کہ وہ علم پر عمل کرے

ج: تیسرے یہ کہ علم کی تشہیر کرے

(ا)..... مطالعہ سے علم محفوظ رہتا ہے بلکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم کا حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے اور اس کی حفاظت کرنا اس سے بھی مشکل۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کا دھیان رکھو کیونکہ وہ ذہن سے اُتر جانے میں اُن اونٹوں سے بھی زیادہ سخت ہے جو رسیوں میں بندھے ہوتے ہیں۔

(بحوالہ بخاری باب فضائل القرآن و مسلم کتاب فضائل القرآن ج ۱)

مطالعہ سے علم میں اضافہ کرتے رہنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کرو اور سردار بنائے جانے کے بعد بھی اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب نے بوڑھے ہو جانے کے بعد بھی علم حاصل کیا تھا۔

(بحوالہ بخاری کتاب العلم ج ۱، احیاء العلوم ج ۱)

(ب)...... علم کو محفوظ رکھنے کا مؤثر طریقہ یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے جس علم پر عمل ہوتا رہے وہ خود بخود قائم رہے گا۔ عمل گیا تو علم بھی رخصت ہو جائے گا۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے: **یهتف العلم با لعمل فان ا جابه و ا لاار تحل** (بحوالہ احیاء العلوم ج ۱)

علم عالم کو عمل کے لئے پکارتا ہے۔ اگر اس نے پکار کو قبول کر لیا تو فبہا ورنہ علم کوچ کر جاتا ہے۔ ایک شخص نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ میں علم حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن شاید عمل نہ کر سکوں۔ ابو ہریرہ کا جواب تھا "تو پھر تیرے لئے علم حاصل نہ کرنا ہی بہتر ہے۔"

(بحوالہ احیاء العلوم ج ۱)

(ج)...... علم کی حفاظت کا سب سے بہترین طریقہ علم کی تعلیم و تشہیر ہے۔ اس لئے رسول پاک ﷺ نے فرمایا: **علموا و تعلموا**

یعنی علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ (بحوالہ مسند دارمی۔ دار قطنی)

اس حدیث کی رو سے ایک عالم پر فرض ہوتا ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے بعد دوسروں کو سکھائے تا کہ علم دنیا میں قائم اور جاری و ساری رہے۔ اسی لئے علم کے پھیلنے کو صدقہ جاریہ قرار دیا گیا ہے۔ حدیث یوں ہے:

قال رسول الله ا ان مما یلحق المؤمن عمله و حسنا ته بعدَ موته علما علمه و نشره . (بحوالہ مشکوۃ کتاب العلم۔ ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک ان چیزوں میں سے جو مؤمن کو موت کے بعد پہنچتی ہیں یعنی اس کے عمل اور نیکیاں، ان میں سے ایک علم ہے جسے اس نے حاصل کیا اور پھیلایا۔

اس حدیث کی روشنی میں استاد کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ قیامت تک یہ علم جہاں تک پہنچے گا اس شخص کو ثواب حاصل ہوتا رہے گا۔

علم کی افزائش صدقہ جاریہ ہوئی تو شاگرد سے معاوضہ لینے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ وہ درس گاہ اہل صفہ میں قرآن حکیم اور لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شاگرد نے کمان تحفہ میں پیش کی تو آنحضرت نے یہ تحفہ قبول کرنے کی اجازت نہ دی۔'' (بحوالہ ابوداؤد، جلد۲)

نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد استاد کو سب سے بڑا سخی قرار دیا ہے، فرمایا:

اجود هم من بعدی رجل علم علماً فنشره (مشکوٰۃ کتاب العلم بحوالہ بیہقی)

میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہے جس نے علم حاصل کیا اور پھر اسکو پھیلایا

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ افضل ترین سخاوت علم کی تعلیم و تشہیر ہے۔ اس کے برعکس علم کو چھپانا کتنا بڑا بخل ہے اور روز قیامت کتنا قابل تعزیز جرم ہوگا اس حدیث سے عیاں ہے:

قال رسول الله من سئل عن علمٍ ثم کتمه الجم یوم القیامة بلجامٍ من نار. (بحوالہ مشکوٰۃ کتاب العلم۔ احمد ابوداود۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

''رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی جس کا اسے علم ہے پھر اس نے اس کو چھپایا (یعنی سائل کو نہ بتایا) تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔''

یہ ذہن میں رہے کہ لگام جانور کو لگائی جاتی ہے جو بے فیض ہوتے ہیں۔ استاد کا چشمہ علم فیض عام ہونا چاہیے۔ جس طرح استاد کے لئے علم کو چھپانا اور تشنگان علم کو علم سے

محروم رکھنا بری بات ہے اسی طرح علم نہ ہوتے ہوئے اپنے آپکو عالم ظاہر کرنا اور اٹکل سے بتانا یہ بھی بری بات ہے اس لئے مندرجہ بالا حدیث میں لفظ "علمہٗ" کا خاص اضافہ کیا گیا ہے۔ ورنہ اس لفظ کے بغیر بھی کام چل سکتا تھا اور اگر واقعہ اسے معلوم نہ ہو تو صاف "لا ادری" (میں نہیں جانتا) کہہ دے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا عالم کی ڈھال "لا ادری" ہے احیاء العلوم میں ہے کہ حضرت امام مالکؒ سے ۴۸ مسائل دریافت کئے گئے تو صرف چھ کا جواب دیا اور باقی ۴۲ کے متعلق صاف کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔

حسن سلوک

انداز تعلیم دلنشیں ہو تو اثر ہوتا ہے۔ اس کی خشتِ اول خوش اخلاقی ہے۔ یہاں اس حدیث سے راہنمائی ملتی ہے۔

بے شک لوگ تمہارے تابع ہیں اور بے شک بہت سے لوگ زمین کے دور دراز حصول سے تمہارے پاس آئیں گے پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے اچھا سلوک کرنا۔" (بحوالہ ترمذی کتاب العلم ج ۲)

استاد کو اپنے شاگرد کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا چاہیے تاکہ ان میں فاصلہ ختم ہو۔ اور انہیں سوال کرنے میں جھجک محسوس نہ ہو۔ معلم انسانیت ﷺ نے یمن کے گورنر عمرو بن حزمؓ کے نام جو طویل ہدایت نامہ تحریر فرمایا تھا اسے تاریخ نے محفوظ کیا ہے اس میں لوگوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم کے بندوبست کرنے کے متعلق ہدایت تھی۔ اسمیں یہ جملہ بھی ہے:

علموا و لاتعنفوا فان العلم خیر من العنف .

تعلیم دو اور سختی نہ کرو کیونکہ علم سختی سے بہتر چیز ہے:

رسول اللہ ﷺ نے دین کی تعلیم دینے والوں کو خاص طور پر تاکید کی تھی۔ خواہ وہ مبلغ ہوں یا معلم یسّروا و لا تعسّروا وبشّروا و لاتنفّروا. (بحوالہ بخاری کتاب العلم)

"آسانی کرو اور سختی نہ کرو۔ لوگوں کو خوش خبری سناؤ اور متنفر نہ کرو۔"

حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ معلم کے لئے بھی مشعل راہ ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کلام فرماتے تو تین مرتبہ دہراتے تاکہ لوگ اسے خوب سمجھ لیں۔

(بحوالہ بخاری کتاب العلم ج ۱)

یعنی جب مجمع بڑا ہوتا یا خاص اہم ارشاد ہوتا تو بات کو تین مرتبہ دہراتے۔

نفسیات سے آگہی ہو

ایک حدیث میں ہے "ہر ایک بچہ فطرت (استعداد صالح اور استعداد قبول حق) پر پیدا ہوتا ہے۔ بعد ازاں والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔"

(بخاری ج ۲ کتاب التفسیر)

حضور ﷺ کا یہ ارشاد نفسیاتی حقیقت کا حاصل ہے۔ ماحول طبعی ہو یا اجتماعی بچے کی عادت وسیرت پر بے پناہ اثر ڈالتا ہے۔ درس گاہ بھی اجتماعی ماحول فراہم کرتی ہے۔ اس ماحول کی مرکزی حیثیت استاد کی ہے شاگرد کی ہر بات بغیر استدلال اور نتیجہ کے مان لیتا ہے۔ خاص طور پر چھوٹے بچوں میں تقلید کا رجحان بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ لہٰذا استاد کا فرض ہے کہ وہ شاگرد کی ذہنی صلاحیتوں اور اس کی مخصوص عادات کو سمجھے اور انہیں صحیح سمت عطا کرنے کی کوشش کرے۔ علمِ نفسیات کی تحقیق اس پر شاہد ہے کہ ایک مرتبہ کی بے توجہی ایک طالبعلم کو ہمیشہ کے لئے تعلیم سے متنفر کر دیتی ہے۔ اور اسی طرح معلم کی ذرا سی توجہ ایک طالب علم کو اس طرح کا سنبھالا دیتی ہے کہ وہ آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اختصاصیت پسند ہو

معلم کو اپنے شعبے علم میں ماہر ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے شاگردوں کو بہترین تعلیم دے سکے اور ان کے سوالات کا تسلی بخش جواب دے سکے حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ اللہ کی کتاب کے

بارے میں زبان کھولے جب تک کہ وہ لغات عرب نہ جانتا ہو یہی چیز دوسرے علوم وفنون پر بھی صادق آتی ہے۔ عہد نبوی میں یک فنی ذوق یا تخصیص فروغ پا گیا تھا اور خود رسول مقبول ﷺ اس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو قرآن سیکھنا ہو فلاں صحابی کے پاس جائے جس کو تقسیم ترکہ کا حساب سیکھنا ہو تو وہ فلاں کے پاس جائے وغیرہ۔ (بحوالہ طبقات ابن سعد، عہد نبوی میں نظام تعلیم)

گویا رسول اللہ ﷺ نے بھی اختصاصیت کی بنیاد رکھی تھی۔ اب مغربی دنیا کی ساری ترقی کا راز بھی یہی علوم وفنون میں اختصاصیت ہے وہ علم کا مطالعہ عمیق گہرائی سے کرتے ہیں۔ ریسرچ کرتے ہیں۔ مسلمان ممالک میں یہ ذوق مفقود ہے حالانکہ اس کی نشاندہی خاتم النبیین ﷺ نے ان الفاظ میں کی تھی: تفکر ساعةٍ حسنٌ من عبادة ستین سنة

(بحوالہ رواہ ابن حبان فی کتاب العظمة عن ابی ہریرہ)

(کائنات میں) گھڑی بھر کا تفکر وتدبر ساٹھ سالہ عبادت سے بہتر ہے۔"

اساتذہ کو چاہیے کہ وہ طلباء کو بہ نظرِ عمیق مطالعہ کرنے اور ریسرچ کرنے کی عادت ڈالیں، یہ تب ہی ممکن ہے کہ وہ خود مضمون پڑھا رہے ہیں اس کے ماہر ہوں اور طلباء کو وقت صحیح استعمال کرائیں۔ وقت دولت ہے۔ زندہ قومیں ضیاع وقت کو سب سے بڑا نقصان تصور کرتی ہیں۔ عمر عزیز مختصر ہوتی ہے جس میں کمی پیشی ممکن نہیں اس کی قدر وقیمت حسن استعمال پر موقوف ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا قول" میں اس بات کو سخت معیوب سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی لایعنی زندگی بسر کرے نہ دنیا کیلئے عمل نہ آخرت کے لئے۔

شاگرد (متعلم) کے فرائض

ا...... تعظیم معلم

شاگرد پر استاد کی اطاعت اس قرآنی حکم کی رو سے فرض ہے: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اُولِی الأمرِ منکم. (سورۃ النساء: ۵۸)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔

مفسرین ''صاحب امر'' میں علماء اساتذہ، حکام وغیرہ کو بھی شامل کرتے ہیں دنیا میں ہر شخص کے تین باپ ہوتے ہیں۔ایک اصل یعنی والد، دوسرا استاد، تیسرا سُسر اور ان تینوں میں سے استاد کا درجہ سب سے بلند ہے۔ سسر اپنی لخت جگر کو پالتا ہے۔ تعلیم و تربیت دیتا ہے پھر اپنے داماد کے سپرد کر دیتا ہے۔ والد اپنے بچے کو آسمان سے زمین پر لانے کا موجب بنتا ہے۔ اور استاد اپنے علم سے اسے زمین سے آسمان پر پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے استاد کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ عربی زبان میں بیٹے کے لئے ابن اور غلام دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ بیٹا اپنے باپ کے سامنے ایسا رویہ اور طرز عمل اختیار کرے کہ دیکھنے والوں کو اس پر غلام کا شبہ ہو جب باپ کے سامنے بیٹے کا طرز عمل ملازموں جیسا ہو تو استاد جس کا درجہ باپ سے بڑھ کر ہے، شاگرد کو اس کے سامنے کیسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔

۲......ذوق علم

طالب علم پر فرض ہے کہ وہ ذوقِ علم کی تسکین کے لئے دور دراز سفر کرنے سے بھی احتراز نہ کرے۔ قرآن حکیم کی سورۂ کہف میں تحریر ہے کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام طلب علم کی تلاش میں نکلے اور سفر کی تکلیفیں برداشت کیں اس واقعہ کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی شخص کتنا بھی بڑا عالم ہو ہر چیز نہیں جان سکتا اور یہ کہ علم میں زیادتی کی خواہش ہو تو بیرونی ممالک کا سفر بھی ناگزیر ہے۔

دورِ مبارک میں درسگاہ صفہ میں علم حاصل کرنے کے لئے دور دراز قبائل سے بھی طلبہ آتے اور ضروری نصاب کی تکمیل کے بعد اپنے وطنوں کو چلے جاتے۔

(بحوالہ بخاری کتاب الآدب باب البہائم ج ۲)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے

اطلبو االعلم ولو کان بالصین

علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے۔(بحوالہ ابن البر کتاب العلم، الایمان ج ۱)

چین کا لفظ یہاں دوری ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ جو چیز کسی شاگرد کو معلوم نہ ہو یا اس کی سمجھ میں نہ آتی ہو تو اسے استاد سے پوچھنے میں کوئی شرم یا عار محسوس نہیں ہونی چاہیے۔۔ صحابیاتؓ سے بہت سی احادیث مروی ہیں جن کے پوچھنے میں عورتیں عام طور پر عار یا شرم محسوس کرتی ہیں لیکن صحابیاتؓ نے وہ چیزیں پوچھیں اور پیغمبر اسلام ﷺ نے کا تسلی بخش جواب دیا۔ (بحوالہ صحاح ستہ)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

"شرمیلا اور متکبر علم حاصل نہیں کرسکتا۔ (بحوالہ بخاری کتاب العلم ج ۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پُر حکمت قول ہے کہ دولت کا خیال کرو تو دیکھو کہ دنیا میں تم سے کم کتنے ہیں اور علم کا خیال کرو تو دیکھو تم سے بڑھے ہوئے کتنے ہیں۔ حصول علم میں مسابقت کرنی چاہیے نہ کہ حصول مال وزر میں۔

شاگرد کے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ وہ بے معنی یا استاد کو تنگ کرنے کے لئے سوال کرے۔ نبی کریم ﷺ کا انتہائی بلیغ ارشاد ہے۔

حسن السوال نصف العلم (بحوالہ مشکوۃ کتاب الآداب، بیہقی شعب الایمان)

اچھے انداز میں سوال پوچھنا آدھا علم ہے۔

اچھے سوال سے استاد کے ذہن میں انشراح اور وسعت پیدا ہوتی ہے شاگرد کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁

تاجروخریداری کے باہمی حقوق

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اخلاقی اور معاشی جدوجہد کی جولانگاہ بنایا ہے۔ اور انسان کا آخرت میں مقام اس جدوجہد میں شرکت اور حسن کارکردگی کے مطابق ہوگا۔ اس لئے دین اور آخرت کے فکر کے ساتھ کسبِ معاش بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

وابتغِ فیمآ اٰتٰک اللہ الدارَ الاٰخرۃَ ولاتنسَ نصیبک من الدنیا.

(سورۃ القصص۔۷۷)

''خدا نے جو کچھ تم کو دے رکھا ہے اس میں آخرت کا بھی فکر کرتے رہو اور تمہارا جو حق ہے اس کو فراموش نہ کرو۔''

نماز جمعہ کے بعد کسبِ معاش کی ترغیب دی گئی ہے۔

فاذا قضِیتِ الصلوٰۃُ فانتشروا فی الارض وابتغُوامن فضل اللّٰہ۔

(سورۃ الجمعۃ۔۱۰)

''پھر جب نماز جمعہ ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (معاش) تلاش کرو۔''

حتی کہ حج کے ایام بھی تجارت وغیرہ کے ذریعہ کسبِ معاش کی اجازت ہے۔

لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلا من رّبکم. (سورۃ البقرہ)

اور اگر حج کے ساتھ تم اپنے رب کا فضل (کسبِ معاش) تلاش کرتے جاؤ تو کوئی مضائقہ نہیں۔''

احادیث میں بھی حصول معاش کی کوششوں کو سراہا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

''کچھ گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ طلب معاش کی فکر ہی سے ہوسکتا ہے۔

(حاشیہ احیاء العلوم، ج۲ بحوالہ الطبرانی فی الاوسط)

تجارت پیشہ انبیاء کرامؑ ہے

معاش کے ذرائع اور پیشے بے شمار ہیں۔ تاہم پیشہ تجارت بڑی خصوصیت کا حامل ہے۔ حضرت داود علیہ السلام زرہ بنانے میں ماہر تھے اور ان کی ایک روز کی آمدنی چھ ہزار درہم تک پہنچ جاتی تھی۔ وہ اس آمدنی کو اس طرح صرف کرتے تھے کہ دو ہزار تو اپنی ذات اہل وعیال اور اعزا پر خرچ کرتے تھے اور باقی چار ہزار درہم اسرائیل کے فقراء مساکین پر بطور صدقہ خیرات تقسیم فرما دیتے تھے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید ا)

خود سید الانبیاء ﷺ نے عنفوان شباب اور جوانی میں پیشہ تجارت کو منتخب کیا جس کی وجہ سے آنجناب ﷺ کے جوہر صداقت وامانت ظاہر ہوئے۔ صداقت امانت کے جوہر تاجر میں موجود ہوں تو اُسے کس مرتبہ پر پہنچا دیتے ہیں اس کا اندازہ حدیث ذیل سے فرمایئے:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء.

''سچا اور امانتدار تاجر قیامت کے روز نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا پوچھا کہ تمہارا پیشہ عبادت اور زُہد ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا تمہاری ضروریات کون پوری کرتا ہے؟ اس نے کہا۔ جناب میرا ایک بھائی ہے میری ضروریات کا ذمہ دار ہے آپ نے فرمایا تو وہ تم سے زیادہ عابد ہے۔ (بحوالہ احیاء العلوم، ج ۲)

یہی بات ابراہیم ادہم نے کہی جب اُن سے سوال کیا گیا آپ ایسے شخص کو بہتر سمجھتے ہیں جو کاروبار میں صداقت شعاری سے کام لے یا ایسے کو جو زہد وعبادت کے لئے اپنی زندگی وقف کردے جواب تھا۔''

''میرے نزدیک سچا تاجر عابد وزاہد پر فوقیت رکھتا ہے۔'' (احیاء العلوم، ج ۲) اس برتری کی وجہ جو بیان کی گئی ہے وہ دلچسپ بھی ہے اور معقول بھی۔

''تاجر کو اس بنا پر فضیلت حاصل ہے کہ وہ شیطان سے برسر پیکار رہتا ہے۔ شیطان

اس کو ناپ تول لین دین میں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر یہ اس کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالتا۔'' کسب معاش کے فضیلت کے پیش نظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آرزو کی کہ انہیں کاروبار میں مصروفیت کے دوران موت آئے ان کا قول ہے۔ ''کوئی مقام مجھے بہتر نظر نہیں آتا کہ جہاں میں مرنا بہتر خیال کروں سوائے ایسے مقام کے جہاں اپنے بال بچوں کے لئے خرید وفروخت کرسکوں اور بیع وشر میں مشغول رہ سکوں۔'' (بحوالہ احیاء العلوم ج ۲)

بااصول تجارت

اس سوال کے جواب میں کہ کون سا کسب افضل ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی خاص اہمیت کا حامل ہے۔

''انسان کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر وہ تجارت جو جائز ہو۔''

(بحوالہ احیاء العلوم، ج ۲ و البزار و الحاکم)

اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے بہتر پیشہ تو وہ ہے جس میں انسان کو اپنے ہاتھوں سے محنت کرنی پڑتی ہو۔ جیسے مزدوری' زراعت وغیرہ یہ نہ ہو تو پھر انسان ایسی حلال تجارت کرے جس میں دیانت وامانت کی روح کارفرما ہے۔ اصل کسی بھی پیشے کو اس کے اصول تقدس بخشتے ہیں۔ تجارت کے جو بنیادی اصول نبی کریم ﷺ نے تجویز فرمائے ان اصولوں کے تحت جو تجارت اور لین دین ہوگا وہ تو عبادت متصور ہوگا۔ ورنہ خلاف ورزی کی صورت میں دنیا میں تو شاید دولت اکٹھی ہو جائے مگر آخرت میں بدترین عذاب منتظر ہوگا۔ یہ اصول وہ حقوق ہیں جن کی ادائیگی ہر دکاندار تاجر وغیرہ پر عائد ہوتی ہے۔

پہلا فرض

خوشحال زندگی کے لئے عدل اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ زندگی کے لئے ہوا پانی' معاملات عدل ہمیں زیادہ تر دفاتر اور بازاروں میں پیش آتے ہیں۔ انہی جگہوں پر مال وزر کی ہوس نے انسان کو اندھا بنا دیا ہے وہ چند روز زندگی کی آسائشوں کے خاطر ابدی زندگی

کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ سوچتا سمجھتا ہی نہیں کہ جس مال وزر کی خاطر وہ اصولوں کو نیلام گاہ میں لا کھڑا کرتا ہے ایمان کا سودا کرتا ہے، ضمیر کو گروی رکھتا ہے، عزت کو داؤ پر لگا تا ہے یہی مال وزر اُسے انسان کو رتبے سے گرا دیتا ہے اور جہنم کا ایندھن بنا دیتا ہے او چھوڑی ہوئی حرام جائیداد کے ذریعہ آنے والی نسلوں کے گناہوں کی سیاہی بھی اپنے اعمال نامہ میں بڑھاتا رہتا ہے وہ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ تجارت میں دیانت داری بالآخر نیک نامی اضافہ کے علاوہ مالی فائدہ بھی پہنچاتی ہے ہر شخص اپنے گردوپیش میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔
تاجر کو چاہیے کہ ناپ تول میں عدل قائم کرے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ویل للمطففین .الذین اذااکتالوا علی الناس یستوفون. واذا کالو ھم اووّز نوھم یخسرون.

''تباہی ہے ناپ اور تول میں کمی کرنیوالوں کے لئے جو لوگوں سے ناپ تول کرلیں تو پورا لیں جب ان کو ناپ تول کردیں تو کم دیں۔'' (سورۃ المطففین: ۱تا۳)

ظاہر ہے کہ کوئی آدمی نہیں چاہتا کہ اسے شئے کم دی جائے یا ناقص دی جائے۔ لہٰذا کسی شخص کو بھی حق نہیں کہ وہ چیز دوسروں کو اس شکل میں دے وہ اسے خود لینا پسند نہ کرے۔

ہمارے دکاندار بھائی ناپ تول میں ایسے مشاق ہیں کہ آپ کے دیکھتے دیکھتے چیز کو کم دے جاتے ہے۔ یہ تو بہت مشکل ہے کہ بچہ یا سادہ لوح دیہاتی کوئی چیز صحیح قیمت پر پوری مقدار میں خرید لائے۔ دکاندار ناپ تول میں کامیابی سے کمی کرنے کو بڑی کامیابی سمجھتا ہے حالانکہ جو وہ کرتا ہے سارا معاشرہ اس کے ساتھ وہی سلوک کررہا ہوتا ہے اگر وہ دکاندار خود صحیح ناپ تول کرے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرے تو ممکن ہے کہ صحیح اصول کہیں اور نہیں تو اس علاقہ میں ہی رواج پا جائے۔

معاملات کسب و تجارت میں مکمل عدل ممکن نہیں جب تک شرائط شرعیہ کا علم نہ ہو۔ تاجر کو علم ہونا چاہیے کہ کیا چیز حلال ہے اور کیا حرام۔ بنیاد فقہی مسائل اور قوانین ملک کا کچھ

علم ہونا چاہیے۔

حضرت عمرؓ بازار جاتے تو درے مارتے اور کہتے کہ کوئی شخص تجارت سے متعلق فقہی مسائل جانے بغیر تجارت نہ کرے۔ بصورت دیگر وہ سہواً غلطی کر سکتا ہے۔

دوسرا فرض ملاوٹ نہ کرے

حضرت شعیبؑ علیہ السلام کی قوم میں یہ مرض تھا کہ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے اور معاملات بیع میں بے ایمانی کی بہتات تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت سے بھی ان کی قوم باز نہ آئی تو اللہ تعالیٰ نے آگ برسا کر قوم اور مال و دولت کو جھلسا کر تباہ کر دیا ہے لین دین میں دھوکا فریب کی سنگین قسم اشیاء میں ملاوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

ولا تلبسوا الحق با لبا طل (سورۃ بقرہ:۴۲)

صحیح اور غلط ملط نہ کرو۔"

اس جرم کی سنگینی کا احساس حضور ﷺ کے اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ملاوٹ کرنے والوں کو ملت اسلامیہ سے خارج قرار دیا گیا ہے واقعہ یہ ہے کہ: آنحضرت ﷺ بازار میں ایک غلے کے ڈھیر کے پاس سے گزرے اور اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا اور اندر سے تہہ میں نمی محسوس کی پوچھا یہ کیا بات ہے۔ عرض کیا گیا کہ بارش کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے آپ نے فرمایا کہ نمی والے حصہ کو اوپر کیوں نہیں کر دیتے کہ لوگ دیکھ لیں اور فرمایا **من غشنا فلیس منا**. (بحوالہ مسلم کتاب الایمان)

جو شخص دھوکا دیتا ہے وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔

یہ نکتہ قابل ملاحظہ ہو کہ دکاندار نے جنس کو خود گیلا نہیں کیا محض گیلے حصہ کو چھپایا تھا مگر یہ لغزش بھی ایسا دھوکہ ہے کہ ایسا کرنے والا مسلمان کے رتبے سے ہی گر جاتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو دکاندار اور تاجر جان بوجھ کر کسی شے میں ملاوٹ کرتے ہیں پھر اسے بغیر ظاہر کیے فروخت کر دیتے ہیں وہ کتنا بڑا دھوکا اور ظلم کرتے ہیں اور ان پر کتنی

شدید گرفت ہوگی۔

اسلام سرتاپا سچائی ہے وہ معمولی معاملات میں بھی ملاوٹ کو گناہ قرار دیتا ہے۔

حدیث ہے: آخر زمانہ میں قوم آئے گی جو سیاہ خضاب استعمال کرے گی ان کو جنت کی خوشبو میسر نہ ہوگی۔ (بحوالہ ابوداود باب ماجاء فی خضاب السوء ج ۲)

سیاہ خضاب عمر کو چھپاتا ہے اس لئے اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جہاد میں خضاب سے عمر چھپانا جائز ہے ہمارے ملک میں تاجر حضرات کو ملاوٹ کے گناہ کی سنگینی کا احساس تک نہیں ہے اس لئے ملاوٹ اتنے وسیع پیمانے پر کی جاتی ہے کہ ضرب المثل بن گئی ہے کہ زہر بھی خالص نہیں ملتا۔"

خوردنی اشیاء میں ملاوٹ کئی طرح سے گناہ سمیٹ کر لاتی ہے ملاوٹ والی شے کھاپی کر انسان کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے متعدد بیماریاں جنم لیتی ہیں یہ سلسلہ سینکڑوں، ہزاروں آدمیوں تک دراز ہوتا ہے ملاوٹ کرنیوالا براہ راست ان سب بیماریوں کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اس کی ایک سزا تو حضور ﷺ کے اس ارشاد سے مل جاتی ہے کہ وہ مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (بحوالہ مسلم کتاب الایمان ج ۱)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

ایک مسلمان ہاتھ سے ملاوٹ کرتا ہے یا کرواتا ہے اور زبان سے کہتا ہے کہ ملاوٹ نہیں اور شئے بیچ ڈالتا ہے اور خریداری کو مالی نقصان کے علاوہ اس کی جان کو ضرر پہنچاتا ہے تو اس سے بڑا اور برا غیر مسلم کون ہوگا محض نام رکھنے سے کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا کہ "جیکب آباد کو مری کا نام دے دیں تو مری کی خاصیتیں جیکب آباد منتقل نہیں ہوجائیں گی"۔ اصل شئے عمل ہے اور اس کسوٹی سے انسان کی پہچان ہوتی ہے۔

ملاوٹ کرنے سے مالی فائدہ تو ضرور ہوتا ہوگا روپے کی چیز دو روپے میں بک جاتی ہوگی۔ مگر نبی کریم ﷺ نے رزق حلال کو جس قدر اہمیت دی ہے اس کے مطابق تین پیسے کی

بے ایمانی سات صد مقبول نمازیں غارت کر دیتی ہے۔

(بحوالہ الابقاء۔ مواعظ مولانا اشرف علی تھانوی۔ بحوالہ بخاری)

اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ ملاوٹ کرنے والوں کی نمازوں کی کیا حیثیت ہوگی اگر وہ پڑھتے بھی ہوں گے تو۔

غیر خوردنی اشیاء میں بھی ملاوٹ یا دھوکا بازی گناہ عظیم ہے دکاندار پاکستانی ریشمی واونی کپڑے کو غیر ملکی کپڑا بنا کر زیادہ قیمت لے لیتے ہیں۔ ایک تھان خریدیں تو کپڑا کچھ کم ہی نکلے گا۔ جاپان یا غیر ملکی کپڑے کے تھان میں کپڑا دو ڈھائی گز زیادہ نکلے گا۔ یہ ناپ تو ان کا ہے جن کو ہم کافر کہتے ہیں۔ اور جن کے پیشِ نظر محض تجارتی اصول ہیں ہم اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے واضح ارشادات راہبری کے لئے موجود ہیں مگر یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہم ہی کھلم کھلا احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ ہمارے اخلاقی افلاس اور ذہنی پستی کا یہ عالم ہے کہ بیرونی تجارت میں ہم دیانت دار غیر ممالک کے ساتھ بے ایمانی کرتے ہیں حال ہی میں یکے بعد دیگرے چین اور صومالیہ نے پاکستان سے بالترتیب ساٹھ لاکھ اور اسی لاکھ روپے کے ہرجانہ کا مطالبہ کیا ہے۔ کیونکہ انہیں تولئے اور کمبل ناقص برآمد کئے ہیں اور جو مال نمونہ کے طور پر دکھایا گیا تھا اس کے مطابق نہ تھے کیا ہماری تجارت قوم شعیب کی سطح پر نہیں پہنچ گئی اور کیا ہم عذاب الٰہی کے مستحق نہیں ہو گئے۔

تیسرا فرض عیب بیان کرے

دکاندار کو چاہیے کہ وہ فروخت ہونے والے مال کے تمام عیوب بیان کرے اور خریدار پر واضح کرے، کہ مال میں یہ یہ نقائص ہیں۔ ناقص مال فروخت کرنے کا مطلب دھوکا دینا ہے یہ بھی دھوکہ ہے کہ کم روشنی میں گاہک کے سامنے مال پیش کیا جائے یا اگر کسی شے کی دو تہیں ہیں تو عمدہ تہہ دکھائی جائے۔

آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جب تاجروں سے بیعت لیتے تھے، تو انہیں ہدایت

فرماتے تھے کہ وہ خریداروں سے خیر سگالی کا معاملہ روا رکھیں صحابۂ کرامؓ کاروبار میں اس کا خصوصیت سے خیال رکھتے تھے حضرت جریرؓ بن عبداللہ جب کوئی شئے بیچتے تو خریدار کو مال کے عیوب کھول کر بیان کردیتے اور کہتے کہ میں نے فرض ادا کردیا اب خریدنا یا نہ خریدنا تمہارے اختیار میں ہے لوگوں نے کہا کہ آپ اس طرح گاہکوں کو بدظن کرتے رہے تو تجارت کو کیسے فروغ ہوگا آپ کا جواب تھا۔

اِنَّا بایَعنا رسول اللہ علی النُّصحِ لکل مسلم ''ہم آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر اس بات کا عہد کرچکے ہیں کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی ملحوظ رہے گی۔

(بخاری و مسلم کتاب الایمان احیاء العلوم ج ۲)

واثلہ بن اسقعؓ نے اپنا اونٹ تین سو درہم بیچ دیا خریدار تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ انہوں نے ان سے پوچھا کہ اونٹ سواری کے لئے خریدا ہے یا گوشت کی غرض سے اس نے کہا سواری کے لئے کہا اونٹ کے پاؤں میں خلل ہے قیمت میں ایک صد درہم کم کردیئے اور اپنے ساتھی کے اعتراض پر یہ حدیث پڑھی:

لایحل لاحدٍ یبیعُ بیعاً اِلَّاأن یبین افته ولایحلُّ لمن یعلم ذلک الاتبیینه.

(مستدرک حاکم۔ بیہقی۔ احیاء العلوم ج ۲)

کسی شخص کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ غیر نقص بتائے اور عیب بتائے بیچ ڈالے۔ اسی طرح کسی کے لئے روا نہیں کہ وہ عیوب پر پردہ ڈالے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے تمام رقم تجارت جو تیس ہزار درہم تھی صدقہ کردی تھی کیونکہ اس میں ایک ایسے تھان کی رقم شامل ہوگئی تھی جو ناقص تھا اور آپ کے شریک تجارت نے اس کی نشان دہی نہ کی تھی آپ نے حرام بلکہ مشتبہ مال کی معمولی آمیزش کو بھی گوارا نہ کیا۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف تجارت میں رزق حلال کو اور جذبۂ خیر سگالی کو کتنی اہمیت دیتے تھے ان کا ہر فعل اس اصول پر مبنی تھا کہ جو بات اپنے لئے پسند نہیں وہ دوسروں کیلئے بھی زیبا نہیں۔

چوتھا فرض مال کی بے جا تعریف نہ کرے

کاروبار یا تجارت میں اسلامی روح یہ ہے کہ خریدار یا فریق معاملہ کو کسی نوع کا نقصان نہ پہنچنے پائے۔ دکاندار کو اپنے مال کی بے جا تعریف نہیں کرنی چاہیے ہوسکتا ہے کہ خریدار چرب زبانی سے ہی متاثر ہو کر چیز خرید لے اور وہ چیز اتنی اچھی نہ ہو جتنی بتائی گئی ہو اس طرح وزن، تعداد مقدار بھاؤ وغیرہ میں کمی بیشی نہیں ہونی چاہئے بھاؤ وہ بتائے جو عام بازار میں متعارف ہے۔ دکاندار ہمیشہ یہ بات پیشِ نظر رکھے کہ اس کے ہر قول و فعل کا محاسبہ ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے۔

مایَلفظ من قولٍ الالدَیه رقیبٌ عتید. (سورۃ ق:۱۸)

کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لئے چوکس نگران (فرشتہ) موجود نہ ہو۔"

مال کی خوبیوں کا یقین دلانے کے لئے کسی قسم کا حربہ استعمال نہیں کرنا چاہیے اور اگر جھوٹی قسم کھا کر مال فروخت کیا تو گناہ عظیم کیا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔

تین ایسے اشخاص ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نظر کرم نہیں ڈالے گا۔ [illegible]ش ومتکبر، اپنے عطیہ پر احسان جتلانے والا اور ایسا شخص جو قسمیں کھا کھا کر مال بیچتا ہو۔

احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مال کی جائز تعریف بھی ضرورت سے زیادہ نہ کی جائے شئے میں اچھائی آجاتی ہے یا استعمال کے بعد ظاہر ہو جاتی ہے۔ صفت چھپی نہیں رہتی۔

پانچواں فرض احتکار نہ کرے

جب عوام کو غلہ اور اناج کی ضرورت ہو اور گرانی کا دور ہو تو اسے خرید کر ذخیرہ کرنا تا کہ اسے بعد میں زیادہ قیمت پر فروخت کیا جائے احتکار کہلاتا ہے۔

(نووی شرح باب تحریم الاحتکار)

اور حضور ﷺ نے اس کی شدید مذمت فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

جب کسی نے غلہ یا اناج چالیس دن تک روک رکھا وہ سمجھ لے کہ اس نے اللہ سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا۔ اور اللہ نے اس سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا۔" (بحوالہ مشکوٰۃ کتاب البیوع)

ذخیرہ اندوزی اتنا بڑا گناہ ہے کہ خیرات سے بھی اس کا کفارہ نہیں ہوسکتا۔ حدیث ہے:

جس نے غلہ یا اناج کا چالیس دن تک ذخیرہ کیا اور پھر اس کو بطور خیرات کے لوگوں میں بانٹ دیا تو یہ صدقہ اس کے احتکار کا کفارہ نہیں ہوسکتا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ کتاب البیوع)

ایک اور حدیث ہے **المحتکر ملعون** (ابن ماجہ باب الحکرۃ والجلب)

ایک اور حدیث میں ہے:

ذخیرہ اندوزی کرنے والا خطا کار ہے، (بحوالہ مسلم کتاب البیوع)

احتکار میں اجناس خوردنی بھی شامل ہیں بعض فقہاء نے اس بنا پر گھی، شہد، پنیر، روغن، زیتون کی ذخیرہ اندوزی کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ اس قاعدہ کی رو سے تمام ضروری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی جبکہ عوام کو ان کی ضرورت ہو۔ "احتکار" کہلائے گی۔

پانی، نمک اور ایندھن کو روک رکھنا بھی ناجائز ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے عیاں ہے:

حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ وہ چیز بتایئے جس سے کسی چیز کو روکنا جائز نہیں ہے۔ فرمایا! پانی، نمک اور آگ: پوچھا اور کچھ فرمایا جتنی خیر کرسکو وہ تمہارے لئے بہتر ہی ہے۔ (ابوداؤد باب فی منع الماء ج۲)

حاصل کلام یہ ہوا کہ تاجر کو تمام ضروری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی جب کے عوام کو ان کی ضرورت ہو نہیں کرنی چاہیے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو حرام کھاتا کماتا ہے۔ اور حکومت کو حق ہے کہ وہ ذخیرہ کی گئی شئے کو تاجر سے چھین لے یا تلف کردے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے ایک مرتبہ ذخیرہ اندوز کی اجناس کو نذرِ آتش کردیا تھا۔ (بحوالہ تعلیمات غزالیؒ)

چھٹا فرض عہد کی پابندی

ایفائے عہد تاجر کی امتیازی خصوصیت ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے:

ان العَهد كان مسئولا (سورۃ بنی اسرائیل ۳۴)

''بے شک وعدہ کے متعلق باز پرس ہوگی۔''

وعدہ خلافی کتنی بڑی برائی ہے۔ اس حدیث سے واضح ہے۔ فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بولے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے خلاف کرے جب امانت دار بنایا جائے تو خیانت کرے، اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو روزہ رکھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ (بحوالہ مسلم باب خصال المنافق ج۱)

منصب نبوت سے پہلے حضور ﷺ تجارت فرماتے تھے اور دیانت داری اور ایفائے عہد کا بہترین نمونہ تھے بطور مثال ایک واقعہ بیان کر دینا کافی ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن ابی الحمسا بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت ﷺ سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا۔ کچھ باقی تھا۔ میں نے وعدہ کیا ابھی آتا ہوں۔ اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہ آیا۔ تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرت ﷺ کو اسی جگہ منتظر پایا۔'' (بحوالہ ابوداود، کتاب الادب باب فی العدۃ ج۲)

حضرت سائب حضور ﷺ کے حسنِ معاملہ کی یوں تعریف کرتے ہیں: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ میرے شریک تجارت تھے۔ کتنے اچھے شریک تھے۔ نہ کھینچا تانی کرتے اور نہ جھگڑا کرتے۔'' (بحوالہ ابوداود کتاب الادب ج۲)

دیانت داری، ایفائے عہد جیسی تابناک خصوصیات نے نبی کریم ﷺ کو اتنا مقبول عام کر دیا تھا کہ مکہ کی سب سے بڑی تاجرہ حضرت خدیجہؓ نے انہیں شریک تجارت کیا۔ اور بعد میں شریکِ حیات بنیں۔ ایفائے عہد روحانی مسرتوں کے علاوہ خالص دنیوی نکتہ سے بھی فائدہ بخش صفت ہے۔ ہمارے معاملات میں یہ صفت بھی ناپید ہے لوگ ذرا سے فائدہ

کی توقع میں معاہدہ سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ترسیل مال میں تساہل کر جاتے ہیں ادائیگی رقوم میں پس وپیش کرتے ہیں نتیجتاً مقدمہ بازی کے دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔نام آور کاروبار کی ساکھ پربٹہ لگتا ہے دین ودنیا دونوں کھودیتے ہیں۔

ساتواں فرض کم منافع

مسلمان تاجر معاشرہ کے لئے باعث رحمت ہوتا ہے اس کے ہر معاملہ میں عدل و احسان نمایاں ہوتے ہیں ۔وہ زیادہ منافع نہیں لیتا خواہ خریدار اپنی ضرورت کی وجہ سے زیادہ دینے پر رضامند ہی کیوں نہ ہوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بحیثیت امیر المؤمنین کوفہ کے بازار سے گزرتے تو فرماتے تھے:۔اے لوگو تھوڑے منافع کو واپس نہ کرو کیونکہ زیادہ منافع سے محروم رہو گے۔ (بحوالہ احیاء العلوم ج ا)

کم منافع ہمیشہ زیادہ بکری پر منتج ہوتا ہے۔لوگوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے پوچھا کہ آپ کی امیری کا باعث کیا ہے آپ نے کہا کہ میں تھوڑے منافع کو بھی واپس نہیں کرتا۔ مزید بیان کیا کہ ایک روز میں نے ایک ہزار اونٹ اصل قیمت خرید پر ہی فروخت کر ڈالے اور ہزار رسیوں کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ایک ایک رسی ایک ایک درہم کو فروخت ہوئی اس طرح ایک ہزار درہم منافع ہوا۔چارہ الگ بچا گویا درہم کا فائدہ ہوا۔'' (ایضا)

حضرت سری سقطیؒ دکان کرتے تھے کسی حالت میں بھی پانچ روپیہ سینکڑہ سے زیادہ منافع نہ لیتے تھے۔ایک مرتبہ آپ نے ساٹھ دینار کے بادام خریدے قیمت بڑھ گئی ایک دلال نے کہا کہ آج کل تو ان کی قیمت نوے دینار ہے آپؒ نے کہا کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ پانچ فیصد سے زیادہ منافع نہیں لوں گا۔دلال نے کہا کہ میں اتنی قیمت پر فروخت کرنا نہیں چاہتا۔نہ دلال نے بکوائے اور نہ حضرت سری سقطیؒ نے زیادہ قیمت پر فروخت کیئے۔

حضرت محمد بن المنکدرؒ بزازی کرتے تھے ان کی غیر حاضری میں ان کے ملازم نے

پانچ درہم والا تھان ایک اعرابی کے پاس دس درہم میں بیچ دیا۔آپکو علم ہوا تو اعرابی کی تلاش شروع کردی۔کئی روز کے بعد اسے ڈھونڈ نکالا اور اسے مجبور کیا کہ وہ معاہدہ فسخ کرے یا پانچ درہم واپس لے یا بہتر تھان لے۔چنانچہ اعرابی نے پانچ درہم واپس لئے

(بحوالہ احیاء العلوم ج ۲)

یہ مسلمان تاجروں کی راست بازی،خوش گفتاری،ایفائے عہد کی ایسی خصوصیات ہی تھیں جوان سے رابطہ رکھتا تھا مسحور اخلاق ہو جاتا تھا۔مشرق بعید کے ممالک انڈونیشیا۔تھائی لینڈ۔فلپائن وغیرہ میں اسلام ان تاجروں کے حسن خلق و پاکیزگی کردار سے ہی پھیلا تھا۔ایسے ہی تاجر کے بارہ میں ارشاد نبوت ہے۔

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء .

(بحوالہ ترمذی کتاب التجارۃ ج ۱)

کہ سچا امانت دار تاجر قیامت کے روز انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

تاجر کے خریدار پر حقوق

گذشتہ بحث یہ تھی کہ خریدار کے تاجر پر کیا حقوق ہیں۔حقوق و فرائض ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح پیوست ہیں کہ ایک شخص یا طبقہ کے حقوق ہوتے ہیں تو ان پر کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں، جو دراصل دوسرے شخص یا طبقہ کے حقوق ہوتے ہیں۔خریدار کے تاجر پر حقوق ہیں تو اس کے فرائض بھی ہیں۔

اول حسن ادائیگی کرے

کچھ لوگ کھوٹے یا جعلی سکے کرنسی وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں یہ گناہ عظیم ہے کیونکہ یہ فعل ایک آدمی تک محدود نہیں رہتا بلکہ لامتناہی سلسلہ چل نکلتا ہے اس سلسلہ کی ساری برائی کا ذمہ دار وہی شخص ہوگا، جس نے سب سے پہلے تزئیف (کھوٹا سکہ چلانا) کی۔

ارشاد نبوی ہے۔”جس شخص نے کسی برائی کی ابتداء کی اور اس پر عمل پیرا ہوا اور پھر

آنے والوں نے بھی اس پر عمل کیا تو اس گناہ کا حصہ اس کو بھی پہنچتا رہیگا اور بعد میں برائی اپنانے والوں کے گناہ میں بھی کمی نہیں آئیگی۔ (بحوالہ مشکوٰۃ، مسلم کتاب العلم)

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ ایک کھوٹا سکہ چلانا سو درہم چرانے سے زیادہ بُرا ہے کیونکہ چوری کا گناہ ایک دفعہ ہوتا ہے۔ اور ختم ہو جاتا ہے مگر کھوٹے سکے کی گردش جاری رہتی ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ برا فعل ہے کھوٹا سکہ یا کرنسی کسی خریدار کے پاس ہو تو اسے چاہیے کہ اسے ضائع کردے اور اس مقصد کے لئے وہ جانتے بوجھتے کھوٹی شئے لے لے تو قابل صد ستائش ہوگی۔ اسی طرح دکاندار کو کھوٹا سکہ ملے تو لینے سے انکار کرسکتا ہے۔ مگر وصول کر کے ہمیشہ کے لئے ضائع کردے تو معمولی نقصان کے بدلے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی جزا کا مستحق ہوگا۔

خریداری پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ مال خریدنے کے بعد رقم کی فوری ادائیگی کرے لیت و لعل یا پس و پیش نہ کرے۔ قیمت طے ہونے کے بعد اس میں کمی کرنے سے احتراز کرے۔

خریدار بعض اوقات سودا سلف اوھار پر لے لیتا ہے۔ یہ قرض کی شکل ہے عدم ادائیگی کس طرح تمام اعمال کو ضائع کردیتی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ اس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جس کے ذمہ قرض ہوتا تھا اور ادائیگی کی کوئی صورت نہ ہوتی تھی۔ بعض اوقات قرض کے معاملہ میں نیک نیتی سے بھی فریقین کے درمیان غلط فہمی یا نزاع ہو جاتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد انسان کے حق میں کس قدر حکیمانہ اور مفید ہے۔

یٰایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدَین الیٰ اجل مسمیً فاکتبوہُ

''اے ایمان والو جب تم آپس میں کسی وقت مقررہ کے لئے ادھار کا معاملہ طے کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔

لہٰذا اہل معاملہ خواہ وہ دوست یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ادھار لیتے دیتے وقت اسے

ضابط تحریر میں لائیں اسے بداعتمادی نہ سمجھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھیں جس کا اتباع انہیں کے مفاد میں ہے۔

دوسرا فرض شور وشغب نہ کرے

خریدار مال خریدتے وقت دکاندار کو بلاوجہ بحث میں مبتلا نہ کرے۔ قیمت کے تعین پر بے جا قیل وقال نہ کرے۔ اگر ایک جگہ قیمت یا مال نامناسب ہو تو اسے دوسری جگہ چلا جانا چاہیے۔ بعض خریدار خوش طبعی کے لیے بازار میں ہاہو یا غل غپاڑا کرتے ہیں یہ بھی مذموم حرکت ہے تورات میں حضور ﷺ کی منجملہ دیگر صفات کے یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ کہ

''نہ تو بدخواہ ہے۔ نہ سنگدل۔ نہ بازار میں شور مچانے والا ہے۔ نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتا ہے۔'' (بحوالہ سیرۃ النبی ج ۳)

ظاہر ہوا کہ کسب وتجارت کے معاملات کو جذبۂ خیر سگالی اور حسنِ خلق سے طے کرنا پیغمبرانہ صفت ہے۔

خادموں اور ملازموں کے حقوق

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام نوعِ انسانی بنیادی حقوق کے اعتبار سے یکساں ہیں البتہ اس نے مقام اور مرتبے کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اسلام سے قبل جو معاشرہ قائم تھا اس میں رنگ ونسل کا امتیاز تھا، نسلی اور خاندانی وجاہت پورے عروج پر تھی، جگہ جگہ دولت اور منصب کی برتری نے جھنڈے گاڑے ہوئے تھے، اسلام نے اس تعصب کے درجہ کو ختم کیا اور انسان کو اس کی عظمت سے آگاہ کیا کہ اس کی برتری اور عظمت صرف اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہے، اس کی یاد میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، یہی وہ بنیاد ہے جس سے ہر انسان کو اس کا بنیادی مقام حاصل ہو سکتا ہے۔

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت عربوں میں غلاموں اور باندیوں کا عام رواج تھا جو شخص ایک بار غلام بن جاتا وہ نسل درنسل غلام ہی رہتا، غلاموں کے ساتھ بے حد زیادتیاں کی جاتی تھیں، انہیں رات دن اذیت دی جاتی تھی، ان کی ہمت سے بڑھ کر ان سے کام لیا جاتا تھا، غرضیکہ ظلم وتشدد کی کوئی حد نہ تھی، حضور ﷺ نے انسانوں سے غلاموں کو آزادی دلائی اور غلامی کے اس مہیب تصور کو ختم کیا، اور جن حضرات کے پاس قبل از اسلام غلام تھے انہیں آہستہ آہستہ آزادی دلا دی، صرف ایک نظریہ باقی رہا کہ اسلامی جہاد میں مسلمانوں کے مقابلے میں جو غیر مسلم پکڑے جائیں گے وہ غلام کہلائیں گے، اکثر یوں ہوا کہ ان میں سے جو لوگ اسلام قبول کر لیتے انہیں بھی آزاد کر دیا جاتا۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب دورِ جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا ہے، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں تم سب آدم کی اولاد ہو اس لیے ایک جیسے ہو، پھر فرمایا مسلمان

مسلمان کا بھائی ہے، غرضیکہ اس طرح حضور ﷺ نے اس نسلی امتیاز کو ختم کیا۔

جو شخص کسی دوسرے کا کام کرتا ہے، وہ ملازم یا خادم کی حیثیت رکھتا ہے، ان کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کرنا اسلام میں منع ہے، اس دور کے مملوکوں کے ساتھ جن سہولتوں کا اسلام نے درس دیا تھا انہیں ملازموں اور خادموں کے ساتھ آج بھی روا رکھنا چاہئے، ماتحتوں کے ساتھ خوش کلامی سے پیش آیا جائے، ان پر تشدد نہ کیا جائے ان کو ان کی اجرت پوری دی جائے، اگر خورد ونوش کا انتظام بھی مالک کے ذمے ہو تو اسے خوش اسلوبی سے پورا کرے، غرضیکہ اسلام نے خادموں اور ملازموں کے ساتھ ہر انسانی سہولت کو مدنظر رکھنے کی تاکید فرمائی ہے، اسلام میں خادموں کے حقوق مندرجہ ذیل ہیں۔

ہمدردانہ رویہ

خادموں اور ملازموں سے ہمیشہ ہمدردانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے، اگر کبھی ملازم کی کسی بات پر غصہ آ بھی جائے تو فوراً ضبط سے کام لینا چاہئے، غرضیکہ ملازموں سے ہمیشہ حسن سلوک کرنا ہی بہتر ہے، اور کبھی بھی بد خلقی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے، اس کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان حسب ذیل ہے:

''حضرت رافع بن مکیث ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا غلام سے اچھا سلوک کرنا خوش بختی ہے اور بد خلقی سے پیش آنا بد بختی ہے۔'' (بحوالہ ابوداؤد)

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا یہ آخری کلام تھا کہ نماز قائم رکھو اور اپنے خادموں کا خاص خیال رکھو۔

حضرت عون بن عبداللہؒ جب اپنے غلام کی نافرمانی دیکھتے تو فرماتے تو نے بھی اپنے آقا کی عادت اختیار کی ہے، جس طرح تیرا آقا اپنے مالک کی نافرمانی کرتا ہے اسی طرح تو بھی اپنے آقا کی نافرمانی کرتا ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ ایک غلام کو مار رہے تھے، کہ آواز سنی اے ابو مسعودؓ! آپ

اس طرح پھرے، کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور فرما رہے ہیں کہ جتنی قدرت تو اس غلام پر رکھتا ہے اس سے زیادہ قدرت خدا تعالیٰ تجھ پر رکھتا ہے۔ (بحوالہ کیمیائے سعادت)

احمد بن قیسؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ نے تحمل، اور بردباری کس سے سیکھی ہے؟ فرمایا قیس بن عاصم سے، کہ ایک دفعہ ان کی لونڈی بکری کا بھنا ہوا بچہ لوہے کی سلاخ میں لگا کر لا رہی تھی کہ اتفاقاً اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ان کے لڑکے پر گر پڑا، وہ مر گیا، لونڈی ڈر کے مارے بیہوش ہو کر گر گئی، حضرت قیس بن عاصمؓ نے فرمایا سنبھل! تیرا کوئی قصور نہیں اور میں نے تجھے خدا تعالیٰ کی راہ میں آزاد کیا۔ (بحوالہ کیمیائے سعادت)

حضرت عامر شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک صحابی نے اپنی اہلیہ سے پانی مانگا اس نے اپنی خادمہ کو بلایا خادمہ نے ذرا دیر کر دی تو عورت نے اسے گناہ کی تہمت لگا دی، صحابی نے فرمایا تو چار گواہ قائم کر کہ واقعی یہ خادمہ اس گناہ میں ملوث ہے، ورنہ کل قیامت کو اس کی سزا بھگتنی ہوگی، عورت نے اس خادمہ کو آزاد کر دیا، وہ صحابی فرمانے لگے، ممکن ہے کہ یہ تیرے اس گناہ کا کفارہ بن جائے۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اگر آقا اپنے غلام کو کسی کام کے لیے بھیجے اور ادھر جماعت کا وقت ہو تو پہلے کیا کرے؟ آپ نے جواب دیا کہ پہلے آقا کا کام کرے، فقیہہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب کہ وقت میں گنجائش ہو، نماز فوت ہو جانے کا خوف نہ ہو لیکن اگر نماز کا وقت ختم ہو جانے کا خطرہ ہو تو پھر نماز میں دیر کرنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ مخلوق کی ایسی کوئی اطاعت جائز نہیں جس میں خالق کی معصیت اور نافرمانی ہو۔

آدمی کے لیے بہتر ہے کہ اپنے غلاموں کا خیال رکھے، انہیں ایسے کام پر نہ لگائے جو ان کی ہمت سے باہر ہو جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کسی ایسے کام کا پابند نہیں کیا جس کی وہ طاقت نہ رکھتے ہوں، اور مناسب ہے کہ حسن سلوک اختیار کرے کیونکہ حسن معاملہ اہل ایمان کے اخلاق میں سے ہے۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ خادموں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور یہ خیال کرے کہ یہ بھی میری طرح بندے ہیں اور اگر ان سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو آقا خود خدا کے جو قصور اور گناہ کرتا ہے، ان کا خیال کرے اور یاد کرے اور جب ان پر غصہ آئے تو اللہ احکم الحاکمین کا جو اس پر قدرت رکھتا ہے خیال کرے۔ (بحوالہ کیمیائے سعادت)

غلطیوں سے درگزر کرنا

خادموں اور غلاموں نے چونکہ رات دن کا بیشتر حصہ آپ کی ماتحتی میں گزارنا ہوتا ہے، اور آپ کے کہنے کے مطابق کام کرنے ہوتے ہیں، اور بعض اوقات یوں بھی ہو جاتا ہے کہ آپ کے خادم سے آپ کے کہنے کے مطابق اور آپ کی خواہش اور مرضی کے مطابق کام نہیں ہو پاتا تو ایسی صورت میں اگر کسی خادم یا ملازم سے غلطی ہو جائے تو اس سے درگزر فرمانا چاہئے اگر کوئی نقصان بھی ہو جائے تو اس پر صبر کریں اور اسے پیار بھرے لہجے سے سمجھا دیں کہ آئندہ اس طرح نقصان پہنچانے والا فعل نہ کرے اس کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان حسب ذیل ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا یا رسول اللہ! ہم خادم کو کہاں تک معاف کریں؟ آپ خاموش رہے اس نے دوبارہ یہی بات پوچھی تب بھی آپ خاموش رہے، جب تیسری دفعہ پوچھا تو فرمایا روزانہ اس سے ستر دفعہ درگزر کرو۔'' (بحوالہ ابوداؤد)

خادموں اور ملازموں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے مالک کا دل خوف خدا کی طرف مائل رہے گا۔

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ شخص نہ بتاؤں جو آگ پر حرام ہوتا ہے اور آگ اس پر حرام ہوتی ہے وہ ہر نرم طبیعت، نرم زبان، گھل مل کر رکھنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔'' (بحوالہ ترمذی، احمد)

کسی کی غلطی سے درگزر کرنا اور اسے معاف کر دینا اخلاق حسنہ سے ہے۔

''حضرت سہل بن معاذؓ نے اپنے والد سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو اپنے غصے کو پی جائے حالانکہ وہ اس کے مطابق کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے مخلوق کے سرداروں میں بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے۔'' (بحوالہ ترمذی)

غصے کی حالت میں کسی کی غلطی معاف کر دینا بہت بڑا مجاہدہ ہے۔

''حضرت ابن عباسؓ نے ارشاد باری تعالیٰ ''برائی کو بھلائی سے دفع کرو'' کے متعلق فرمایا، یہ غصے کے وقت صبر کرنا اور برائی کے وقت درگزر کرنا ہے، جب ایسا کریں تو انہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا اور ان کے دشمنوں کو اتنا جھکا دیتا ہے کہ وہ ان کے جگری اور قریبی دوست ہو جاتے ہیں۔'' (بحوالہ بخاری شریف)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا دیکھا تو اپنے غلام سے فرمایا اسے اٹھا کر صاف کر لے، شام ہوئی اور روزہ افطار کرنے کا ارادہ ہوا تو غلام سے پوچھا وہ ٹکڑا کہاں ہے، غلام نے جواب دیا، وہ تو میں نے کھا لیا، آپ نے فرمایا جاؤ تم آزاد ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کوئی گرا ہوا ٹکڑا پائے اور اٹھا کر کھا لے تو پیٹ تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں لہٰذا مجھے یہ پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس کی مغفرت فرما دی ہو میں اسے غلام بنائے رکھوں۔

حق تن آسانی

کام اور خدمت لینے کے سلسلے میں ملازموں اور خادموں کو ان کی جسمانی قوت اور بساط سے زیادہ مشقت میں نہ ڈالنا چاہیے، اور نہ ہی کسی خادم یا ملازم کو ذہنی یا جسمانی اذیت دینی چاہیے، حضور ﷺ نے خادم کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔

''حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایک غلام عطا

فرمایا اور فرمایا کہ اسے نہ مارنا کیونکہ مجھے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا گیا ہے جب کہ میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے، یہ مصابیح کے الفاظ ہیں، جبکہ دار قطنی نے مجتبیٰ میں کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازیوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔"

(بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

کسی کو مارنا نفرت پیدا کرتا ہے، اس لیے خادموں کو پیٹنے سے منع فرمایا گیا ہے، غلطی پر نقصان برداشت کر لینا فراخدلی ہے۔

"حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو پیٹے اور وہ اللہ کو یاد کرے تو اس سے اپنے ہاتھوں کو اٹھالو۔" (بحوالہ ترمذی)

جب کسی کو اپنے خادم پر غصہ آئے اور وہ اسے پیٹنے لگے تو اسے چاہئے کہ اللہ کو یاد کرے تو اس کے دل کا خوف پیدا ہوگا جس کے باعث دوسروں پر رحم کرنے کا جذبہ بیدار ہو جائے گا اور وہ پیٹنے سے رک جائے گا۔

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم میں سے برے لوگ نہ بتاؤں، وہ جو اکیلا کھائے، اپنے غلام کو کوڑے مارے اور اپنی بخشش کو روکے۔" (بحوالہ زرین)

اچھے لوگ وہ ہیں جو دوسروں کو پیٹ بھر کر کھلائیں اور اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرتے رہیں اور ملازموں کے لیے سہولتیں روا رکھیں۔

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھانا اور پہننا مملوک کا حق ہے اور اسے طاقت سے باہر کام کی تکلیف نہ دی جائے۔" (بحوالہ مسلم)

خادموں کو بھی اپنے جیسا انسان سمجھنا چاہئے جبکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ آسانی میں رہے تو پھر خادموں کو ان کی طاقت سے زیادہ کاموں کی تکلیف کیوں دی جائے۔

"حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس تمہارے بھائی کو اللہ تعالیٰ تمہارا ماتحت کر دے تو جس کو اللہ تعالیٰ تمہارا مملوک بنا دے اسے وہی کھلاؤ جو تم

کھاتے ہو اور اسے وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو اور ایسے کام کی اسے تکلیف نہ دو جو اس پر غالب آجائے، اور اگر غالب آنے والے کام کی تکلیف دو تو اس کی مدد کرو۔'' (بحوالہ بخاری)

اگر کسی ملازم یا خادم کی بساط سے کوئی کام باہر ہو تو پھر اس کام میں اس کی مدد کرنی چاہئے۔

خدام کا طعام ولباس

جن ملازموں اور خادموں کا رہنا سہنا مالکوں کے ذمے ہو تو انہیں چاہئے کہ ان کے خورد ونوش کا بندوبست کریں، انہیں اپنے جیسا کھلائیں اور اپنے جیسا پہنائیں، یعنی جن سہولتوں کے ساتھ خود کھاتے پیتے ہوں اور جس ماحول اور آسائش میں خود رہتے ہوں انہیں بھی مہیا کریں، خادموں کو بھوکا رکھنا منع ہے، بلکہ انہیں پوری طرح کھلاتے پلاتے رہنا چاہئے، اس کے بارے میں احادیث حسب ذیل ہیں:

''حضرت ابوبکر صدیقؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جو اپنے غلاموں سے برا سلوک کرے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ یہ امت دوسری امتوں سے زیادہ غلاموں اور یتیموں والی ہوگی، فرمایا ہاں لہٰذا ان پر اسی طرح مہربانی کرو جیسے اپنی اولاد سے کرتے ہو اور اسی سے انہیں کھلاؤ، جو تم کھاتے ہو، لوگ عرض گزار ہوئے کہ دنیا ہمیں کیا فائدہ دے گی؟ فرمایا کہ جس گھوڑے کو تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے پالتے ہو اور غلام، وہ تمہیں کفالت کرے، جب نماز پڑھے تو تمہارا بھائی ہے۔'' (بحوالہ ابن ماجہ)

''حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے غلاموں میں سے جو تمہاری مرضی کے مطابق ہو تو اسے وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو اور ان میں سے جو تمہاری مرضی کے مطابق نہ ہو تو اسے فروخت کردو اور اللہ کی مخلوق کو عذاب نہ دو۔'' (بحوالہ ابوداؤد)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے لیے اس کا خادم کھانا تیار کرے، پھر اسے لے آئے جس کی خاطر وہ گرمی اور دھواں برداشت کر چکا ہے تو اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانا چاہئے، اگر کھانا تھوڑا ہو تو اس میں سے ایک دو لقمے اس کے ہاتھ پر رکھ دے۔'' (بحوالہ مسلم)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کا خزانچی ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کیا لونڈی غلاموں کو ان کا کھانا دے دیا ہے، کہا کہ نہیں، فرمایا کہ جاؤ، ان کا کھانا دو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کی بربادی کے لیے یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی روزی اس کے ذمے ہو اسے روکے، اور دوسری روایت میں ہے کہ آدمی کے تباہ ہونے کے لیے یہی گناہ کافی ہے کہ جو روزی دی جاتی ہو اسے ضائع کر دے۔''

(بحوالہ مسلم شریف)

جو شخص خادموں کو اچھا کھلائے پلائے اور ان کی دیکھ بھال رکھے اسے اللہ کا قرب حاصل ہو جائے گا اور اس کی عزت میں اضافہ ہو جائے گا۔

ملازموں کے حقوق کی مزید کچھ وضاحت

ایک حاکم دوسرا محکوم اس وقت ہوا جب تاریخ نوع انسانی ایک شخص یا گروہ طاقتور اور دوسرا شخص یا گروہ کمزور ہوا اسلام سے پہلے انسانوں کے حقوق و فرائض کا پورا اہتمام نہ تھا اور تصورِ اخلاق ناتراشیدہ تھا اس لئے طاقتور کا حکم کمزور کے لئے قانون تھا اور اسکی اطاعت لازم۔ اس لئے غلامی نے بھی بے بسی میں جنم لیا جسے پھر انسان نے اپنی اغراض کے تحت پروان چڑھایا۔ تاریخ۔ کے ہر دور میں یہ رسم اپنی تمام تر بھیانک شکل میں قائم رہی تا آنکہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نے اس پر کاری ضرب لگائی۔

انقلاب اسلام

انسان کی معاشرتی زندگی میں اسلام نے روح پرور اور فقید المثال انقلاب بپا کر دیا رنگ

ونسل کے امتیازات ریت کے گھروندے کی طرح گرا دیئے گئے، اصول مساوات کے تحت سفید وسیاہ حاکم ومحکوم عربی وعجمی سب ایک ہی صف میں کھڑے کر دیئے گئے، صرف مسجد میں ہی نہیں بلکہ ہر جگہ اور مقام پر۔ میدانِ کارزار ہو یا بازار، محلہ ہو یا محل مسلمان ایک دوسرے سے یکساں سطح اور مرتبہ پر ملتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اسلام کی نگاہ میں مادی شئے مثلاً دولت ومنصب نسلی ولسانی امتیازات، خاندانی وجاہت برتری کا باعث نہیں ہیں۔ صرف کردار واخلاق سے مراتب ودرجات کا تعین ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔

انّ أکرمکم عند اللہ اتقاکم (سورۃ الحجرات،۱۳)

''اللہ کی نگاہ میں تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''

اس طرح اسلام نے انسانی درجہ بندی کا معیار ہی بدل ڈالا جس سے حسب ونسب اور دولت، انسان کے مرتبہ کی کسوٹی نہ رہی بلکہ معاشرہ میں مقام انسان اس کے کردار سے متعین ہونے لگا۔

یورپ کے مؤرخ لارڈ ایکٹن نے فرانس کے منشور حقوق انسانی کے متعلق کہا تھا کہ کاغذ کا یہ پرزہ دنیا کے کتب خانوں سے زیادہ وزنی ہے۔ موصوف اگر خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کا مطالعہ کرتے تو ضرور کہتے کہ یہ انسانیت کا وہ عظیم ترین بنیادی منشور ہے جس کی تابش وضو سے ہر مہذب قوم اور ملک نے شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی اپنی معاشرتی زندگی کو منور کیا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے فخر انسانیت حضرت محمد ﷺ نے ایک لاکھ سے زائد صحابۂ کرام کے مجمع میں فرمایا:

''اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر اللہ نے مٹا دیا۔ گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر، عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں ہے، تم سب آدمؑ کے بیٹے ہو۔'' پھر فرمایا:

المسلم اخو المسلم۔ (تفسیر روح المعانی سورۂ حجرات)

''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔''

یہ اصول مساوات ہی کا کرشمہ تھا کہ عظمتِ کردار کا مالک اسلام کا پہلا مؤذن جو کہ حبشی غلام تھا معزز ترین قریش اور صحابۂ کرامؓ کی نگاہ میں لائق صد احترام تھا۔ حضرت عمرؓ جن کے نام سے دنیا کانپتی تھی بحیثیت خلیفہ حضرت بلال سے ملتے تو ''سیدی'' کہہ کر مخاطب ہوتے۔ حضور ﷺ نے خاندانِ قریش کی اعلیٰ نسب خاتون اور اپنی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کردی تھی، سریہ موتہ میں حضرت جعفرؓ کے مقابلہ میں حضرت زید بن حارث کو امارت عطا فرمائی بعد ازاں ان کے فرزند حضرت اسامہؓ کو عالی نسب قریشی صحابہ کی موجودگی میں سپہ سالار بنا کر بھیجا۔

فضیلت کسب معاش

اسلام نے حسب و نسب اور جاہ و جلال کا قدیم تصور منہدم کر دیا تو ذریعۂ معاش ومحنت کو بھی نیا زاویہ عطا کیا۔ اب صالحین کا مطمع نظر محنت اور حلال ذریعہ سے حاصل کی ہوئی روزی ہو گیا۔ محنت کو عظمت قرار دیا گیا۔ حضور ﷺ نے ہاتھ کی کمائی کو افضل ترین ذریعۂ معاش قرار دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ:

''سب سے طیب طعام وہ ہے جو تم محنت کر کے کھاؤ۔'' (بحوالہ نسائی کتاب البیوع)

خود حضور ﷺ بچپن میں مزدوری لے کر بکریاں چرایا کرتے تھے۔ (بحوالہ بخاری ج ۱)

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھاتے تھے۔ (بخاری کتاب البیوع)

حضرت رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا کسب سب سے بہتر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھانا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ، مسند احمد)

ان احادیث سے یہ واضح نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ محنت کی کمائی ہی پاکیزہ ترین رزق ہے اس لئے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ہاتھ کی کمائی کو ننگ و عار نہیں سمجھتے۔ ہمیں ان بہادر آدمیوں کی عزت کرنی چاہیے خواہ وہ خادم یا مزدور کی شکل میں ہوں معاشرے کے دیگر افراد کی طرح ملازم یا خادم کے بھی اس شخص پر حقوق ہیں۔ جس کے تحت وہ فرائض انجام

دیتا ہے۔ان حقوق کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ خوش گفتاری

۲۔ حسنِ سلوک

۳۔ کام میں معاونت

۴۔ تحفظِ ملازمت

ذیل میں ان پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

خوش گفتاری...... خادم کو اپنے اصلی نام سے پکارنا چاہیے پیار سے اسے کوئی اور نام سے پکارنا مقصود ہو تو وہ نام بھی اچھا ہونا چاہیے اس کا نام بگاڑ کر لینا یا اسے بدتہذیب لقب دینا مذموم فعل ہے قرآن حکیم میں اس کی مذمت آئی ہے۔

ولاتلمزو آانفسکم ولاتنابزُوابالالقاب (سورۃ الحجرات،۱۱)

"آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔"

حضور ﷺ اپنے خادموں کو "میرا بچہ" یا میری بچی" کے شفقت آمیز الفاظ سے پکارتے تھے۔ (بحوالہ بخاری باب کراہیۃ التطاول علی الرقیق ج۱)

حضرت انسؓ کو پیار سے انیس بھی کہتے تھے۔خادم کا مذاق بھی نہیں اڑانا چاہیے اکثر لوگ باتوں باتوں میں ایسا کرتے رہتے ہیں۔ارشاد ربانی ہے۔

یٰایھاالذین اٰمنو الایسخرُ قومٌ من قومٍ عسیٰ ان یکونُوا خیراًمنھم

(سورۃ الحجرات۱۱)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مرد ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ (اللہ کی نگاہ میں) ان سے بہتر ہوں۔"

ملازم وخادم کو اس کی ذات پات کا طعنہ نہیں دینا چاہیے اور نہ اس کی کوئی عیب چینی کرنی چاہیے قرآن مجید میں اس کے بارہ میں سخت حکم فرمایا ہے۔

ویل لکل همزة لمزة (سورۃ الھمزہ)

بڑی تباہی ہے اس کیلئے جو طعن زنی اور عیب چینی کرتا ہے

بلحاظ خوش اخلاقی آقا اور مالک کو چاہیے کہ وہ اپنے خادم اور اولاد کو ایک سطح پر رکھے کیونکہ دونوں اسی کے تحت رہتے ہیں۔

حسن سلوک ...... انسان کو چاہیے کہ معاشرتی امور میں اپنی ذات اور خادم کے مابین عدل و مساوات کا رویہ اختیا کرے سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

تمہارے کچھ بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے تمہارے ہاتھوں میں دے رکھا ہے اگر کسی کے ہاتھ میں اللہ نے اس کے بھائی کو دیا ہو تو اسے چاہیے کہ جو خود کھائے وہی اسے کھلائے جو خود پہنے وہی اسے پہنائے۔" (بحوالہ مسلم ج ۲)

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا تیار کرے اور لے کر تمہارے پاس آئے اور کھانا تیار کرنے میں اس نے گرمی اور دھوپ برداشت کی ہو تو چاہیے کہ اسے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ اگر کھانا تھوڑا ہو تو ایک دو لقمے ہی اسے دے دو۔ (بخاری شریف)

حضور ﷺ چاہتے تھے کہ صرف کھانے پینے ہی میں نہیں بلکہ یہ مساوات ملنے جلنے اور آداب معاشرت میں بھی رہے اس لئے انہوں نے اس دعوت ولیمہ کو ناپسند فرمایا ہے جہاں صرف امراء کو مدعو کیا جائے اور کھلایا پلایا جائے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: بدترین دعوت وہ ہے جس میں امیر لوگ تو بلائے جائیں مگر غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔

(بحوالہ بخاری کتاب النکاح باب من ترک الدعوۃ)

ایک مرتبہ صفوان بن امیہ نے بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بلایا حضرت عمرؓ نے برافروختہ ہو کر کہا کہ خدا ان سے سمجھے جو انہیں حقارت سے دیکھتے ہیں۔

حضور ﷺ کا سلوک

حضور ﷺ کا اپنے خدام سے انتہائی مشفقانہ سلوک تھا۔ آپ حضرت زید بن حارثہ کی طرح ان کے فرزند ارجمند حضرت اسامہ ؓ کو بھی بہت عزیز رکھتے تھے۔ ایک زانو پر حضرت حسن ؓ اور دوسرے پر اسامہ ؓ کو بٹھاتے اور فرماتے:

"خدایا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اس لئے تو بھی ان سے محبت فرما۔

(بحوالہ بخاری کتاب للمناقب)

حضرت انس ؓ بھی دریائے رحمت سے مکمل فیض یاب ہوئے تھے۔ حضور ﷺ انہیں پیار سے بٹیا کہتے کبھی ان کے گھر بھی تشریف لے جاتے بعض اوقات کھانا بھی کھاتے۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور ﷺ نے مجھے کسی کام کے لیے جانے کا حکم فرمایا۔ میں نے کہا کہ میں نہیں جاؤں گا حالانکہ ارادہ جانے کا تھا۔ پھر میں باہر نکلا اور باہر گلی میں لڑکوں کے ساتھ کھیلنے لگ گیا۔ اتنے میں آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے اور انہوں نے مجھے پیچھے سے گردن سے پکڑ لیا۔ میں نے دیکھا تو حضور ﷺ مسکرا رہے تھے۔ کہنے لگے:

اے انس کیا تو کام پر گیا میں نے عرض کی جاتا ہوں۔ (بحوالہ مسلم باب حسن خلقہ ﷺ ج ۲)

(واضح رہے کہ یہ واقعہ حضرت انس ؓ کے زمانہ بچپن کا ہے)۔

حضرت انس ؓ کا ایک اور بیان خاص اہمیت کا حامل ہے میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت کی آپ نے تمام عرصہ میں کبھی مجھے اف تک نہ کہا نہ کبھی کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہ کیا۔ (بحوالہ بخاری کتاب الادب ج ۲)

گھروں میں خادموں سے اشیاء کی ٹوٹ پھوٹ ہو جاتی ہے آپ دیکھیں کہ حضور ﷺ کا ایسے وقت کیا ردعمل ہوتا ہے۔ حضرت انس ؓ کی زبانی سنئے۔

"میں نے دس سال حضور ﷺ کی خدمت کی اس عرصہ میں مجھ سے کوئی نقصان ہو گیا

تو آپ نے مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی اور اس پر گھر والوں سے کوئی ملامت کرتا تو فرماتے اسے چھوڑ دو کچھ نہ کہو جو مقدر ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔" (بحوالہ مشکوۃ شریف)

خادم غلطیاں کرتے ہی ہیں خواہ وہ تعداد میں کتنی ہی کیوں نہ ہوں لائق چشم پوشی ہیں۔ مسلمان کی قوت برداشت بحر بیکراں کی طرح ہونی چاہیے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہے۔

ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ ہم اپنے خادم کی غلطیوں کو کس حد تک درگزر کریں حضور ﷺ خاموش رہے تیسری مرتبہ سوال کرنے پر فرمایا اگر دن میں ستر مرتبہ بھی غلطی کرے تو بھی معاف کرو۔" (بحوالہ مشکوۃ، ابوداؤد ج ۲)

ملازموں کے ساتھ تعلقات کی اساس اس حدیث کے مطابق ہونی چاہیے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جو چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور بڑے کی تعظیم نہ کرے وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔ (بحوالہ مشکوۃ، ترمذی)

ایک دفعہ امام حسنؓ (اپنے نانا حضور ﷺ کا پرتو تھے) کا غلام مہمانوں کیلئے شوربے کا پیالہ لایا پاؤں پھسلا اور گرم گرم شوربہ حضرت امامؓ کے چہرے پر جا پڑا آپ نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے کہا" اللہ کے بندے غصہ پی جاتے ہیں۔ (قرآن مجید کی آیت "والکاظمین الغیظ" کی طرف اشارہ ہے) آپ نے فرمایا میں نے غصہ پی لیا پھر غلام نے کہا" وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ (ارشاد ربانی والعافین عن الناس کی طرف اشارہ ہے) آپ نے فرمایا میں نے تجھے معاف کر دیا۔"

ایسا ہی واقعہ ایک دفعہ زیب النساء دختر اورنگ زیب سے پیش آیا، ایک روز کام کرتے ہوئے وہ قیمتی چینی آئینہ گر کر ٹوٹ گیا جس کے سامنے وہ کنگھا کیا کرتی تھی خادم کو عتاب کا اندیشہ ہوا تو عرض کیا:

'از قضا آئینہ چینی شکست' قضا سے آئینہ چینی ٹوٹ گیا۔

از قضا اس لیے بڑھا دیا، تا کہ غصہ ٹھنڈا ہو، کیونکہ آخر وہ عارفہ تھی۔ غلام کا خیال تھا

کہ تقدیر کا نام سن کر تیز نہ ہوں گی۔ اس نے جواب دیا:

خوب شد اسباب خود بینی شکست

بہت اچھا ہوا خود بینی کے اسباب ٹوٹ گئے

(بحوالہ الابقاء۔ مواعظ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے والے اپنے خادموں کے لئے سراپا محبت اور شفقت تھے۔

خادم کی معاونت

حضرت زیدؓ۔ حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ جیسے خدام کے ہوتے ہوئے جب بھی موقعہ ملتا حضرت عائشہؓ۔ ابوسعد خدریؓ اور حضرت امام حسنؓ سے روایت ہے کہ کسان یخدِم نفسهٗ " آپ اپنا کام اپنے دست مبارک سے انجام دے لیا کرتے تھے۔

(بحوالہ شرح شفائے قاضی عیاضؒ، سیرت النبی جلد دوم)

حضرت عائشہ سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ گھر میں کیا کرتے رہتے ہیں۔ جواب فرمایا گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے ہیں۔ کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے ہیں۔ دودھ دوہ لیتے ہیں بازار سے سودا خرید لیتے ہیں۔ اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے ہیں۔ اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ لیتے ہیں۔ چارہ دیتے ہیں غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے ہیں"۔

ایک مرتبہ حضرت انس نے دیکھا کہ حضور ﷺ خود اپنے دست مبارک سے اونٹوں پر تیل مل رہے تھے۔ (بحوالہ مسلم کتاب الآداب ج ۲)

ایک سفر میں آنحضرت ﷺ نے اپنی جوتی کا ٹوٹا ہوا تسمہ درست کرنا شروع کیا صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ لایئے میں ٹانک دوں آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تشخص پسندی ہے جو مجھے پسند نہیں۔ (بحوالہ زرقانی ج ۴)

ان احادیث اور متعدد دیگر واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ خادموں

کے کاموں میں ان کی معاونت فرماتے تھے اور اپنا کام خود کرتے تھے جس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ خادم کو زیادہ کام نہ کرنا پڑتا تھا اور اس کا بوجھ بہت ہلکا ہو جاتا تھا۔

حضور ﷺ کے نقش قدم پر رواں صحابۂ کرامؓ کے دلوں میں محنت کی عظمت کا جذبہ اتنا جاگزیں ہو چکا تھا کہ وہ حتی الوسع خادم رکھتے ہی نہیں تھے۔ اور اپنا کام خود سرانجام دیتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ جیسے مقتدر و متمول صحابی بھی خدمت گار رکھنا پسند نہ فرماتے تھے اور اپنا کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ اتباع سنت رسول ﷺ میں حتی الوسع اپنا چھوٹا موٹا کام خود ہی کرلیا کریں۔ گھر کے دیگر افراد بیوی بچے وغیرہ کو ہدایت ہونی چاہیے کے وہ خادموں کے ساتھ امور خانہ کی انجام دہی میں تعاون کریں اور ان کا بوجھ ہلکا کریں۔ اتباع سنت کے علاوہ اس میں طبی فائدہ بھی ہے کیونکہ حرکت میں صحت بھی درست رہتی ہے۔

تحفظ ملازمت: خادم کا یہ بھی حق ہے کہ اسے تحفظ ملازمت ہو، حضور ﷺ نے تمام عمر مبارک میں کسی ایک خادم کو بھی خدمت سے الگ نہیں کیا۔ خادم کی کوتاہیوں کو نظر انداز کردینا چاہیے، کہ غلطی سرشتِ انسانی میں داخل ہے۔ آپ نیا خادم رکھیں گے تو بھی غلطیاں کریگا اس لئے کیوں نہ پہلے ملازم کے ساتھ ہی گزارہ کیا جائے۔

دورِ حاضرہ کے خادم: آج کے دور میں نجی ملازمین کو یوں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ تنخواہ دار

۲۔ تنخواہ اور روٹی کپڑے پر

۳۔ غیر معینہ مالی امداد پر

پہلی قسم کے خادم معیّن تنخواہ پر معین اوقات میں کام کاج کرتے ہیں اور شب باشی اپنے گھر پر کرتے ہیں عام طور پر ان کے کھانے پینے کا بندوبست اپنا ہوتا ہے۔ ان کے حقوق وہی ہیں جن کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ سوائے ان کے کھانے پینے اور پہننے میں اصول مساوات کا اطلاع نہیں ہوگا۔

دوسری قسم کے ملازم کو تنخواہ کم دی جاتی ہے، کیونکہ روٹی کپڑا دینا ہوتا ہے ان کے حقوق مکمل طور پر وہ ہیں جن کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے۔

تیسری قسم کے ملازم دراصل غلامی کا تازہ ترین ماڈل ہے اور جاگیرداری نظام کی پیداوار ہے۔ بڑے زمیندار اپنی جاگیر میں رہنے والے غریب آدمیوں سے ہر قسم بیگار لیتے ہیں۔ ان کے بچے بچیوں کو گھر میں ہر قسم کی خدمت کے لئے رکھا جاتا ہے اور معاوضہ برائے نام ہوتا ہے۔ جو فصل کے موقع پر جنس کی شکل میں دیا جاتا ہے۔ خدام کی تعداد وسعت جاگیر کے مطابق ہوتی ہے۔ اور یہ رواج صوبہ سندھ اور پنجاب کے اضلاع سرگودھا۔ ملتان، جھنگ ڈیرہ غازی خان وغیرہ میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ ویسے غیر معین مزدوری پر ملازم رکھنا شرعاً جائز نہیں۔ تاہم ایسے خدام اس حسن سلوک اور مساوات کے حق دار ہیں جن کی نشان دہی احادیث وسیرت پاک کے ذریعے کردی گئی ہے۔

خادموں پر حقوق: اگر خادموں کے متعدد حقوق ہیں۔ تو ان کے کچھ فرائض بھی ہیں ان کے اہم ترین فرائض یہ ہیں کہ وہ (۱) فرائض کو محنت سے سرانجام دیں (۲) خیانت نہ کریں۔

باہمی حقوق: جان مال اور آبرو کا تحفظ خدام اور آقا کا مشترکہ حق ہے اور باہمی ذمہ داری ہے۔

❁❁❁❁❁❁

مزدور اور آجر کے باہمی حقوق

پہلا آدمی جس نے کہا۔ یہ چیز میری ہے اور یہ چیز تیری ہے۔ انسانی معاشرے کا خالق تھا۔ اس رزم ماہ ہستی میں جب ایک آدمی طاقتور رہوا۔ اور دوسرا کمزور تو اسی دن امارت و غربت اور آجر اور مزدور کا دور شروع ہوا۔ قانون قدرت ہے کہ کسی نے بلند ہونا ہے۔ اور کسی نے کم تر، فطرت میں مساوات قطعی نہیں ہے۔ لیکن انسانی تاریخ میں آجر اور مزدور کے تعلقات اتنے کشیدہ نہیں رہے جتنے آج ہیں۔ ماضی کے ادوار میں ایک انتہا تھی۔ جس میں سرمایہ ہی سب کچھ تھا۔ حالات کی مجبوریوں میں مزدور پستا رہا۔ تا آنکہ کارل مارکس اور دوسرے مفکرین نے نیا نظریہ پیش کیا جس میں سرمایہ کی اہمیت کو بالکل نظر انداز کر کے مزدور کو ساری اہمیت دے دی گئی۔ قانون فطرت کو افراط اور تفریط کی دونوں صورتوں میں مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا۔ لیکن اسلام نے ایک ایسا حل پیش کیا۔ جو دونوں انتہائیوں میں توازن قائم کرتا ہے۔ تمام معاشرتی مسائل کا حل دیتے ہوئے۔ اسلام قانون فطرت کو سامنے رکھتا ہے۔ انسانی تاریخ میں جہاں کہیں افراط و تفریط ہوگئی ہے۔ اور لوگ اس قانون قدرت سے ہٹ گئے ہیں۔ اس افراط و تفریط کی کانٹ چھانٹ کر کے اسلام معاشرے کو اصل اصول کی طرف راغب کرتا ہے معاشی مسئلہ میں جس کا ایک ضمنی مسئلہ آجر اور مزدور کے تعلقات ہیں۔ اسلام نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر ایک متوازن نظام پیش کیا ہے۔ جو عین تقاضائے فطرت ہے۔

اسلام نہ تو یہ کہتا ہے، کہ دولت کی قطعی مساوی تقسیم کردی جائے۔ کیونکہ قطعی مساوات کا تصور کارخانہ فطرت میں کارفرما نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے کوئی نظام چل سکتا ہے۔ کمیونسٹ ممالک میں معاشرتی، معاشی اور درجہ بندی موجود ہے بہر حال کسی نہ کسی کو حکومت چلانا ہے۔ اور کسی نہ کسی کو محکوم ہونا ہے اسی طرح کسی نے منصوبہ بندی کرنی ہے اور

کسی نے اس پر عمل کرانا ہے۔ اور کسی نے اس پر عمل کرنا ہے۔ عمل کرانیوالا بہرحال عمل کرنے والے سے برتر ہوگا تو کام چلے گا۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ سرمایہ دار کو کھلی چھٹی ہے۔ جو جی چاہے کرے۔ اصول عدم مداخلت نظام اسلامی میں ممکن نہیں۔ اگر سرمایہ دار کو کھلی چھٹی دی جائے گی تو اس کا نتیجہ سرمایہ دار کی تجوریز کشادہ کرنے اور مزدور کی فاقہ کشی نکلے گا اسلام اس قانون فطرت سے شروع ہوتا ہے۔ کہ دولت کی زیادتی اور کمی منشائے قدرت ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اللہ یبسطُ الرز ق لمن یشآء ویقدِر وفرحُوابالحیٰوۃ الدنیا ومالحیٰوۃ الدنیا فی الاخرۃ الامتا ع.

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ رزق کی فراخی دیتا ہے اور جسے چاہے۔ نپا تلا رزق دیتا ہے یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں۔ حالانکہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک متاع قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ حصول رزق کا جدوجہد سے تعلق نہیں۔ محنت اور جدوجہد پر ہی روحانی اور مادی ترقی کا انحصار ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: "**لیس للانسان الاماسعیٰ**" پھر رزق کی کمی یا بیشی انسان کے کردار کی کسوٹی نہیں ہے بلکہ، **ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم** یعنی اصل پرکھ یہ ہے کہ دولت کے ہوتے ہوئے یا نہ ہوتے ہوئے کس نے فکر و عمل کی صحیح راہ اختیار کی اور کس نے غلط۔ اس کے بعد اسلام سرمایہ کے حصول اور استعمال پر چند پابندیاں عائد کرتا ہے۔ ان پابندیوں میں حلال ذرائع پر صرف کرنا، بخل اور اکتناز کی ممانعت، زر پرستی اور حرص مال کی مذمت بے جا خرچ کی مذمت، مختلف گناہوں کے مالی کفارے، لازمی زکوٰۃ و عشر، تقسیم میراث، مزدور کو مناسب اور بروقت مزدوری دنیا شامل ہیں۔ ان سب پابندیوں کے ہوتے ہوئے معاشرہ میں معاشی ظلم، استحصال کا سد باب ہوگا اور منعّمین اور محرومینَ کا تصور ختم ہو جائے گا۔ اسلامی نظام کا طرہ امتیاز مساوات نہیں۔ بلکہ حصول رزق کی جدوجہد کے مواقع میں مساوات ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ سوسائٹی میں ایسی قانونی اور رواجی رکاوٹیں باقی نہ رہیں جن کی بنا پر کوئی شخص اپنی قوت اور استعداد کے مطابق معاشی جدوجہد نہ کرسکتا ہو۔ اور ایسے امتیازات بھی باقی نہ رہیں ۔ جو بعض طبقوں، نسلوں اور خاندان کی پیدائشی خوش نصیبی کو مستقل قانونی تحفظات میں تبدیل کردیتے ہیں ۔ یہ دونوں طریقے فطری عدم مساوات جگہ ایک مصنوعی عدم مساوات قائم کرتے ہیں اسی زمرہ میں مزدور کے حقوق کا بھی تحفظ کیا گیا ہے:

کَی لایکونَ دُولۃً بین الاغنیاءِ منکم (سورۃ الحشر۔۷)

یہ اسی لیے ہے کہ مال دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔"

میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

محنت کی عظمت

کم وبیش تمام انبیاء کرامؑ نے افلاس میں پرورش پائی ۔ اور مزدوری کو ذریعۂ معاش بنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی آٹھ سال تک مزدوری پر بکریاں چرائیں۔ (سورۃ قصص آیت) حضرت داؤدعلیہ السلام اپنے ہاتھ کے ہنر سے بسرِ اوقات کرتے تھے۔ (بحوالہ بخاری مشکوٰۃ کتاب البیوع)

رسول مقبول ﷺ بھی جنگل اور پہاڑوں میں طویل عرصہ اُجرت پر بکریاں چراتے رہے۔ (بحوالہ بخاری۲)

محنت کشی کی پیغمبرانہ سنت نے حضور ﷺ کو مکدر ماحول سے بچا کر فطرت ابراہیمی کے مطابق ڈھال دیا۔ غرباء اور محنت کشوں کی ہر دور میں اکثریت رہی ہے۔ انبیاء کرام خصوصا رسول اکرم ﷺ نے اس اکثریت والی آبادی کے سامنے دیانتداری اور محنت و جفاکشی کا بھرپور مظاہرہ کیا تا کہ اس وقت کے اور آنے والی نسلوں کے محنت کشوں کو یہ شرف انسانیت حاصل رہے کہ وہ انبیاءؑ کے ہم پیشہ ہیں اور نہیں احساس رہے کہ محنت میں عظمت ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے محنت کا احترام سکھایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہؓ کے استفسار پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کی اجرت پر چرایا کرتا تھا۔

(بحوالہ بخاری کتاب البیوع باب فی الاجارۃ ج ۳)

اور محنت کش کا حضور ﷺ کی نگاہ میں کیا مقام تھا۔ وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے دیکھا کہ ایک صحابی کے ہاتھ میں مزدوری کرنے کی وجہ سے گٹھیاں پڑ گئی تھیں۔ ارشاد فرمایا: "تلک ید یحبّھا اللّٰہ و رسولہ."

"یہ وہ ہاتھ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پیارا ہے۔"

محسنؐ انسانیت نے عملی طور پر مزدوری فرما کر مزدوروں کو سربلند کر دیا اور اسے معاشرہ میں باوقار مقام دیا۔ مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی۔ تو رسول اکرم ﷺ خود اینٹیں اور پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ صحابۂ کرامؓ بھی شریک ہو کر یہ شعر پڑھتے تھے۔

نحن قعد نا والرسول یحمل لذالک العمل المضلل.

(محمدؐ رسول اللہ)

ہم بیٹھے رہیں اور رسول ﷺ کام کریں۔ یہ تو گمراہی کی بات ہوگی۔ غزوۂ خندق سے قبل خندق کی کھدائی میں حضور ﷺ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ محسن انسانیت کو محنت کی رغبت اور محنت کش سے محبت تھی۔

حضور ﷺ کے معاشرتی روابط: کسی محنت کش کی دعوت حضور ﷺ کو کس قدر مرغوب تھی۔ وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے:

انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک درزی نے نبی کریم ﷺ کو کھانے کی دعوت دی حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں بھی حضور ﷺ کے ہمراہ گیا۔ درزی نے روٹی اور شوربا جس میں کدو تھا لا کر رکھا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ پیالہ کی اطراف سے کدو ڈھونڈ کر کھاتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں اسی روز سے کدو پسند کرنے لگا۔" (بحوالہ بخاری کتاب البیوع)

گویا محنت کش کے رزق سے جو پکا وہی محبوب کائنات حضرت محمد ﷺ کو محبوب تھا۔

حضور ﷺ کو یہ بھی مطلوب تھا۔ کہ ان کی اولاد کی نشو ونما محنت کش کے ہاں ہو۔ مالک دو جہاں ﷺ نے اپنا بچہ ابراہیمؓ مدینہ کے لوہار کی بیوی ام سیف کو رضاعت کے لئے سپرد کیا تھا۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ وہاں تشریف لے جاتے تو میں بھی ہمراہ رہتا۔ گھر میں دھواں بھرا ہوتا مگر حضورؐ اندر تشریف لے جاتے کیونکہ ابراہیمؓ کی رضائی والدہ کے شوہر لوہار تھے۔ (بحوالہ ابن سعد ج ۱)

معاشی و معاشرتی عدل

آزاد یا ملی جلی معیشت والے ملکوں میں کارخانہ دار اور مزدور کے درمیان کشمکش عموماً اجرت، اوقات کار، شرائط محنت کے تعین اور صنعتی پالیسی پر کنٹرول سے متعلق ہوتی۔

جدید دور میں مزدوروں کو معاشرہ میں باوقار مقام دلانا اور ان کے معاشی مسائل کے حل کا سہرا کمیونزم کے خالق کارل مارکس کے سر باندھا جاتا ہے۔ حالانکہ شاہ ولی اللہؒ نے کارل مارکس کی پیدائش سے تقریباً ایک سو سال قبل اور انقلاب سے بھی پچاس سال پہلے اپنی مشہور تصنیف ''حجتہ البالغہ'' میں نہ صرف انسان کے معاشی مسائل کی نشاندہی کی ہے۔ بلکہ راہنما اصول اقتصادیات کا اسلام سے استخراج کیا۔ جو آج بھی مشعل راہ ہیں۔ ان میں سے چیدہ چیدہ یہ ہیں۔

۱۔ دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔

۲۔ مزدور اور کاشت کار قوت کا سبب ہیں۔

۳۔ مزدور کاشت کار اور دماغی کام کرنے والے ہی دولت کے اصل مستحق ہیں۔ ان کی خوشحالی ملک کی خوشحالی ہے۔ جو نظام ان قوتوں کو دبائے اسے ختم کر دیا جائے۔

۴۔ ایسا معاشرہ ختم ہو جانا چاہیے جو محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے۔

۵۔ ضرورتمند مزدوروں کی کم اجرت پر رضامندی قابل قبول نہیں جب تک اس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امداد باہمی کے اصول پر مبنی ہو۔

۶ اوقات کار محدود ہوں تا کہ مزدوروں کو اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لئے وقت مل سکے۔اس طرح اسلام میں معاشی و معاشرتی عدل واحسان کی بنیاد پر ہی مزدور وآجر کے باہمی تعلقات اور ملک کی خوش حالی کی عمارت قائم کی جاتی ہے۔

اصول اجرت: مزدور وآجر کے درمیان سب سے بڑی وجہ کشمکش اجرت ہوتی ہے۔ اسلام میں اس کا سہ رخی حل ہے۔کہ

(ا)......اجرت معقول ہو۔

(ب)......اجرت طے ہو۔

(ج)......اجرت جلد ادا ہو۔

معقول اجرت

مزدور کی جائز ضرورت سے آجر کو غافل نہیں ہونا چاہیے یہ نہیں کہ خود تو وسیع وعریض کوٹھیوں میں مقیم ہو اور مزدور جس اس کے نظام معیشت میں اس کا رفیق ہے آسمان کی چھت کے نیچے گذر کرے۔مکان کے علاوہ مزدور کے بچوں کی مناسب تعلیم کا اہتمام بھی ہونا چاہیے اجرت اتنی ہو کہ وہ اچھا کھا پی سکے تا کہ اس کی صحت پر خوشگوار اثر پڑے۔صحت مند مزدور کی استعداد کار زیادہ ہوگی تو اس کا مجموعی طور پر تمام نظام معیشت پر اچھا اثر مرتب ہوگا یہ درست ہے کہ مزدور کی اجرت کے تعین کا معیار مزدور کی فنی صلاحیت اور ملک کی عام معاشی حالت پر منحصر ہے اور اس بات پر بھی کہ کارخانہ عمل پیدائش خام مال اور مشینری کے حصول میں کس قدر تیز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر میں مزدور وآجر کے اخلاقی مسائل معاشی مسائل میں اس قدر مدغم ہو گئے کہ انہیں جدا کرنا مشکل ہے۔پھر بھی ان گھمبیر مسائل کی شدت اسلامی عدل واحسان کے آفاقی اصولوں کی روشنی میں ختم یا کم کی جاسکتی ہے۔

اجرت کا تعین

صنعتی مزدور کی اجرت تو طے ہوتی ہے مگر عام مزدور کی اجرت طے کرنے میں لوگ بسا اوقات تساہل سے کام لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ریلوے کے سٹیشن قلی سے اجرت طے نہیں کی جاتی جو بعد میں باعث نزاع ہوتی ہے دینے والا درکاری طور پر معینہ اجرت دیتا ہے جبکہ قلی رواج کے مطابق زیادہ لینے پر اصرار کرتا ہے۔ یہاں اجرت رواج کے مطابق دینی چاہیے یا پھر پہلے قلعی کو آگاہ کر دیا جائے کہ ادائیگی مقررہ شرح پر ہوگی۔

بعض مرتبہ یوں بھی ہوتا ہے کہ سیمنٹ کی کمیابی کی وجہ سے تعمیری کام ملتوی ہو جاتے ہیں اور مزدور بے کار ہونے کی وجہ سے کہیں نصف اجرت پر کام کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جب مزدوروں کی کمی واقع ہو جاتی ہے تو نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ یہ دونوں حالتیں درست نہیں ہر حالت میں متوجہ اجرت ہی لینی دینی چاہیے۔ اصول طلب و رسد کا بہانہ بنا کر استحصال کرنا تقوی کو مجروح کرتا ہے۔ اس سے بھی بری بات دیہات میں مشاہدہ میں آتی ہے۔ بڑے زمیندار گاؤں کے کسی بھی آدمی سے بلا اُجرت کام لے لیتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں جگہ جاؤ۔ فلاں کام کردو۔ کسی شخص سے بلا رضامندی اور بلا معاوضہ کام لینا گناہ ہے۔ اور اس کی حق تلفی کے مترادف ہے۔

اجرت کی جلد ادائیگی

قرآن پاک سورۂ قصص (آیت ۲۵) میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کا مقولہ مذکور ہے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ان ابــی یــد عــوک لیجزیک أجر ماسقیت لنا .

"میرے والد آپکو بلاتے ہیں تا کہ آپکو ہمارے جانوروں کو پانی پلانے کی اُجرت دیں۔"

اس آیت سے واضح ہوا کہ مزدور کو اپنی اجرت طلب کرنے سے پہلے ہی اجرت ادا کر دی جائے۔ ادائیگی اجرت میں عجلت کس قدر مستحسن ہے وہ اس حدیث سے بھی ظاہر

ہے۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو۔'' (ابن ماجہ باب اجرالاجراء)

حضور ﷺ کا یہ مختصر اور بلیغ جملہ آجر اور مزدور میں صفائی معاملات اور صلح و آشتی کے استحکام کی پیش بندی ہے۔ مزدوری کی عجلتِ ادائیگی پر جہاں اس قدر اہتمام ہے وہاں عدم ادائیگی میں کیا صورت ہوگی اس کی جھلک اس حدیث سے نمایاں ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے روز میں تین آدمیوں سے جھگڑا کروں گا۔ ایک تو اس شخص سے جس نے آزاد انسان کو فروخت کیا۔ تیسرے اس شخص سے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے پورا پورا کام لیا اور پھر مزدوری نہ دی۔ (بخاری کتاب الاجارۃ)

جو شخص رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں موردِ الزام ہو اس کے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اُجرت کی بہت کم ادائیگی بھی عدم ادائیگی کے مترادف ہوتی ہے۔ صنعت کار کا معقول غدر کے بغیر مل فیکٹری بند کرنا بھی اسی ضمن میں آئے گا۔ آجر کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اُجرت پوری دے اور مطالبہ سے بیشتر ہی ادائیگی کر دے۔

مزدور کے حقوق کی مزید کچھ وضاحت

جسمانی طاقت سے معاوضے کے بدلے کسی کا کام کرنا محنت مزدوری کہلاتا ہے، شریعت میں اس کے لیے اجرت کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے، اس سے مراد نفع کو بیچنا ہوتا ہے، مزدور کو اجیر اور مزدوری کرانے والے کو مستجیر کہتے ہیں، معاملہ کو اجارہ یعنی اجرت کہا جاتا ہے۔

مزدور دو طرح کا ہوتا ہے ایک عام اور دوسرا مخصوص، عام مزدور وہ ہوتا ہے جو ہر کسی کی مزدوری کرنے میں آزاد ہو، وہ جب چاہے کسی شخص کی مزدوری کر کے اس سے معاوضہ

لے لے اوراس کا کام کردے، جیسے لوہار، سنار، رنگریز، درزی، اور دھوبی، معمار وغیرہ، اور دوسرا خاص مزدور جوایک وقت میں ایک شخص کا کام کرتا ہے، وہ اس کے وقت میں دوسرے کا کام نہیں کرسکتا، جیسے ملازم اورنوکر وغیرہ، مزدوری خواہ کیسی ہواس کا معاوضہ ملنا ضروری ہوتا ہے۔

دستی محنت اور مزدوری کا اللہ کی بارگاہ میں بڑا مقام ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں چند مقامات پراس کا تذکرہ یوں فرمایا ہے۔

''ان میں سے ایک کہنے لگی انہیں اپنے پاس رکھ لیجئے بے شک یہ بہتر طاقتور امین قسم کا خدمت گار ہے۔'' (قصص:۲۶)

''وہ آپ کے لیے عالیشان محل اور مجسمے اور حوضوں کی طرح بڑے بڑے لگن اور روزنی دیگیں جوسٹینڈوں پر جمی رہتیں، بناتے تھے، اے آل داؤد! ان تمام کاموں کا شکرادا کرواور بندوں میں سے شکر کرنے والے بہت کم ہیں۔'' (سورۃ سبا:۱۳)

''اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔'' (سورۃ نجم:۳۹)

ان آیات سے محنت مزدوری کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہوتی ہے اس کی فضیلت کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ صنعت وحرفت کے ذریعہ روزی کمانے والے کو دوست رکھتا ہے۔'' (بحوالہ طبرانی)

ایک اور فرمان میں آپ کا ارشاد ہے۔ ''دستکار اللہ کا دوست ہے۔''

ویسے بھی محنت مزدوری کرنا کوئی بری بات نہیں بلکہ یہ تو اللہ کے نبیوں کی سنت ہے، حضرت داؤدؑ زرہ ساز تھے، حضرت آدم نے زمین کاشت کی، حضرت نوح نے بڑھئی کا کام کیا، حضرت ادریس نے درزی کا اور حضرت موسیٰ نے چرواہے کا کام کیا۔

(بحوالہ بخاری شریف)

حضور ﷺ نے دیکھا کہ ایک صحابی کے ہاتھ پر مزدوری کرنے کی وجہ سے گھٹیاں

پڑی ہوئی تھیں تو آپ نے فرمایا یہ وہ ہاتھ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پیارا ہے۔

پس محنت انتہائی اچھا پیشہ ہے اور اسی بناء پر اللہ کے بہت سے ولیوں نے اسے اختیار کیا، مزدور کے حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

مزدور کا پہلا حق یہ ہے کہ اسے مناسب اجرت دی جائے، اس لیے کسی مزدور سے مزدوری کروانے سے پہلے اجرت طے کر لینی چاہئے تا کہ جھگڑا پیدا نہ ہو۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مزدور سے پہلے اجرت طے کیے بغیر کام نہ لیا جائے۔

(بحوالہ بیہقی)

اس ارشاد کے مطابق مزدور سے پوچھ لیا جائے کہ فلاں کام کی کتنی مزدوری لے گا، اگر آپ کو منظور ہو تو کروالیں، ورنہ کام نہ کروائیں، کیونکہ اکثر کام کروانے والے معاوضہ طے نہیں کرتے اور بعد میں جب کام کرنے والا اپنی مزدوری طلب کرتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ زیادہ ہے، اور اسے اپنی مرضی سے کم اجرت دینے کی کوشش کرتے ہیں جس سے مالک اور مزدور کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے، ایسا جھگڑا اسلام میں جائز نہیں لہٰذا کام کروانے سے پہلے مزدوری طے کر لینا سب سے بہتر ہے۔

رحمت مجسم ﷺ نے فرمایا کہ کام کرنے والے کو اس کام کے منافع سے حصہ ادا کرو، کیونکہ محنت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامراد نہیں ہوتا۔ (بحوالہ مسند احمد)

پس مزدور کی اجرت اتنی ہو کہ وہ اچھا کھا پی سکے تا کہ اس کی صحت پر خوشگوار اثر پڑے، صحت مند مزدور کی استعداد کار زیادہ ہوگی تو اس کا مجموعی طور پر تمام نظام معیشت پر اچھا اثر مرتب ہوگا، یہ بات درست ہے کہ مزدور کی اجرت کے تعین کا معیار مزدوری کی فنی صلاحیت پر ہوتا ہے۔

''حضرت عتبہ بن ندرؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے تو آپ نے سورۂ طسم پڑھی، اور جب ذکر موسیٰ تک پہنچے تو فرمایا بے شک موسیٰ نے آٹھ یا دس برس اپنے آپ کو مزدوری پر لگائے رکھا تا کہ شرمگاہ کی حفاظت ہو اور پیٹ کے لیے کھانا ملتا

رہے۔" (بحوالہ احمد، ابن ماجہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اجرت کا واقعہ یوں ہے کہ وادی مدین میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور وہاں ایک کنوئیں پر دو بچیوں کی بکریوں کو جب آپ نے فورا کنوئیں سے پانی نکال کر پلادیا تو وہ دونوں بچیاں اپنی بکریاں لے کر واپس اپنے گھر گئیں، باپ نے دیکھا کہ آج وقت سے پہلے یہ آگئی ہیں تو دریافت فرمایا کہ آج کیا بات ہے، انہوں نے سچا واقعہ کہہ سنایا، آپ نے اسی وقت ان دونوں میں سے ایک کو بھیجا کہ جاؤ اسے میرے پاس بلالاؤ، وہ حضرت موسیٰ کے پاس آئی اور جس طرح پاکدامن عفیفہ عورتوں کا دستور ہوتا ہے شرم وحیا سے اپنی چادر میں لپٹی ہوئی پردے کے ساتھ چل رہی تھی، منہ بھی چادر کے کنارے سے چھپائے ہوئے تھی، پھر اس دانائی اور صداقت کو دیکھئے کہ صرف یہی نہ کہا کہ میرے ابا آپ کو بلا رہے ہیں کیونکہ اس میں شبہ کی باتوں کی گنجائش تھی، صاف کہہ دیا کہ میرے والد آپ کو مزدوری دینے کے لیے اور اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے بلا رہے ہیں جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلا کر ہمارے ساتھ کیا ہے، کلیم اللہ کو جو بھوکے پیاسے تن تنہا مسافر اور بے خرچ تھے، یہ موقعہ غنیمت معلوم ہوا، یہاں آئے، انہیں ایک بزرگ سمجھ کر ان کے سوال پر اپنا سارا واقعہ بلا کم وکاست کہہ سنایا، انہوں نے دلجوئی کی اور فرمایا اب کیا خوف ہے، ان ظالموں کے ہاتھ سے آپ چھوٹ آئے، یہاں ان کی حکومت نہیں، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔

(بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

مزدور کا یہ حق ہے کہ اسے جتنی مزدوری دینے کا وعدہ کیا ہو وہ پوری ادا کردی جائے یعنی جب مزدور کام کرلے تو اجرت ادا کرنے والا ایسا نہ کرے کہ اس کی مزدوری کی کچھ رقم نہ دے اور کچھ دے دے، جو شخص ایسا کرے وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے روز اللہ جھگڑے گا، ایک وہ جو میرے نام پر وعدہ کرے پھر عہد شکنی

کردے، دوسرا وہ جو کسی آزاد کو بیچ کر اس کی قیمت کھا جائے، تیسرا وہ جو کسی کو مزدوری پر رکھے، کام اس سے پورا لیا اور اسے اس کی مزدوری نہ دے۔'' (بحوالہ بخاری شریف)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جو قیامت کے روز خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے ان میں سے پہلا شخص تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر یعنی اس کی قسم کھا کر کوئی عہدہ ومعاہدہ کرتا ہے، اور پھر اس کو توڑ ڈالتا ہے یوں تو عہدہ ومعاہدہ کی پاسداری بہر صورت ایک ضروری چیز ہے کیونکہ انسان کی شرافت وانسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جو عہد ومعاہدہ کرے اسے پورا کرے کسی معاہدہ کو بلا عذر ختم کر دینا انسانی شرف کے خلاف بھی ہے اور انسانیت کی توہین بھی، لیکن اگر کوئی عہد ومعاہدہ اللہ کے نام پر کیا جاتا ہے، تو پھر اس کی تکمیل کہیں زیادہ ضروری ہو جاتی ہے اس لیے جو شخص اللہ کے نام پر کیے ہوئے عہد اور معاہدہ کو توڑتا ہے وہ بجا طور پر غضب خداوندی کا مستحق ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے جو کسی آزاد شخص کو بیچ ڈالے، شرف انسانی کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کو ایک بازاری مال بنادے اور اس کی خرید وفروخت کرے، چنانچہ ایسے شخص کو بھی قیامت کے دن عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

تیسرا وہ شخص ہے جو کسی مزدور کو اپنے کسی کام کی تکمیل کے لیے مزدوری پر لگائے اور اپنا وہ کام پورا کرانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دے، یہ ایک انتہائی قابل نفرین فعل ہے، کسی شخص کی محنت اس کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے، جسے حاصل کر کے اس کی اجرت نہ دینا شیوہ انسانیت کے خلاف ہے، یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ کوئی غریب اپنا پیٹ بھرنے کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کر کے کسی کے یہاں محنت کرے مگر اس کی محنت کی اجرت اسے نہ دی جائے، چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں بھی کہ جو مزدوروں کی مزدوری نہ دے اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی دی ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اپنے اس انسانی ظلم کی ضرور سزا پائے گا۔

''حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت بن ضحاکؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا اور اجرت پر کام کروانے کا حکم دیا اور فرمایا اس میں حرج نہیں۔'' (بحوالہ مسلم شریف)

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سینگیاں لگوائیں اور لگانے والے کو اس کا معاوضہ دیا اور ناک میں دوائی ڈالی۔'' (بحوالہ بخاری شریف)

مزدور جس نے آپ کا کام کیا ہو جب کام مکمل ہو جائے یا وہ وقت مقررہ تک کام کر لے تو اسے فوراً اس کی اجرت دے دیں، بعض لوگ کام کروا لیتے ہیں لیکن مزدور کو فورا اجرت نہیں دیتے بلکہ اس کی رقم دینے میں بلاوجہ تاخیر کرتے رہتے ہیں، ایسا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دے دیا کرو۔'' (بحوالہ ابن ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کام کروانے کے بعد مزدور کو اس کی اجرت ادا کر دی جائے ادائیگی اجرت کا یہی انتہائی قابل قدر اصول ہے۔

''حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہ بھیجا مگر اس نے بکریاں چرائیں صحابہؓ نے عرض کیا آپ نے بھی؟ فرمایا ہاں میں چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چراتا تھا۔'' (بحوالہ بخاری شریف)

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا ذریعۂ معاش محنت مزدوری تھا، بسا اوقات وہ اس بنا پر مزدوری لینے سے انکار کر دیتے تھے کہ کہیں ان سے کام یا تطفیف یا تساہل نہ ہو گیا ہو۔

حضور ﷺ اور خلافت راشدہ کے زمانۂ مبارک میں کام کے اختتام پر بسا اوقات آجر اور مزدور میں اسی بات پر بحث چھڑ جاتی تھی کہ مزدور اسی خیال سے مزدوری کم لینے کا مطالبہ کرتا تھا کہ مبادا کام میں کمی رہ گئی ہو اور آجر اسے مقررہ مزدوری سے ذرا زیادہ اس لیے دینا چاہتا تھا کہ کہیں مزدور نے کام زیادہ نہ کر دیا ہو، اسی طرح معاملات میں تقویٰ کے اعلیٰ

ترین معیار کا مظاہرہ ہوتا تھا۔

مزدوروں پر کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں

مزدوروں کے اگر کچھ حقوق ہیں تو ان پر کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں۔ اہم ترین فرائض یہ ہیں:

۱۔ محنتی اور دیانت دار ہوں۔

۲۔ پرامن صنعتی ارتقاء میں مدد ومعاون ہوں

محنت ودیانت داری

قرآن حکیم میں مزدور کی محنت اور دیانت داری کے ساتھ ساتھ اس کی جسمانی صلاحیتوں اوران کو بروئے کار لانے کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی کے اس قول سے ظاہر ہے:

ان خیر من استأ جرت القویُّ الأمین (سورۃ القصص:۲۶)

''بے شک بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہوسکتا ہے جو مضبوط اور ایمان دار ہو۔''

توانا جسم استعداد کار میں اضافہ کا سبب بنتا ہے اور دیانت داری احساس فرض کو اجاگر کرتی ہے۔ لہٰذا ایک مزدور کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر دونوں صفات مجتمع کرے۔'' دیانت داری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ لین دین میں کمی بیشی نہ ہو۔ قرآن حکیم کی سورۂ تطفیف میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ''ویل للمطففین'' کے الفاظ میں شدید وعید آئی ہے یعنی ان کے لئے تباہی ہے۔ حضرت امام مالکؒ کا قول ہے۔ لـه لـكـل شـي ءِ وفاء وتطفيف. (بحوالہ موطا امام مالک)

یعنی پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے۔''

حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق کی ادائیگی میں کمی کرتا ہے۔ وہ تطفیف کا مجرم

ہے۔اگر مزدور عمداً سستی سے کام کرتا ہے۔وقت کا کچھ حصہ نجی کاموں میں صرف کرتا ہے تو اس کا یہ عمل تطفیف کے حکم میں آتا ہے ایسی روزی حرام ہوگی ،قرآنی اصول ہدایت یعنی تقویٰ کا تقاضا یہی ہے۔کہ جہاں اپنے اور غیر کے حق میں حد فاصل ہو وہاں احتیاطاً اس حد سے پیچھے رہا جائے۔نقصان کا احتمال ہو تو اپنا ہو۔تول کا معاملہ ہو،تو لنے والا احتیاط کے طور پلڑا جھکا کر دے اور مزدور معینہ اور طے شدہ وقت میں جانفشانی سے کام کرے،اور مزدور انتہائی محنت و جانفشانی سے کام کرے۔مذکورہ بالا حدیث مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو(ابن ماجہ صفحہ ۱۷۸) میں آجر و مزدور دونوں کے لئے ہدایت ہے کہ آجر تو مزدوری جلدی ادا کرے اور مزدور انتہائی محنت و جانفشانی سے کام کرے کہ پسینہ تک بہادے۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا ذریعہ معاش محنت مزدوری تھا۔بسا اوقات وہ اس بنا پر مزدوری لینے سے انکار کر دیتے تھے کہ کہیں ان سے کام میں تطفیف یا تساہل نہ ہو گیا ہو۔حضور ﷺ اور خلافت راشدہ کے زمانہ مبارک میں کام کے اختتام پر بسا اوقات آجر اور مزدور میں اسی بات پر بحث چھڑ جاتی تھی کہ مزدور اسی خیال سے مزدوری کم لینے کا مطالبہ کرتا تھا کہ مبادا کام میں کمی رہ گئی ہو اور آجر اسے مقررہ مزدوری سے ذرا زیادہ اس لئے دینا چاہتا تھا کہ کہیں مزدور نے کام زیادہ نہ کر دیا ہو۔اسی طرح معاملات میں تقویٰ کے اعلیٰ ترین معیار کا مظاہرہ ہوتا تھا۔

اگر مندرجہ بالا اصولوں کو مدّ نظر رکھا جائے تو مزدور کو ہڑتال اور آجر کو تالہ بندی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔اورر پر امن صنعتی ارتقاء ہوگا۔

پر امن صنعتی ارتقاء: مزدور پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ پر امن صنعتی ماحول برقرار رکھے۔صنعتی ترقی کے لئے یہ اشد ضروری ہے۔کہ کارخانوں میں حالات پر امن ہوں۔مزدوروں اور صنعت کاروں کے تنازعات ہڑتالوں اور در بندیوں پر منتج ہوں گے تو قومی سرمایہ اور محنت کا قیمتی اثاثہ ضائع ہو جائے گا اور ملک میں بدحالی کی فضا قائم ہو جائے گی۔معاشیات اسلام

میں ہڑتال وتالہ بندی وغیرہ کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ اسلامی معیشت کی بنیادوں میں شکر (اللہ کی نعمتوں کا جوانسان کو میسر ہیں) فلاح (دینی ودنیوی) اورعدل کو کلیدی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے اور مزدوروں اور آجروں کے درمیان حقوق اور فرائض کی انجام دہی قرآن وحدیث کے ان راہنما اصولوں کے تحت ہونی چاہیے۔

۱...... ان اللّٰہ یأ مر کم بالعدل و الاحسان. (سورۃ النحل:۹۰)

اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

۲...... الخلق عِیالُ اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیاله.

(بحوالہ مشکوۃ باب الشفقت والرحمت، بیہقی)

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے مخلوق میں سے خدا کا زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے کنبہ سے اچھا سلوک کرے۔

۳......رحمآءُ بینهم (سورۃ الفتح:۲۹)

وہ آپس میں رحمت اور شفقت رکھتے ہیں۔

۴......لایؤمن احد کم حتی یحبُّ لأخیهِ مایحبُّ لنفسه.

(بحوالہ بخاری، مسلم نسائی، ترمذی)

تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۵...... المُسلمُ مَن سلمَ المسلونَ من لسانه ویده.

(بحوالہ بخاری ج ۱، کتاب الایمان، مسلم جلد اول کتاب الایمان)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہیں۔"

ان تمام امور پر طاقت سے عمل درآمد کرانا اسلامی حکومت کا فرض ہے:

نفاذ حقوق: ان حقوق کو نافذ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک رضا کارانہ اور دوسرا جبری۔

۱......عدل اور احسان: زندگی کے تمام شعبوں میں جہاں لین دین کا تعلق ہے۔

عدل وانصاف پر زور دیا گیا ہے (ان اللّٰہ یا مر بالعدل و الاحسان) عدل کا مطلب ہے۔ تمام معاملات حیات میں انصاف کرنا، لیکن احسان اس سے ایک درجہ اوپر ہے اگر دینا ہے تو فرض سے زیادہ دو۔ تا کہ شک نہ رہے۔ تولتے وقت پلڑا جھکانا اسی کا مظہر ہے۔ یہ اصول ایک دوسرے اصول پر مبنی ہے اور وہ ہے۔ اخوت اسلامی کا اصول (المسلم اخو المسلم) بھائی کے ساتھ زیادتی کرنا زیب نہیں دیتا۔ دوسرے اصول اخوت (لایومن احد کم حتی یحب لاخیه ما یُحبُّ لنفسهٖ) کے مطابق آجر کو چاہیے کہ وہ اجرت وہی دے جو اگر وہ خود مزدور ہو ایسے ہی کام کے لئے لینا پسند کرے گا اور مزدور کو چاہیے کہ وہ ایسا ہی کام کرے جیسا کہ اگر وہ خود آجر ہو تو مزدور سے لینا پسند کریگا اس اصول کی قوت نافذہ خدا کا خوف اور قیامت کے دن حساب کا ڈر ہے۔ اور یہ اصول اسی وقت خود بخود نافذ ہوگا۔ جب اسلام کا پورا نظام اخلاق معاشرے میں جاری وساری ہوگا۔

۲...... دوسرا ذریعہ جبر کا ہے اسلامی ریاست کے فرائض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آجر اور مزدور افراط وتفریط کرے تو طاقت کے زور سے ان کو درست کرے اس ضمن میں حقوق کو قابل سماعت عدالت کیا جاسکتا ہے۔"

❁❁❁❁❁❁

عوام اور حکام کے باہمی حقوق

انسانی معاشرت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر اسلام نے ضیا پاشی نہ کی ہو اور اس کے سنہرے اصول ہدایت وراہبری کے لئے موجود نہ ہوں۔ خاتم النبیین ﷺ کے عہد میں محکمانہ اصطلاحات نہ تھیں۔ سارا نظام اور شعبے مختصر شکل میں تھے۔ محکما ہائے سفارت، قضا، تعلیم، مالیات کا وجود ملتا ہے۔ محافظین امور عامہ پرائیویٹ سیکرٹری اور اسفر استقبال بھی مقرر تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد زریں میں متعدد نئے محکمے مثلاً جیل، خزانہ وغیرہ قائم ہوئے۔ اس زمانہ کے حکام حقوق وفرائض کے متعلق جو اصول وضع ہوئے اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے جو عمل خاکہ پیش کیا وہ آج بھی ہر محکمہ کے حکم کے لئے بہتر مشعل راہ ہے۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عوام کے احکام پر اہم ترین حقوق یہ مترشح ہوتے ہیں:

۱۔ عدل

۲۔ دیانت داری

۳۔ خوش اخلاقی

۴۔ احساس فرض

عدل

عدل کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ قانون کی مکمل عملداری ہو۔ اس کی رو سے ملک کا انتظامی سربراہ بھی قانون کی پہنچ سے باہر نہیں رہ سکتا اگر وہ بھی قول وفعل سے قانون شکنی کرتا ہے تو وہ عدالت میں خواہ وہ کتنی ہی چھوٹے مرتبہ کی ہو پیش ہو کر اپنے دفاع کرنے کا پابند ہوگا۔ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت ہجوم میں ایک صحابی رسول اکرم ﷺ کے جسم مبارک پر گرا تو حضور ﷺ نے اسے لکڑی سے ضرب لگائی جس سے اسے خراش آئی۔ حضور ﷺ نے اپنے آپکو قصاص کے لئے پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ دبدبہ والے خلیفہ زید بن ثابت

کی عدالت میں بحیثیت مدعا علیہ پیش ہوئے (ان واقعات کے حوالہ جات گذشتہ اوراق میں گزر چکے ہیں) حضرت علیؓ جیسے قاضی شریح کی عدالت میں بحیثیت مدعی پیش ہوئے، اوران کا مقدمہ خارج ہو گیا۔ کیونکہ شہادت صرف اُن کے غلام قنبر اور پسر سیدنا حضرت حسنؓ پر مشتمل تھی۔ قاضی نے قانون کے مطابق عمل کیا اور حضرت علیؓ نے ذرا بھی برا نہ منایا۔ دونوں نے اپنی اپنی جگہ عظمت کے نقش قائم کئے۔ خلفائے راشدینؓ کو یہ بھی اختیار نہ تھا کہ عدالت کی دی گئی سزا میں کمی یا تنسیخ کر سکیں جب سربراہ مملکت کا یہ حال ہو تو دیگر ارباب بست وکشاد اور چھوٹے بڑے حاکم کسی طور پر بھی قانون کی عمل داری سے گریز نہیں کر سکتے تاریخ اسلام میں متعدد واقعات ہیں جہاں خلیفہ یا بادشاہ وقت قاضی کی عدالت میں یا مدعا علیہ کی حیثیت میں پیش ہوئے اور بعض مرتبہ فیصلے اُن کے خلاف ہوئے۔ قانون کی نگاہ میں سربراہ مملکت کا رتبہ عام انسان سے بلند نہیں اور نہ ہی اس سے کسی قسم کا ترجیحی سلوک کیا جا سکتا ہے۔ یہی کافی نہیں کہ سربراہ مملکت یا بڑا حاکم عدالت میں قابل مواخذہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ اصل تقاضائے عدل کو ہر جگہ جاری وساری رکھا جائے تاریخ کے ہر دور میں انسان تشنہ عدل وانصاف رہا ہے مگر انسانیت جس قدر اسلام کے چشمہ عدل فیض یاب ہوئی ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

قرآن حکیم میں ہے: ان اللّٰہ یا مرُ بالعدل و الاحسان. (النحل:۹۰)

بیشک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے جس کی عملی تفسیر حضور ﷺ اور صحابۂ کرامؓ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے کی۔ واقعات عدل متعلقہ باب میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں محض اجمالی ذکر ہی مقصود ہے۔ عدل کے لئے جگہ وقت یا انسان کی تخصیص نہیں ہوتی۔ عدل کی ضرورت صرف عدالت میں ہی نہیں پڑتی بلکہ ہر معاملہ میں جب ایک آدمی کا دوسرے شخص سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس کی عملی ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم عام آدمی کی نسبت ایک حاکم کا عدالت یا دفتر میں عدل کرنا زیادہ اہم ہے کیونکہ اس کے پاس اس غرض کے لئے خاص طور پر رجوع کیا جاتا ہے۔ اوراس کا

رویہ متعدد اشخاص پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جتنا بڑا جج یا حاکم ہوگا اس کا فیصلہ اتنے ہی وسیع پیمانے پر اثر انداز ہوگا۔ بسا اوقات کسی ملک تعمیر وتخریب اسکے وزیر اعظم کے صرف ایک اہم معاملہ میں دیانت داری اور عدل کرنے یا نہ کرنے پر موقوف ہوتی ہے مثال کے طور پر الیکشن منصفانہ نہ کروانا۔ عدمِ عدل کی چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ دفتر یا کسی قطار میں لگے ہوئے لوگوں میں پہلے شخص کی بجائے کسی اور کی دادرسی کرنا۔ عدم عدل خواہ معمولی معاملات میں ہی کیوں نہ ہوئے بے اطمینائی اور حق تلفی کے احساس کے لئے ذہنی فضا تیار کرتا ہے اور پھر اہم معاملات میں بھی عدل کے تقاضے نظر انداز ہونے لگتے ہیں۔

دیانت داری اور عدل لازم وملزوم ہیں۔ بددیانت شخص عادل نہیں ہوسکتا تاہم دیانت داری اور عدل کے درمیان ایک نہایت لطیف و باریک خط تقسیم ہے جو ان کا مابہ الامتیاز ظاہر کرتا ہے۔ عدل کا لفظ وہاں استعمال ہوگا جہاں معاملہ دو یا اس سے زائد فریقین کے درمیان ہو اور حاکم خود اس میں ملوث نہ ہو بلکہ بطور ثالث بے لاگ فیصلہ دے۔ جب کہ دیانت داری میں حاکم خود ایک فریق ہوتا ہے اور حکومت یا رعایا دوسرا فریق ایسی صورت میں اگر حاکم ذاتی مفاد کو نظر انداز کرے تو وہ دیانت دار ہے۔

بسا اوقات سادگی دیانت داری کی محرک ہوتی ہے نبی کریم ﷺ اس عالم ارضی میں صد ہا رنگ لیکر جلوہ افروز ہوئے۔ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ حاکم اعلیٰ تھے عہد مبارک کے آخری سالوں میں مالِ غنیمت کی فراوانی تھی اور ایسے عشاق کی بھی کمی نہ تھی جو حضور ﷺ کے چشم وآبرو کے اشارے پر ہر نعمت نچھاور کرنا فخر سمجھتے تھے اس کے باوجود حضور ﷺ کی زندگی انتہائی سادگی کا مرقع رہی۔ طرزِ بود و باش اور انداز خورد ونوش مفلس ترین مسلمان جیسا رہا۔ یہ بات ذہن نشین رہنے کے قابل ہے کہ اگرچہ حضور ﷺ نے متمول لوگوں کو اچھا کھانے پینے اور پہننے سے منع نہیں فرمایا مگر خود انتہائی سادگی اختیار کی۔ لہٰذا حکام کو سنتِ تاجدار مدینہ ﷺ کی پیروی میں سادہ کھانا پینا اور رہنا سہنا چاہئے۔ حضور ﷺ کے تربیت یافتہ حضرت علیؓ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ سرور کائنات ﷺ سے ابوتراب (مٹی والا مٹی میں

لت پت) کا خطاب پایا۔ سادگی کی کم وبیش یہی جھلک ہمیں دیگر صحابۂ کرامؓ میں نظر آتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ (جنہیں خاتم النبیین ﷺ کے بعد تاریخ کا سب سے بڑا منتظم قرار دیا جاسکتا ہے) کی زندگی بھی سادگی سے لبریز تھی اور یہی صفت وہ اپنے حکام میں دیکھنا چاہتے تھے۔ روایت ہے کہ جب وہ کسی حاکم کو جائے تقرری پر روانہ کرتے تو تحریری طور پر حکم دیتے کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا (ترکی گھوڑا اس زمانہ میں بڑا قیمتی سمجھا جاتا تھا) باریک کپڑا نہ پہنے گا' چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا' دروازے پر دربان نہ رکھے گا اور اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ (بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ)

حضرت عمرؓ یہ بھی کرتے تھے کہ حاکم کی تقرری کے وقت اس کی جائیداد کی فہرست تیار ہوتی تھی اور اگر بعد میں وہ اضافہ کرتا تو اس کا مؤاخذہ کیا جاتا تھا۔ دُنیا کے عظیم ترین جرنیل حضرت خالد بن ولید کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر معزول کردیا تھا کہ وہ خرچ زیادہ کرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ ایک شاعر کو انہوں نے قصیدہ گوئی کے انعام میں اپنی جیب سے کثیر رقم عطا کی تھی۔ اگرچہ یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ حکام کی نجی زندگی میں بندش نہیں ہونی چاہیئے۔ مگر قدرت چونکہ زمامِ حکومت کھرے ہاتھوں میں رکھتی ہے اس لئے سادہ زندگی کی ضرورت ہوتی ہے اور عوام چونکہ ہر کام کی نقالی کرتے ہیں (الناس علیٰ دین ملوکھم) اس لئے حکام کا ہر معاملہ میں مثالی کردار ہونا چاہیئے۔ ہمارے ملک میں حکام کی شاہ خرچی سے ہماری معاشی ومعاشرتی زندگی کا مکروہ چہرہ سامنے آتا ہے۔ اسلام آباد میں دُنیا کے غریب ترین مُلک کے وزیر اعظم کی کروڑوں روپے کی زیر تعمیر رہائش گاہ سے لے کر ڈپٹی کمشنر ہاؤس تک حکمرانوں کی طمطراقی بود وبوش کا المناک منظر پیش کرتی ہے۔ اگر دُنیا کی سب سے طاقتور سلطنت کا گورنر تُرکی گھوڑے پر سواری نہیں کرسکتا تھا تو آج کی دُنیا کے غریب ترین ملک کے ارباب بست وکشاد کے فرائض کی انجام دہی کے لئے لمبی اور قیمتی کاریں کیسے ضروری ہیں۔ صدر۔ وزیر اعظم یا جو کوئی بھی ہو اُسے چھوٹی کار استعمال کرنی چاہیے۔ اُن کی زندگی کا رہنا سہنا اتنا سادہ ہونا چاہیئے کہ ماتحت افسران ان

سے بہتر معیار زندگی اختیار کریں تو نہ صرف انہیں شرم آئے بلکہ وہ ہدف تنقید بھی بنیں۔

بہرحال بڑوں کا شاہانہ معیار زندگی ہر حاکم اور ملازم کے لئے لائق تقلید نہیں ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے اور ہر کوئی روزِ قیامت انفرادی طور پر جواب دہ ہوگا اس لئے ہر شخص کو خود اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

حکام کی خاصی تعداد رشوت وغیرہ سے تو اجتناب کرتی ہے مگر سرکاری اشیاء کے استعمال کے وقت احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے۔ افسران سرکاری گاڑیاں نجی مصرف میں لے آتے ہیں۔ دورہ پر ہیں تو بیوی کے ہمراہ ہیں۔ دیانت داری کا بھرم رکھنے کے لئے ریسٹ ہاوس میں معمولی بل بھی دے دیتے ہیں۔ سرکاری ٹیلیفون سٹیشنری وغیرہ کا استعمال تو بے حساب ہوتا ہے، احتیاط کی چھوٹی چھوٹی اینٹیں مسلسل رکھنے سے ہی دیانت داری کی رفیع الشان عمارت بنتی ہے اور ایسی ہی تصویر خلفائے راشدینؓ کے زمانۂ مبارک اور پھر عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں دیکھنے میں آئی تھی۔

قاضی ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں ایک واقعہ درج کیا ہے کہ ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک خادم بلا اجازت ڈاک کے ایک جانور پر شخص کو سوار کر کے لے آیا تو آپ نے اسے بلایا اور کہا کہ جب تک تو اس کا کرایہ بیت المال میں جمع نہیں کریگا یہاں سے نہیں ہل سکتا۔

ہر حاکم کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہیے کہ سرکاری اشیاء دراصل قوم کی امانت ہیں اور ان کو صرف قومی مفاد میں ہی صرف کیا جاسکتا ہے۔ بصورت دیگر خیانت مجرمانہ ہوگی اور حضور ﷺ کے ارشاد مبارک کے مطابق کوئی خائن اور جھوٹا شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔

(بحوالہ مسند امام احمد، مشکوٰۃ ج ۲ باب حفظ اللسان)

غیر مستحق کی ہوس اقتدار بھی بددیانتی ہے۔ بعض حاکم دیانت دار ہوتے ہیں مگر اقتدار کے ہوس میں ملوث رہتے ہیں۔ یہ ذہنی بددیانتی کی قسم ہے عہدہ کی خواہش کرنا یا عہدہ میں بے جا ترقی کی خواہش یا تگ ودو کرنا دوسروں کے حق میں خیانت کے مترادف

ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسکی مذمت فرمائی جیسا کہ اس وقعہ سے ظاہر ہوتا ہے:

ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہمراہ دو چچازاد بھائی تھے اُن میں سے ایک نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حاکم بنایا ہے۔ ملک کے کسی حصہ پر ہمیں بھی حاکم بنادیں۔ حضور ﷺ نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: خدا کی قسم! جو شخص بھی ہم سے حکومت کا طلب گار ہوگا ہم اسکو ہرگز حاکم نہیں بنائیں گے۔'' (بحوالہ مشکوٰۃ، مسلم کتاب الامارۃ ج ۲)

عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے نصیحت کی کہ دیکھنا حکومت کی خواہش نہ کرنا اگر خود سوال کرنے کے بعد تم کو حکومت مل گئی تو خدائی اعانت تمہارے ساتھ نہ ہوگی اور تم کو خود ہی سنبھالنی پڑے گی اور اگر بے مانگے ملی تو اس کے نظام میں اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔ (بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الامارۃ بخاری مسلم ج ۲)

اپنی قابلیت سے بڑھ کر کسی ذمہ داری کو اپنے سر مول لینا ذلت کا پیش خیمہ ہوتا ہے، حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے صحابیؓ نے عرض کیا کہ بھلا نفس کو کوئی کیسے ذلیل کرسکتا ہے۔ فرمایا بوجھ اٹھالینا جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو۔''

(بحوالہ ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ)

ایک اور ارشاد نبوی ﷺ ہے جس نے مسلمان کے کسی گروہ پر ایسے شخص کو سربراہ بنادیا کہ اس گروہ میں سے بہتر شخص موجود تھا تو اس نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے غداری کی۔

(بحوالہ مستدرک حاکم)

کسی سرکاری ملازم یا حاکم کے لئے مناسب نہیں کہ بہتر شخص کو نظر انداز کرے کہ خود کو حق دار ظاہر کرے۔ بے جا ترقی کرنے والا حاکم اعلیٰ ایسا کرے گا تو ظلم میں براہ راست شریک ہوگا۔ منصب کے مطابق جس شخص میں ذہنی و اخلاقی استعداد ہو اسی پر ذمہ داری کا بارِ گراں ڈالنا چاہیے۔ اور یہی اصول ترقی کے وقت کارفرما رہنا چاہیے۔ کم اہلیت رکھنے

والے ملازم یا حاکم کو ترقی کے لئے خوشامد یا دیگر ذرائع کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ایسا ہوگا تو وہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق بالآخر ذلیل ہوگا۔

خوش اخلاقی

عوام کا حکام پر یہ بھی حق ہے کہ وہ ان سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے قولوا للناس حسنا (البقرہ:۸۳) لوگوں سے بھلی بات کہو۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: الکلمة الطیبة صدقة. (بخاری کتاب الادب)

''ایک میٹھا بول صدقہ ہے۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ خندروئی سے پیش آنا پہلی نیکی ہے خوش اخلاقی ایسی صفت ہے کہ بغیر سرمایہ کاری کے خیر سگالی کی شکل میں کثیر منافع لاتی ہے حسن خلق صرف انسانیت کا طرہ امتیاز ہی نہیں بلکہ حاکم کے لئے انتہائی ضروری اسلئے بھی ہے کہ اسکی وجہ سے دادخواہ میں اعتماد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنا عندیہ کھل کر بیان کر دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو دادرسی تو بعد کی بات ہے۔ حاکم تک مطالبہ کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ حاکم حساس منصب رکھتا ہے اور حق رسی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے کوئی متبادل صورت نہیں کہ وہ ہر شخص کو خوش آمدید کہے۔ خوش گفتاری سے کام لے اور اس کی بات غور سے سنے اس کے بعد دوسرا مرحلہ آئے گا کہ دادرسی ہونی چاہیے یا نہیں یا کیسے اور کس حد تک ہونی چاہیے۔ بہر حال انکار میں بھی خوش مزاجی کی جھلک ہونی چاہئے سرکاری ملازم بد دماغ ہو تو لوگ بات کرنے سے بھی کترائیں گے اور حاکم بڑا ہو تو یہ عیب ایک کوہِ گراں بن جاتا ہے پھر تو وہ اسے اپنی اور اپنے ماتحت عملہ کی خامیوں کا بھی علم نہیں ہوتا اور جب علم نہیں ہوگا تو وہ انہیں رفع کیسے کرے گا۔ مزاج میں درشتی اور غصہ نہیں ہونا چاہیے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کسی شخص کے خلق پر اعتماد نہ کر جب تک تو اسے غصہ کی حالت میں نہ دیکھ لے اور بدکلامی اللہ کی نگاہ میں قابل مؤاخذہ ہے۔ صرف ایک شخص اس مؤاخذہ سے استثناء

ہوسکتا ہے اور وہ ہے مظلوم۔ لہٰذا اگر کوئی مظلوم شخص حاکم کے سامنے درشت کلامی سے پیش آئے تو اسے برداشت کرنا چاہیے۔ جناب امام زین العابدینؒ کو ایک شخص نے گالی دی تو آپ کے غلام نے اس شخص کو روکا مگر آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ جو تو کہتا ہے میں اس سے بھی برا ہوں۔ کوئی حاجت بتاؤ جو میں پوری کروں آپ کے پاس جو تھا اسے دے دیا وہ شخص شرمندہ ہوا اور کہتا جاتا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ فرزند رسول ﷺ ہے۔

حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میدان قیامت میں جمع ہوگی تو ندا آئے گی کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا ہوا ٹھے۔ اسوقت صرف وہی لوگ اٹھ سکیں گے جنہوں نے غصہ پی کر عفو سے کام لیا ہوگا۔ لہٰذا حاکم کو حکم کے وقت یا کسی بھی شخص کو کسی بھی حالت میں غصہ سے کام نہیں لینا چاہیے۔ حاکم کو چاہیے کہ وہ ایک اصول ہمیشہ پیش نظر رکھے اور وہ یہ کہ جب بھی کوئی دادخواہ اس کے سامنے آئے تو خود کو اس کی جگہ سمجھے اور اسے حاکم، ظاہر ہے حاکم جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ دوسروں کے لئے بھی پسند نہیں کریگا۔ اور اس طرح وہ عدل اور خدمت خلق کی طرف راغب ہوگا۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ذہن میں رہنا چاہیے۔

''اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کا کنبہ ہے اور اس کی تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کی مخلوق سے اچھا سلوک کرے۔ (بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ)

احساس فرض

سرکاری ملازم کا رزق حلال پر انحصار اور خوش اخلاقی کی صفت رکھنا ہی کافی نہیں ایک دیانت دار اور خوش اخلاق افسر ہوسکتا ہے۔ پابندی اوقات نہ کرتا ہو اور اوقاتِ کار خوش گپیوں میں گذار دیتا ہے۔ اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ احساس فرض ومنصب اور پابندیٔ وقت کا لحاظ ہونا چاہیے۔ بدقسمتی سے اقوام عالم میں مسلمان ہی اس صفت سے عاری نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی مذہب اور عقیدہ پابندی وقت عبادت کی

بنیاد قرار نہیں دیتا۔ نماز نماز نہیں رہتی قضا کہلاتی ہے، اگر وقت پر ادا نہ کی جائے۔ پنجابی ضرب المثل میں یہ کیفیت کس خوبی سے ادا ہوئی ہے۔"

"ویلے دی نماز کو یلے دیاں ٹکراں"

اس طرح دیگر عبادات مثلاً روزہ کے قرار وافطار، حج کے مناسک وغیرہ میں پابندیٔ وقت کا اصول اتنی وضاحت، جامعیت اور باقاعدگی سے کارفرما ہے کہ خلاف ورزی عبادت کی روح ہی کو ضائع کر دیتی ہے مقررہ وقت سے چند منٹ قبل کھاپی لینا روزہ کو توڑ دیتا ہے۔ میدان عرفات میں غروب آفتاب سے ایک منٹ تاخیر سے آنا تمام سلسلۂ حج کو ختم کر دیتا ہے۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اسلئے اسکے جس اصول کو جس قوم نے بھی بغیر رسمی طور پر مسلمان ہوئے اپنا لیا اسے دنیا میں مغرب واشترا کی ممالک میں پابندی وقت ضرب المثل بن چکی ہے۔ اس کے برعکس پابندی وقت کی خلاف ورزی پاکستانیوں کی فطرت ثانیہ ہو چکی ہے بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ ہمارے ملک میں کوئی کام عین وقت پر شروع ہوا اور پھر وقت پر اختتام تک پہنچے۔

پابندی وقت کا لحاظ نہ کرنے سے دفاتر اور کچہریوں میں بیشمار لوگ ایسے ہوتے ہیں جو وقت پر نہ آنے کی پاداش میں انتظار کی کربناک کیفیات سے دوچار ہو رہے ہوتے ہیں پھر تاخیر سے کام کرنے کا مطلب اوقات کار کا کم ہو جانا ہے۔ جو بددیانتی کے مترادف ہے۔ کیونکہ تنخواہ تو پورے دن کے کام کرنے کی وصول کی جاتی ہے۔

بعض سرکاری ملازمین دفاتر اور عدالتوں کے اوقاتِ کار کے درمیان نجی کام کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں یا طویل وقت خوش گپیوں میں صرف کر دیتے ہیں یہ فرض کے عدم احساس کی صورت ہے، اور شرعی طور پر گناہ بھی۔

حضرت امام مالکؒ اور بعض دیگر مفسرین کے مطابق ہر شخص جو کسی معاملہ کی ادائیگی میں کمی کرتا ہے وہ تطفیف کا مجرم ہے اور تطفیف (ناپ تول میں کمی کرنا) کے بارہ میں اللہ

تعالیٰ نے شدید وعید فرمائی ہے جس کا ذکر ''عدل'' کے باب میں ہو چکا ہے۔ لہٰذا معینہ وقت کے کام کے عوض تنخواہ پانے والا ملازم اگر کوئی کام کرتا ہے یا وقت بے وجہ ضائع کر دیتا ہے۔ تو وہ گناہ گار ہے۔

اسلامی معاشرت میں بیکار باتوں کا مشغلہ قابل استرداد ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار باتوں کا مشغلہ قطعاً ترک کر دے۔'' (بحوالہ مشکوٰۃ، ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مسند احمد۔ موطا امام مالکؒ)

ایک روایت یوں بھی ہے کہ ''آدمی کے اسلام کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ بیکار باتیں نہ کرے۔'' (بحوالہ مسند احمد)

ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور بولا میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ قوم سے کیا کہوں۔ فرمایا ہر کس و ناکس کو سلام کیا کریں اور غیر ضروری باتیں کرنا چھوڑ دیں۔'' (بحوالہ ابن ابی الدنیا)

حسن بصری سے روایت ہے کہ کسی آدمی سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی علامت یہ ہے کہ وہ اس کو بیکار باتوں کے مشغلہ میں الجھا دے۔

بقول امام مالکؒ حضرت لقمانؒ سے کسی نے پوچھا آپ کو یہ مرتبہ عالی کیسے ملا؟ فرمایا تین باتوں سے ا...... راست گوئی ۲...... ادائے امانت ۳...... بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی عادت۔

ان احادیث و واقعات سے عیاں ہے کہ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ ہماری زندگی کا کوئی لمحہ بیکار اور بلا مقصد صرف نہیں ہونا چاہیے یہ نکتہ اقوام غیر نے خوب پالیا ہے۔ آپ پاکستان کے کسی دفتر میں چلے جائیں اکثر ملازمین اپنی نشست سے غائب ہوں گے موجود ہوں گے تو ہم پیشہ حضرات کے ساتھ چائے نوشی کا دور چل رہا ہوگا یا احباب سے خوش گپیاں ہو رہی ہوں گی یہ تمام باتیں اسلام کے اصولوں کے خلاف ہیں جس قوم میں احساس فرض جس قدر شدید ہوگا وہ قوم اسی تناسب سے ترقی کرے گی۔ اسلام میں

اختیار لوگوں کا محاسبہ انتہائی شدید ہوگا۔ سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا کہ:

جس شخص نے دس آدمیوں پر بھی حکومت کی ہوگی اسے بھی قیامت کے روز پابند زنجیر لایا جائے گا وہ اگر نیکوکار ہوگا تو احتساب کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے گا۔"

(بحوالہ کیمیائے سعادت)

ہر سرکاری ملازم اور خصوصاً بڑے حاکم کے ذہن میں ہر وقت موت اور احتساب حشر کا تصور رہنا چاہیے، کہ اسے ایک ایک فعل اور ایک ایک قول کا حساب دینا ہوگا۔

حکام کے عوام پر حقوق: حقوق و فرائض میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں حقوق ہوں وہاں فرائض بھی ہوں گے۔ عوام کے حکام پر حقوق ہیں تو عوام کے بھی چند فرائض ہیں جنہیں ہم حکام کے حقوق کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔"

۱...... اطاعت

۲...... تعظیم

۳...... تحریص اور بری سفارش سے اجتناب

اب ہم ان پر تبصرہ کرتے ہیں۔

اطاعت

اللہ باری تعالیٰ کا یہ ارشاد واضح ہے کہ: **یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم.** (سورۃ النساء:۵۹)

"اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔"

اولی الامر میں وہ سب اشخاص شامل ہیں جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا نظام و انتظام ہو۔" خواہ وہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں خواہ وہ ذہنی۔ فکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں یا سیاسی رہنمائی یا ملکی انتظام کرنے والے حکام یا عدالتی فیصلہ

کرنے والے جج یا کسی قوم یا قبیلہ کے سردار۔

بعض احکام ایسے ہوتے ہیں جن کی کتاب وسنت کی رو سے کوئی پابندی نہیں ہوتی ایسے احکام عام طور پر حکومت ملک کے نظم ونسق چلانے اور عوام کی بہتری کے لئے وضع کرتی ہے مثلاً پولیس کا انتظام ریلوے اور متعدد دوسرے محکمہ جات کے قوانین وضوابط کا احترام نہ کیا جائے تو سارے ملک میں بے نظمی پھیل جائے گی۔ لہٰذا حضور ﷺ کے پرحکمت ارشاد کی رو سے انتظامی امور میں حکام کی اطاعت واجب ہے اور یہ اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت متصوّر ہوگی۔

حضرت ابوبکرؓ کا پہلا خطبہ خلافت اسلام کی رُوح کا عکاس ہے اُنہوں نے منجملہ دوسری عمدہ باتوں کے (جن کے بیان کا یہاں محل نہیں) بیان کیا۔ ''جب تک میں خُدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو۔ اور جب میں خُدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم بھی میری اطاعت سے آزاد ہو۔''

اطاعت اولی الامر کا دلکش نمونہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے پیش کیا۔ جب عین جنگ میں انہیں پروانہ معزولی موصول ہوا تو ایک ثانیہ کے لئے بھی انہیں اتنی غیر معمولی مقبولیت کے باوجود علم بغاوت کھڑا کرنے کا خیال نہیں آیا اور حکومت کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ دوسری مثال محمد بن قاسم کی معزولی ہے اس کے برعکس اس زمانہ کی مثال جنرل میک ارتھر کی ہے جنہیں ٹرومین نے کوریا میں لڑنے والی افواج کی سالاری سے معزول کر دیا تو وہ سخت ناراض ہوا اور ٹرومین کی صدارت کے درپے ہو گیا۔

لوگوں کی دلوں میں یہ اطاعت اولی الامر کا موجزن جذبہ ہی تھا کہ جس نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں مدینہ منورہ کی اندھیری رات میں دودھ بیچنے والی لڑکی نے دودھ میں پانی نہ ملایا جس معاشرے میں اطاعت اولی الامر پر حکم الٰہی حاوی نہ ہو وہاں اخلاق کا ضابطہ اتنی دیر تک ہی قائم رہتا ہے، جتنی دیر نظم ونسق ہو اور قانون کی گرفت سخت ہو۔ زیادہ عرصہ کے بات نہیں امریکہ کے سب سے بڑے شہر نیویارک میں برقی نظام فیل ہو جانے کی وجہ

سے ایک اندھیری رات میں ہزاروں گھروں دکانوں میں چوری ہوئی اور درجنوں لڑکیوں کی آبروں ریزی کی گئی اور کوئی جرم ایسا نہ تھا سرزد نہ کیا گیا ہو۔ (۱۳/۱۴ مئی ۱۹۷۷ء کی درمیانی شب کا واقعہ ہے۔) اسلامی معاشرہ میں یہ سب کچھ مسلمان اس لئے نہیں کرے گا کہ ملک کے قوانین کا احترام اللہ کے حکم اطاعتِ اولی الامر کے تحت فرض ہے اور فرض کی ادائیگی میں اندھیرا اجالا مزاحم نہیں ہوتے۔

اطاعت کب ضروری نہیں؟ اس سوال کا مفصل جواب نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے ملتا ہے۔ کلیہ یہ ہے: **لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق .**

(بحوالہ مسلم۔ کتاب الامارت ج ۲، ایضا)

''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کے لئے کوئی اطاعت نہیں۔''

یعنی حاکم کا جو حکم اللہ تعالیٰ کے حکم سے متصادم ہو اسکی پابندی نہیں کرنی چاہیے ان احکام کا ماننا ضروری ہے جو اللہ اور رسول کے ارشادات کے منافی نہ ہوں اس ضمن میں دوسری حدیث: **لا طاعة فی معصیة انما الطاعة فی المعروف. (ایضا)**

''خدا اور رسول کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں اطاعت معروف میں ہے۔''

سربراہِ حکومت فاسق وفاجر ہو۔ بددیانت ہو اور ظالم ہو تو ایسے حکمران کے خلاف کلمۂ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے ایسے حاکم کا احتساب ہونا چاہیے خواہ اسکی پاداش میں جان ومال کا نقصان ہو۔ حضرت اُبوعُبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کے لوگوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ تمام شہیدوں میں کون افضل ہے؟ فرمایا وہ جو بادشاہ سے احتساب کرے اور اس میں مارا جائے۔ (بحوالہ مسند بزار۔ مستدرک حاکم۔ احیاء العلوم ج ۲)

حضور ﷺ کے ارشاد ''**لا طاعة فی معصیة**'' کی بہترین تفسیر سیّد الشہداء امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے خون سے کی تھی۔

تعظیم

جس ذات کی اطاعت فرض یا واجب ہو تو ظاہر ہے اس ذات کی تعظیم بھی لازم ہوگی۔ اللہ اور اس کے رسول کے تیسرے درجہ پر اللہ تعالیٰ نے صاحب امر لوگوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔لہٰذا تعظیم کا اصولِ ''حفظ مراتب'' بھی اسی طرح قائم کرنا ہوگا۔کوئی بھی خطہ یا مُلک ہو وہاں اگر قانون کا احترام ہوگا تو نافذ کرنے والا ادارہ بھی محترم ہوگا۔یہ درست ہے کہ ہمارے ملک میں قوانین، اور حکومت کے ادارے کے قواعد کا احترام اس لئے بھی نہیں ہے کہ قوانین وقواعد بنانے اور نافذ کرنے والے لائق احترام نہیں مگر پھر بھی عوام کی ذمہ داری قائم رہتی ہے۔زیاد بن کسیب عدویؒ تابعی سے روایت ہے کہ وہ ابو بکرہؓ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ اس وقت باریک کپڑا پہنے خطبہ دے رہے تھے تو اس کو دیکھ کر ابو بلال نے کہا کہ ذرا ہمارے امیر کو دیکھو تو کیسا لباس پہنے ہوئے ہے جیسا فاسق لوگوں کا ہوتا ہے اس پر ابو بکرہؓ نے فوراً ٹوکا اور کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو خُود فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ ''جس نے خدا کے مقرر کردہ حاکم کی بے عزتی کی اللہ تعالیٰ اُس کی بے عزتی کرے گا۔'' (بحوالہ مشکوٰۃ۔ترمذی)

مطلب یہ ہوا کہ مسلمان حاکم کی معمولی لغزشوں پر اُسے بے عزت نہیں کرنا چاہیے۔

تحریص مال اور بری سفارش سے اجتناب: اچھی حکومت کا مطلب باکردار سرکاری ملازمین ہیں۔سرکاری ملازمین کے بگاڑنے یا سنوارنے میں اعلیٰ حکام کے علاوہ عوام کا بہت دخل ہے۔رشوت بُری چیز ہے عوام متعدی امراض کی طرح اس سے بچتے کیوں نہیں۔وہ سرکاری ملازمین کے ضمیروں کے گاہک بن کر کیوں جاتے ہیں۔اپنے مطالبات اور خواہشات کی بنیاد حق پر کیوں نہیں قائم کرتے اور انہیں سیم وزر کے ذریعہ کیوں پورا کرنا چاہتے ہیں۔رشوت نہ دے کر تھوڑا سا نقصان کیوں نہیں برداشت کرتے جب کیا ان کی عبادت کا فلسفہ ضبط نفس اور قربانی پر مبنی ہے۔نماز کا مقصد فحاشی اور برائی روکنا

ہے روزے کا مقصد ضبط نفس و خواہشات ہے۔ زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کا مقصد مالی قربانی ہے۔ جہاد جسمانی قربانی کا تقاضا کرتا ہے یہ سب خاصیتیں مل جائیں تو اسلام معرض وجود میں آتا ہے اور ایک آدمی مسلمان کے رتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ ایک واضح حدیث نبوی ہے:

لعن رسول اللّٰہ الراشی والمرتشی۔ (بحوالہ ترمذی کتاب الاحکام)

رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔

تحائف بھی رشوت کی قسم ہے۔ اس موضوع پر قدرے تفصیل سے بحث ''کسب حلال'' کے باب میں ہو چکی ہے۔ اب میں سفارش کے متعلق عرض کروں گا۔ اس ضمن میں اللہ باری تعالیٰ کا حکم یہ ہے:

من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منھا. و من یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منھا و کان اللّٰہ علی کل شی مقیتا. (سورۃ النسا:۸۵)

''جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائیگا اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔''

جائز سفارش کی شرط اول یہ ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ نارسائی خود حکام تک نہ پہنچا سکے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **الدال علی الخیر کفاعلہ** (مسند بزار، طبرانی)

جو شخص کسی نیکی پر کسی کو آمادہ کر دے تو اس کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا نیک کام کرنے والے کو۔''

ایک حدیث یوں بھی ہے: کہ ''اللہ تعالیٰ اسوقت تک بندہ کی امداد میں لگا رہتا ہے۔ جب تک وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی امداد میں لگا رہتا ہے۔''

(بحوالہ مسلم کتاب الذکر، ابوداود کتاب الادب، ترمذی کتاب الحدود)

قرآن حکیم اور احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بے کس مسلمان کی جائز معاملہ میں امداد کرنا باعث ثواب ہے مثلاً کسی شخص کو ملازمت دلوانا۔ پولیس نے بے وجہ پکڑا ہو تو

حقائق بتانا۔ کوئی حاکم یا ادارہ کسی کو جانی مالی نقصان پہنچائے تو اس کی امداد کرنا یہ سب امور جائز ہیں اور باعث ثواب ہیں۔ اور اس ثواب میں امداد کرنے والا اور وہ حاکم جو سفارش کے بعد ظلم کرنے سے باز آجائے دونوں شریک ہیں۔ سفارش دودھاری تلوار کی طرح ہے اسے ناجائز کام میں استعمال کرنا عذاب کو دعوت دینا ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے: کہ ''جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں ایک کلمہ سے بھی مدد کی تو وہ قیامت میں حق تعالیٰ کی پیشی میں اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی پیشانی پر یہ لکھا ہوگا کہ یہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔'' (بحوالہ ابن ماجہ کتاب الدیات)

اس حدیث کی رو سے بدی اور گناہ پر کسی کو آمادہ کرنا یا سہارا دینا بھی شریکِ جرم ہونا ہے اور اصل مجرم کے برابر گناہ گار ہوتا ہے۔ حدود (شرعی سزا) اور معاملہ میں حق کا تعین ہوتا ہے اس میں خلاف حق سفارش کرنا گناہ ہے۔

اور گناہ ہے یہاں کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ منصف کو سفارش کرے اسے چاہیے کہ وہ فریق کو مظلوم سمجھتا ہے تو اس کے حق میں سچی شہادت دے یا جو گواہ ہیں انہیں سچی شہادت دینے کے لئے آمادہ کرے یا مظلوم کی مالی اعانت کرے سزا کے نفاذ میں حضور ﷺ نے سفارش کی مذمت کی تھی۔

قریش کے معزز قبیلہ بنومخزوم کی عورت پر جب چوری کا الزام ثابت ہوگیا تو لوگوں کے کہنے سننے پر حضور ﷺ کے محبوب ملازم حضرت اسامہؓ بن زید نے سفارش کی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔ ''پہلی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ ان کے بڑے جُرم کرتے تھے تو چھوڑ دیئے جاتے تھے اور غرباء پر حد جاری کرتے تھے خدا کی قسم میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی اسے یہی سزا ملتی۔'' (بحوالہ بخاری کتاب الحدود، ج۲)

خلاصہ بحث یہ ہوا کہ عوام کو اجتناب کرنا چاہیے کہ وہ سرکاری ملازمین کو سیم وزر کی جھلک دکھا کر انہیں راستے سے بھٹکائیں یا اپنے احباب واقرباء کے مفاد کے لئے ناجائز کاموں میں سفارش کریں۔''

عام انسانوں کے حقوق

ایک انسان کے دوسرے انسان پر انسانی برادری کی حیثیت سے بھی کچھ فرائض ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے۔ تبلیغ یعنی غیر مسلم انسانوں کو اسلام کی دعوت کا جو حکم ہے اس کے دوسرے اسباب کے علاوہ ایک سبب یہ بھی ہے کہ جس چیز کو ایک مسلمان سچائی سمجھتا ہے اس کا انسانی فرض ہے کہ وہ اس سے دوسرے انسانوں کو آگاہ اور باخبر کرے اور یہ انسانی خیر خواہی کا لازمی نتیجہ ہے۔

قرآن پاک نے تورات کے بعض احکام کو دہرایا ہے، جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ **وقولوا للناس حسنا.** (بقرہ:۸۳) ترجمہ: اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔

لوگوں سے اچھی بات کہنا اور اچھائی سے پیش آنا انسانیت کا فرض ہے، جس میں کسی دین و مذہب کی تخصیص نہیں، دین و مذہب اور نسل و قومیت کا اختلاف اس منصفانہ برتاؤ سے باز نہ رکھے اسی لئے ارشاد ہوا: **ولا یجرمنکم شنأن قوم علٰی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی.** (سورۃ مائدہ:۸)

ترجمہ: اور کسی قوم کی عداوت تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل اور انصاف نہ کرو، عدل اور انصاف (ہر حال میں) کرو کہ یہ بات تقوای کے قریب ہے۔

ہر قسم کا برا سلوک اور بے رحمانہ برتاؤ جو ایک انسان دوسرے انسان، اور ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ کرتی ہے اس کا اصل سبب یہی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے حق میں عدل سے کام نہیں لیتا بلکہ اس پر ظلم اور بے انصافی کے لئے آمادہ رہتا ہے۔ یہ آیت پاک انسان کے اسی مادہ فاسد کے سرچشمہ کو بند کرتی ہے۔ ابو ہریرہؓ اور انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو اور مل کر اللہ تعالٰی کے

بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ (بحوالہ بخاری-۲)

بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں "ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، نہ ایک دوسرے پر حسد کرو، اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو، اور اے خدا کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ (بحوالہ بخاری)

اس حدیث پاک میں انسانی برادری کا وہ نقشہ کھینچا گیا ہے جس پر سچائی سے عمل کیا جائے تو یہ شر اور فساد سے بھری ہوئی دنیا دفعۃً جنت بن جائے۔ فرمایا "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔" (بحوالہ بخاری)۔ جو بندوں پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا رحم نہیں کرتا، یا یہ کہ جو دوسرے پر رحم نہیں کرتا، دوسرا بھی اس پر رحم نہیں کریگا۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔ یہ حدیث رحمۃ للعالمین ﷺ کی تعلیم کی شانِ رحمت کو کتنی عمومیت کے ساتھ ظاہر کرتی ہے۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہوا کہ جو مسلمان کوئی درخت لگائے گا اس سے جو انسان یا پرندہ بھی کچھ کھائے گا اس کا ثواب اس لگانے والے کو ملے گا۔ (بحوالہ بخاری) اس فیض کے عموم میں انسانیت کی قید بھی نہیں ہے ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک شخص کا قصہ بیان کیا جس نے ایک جانور کے ساتھ نیک سلوک کیا تھا کہ اسکو اس کے اس کام پر ثواب ملا۔ صحابہؓ نے پوچھا اے خدا کے رسول (ﷺ)! کیا جانوروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں بھی ثواب ہے؟ فرمایا: ہر تر جگر کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں ثواب ہے۔

(بحوالہ بخاری شریف)

اس ثواب کے دائرہ میں ہر وہ ہستی شریک ہے جو زندگی سے بہرہ ور ہے۔ جامع ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابوذرؓ سے ارشاد فرمایا "جہاں بھی ہو خدا کا خیال رکھو، برائی کے پیچھے بھلائی کرو تو اس کو مٹا دو گے، اور لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آؤ۔" (باب ماجاء فی معاشرۃ الناس) ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے پانچ باتیں گنائیں جن میں ایک یہ تھی کہ تم لوگوں (ناس) کے لئے وہی چاہو جو تم اپنے لئے

چاہتے ہو، تو مسلمان بن جاؤ گے۔ (ناس) کا لفظ عام ہے جس میں تمام انسان داخل ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جب تک سارے انسانوں کی بھلائی کا جذبہ دل میں نہ ہو انسان پورا مسلمان نہیں بنتا۔

کیونکہ دوسروں کے لئے وہی چاہنا جو اپنے لئے چاہو اخلاق کی وہ تعلیم ہے جو انسانی برادری کے ہر قسم کے حقوق کے بنیاد ہے۔ایک اور حدیث میں یہ تعلیم ان لفظوں میں ہے کہ ''تم اپنے بھائی کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔'' بھائی کے لفظ سے مسلمان بھی مراد ہوسکتا ہے اور ایک عام انسان بھی۔تورات اور انجیل کے اندر یہی تعلیم ان لفظوں میں ہے کہ ''تم اپنے پڑوسی کو ایسا چاہو جیسا کہ تم اپنے آپ کو چاہتے ہو۔'' اس پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے کہ صحابۂ کرامؓ نے اس تعلیم کی پیروی میں یہودی اور عیسائی پڑوسیوں کا حق بھی مسلمان پڑوسیوں ہی کی طرح مانا ہے۔

صدقہ وخیرات کے باب میں گو فقراء اور مساکین میں مسلمانوں کی ترجیح ایک قدرتی بات ہے، تاہم حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں نامسلمان ذمی مسکینوں کے حق کو بھی تسلیم کیا۔قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک بڈھا جو اندھا بھی تھا ایک دروازہ پر کھڑا بھیک مانگ رہا ہے، حضرت عمرؓ نے پیچھے سے اس کے بازو پر ہاتھ مارا اور پوچھا کہ تم کو بھیک مانگنے کی ضرورت کیا پڑی، اس نے کہا جزیہ ادا کرنے، اپنی ضرورت پوری کرنے اور اپنی اس عمر کے سبب سے بھیک مانگتا ہوں، حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لائے اور اپنے گھر سے اس کو کچھ دیا، پھر اس کو بیت المال کے خزانچی کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ اس کو اور اس جیسے لوگوں کو دیکھو، خدا کی قسم ہم انصاف نہیں کریں گے۔اگر ہم اس کی جوانی کی کمائی تو کھائیں اور اس کے بوڑھے ہونے پر اس کی مدد چھوڑ دیں۔قرآن میں صدقہ کی اجازت فقراء اور مساکین کے لئے ہے، فقراء تو وہی ہیں جو مسلمان ہیں اور یہ لوگ مساکین اہلِ کتاب میں ہیں، ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

اسلام کا یہ عام فیصلہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے عام صدقے غیر مسلموں کو دیئے جاسکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا۔ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو ۳۰ ہزار کی مالیت کا صدقہ دیا۔ امام مجاہد نے مشترک رشتہ دار کا قرض معاف کرنے کو ثواب کا کام بتایا۔ ابن جریج محدث کہتے ہیں کہ قرآن نے ''اسیر'' کے کھلانے کو ثواب بتایا ہے، اور ظاہر ہے کہ صحابہؓ کے قبضہ میں مشرک ہی قید ہو کر آتے تھے۔ ابو میسرہؓ اور عمر بن شرجیل صدقۂ فطر سے عیسائی راہبوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے مشرک بھائی کو تحفہ بھیجا، اور خود حضور ﷺ نے بعضوں کو اُن کے مشرک والدین کے ساتھ صلہ رحمی کی اجازت دی۔ تفسیر کی روایتوں میں ہے کہ صحابہؓ جب مذہبی اختلاف کی بنا پر غریب مشرکوں کی مدد سے کنارہ کرنے لگے تو یہ آیت اتری: **لیس علیک ھدٰھم ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء وماتنفقوا من خیرٍ فلأنفسکم.**

ترجمہ: ان کو راہ پر لے آنا تیرے اختیار کی بات نہیں، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہ پر لے آتا ہے اور جو بھلائی خرچ کرو وہ تمہارے ہی لئے ہے۔ یعنی تم کو تمہاری نیکی کا ثواب بہرحال ملے گا۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک پورا مؤمن نہیں ہوگا، جب تک وہ اور لوگوں کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور جب تک وہ آدمی کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے پیار نہ کرے۔'' اس حدیث میں محبتِ انسانی کی وسعت ساری انسانی برادری تک وسیع کر دی گئی ہے۔

جانوروں کے حقوق

اسلام دنیا میں لطف و محبت کا جو پیغام لے کر آیا تھا، اس کا سلسلہ حیوانات تک وسیع تھا، اس نے حیوانات کے ساتھ متعدد طریقوں سے سلوک کرنے کی ہدایت کی۔ اہل عرب وحشت اور قساوت کی وجہ سے حیوانات پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے، وہ جانوروں کو اندھا دھند مار کر گرا دیتے تھے، اور لوگوں سے کہتے تھے کہ تم ان کو کھا جاؤ، اور اس کو فیاضی سمجھتے تھے۔ دو آدمی شرط باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور باری باری سے اپنا اپنا ایک اونٹ ذبح کرتا چلا جاتا تھا جو رک جاتا وہ ہار جاتا، یہ سب جانور دوست واحباب کی دعوت میں نذر ہو جاتے تھے، یہ بھی فیاضی سمجھی جاتی تھی۔ ان واقعات کا ذکر اشعارِ عرب میں موجود ہے۔ ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی سواری کے جانور کو اس کی قبر پر باندھتے تھے اور اس کو دانہ گھاس اور پانی نہیں دیتے تھے، اور اسی حالت میں وہ سوکھ کر مر جاتا ایسے جانور کو بلیہ کہتے تھے۔ اسلام آیا تو اس نے اس سنگدلی کو مٹا دیا۔ عرب میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جانور کو کسی چیز سے باندھ کر اس پر نشانہ لگاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس قسم کے جانوروں کے گوشت کو ناجائز قرار دیا کہ کسی ذی روح چیز کو اس طرح نشانہ بنایا جائے۔ ایک بار ایک لڑکا اسی طرح ایک مرغی کو باندھ کر تیر کا نشانہ بنا رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مرغی کو کھول دیا، اور مرغی کے ساتھ اس لڑکے کو لے کر اس کے خاندان میں آئے اور کہا کہ اپنے لڑکے کو اس سے منع کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ سے جانور یا اور کسی جاندار کو نشانہ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اسی طرح کچھ اور لوگ مرغی کو باندھ کر نشانہ بنا رہے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا گذر ہوا تو وہ لوگ بھاگ گئے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ ایسا کس نے کیا ہے؟ جو لوگ ایسا کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ملعون قرار دیا ہے۔ اس سے وہ بھی زیادہ

بے رحمانہ طریقہ یہ تھا کہ زندہ اونٹ کے کوہان اور دنبہ کے دم کی چکی کاٹ کر کھاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں آ کر یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اس طریقہ سے زندہ جانوروں کا جو گوشت کاٹ کر کھایا جاتا ہے وہ مردار ہے۔ یہ ایک خاص صورت تھی لیکن عموماً زندہ جانوروں کے مثلہ کرنے یعنی ان کے کسی عضو کے کاٹنے کی ممانعت فرمائی اور ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی۔

بلاضرورت کسی جانور کے قتل کرنے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ کسی نے اگر کنجشک یا اس سے بھی کسی چھوٹے جانور کو اس کے حق کے بغیر ذبح کیا تو خدا اس کے متعلق اس سے باز پرس کرے گا۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ اس کو ذبح کرے اور کھائے، یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کے پھینک دے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا نہیں جاتا، اور وہ درندہ بھی نہیں ان کا مارنا جائز نہیں۔ سنن نسائی میں ہے کہ جو شخص کنجشک کو بلاضرورت مارے گا وہ قیامت کے دن خدا کے یہاں فریاد کرے گی کہ فلاں نے مجھ کو بلاضرورت مارا ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جو جانور کوئی نقصان نہیں پہنچاتے یا ان سے انسانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے، ان کا مارنا بھی جائز نہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے خاص طور پر چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد کے مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

جو جانور ضرورۃً مارے یا ذبح کئے جاتے ہیں ان کے مارنے یا ذبح کرنے میں بھی ہر طرح کی نرمی کرنے کا حکم دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے، اس لئے جب تم لوگ کسی جانور کو مارو تو اچھے طریقے سے مارو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ تم میں ہر شخص اپنی چھری کو تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں بکری کو ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے، یا یہ کہ مجھے اس پر رحم آتا ہے کہ بکری کو ذبح کروں فرمایا کہ اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو خدا تم پر رحم

کرے گا، یہی وجہ ہے کہ دانت سے کاٹ کر یا ناخن سے خراش دے کر جانوروں کے ذبح کرنے کی ممانعت فرمائی کیونکہ اس سے جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ کنکر، پتھر یا غلیل چلانے کی بھی ممانعت فرمائی۔ اور فرمایا کہ اس سے نہ شکار ہوسکتا ہے نہ دشمن شکست کھا سکتا ہے، البتہ اس سے دانت ٹوٹ سکتا ہے، اور آنکھ پھوٹ سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ بلاضرورت جانوروں اور پرندوں کو جسمانی صدمہ پہنچانا جائز نہیں، جانوروں کے ساتھ جو بے رحمیاں کی جاتی ہیں ان کا اصل سبب یہ تھا کہ اہلِ عرب کو یہ معلوم نہ تھا کہ جانوروں کو دکھ درد پہنچانا گناہ کا کام ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اہلِ عرب کو بتایا کہ جس طرح انسانوں کی ایذا رسانی ایک شرعی جرم ہے اسی طرح جانوروں کی ایذا رسانی بھی ایک مذہبی گناہ ہے۔

چنانچہ ایک عورت کی نسبت آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر صرف اس لئے عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا اور آخر وہ اسی طرح بندھی مرگئی۔ بلکہ انسانوں کی بہ نسبت جانوروں کو زیادہ ستاتے ہیں اس لئے وہ اس معاملہ میں بہت زیادہ گنہگار ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ جانوروں کے ساتھ جو بدسلوکیاں کرتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردے تو سمجھو کہ اس نے تمہارے بہ کثرت گناہ معاف کردیئے، ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ کسی سفر کے پڑاؤ میں تھے، آپ ﷺ ضرورت سے کہیں تشریف لے گئے تھے جب واپس آئے تو دیکھا کہ ایک صاحب نے اپنا چولہا ایسی جگہ جلایا ہے جہاں زمین میں یا درخت پر چیونٹیوں کا سوراخ تھا، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ ان صاحب نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ میں نے کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا بجھاؤ بجھاؤ۔ (غرض یہ تھی کہ ان چیونٹیوں کو تکلیف نہ ہو، یا جل نہ جائیں)۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک پیغمبر کسی درخت کے نیچے اترے تو ان کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا، انہوں نے پہلے اپنا سامان اس جگہ سے ہٹایا پھر تمام چیونٹیوں کو آگ میں جلا دیا، اس پر خدا نے ان کو وحی کے ذریعے سے متنبہ کیا کہ صرف ایک ہی چیونٹی کو

کیوں نہیں جلایا، یعنی قصاص کی مستحق صرف وہی چیونٹی تھی جس نے کاٹا تھا، تمام چیونٹیوں کا قصور نہ تھا۔ایک حدیث میں ہے کہ ایک سفر جہاد میں صحابہء کرامؓ ایک چڑیا کے دو بچے پکڑ لائے چڑیا فرطِ محبت سے ان کے گرد منڈلانے لگی، رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے گئے ہوئے تھے، واپس آکر یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اس کے بچوں کو پکڑ کر کس نے اس کو بے قرار کیا ہے؟ اس کے بچوں کو چھوڑ دو۔ صحابہء کرامؓ نے چیونٹیوں کے ایک گھر کو بھی جلا دیا تھا، دریافت کرنے پر جب معلوم ہوا کہ یہ خود صحابہؓ کا فعل تھا، تو فرمایا کہ آگ کی سزا دینا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہے۔

اسی طرح اہلِ عرب کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس طرح انسانوں کے ساتھ سلوک کرنا ثواب کا کام ہے، بعینہٖ اسی طرح جانوروں اور پرندوں کے ساتھ سلوک کرنا بھی موجب ثواب ہے، اسی عدم واقفیت کی بنا پر ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے خاص اپنے اونٹوں کے لئے پانی کے جو حوض بنائے ہیں ان پر بھولے بھٹکے اونٹ بھی آجاتے ہیں، اگر میں ان کو پانی پلادوں تو کیا مجھ کو اس پر ثواب ملے گا؟ فرمایا کہ ہر پیاسے یا ہر ذی حیات کے ساتھ سلوک کرنے پر ثواب ملتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص راستہ میں جا رہا تھا کہ اس کو سخت پیاس لگ گئی، اتفاق سے اس کو ایک کنواں مل گیا اور اس نے کنوئیں میں اتر کر پانی پی لیا، کنوئیں سے نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے زبان نکال رہا ہے، اور کیچڑ چاٹ رہا ہے، اس نے اپنی پیاس کی شدت کو یاد کر کے اس پر ترس کھایا اور کنوئیں میں اتر کر پانی لایا اور اس کو پلایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا یہ عمل مقبول ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ صحابۂ کرامؓ نے اس واقعہ کو سنا تو بولے کہ یارسول اللہ ﷺ کیا جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے؟ فرمایا کہ ہر ذی حیات کے ساتھ سلوک کرنا موجب ثواب ہے۔
صرف جانداروں ہی تک نہیں بلکہ نباتات تک کی خدمت اور پرورش کو بھی اجر کا موجب بتایا اور فرمایا کہ جو مسلمان درخت نصب کرتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس کو چڑیا یا

انسان یا جانور کھاتا ہے تو یہ ایک صدقہ یعنی ثواب کا کام ہے۔ اس اصول کے بتانے کے بعد عملی طور پر جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے کے متعدد اصول بتائے۔

(۱) جو جانور جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس سے وہی کام لینا چاہیئے۔ چنانچہ فرمایا کہ ایک شخص ایک بیل پر سوار ہو کر جا رہا تھا بیل نے مڑ کر کہا کہ میں اس کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں، صرف کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے جانوروں کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا فرمانبردار صرف اس لئے بنایا ہے کہ وہ تم کو ایسے مقامات میں پہنچادیں جہاں تم بڑی مشقت سے پہنچ سکتے تھے۔ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا ہے، اپنی ضرورتیں اسی پر پوری کرو۔ اگر چہ رسول اللہ ﷺ نے بعض موقعوں پر اونٹ کی پشت پر بیٹھ کر خطبہ دیا ہے، اس لئے حدیث کا مطلب ہے کہ بلا ضرورت سواری کے جانوروں کی پیٹھ پر بیٹھے رہنا مناسب نہیں کہ اس سے جانور کو غیر ضروری تکلیف ہوتی ہے صرف سفر کی حالت میں اس پر سوار ہونا چاہیئے۔

(۲) جانوروں کے آرام و آسائش کا خیال رکھنا چاہیئے، چنانچہ فرمایا کہ جب تم لوگ سرسبزی اور شادابی کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین کی سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ، اور جب قحط کے زمانہ میں سفر کرو تو اس کو تیزی کے ساتھ چلاؤ تاکہ قحط کی وجہ سے اس کو گھاس یا چارے کی جو تکلیف راستے میں ہوتی ہے اس سے وہ جلد نجات پائے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ایک اونٹ دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا تھا، فرمایا ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو ان کو اچھی حالت میں رکھ کر سوار ہو اور ان کو کھاؤ تو ان کو اچھی حالت میں رکھ کر کھاؤ۔

ایک بار آپ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں رفع حاجت کے لئے گئے، اس میں ایک اونٹ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر بلبلایا اور آب دیدہ ہو گیا، آپ ﷺ اس کے پاس گئے اور اس کی کنپٹی پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا یہ کس کا اونٹ ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے کہا

کہ یارسول اللہ(ﷺ) یہ اونٹ میرا ہے، آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ اس جانور کے بارے میں جس کا خدا نے تم کو مالک بنایا ہے، خدا سے نہیں ڈرتے، اِس نے مجھ سے شکایت کی کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس پر جبر کرتے ہو۔

(۳) جانوروں کے منہ پر مارنے یا اس پر داغ دینے کی ممانعت فرمائی اور ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا۔

(۴) جانوروں کے باہم لڑانے سے بھی منع فرمایا کہ اس سے وہ بے فائدہ گھائل اور زخمی ہو کر تکلیف پاتے ہیں۔

اسلام پر ایک بار پوری طرح نظر ڈالئے، تا کہ معلوم ہو کہ اسلام کے سینہ میں جو دل ہے وہ کتنا نرم ہے اور کس طرح رحم وکرم سے بھرا ہوا ہے۔

❁❁❁❁❁❁